فہرست مضامین خلافت اندلس

مضامین	صفحہ
دیباچہ	۱ تا ۱۴
حصہ اول	
باب اول - اندلس کی ابتدائی حالت - مختلف اقوام - ان کا عروج اور تنزل - عربوں کی آمد	۱
باب دوم - عیسائیوں کا موسیٰ ابن نصیر کے پاس آنا - اندلس کی فتح کا قصد - طارق کا اندلس میں داخل ہونا - تدمیر کے ساتھ جنگ - جنگ جزیرۃ الخضرا - جنگ وادی لکہ یلیان - عربوں کی فتوحات	۵
باب سوم - موسیٰ ابن نصیر کا اندلس میں داخل ہونا - اس کی فتوحات - طارق سے ملاقات - طارق کی معزولی - طارق کا بحال ہونا - عربوں کا فرانس میں داخل ہونا - عبدالعزیز کی فتوحات - خلیفہ کا حکم موسیٰ کے نام - موسیٰ کا شام واپس ہونا - خلیفہ سلیمان کی تخت نشینی - موسیٰ کا انتقال - عبدالعزیز کا قتل - خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز - ایوب اور الحر اور السمح کا یکے بعد دیگرے والی مقرر ہونا - عنبسہ کا والی مقرر ہونا - امیر عذرہ وغیرہ	۱۷
باب چہارم - قوم بربر کا افریقہ اور اندلس میں بغاوت کرنا - عبدالملک بن قطن کا بربر اندلس سے شکست کھانا - جنگ امراء - ابن سلامہ - یوسف الفہری کا انتظام - خلیفہ مروان بن محمد بن مروان سے عباسیوں کی بغاوت -	۴۱
باب پنجم - بنی عباس کی کامیابی - سلطنت امیہ کا خاتمہ - مروان کے انتقال کے بعد عبدالرحمٰن بن معاویہ کا فرار ہونا - اس کا تعاقب کیا جانا - اسکا مغرب الاقصیٰ	

مضامین	صفحہ
میں داخل ہونا - بدر کو اندلس روانہ کرنا - اس کے طرفداروں کی کامیابی - عبدالرحمٰن کا اندلس روانہ ہونا - امیر یوسف کی تیاری - عبدالرحمٰن کا جانب قرطبہ جانا - جنگ مصارۃ - اس کی کامیابی - امیر یوسف کا تعاقب اور گرفتاری -	۵۰

حصۂ دوم

مضامین	صفحہ

حصۂ سوم

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

حصہ چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تاریخ ایک دلچسپ فن ہے تجربہ خیز و نصیحت آموز۔ اہل یونان قدیم نے منجملہ دیگر علوم و فنون کے اِس علم کے مبادی کو بھی مدون کیا اور ایک یہی قوم قدیم تھی کہ جس نے اس علم کو مروج کیا تھا۔ دوسری قدیم قوموں مثل اہلِ ایران، اہل ہنود بلکہ ان سے بھی بہت پہلے مثل قوم فینقیہ اور قبط۔ مصر وغیرہم میں اس علم کا رواج نہیں پایا جاتا۔ یونانیوں سے یہ علم رومتہ الکبری والوں نے اخذ کیا اور کچھ ترقی بھی اس علم میں کی۔

بنی اسرائیل میں یہ علم دوسری طرز پر جاری ہوا جو اب بشکل صحائف انبیا عہد قدیم میں مندرج ہے۔ اُن صحائف کو یہود و نصاریٰ اب کلامِ خدا کہتے ہیں۔ مگر طرز عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صحائف مختلف آدمیوں نے بطور تاریخ برائے بصیرت خلف تحریر کیے تھے جن کو پس آیندگان نے بغیر تحقیق و دریافت مُنزلُ مِنَ اللہ قرار دیدیا۔ ان صحائف کی اِس درجہ قدر کی گئی کہ اصل کلام خدا گم ہو گیا۔ پس یہ صحائف جو کلام انسان ہیں فی الحقیقت قومی تاریخیں ہیں جو مختلف زبانوں میں

مختلف مورخین نے لکھی ہیں جن کے نام اب مفقود ہیں۔ اسی وجہ سے جس نبی کا حال جس صحیفہ میں مذکور ہے خلف نے اُس ہی نبی کو مصنف اُس صحیفے کا گمان اور اس کے کلام کو مُنزل من اللہ یقین کر لیا۔ مثلاً کتاب التوراۃ و کتاب التثنیہ وغیرہما صحائف جو حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب اور منزل من اللہ سمجھے جاتے ہیں اصل میں کسی عبری مورخ کی تصنیف ہے جو حضرت موسیٰ کے انتقال کے بعد بطور یادگار لکھی گئی تھی۔ یہ مورخ حضرت موسیٰؑ کا ذکر بصیغۂ غائب ہی نہیں لکھتا بلکہ اُن علیہ السلام کے تفصیلی حالات بھی بیان کرتا ہے۔ مثلاً موسیٰؑ نے خدا سے کلام کیا۔ خدا نے موسیٰؑ سے چارچشم ہوکر کلام کیا۔ موسیٰؑ بندہ خدا نے وفات پائی۔ مثل موسیٰؑ کے کوئی دوسرا نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔ علاوہ اس کے موسیٰؑ کی وفات کے حالات اور تجہیز و تکفین اور عبریوں کے ایک ماہ کے ماتم کی کیفیت اس میں مندرج ہے اور اُن کے مدفن کی نسبت یہ تحریر ہے کہ آج تک اس کا علم کسی کو نہیں ہے کیا یہ سب باتیں حضرت موسیٰؑ اپنی نسبت آپ لکھ گئے تھے یا بعدِ موت قبر میں سے لکھکر بھیجدی تھیں۔ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں صحائفِ عہدِ عتیق و قدیم میں صرف اُس قدر کلامِ خدا باقی رہ گیا ہے جو اِن مورخین نے اپنی تصانیف میں بطور اسناد مختلف مقامات پر درج کر دیا ہے۔

الغرض عبریوں یونانیوں اور رومیوں کے بعد علم تاریخ کو عربوں نے مروج کیا اور اُس کو بہت کچھ ترقی بھی دی اور عربوں کی پیروی میں دیگر عجمی اقوام مثل اہل ایران و ترکستان و ہندوستان نے جو مشرف بدین اسلام ہوئے اس علم کو اپنی اپنی زبانوں میں جاری کیا مگر محض پیرو مصنفین عرب رہے اور کسی قسم کی ترقی اس فن میں نہیں کر سکے اس واسطے کہ مسلمانوں میں علمائے متاخرین نے اپنا دل و دماغ اور کامل وقت دینیات کی تعلیم میں صرف کیا اور حدیث و فقہ و تفسیر وغیرہ علوم میں اس قدر جدوجہد کی کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں ان علوم میں لکھ دالیں۔

اور بحرِ تصوّف میں ایسے مستغرق ہوئے کہ اور علوم جو معاشرت اور تمدّن میں معین ومُمد ہیں نظر انداز کر دیے۔

عربوں کے بعد اس علم کا شوق یورپ میں پیدا ہوا اور اہلِ یورپ نے یونانیوں اور رومیوں کی قدیم اور عربوں کی جدید تصانیف سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ حال کی دو صدیوں میں جہاں دیگر علوم کو ترقی دی گئی علم تاریخ کے بھی اصول قایم کیے گئے اور عمدہ تصانیف جرح وقدح اور تحقیق وتدقیق کے بعد یورپ میں شایع کی گئیں۔

واضح باد کہ قوم اور قومیت کی پاسداری اور وطن کی محبت کسی قوم میں بغیر اس علم کے مستحکم نہیں ہو سکتی۔ قدیم اقوام میں جن میں یہ علم مروج نہ تھا دوسرے طریقے صفات متذکرۂ بالا کے قایم رکھنے کے واسطے جاری تھے۔ ہندوستان میں بالخصوص قوم راجپوت میں ہر خاندان کے بھاٹ اُس کے گزشتہ بزرگوں کی جرأت اور حمیت کی یادگاریں گیت بنا کر شادی بیاہ وغیرہ مواقع پر گایا کرتے تھے۔ تاکہ بزرگوں کے صفات حمیدہ سن کر خوردوں کو بھی جوشِ حمیت پیدا ہو اِس ہی طرح اور اقوام قدیمہ میں بھی اس قسم کے ذرایع چھوٹوں کو بڑوں کی اور خلف کو سلف کی پیروی کی تحریص وترغیب کے واسطے جاری تھے کہ گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں بچوں کے سامنے اُن کے دادا پردادا کی کارگزاریاں بطور قصص وحکایات بیان کیا کرتی تھیں۔ یہ ابتدا اس علم کی تھی جو آج اکمل علوم میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس ابتدائی حالت سے اس علم نے نظم کی شکل میں ترقی کی اور ہر قوم کے شعرا نے مثنوی اور قصائد اور ڈراما کی اقسامِ نظم میں اپنی طبع آزمائیاں کر کے خلف میں اوصاف سلف کی پیروی اور حبِ وطن اور قومی جوش پیدا کرنا شروع کیا۔ یونانیوں نے شاید سب سے پہلے اس درجہ سے آگے قدم بڑھایا اور حالاتِ قدیمہ کو نثر کے ہار میں گوندھنا شروع کیا اور پھر اس سے زیادہ اس ہی قوم نے یہ ترقی کی کہ معاصر حالات کو بھی قلم بند اور اپنے وقت کے مشاہیر اور گذشتہ

نامور لوگوں کے ترجمے اور تذکرے بھی تصنیف اور تالیف کرنے لگے۔ اس کے بعد رومیوں نے تصانیف کثیرہ اس فن میں نظم ونثر میں لکھیں اور باہمی اُخوت اور مودت اور حب الوطن یعنے حمیت۔ قوم اور ملت کا جوش ایسا قایم کیا کہ دیگر اقوام عالم پر جو اس فن سے محروم تھیں چند سال حکومت کرتے رہے اور یہ ثابت کر دیا کہ عصبیتِ قوم وملت بنا ترقی و دولت وحکومت ہے چنانچہ اقوام موجودہ یورپ نے یہ واجب القدر مسئلہ اہل یونان وروم الکبریٰ کی تاریخوں سے اخذ کیا جس کی بدولت آج یہ لوگ تمام عالم پر حکومت کر رہے ہیں۔

تاریخ دراصل مجموعہ ہے اُن اولوالعزم اور صاحب کمال لوگوں کے واقعات اور سرگذشت کا جو ہمیشہ کے لیے اپنا نام نامی صفحۂ ہستی پر ثبت کر گئے ہیں۔ وہ لوگ جن پر اُن کے ہم قوم کمال ناز اور ان کی تقلید کو باعث فخر وسعادت اور ذریعہ اپنی دینی اور دنیوی ترقی کا تصور کرتے ہیں اور اُن کے بے نظیر اور قابلِ قدر کارناموں کو آبِ زر سے لکھکر اپنی قوم اور ملک کی تاریخ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اہل روما اور یونان نے جو ناموری علوم وفنون اور طرزِ حکومت و وسعت مملکت میں حاصل کی تھی اُس سے اہلِ علم خوب واقف ہیں اگرچہ اُن عظیم الشان سلطنتوں کو نیست و نابود ہوئے ہزارہا سال گزر گئے ونیز بوجہ امتداد زمانہ اُن قوموں کے حالات کا ایک بڑا حصہ قصہ اور کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ تاہم ارسطو و افلاطون۔ اسکندر یونانی اور قیصر روما کا نام بچہ بچہ کی زبان پر بلا لحاظ ملت جاری ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ روما اور یونان کی شمع علم ہنوز کاشانۂ دہر کو اچھی طرح روشن کرنے نہ پائی تھی کہ بادِ تند نکبت نے دفعۃً اُس کو خاموش کر دیا اور ظلمت جہل نے جہان کو پھر ایک بار اپنی آغوش میں لے لیا۔ جب تک جمہوری خیالات کا اثر باقی رہا علم وہنر نے بھی ترقی کی۔ مگر جب شخصی سلطنت قایم ہوئی

علم کی قدر گھٹنے لگی اور اسکندر یونانی کی تخت نشینی کے بعد ہی دولتِ علم کا تنزل شروع ہوا۔ اسکندر یونانی اور قیصر روما کو شہاب ثاقب تصور کرنا چاہیے۔ جو غرب کی جانب سے نکلے اور اپنی تپش تیز رفتار سے باغِ علم کو خاکستر کرتے ہوئے مشرق کی طرف غائب ہو گئے ان کے بعد بھی حکومت کا ردو بدل ہوتا لیکن ایک زمانۂ دراز تک نہ تو ایسی باشوکت وشان سلطنتیں قایم ہوئیں اور نہ علم وفضل وکمال کو فروغ حاصل ہوا۔

سینکڑوں برس بعد کارکنان قضا وقدر نے دنیا کی تعلیم اور اس کو سر سبز وشاداب بنانے اور نیز اُن لوگوں کے خیالات فاسدہ کو باطل کرنے کی غرض سے جو خود علم وہنر سے بے بہرہ تھے لیکن ارسطو اور افلاطون کو اپنا ہم قوم تصور کر کے ہر چیز میں (معاذ اللہ) دعویٰ خدائی کا کرتے تھے۔ خانہ بدوش عربوں کو انتخاب کیا۔ یہ ایک سرِ الٰہی اور اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ تھا کہ ایسی قوم کو جو یونان اور روما اور مصر کی ترقی اور تنزل سے بالکل بے خبر اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو لیے عربستان کے جلتے ہوئے ریگستان میں پڑے پھرتے تھے وہ عروج عطا فرمایا جو اس وقت تک کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ عرب اپنی آنے والی خوش قسمتی اور روز بہ روز ترقی سے لاعلم جاہلیت کے اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے تھے کہ

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت   بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحانے کی وہ ودیعت   چلے آتے تھے جسکی دیتے شہادت

یعنی اس جاہل قوم کی رہنمائی اور تعلیم وتربیت کے لیے ہادی برحق کو بھیجا جس کی بدولت عرب سو ہی برس کے اندر تہذیب اور اخلاق بلکہ اُن تمام جوہروں سے جن کی وجہ سے بہ مصداق اشرف المخلوقات ہوئے، آراستہ ہو کر مشرق سے مغرب تک پھیل گئے اور متاع علم وہنر سے تمام دنیا کو

مالامال کردیا۔ ٹامس[1] کارلائیل کہ اس زمانہ میں نہایت نامور عالم گزرا لکھتا ہے کہ "اسلام کا عربوں کے حق میں ظہور گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ ملک عرب نے اس ہی کے ذریعہ سے نشوونما حاصل کی۔ عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی جو ابتدائے آفرینش سے یہاں کے شعلہ فشاں ریگستان میں پھرا کرتی تھی۔ اس خانہ بدوش قوم میں ایک اولوالعزم نبیؐ اس کی تعلیم اور رہنمائی کے لیے بھیجے گئے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم جس سے کوئی واقف بھی نہ تھا۔ قلیل عرصہ میں تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئے اور عرب کا آفتاب عقل و شجاعت و عظمت زمانۂ دراز تک دُنیا کے ایک بڑے حصہ پر تاباں و درخشاں رہا۔ سچا اعتقاد عجب روح افزا شئے ہے۔ یہی عرب اور یہی پیغمبر برحق اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں ایک گمنام ریگستان تھا مگر یہ ریگستان بارود کا اثر رکھتا تھا۔ چنگاری کے گرتے ہی وہ شعلے آسمان تک بلند ہوئے جنھوں نے تمام دنیا کو روشن کردیا"۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایسی بے مثل قوم کے حالات کو فراہم اور اس کے مشہور علماء کی تصانیف کو اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے اہلِ یورپ ان سے فائدہ اٹھائیں اور اہلِ مشرق عربوں کی تاریخ اور تصانیف سے بالکل بے خبر اور بے بہرہ ہیں۔ مسلمانوں کے اکابر و اسلاف کی عظمت و سطوت اور میدان جنگ میں جو مردانہ کارنمایاں اُن سے ظہور میں آئے ہیں ان کا بیان کردینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ ہند کے بعض مشہور علماء نے ان باتوں کے یاد دلانے سے مسلمانوں کے پژمردہ دلوں کو تازہ کرنے میں بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔

[1] اس مشہور مصنف کی کتاب "ہیروز اور ہیرو ورشپ" سے ہم نے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔ تمام مضمون جو اُس نے رسول خداصلعم پر لکھا ہے پڑھنے کے قابل ہے۔

اگر قوم میں اپنے کام کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی پیدا کرنے اور اس کے خیالات کو راہ راست پر لانے کے لیے صرف اکابر و اسلاف کی فتوحات اور اسلامی سلطنت کی ظاہری نمایش و شوکت کا بیان کافی نہیں بلکہ اُن واقعات کے ساتھ عربوں کی طرز ریاست و سیاست ان کا حُسن معاشرت اور سود مندی اور علوم و فنون کی ترقی المختصر اُن تمام باتوں کی جن سے عربوں کے اندرونی اور ذاتی حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے ایک تصویر کھینچنی ہر مورخ کا فرض ہے۔

اس تاریخ "خلافت اندلس" کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ عربوں کی حیرت انگیز ترقی نہ صرف مُلک گیری میں بلکہ اصول سلطنت، تدبیر مملکت اور ہر قسم کے علم و کمال میں جس سے اس قوم کے ذاتی حالات وصفات اور پھر اس کا عبرت انگیز تنزل مثل آئینہ ظاہر و ہویدا ہو۔ اور جن لوگوں کو علم تاریخ سے خاص مناسبت اور تحقیق و تدقیق کا شوق ہو ان کے واسطے صحیح معلومات ایک ہی کتاب میں جمع ہو جائیں۔ عربوں کی تاریخ بلکہ اقوام غیر کی تاریخ سے بھی ہر ذی فہم یہ دریافت کر سکتا ہے کہ دنیوی حکومت میں تغیر و تبدل ایک لازمی چیز ہے۔ لیکن اگر کوئی قوم اپنا نام نگینۂ دنیا پر کندہ کرنا چاہے اس کو چاہیئے کہ اپنی سلطنت کی بنیاد علم اور روشن خیالی پر قایم کرے اور یہی ایک ذریعہ بقائے حکومت اور عظمت کا ہے جب تک مسلمان جویائے علم و ہنر رہے علوم و فنون کو روز افزوں ترقی رہی تمام دنیا غرناطہ، دمشق، بغداد اور دہلی کے سامنے سر جھکاتی رہی۔

بعض مخالفین اسلام یہ بیان کرتے ہیں کہ عربوں میں ایک بڑا نقص جو اور اسلامی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے یہ تھا کہ انھوں نے محض مذہبی جوش میں یہ عروج اور مرتبہ حاصل کیا۔

قومی حمیت اور ہمدردی جس کو آج ہم اقوام یورپ ایشیا اور جاپان میں دیکھتے ہیں عربوں میں بظاہر نام کو نہ تھی اور یہی بڑی وجہ اُن کی بلکہ تمام مسلمانوں کے تنزل کی ہوئی۔ علاوہ اس خیالی نقص کے یہ لوگ ایک سخت حملہ عربوں پر بھی کرتے ہیں کہ ان کی حکومت تعصب مذہبی اور جبر و تعدی پر مبنی تھی۔ اس کے ثبوت میں حسب ذیل واقعات پیش کیے جاتے ہیں:۔

یہ کہ عرب مفتوحہ قوموں کو اپنے سے ہر طرح کم بلکہ بنظر حقارت دیکھا کرتے تھے۔ عرب عیسائی عورتوں کو بلا تامل اپنے نکاح میں لے آتے تھے۔ لیکن کبھی اپنی عورتوں کو عیسائیوں کے نکاح میں نہیں دیا۔ علاوہ بریں انہوں نے ملک اندلس میں ایک نہایت مذموم رسم یہ جاری کیا تھا کہ عیسائیوں کو یہ حکم تھا کہ ہر سال ایک سو باکرہ لڑکیاں خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا کریں۔ یہ لڑکیاں امرائے عرب میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

اعتراضات متذکرہ بالا بادی النظر میں نہایت اہم ہیں یہ باتیں ایسی نہیں کہ غیر قوم جس کو عربوں نے بزور شمشیر فتح کیا ہو ان سے خوش رہے اولاً جس گروہ میں قومی محبت اور حمیت نہ ہو اس کا زندہ رہنا ممکن نہیں اس میں شک نہیں کہ مذہب بھی قوم کے ہر فرد میں یک دلی اور یک جہتی پیدا کرنے میں بہت کچھ مدد دیتا ہے لیکن جب تک کہ قوم کی سچی محبت اس کے ہر فرد کے دل میں موجود نہ ہو یا یوں کہو کہ جس قوم میں اجتماعی عصبیت غائب اور صرف انفرادی عصبیت موجود ہو وہ قوم کبھی آزاد اور خود مختار نہیں رہ سکتی۔ پس ایسی حالت میں ان سخت حملوں کا جواب تاریخی واقعات سے دینا عربوں کے قیام سلطنت اور استحکام مملکت کی وجہ دریافت کرنا معترضین کے لیے جواب مدلل اور ناظرین کے لیے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

اس اعتراض کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کی بنیاد سچے اعتقاد

اور مذہبی ولولوں پر قایم تھی اور اس قسم کا جوش قومیت جو آج کل یورپ کی مختلف قوموں میں پایا جاتا ہے ان میں بظاہر نہ تھا۔ لیکن یہ کہدینا کہ مسلمان قومی حمیت اور ہمدردی سے بالکل معرا تھے صحیح نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص اسلام کی تاریخ کو نظر تعمق اور اصلی واقعات کے دریافت کرنے کی غرض سے دیکھے تو اُس پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ جن معنوں میں لفظ قومیت یورپ میں مستعمل ہے اُن میں اور جو معنی کہ ہر مسلمان کے ذہن میں اس لفظ کے موجود ہیں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اقوام نصاریٰ اہل یورپ میں قومیت مذہب پر اس قدر غالب ہوئی ہے کہ باوجودیکہ اہل فرانس، جرمن اور روس وغیرہ ایک ہی مذہب کے پیرو ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن جانی تصور کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی تذلیل وتنزل کے ہمیشہ خواہاں وساعی رہتے ہیں برعکس اس کے مذہب نے اہل اسلام پر ایسا زبردست اثر ڈالا ہے کہ جہاں مختلف خیال وطرز و قوم کے لوگوں نے دائرۂ اسلام میں قدم رکھا تو یہ سب فوراً قوم[1] اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں چنانچہ ترک، عرب، ہند اور چین کے مسلمان، قوم، زبان اور خیالات اور ایک حد تک طرز معاشرت میں بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں لیکن اسلام نے ان سب کے دلوں میں ایسا غیر معمولی اور تعجب خیز جوش بلکہ بظاہر بعید القیاس و امکان اثر پیدا کیا ہے کہ یہ سب اہم اختلافات مذکورۂ بالا کو یک لخت قطع نظر کرکے اپنے کو ایک ہی قوم اسلام کا رُکن سمجھتے ہیں۔ ترک اور عرب اور ہند کے مسلمانوں سے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تم کون ہو تو یہ سب جواب دیں گے کہ ہم

---

[1] قوم اسلام کے اہم مسئلہ کو عیسائی مورخین نے عموماً نظر انداز کردیا ہے۔ بعض کی طرز عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سمجھے ہیں لیکن پورے طور پر نہیں چنانچہ دیکھو فرڈ ناند اور ازابلا مصنفہ پرسکاٹ صفحہ ۱۸۱ باب (۸) جہاں وہ بیان کرتا ہے کہ جب مختلف اقوام مشرف بہ اسلام ہوئیں تو ان پر اسلام نے ایسا زبردست اثر ڈالا کہ یہ سب قومیں ایک وسیع اور باقاعدہ فوجی چھاؤنی کمپ معلوم ہونے لگیں۔

مسلمان ہیں۔ برخلاف اس کے اگر یہی سوال اہل جرمن و فرانس اور انگلینڈ سے کیا جائے تو یہ جواب ملیگا کہ ہم جرمنی و فرانسیسی اور انگلش ہیں۔ الغرض جو معنی قومیت کے مسلمان لیتے ہیں ان کے لحاظ سے ان میں مذہبی جوش کے ساتھ قوم اسلام کی یہی سچی محبت اور ہمدردی بدرجۂ اتم موجود تھی۔

ان ہی واقعات کے ضمن میں اگر ہم اقوام نصاریٰ کے زمانۂ ماضی کی تاریخ پر سرسری نظر بھی ڈالیں تو یہ صاف ظاہر ہو جائیگا کہ عربوں کے زمانۂ عروج میں یہ قومیں مذہبی جوش اور قومی ہمدردی سے بالکل عاری تھیں۔ جنگ ہائے صلیبی کے حالات اور واقعات جن کی قصہ اور کہانیاں ہم اس قدر سنتے ہیں اگر بنظر تحقیق دیکھے جائیں تو یہ اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسائیوں نے ان لڑائیوں کو عمدہ ذریعہ دنیاوی شہرت اور ناموری حاصل کرنے کا گردانا تھا۔ یہی سبب ہے کہ یہ لوگ میدان بیت المقدس میں ہمیشہ ناکام رہے۔ مگر جب یہ ہزیمت خوردہ اپنے اپنے ملک واپس آئے تو وہاں کے جھوٹے حالات اور اپنے تہوّر اور شجاعت کی داستان بیان کر کے اپنے ہموطنوں کے ساتھ سختی پیش آنے لگے۔ چنانچہ جس زمانہ میں عرب ملک اندلس پر حکمراں تھے بعض مشہور عیسائی حاکموں مثل ہنری آف برگنڈی وغیرہ نے شام سے آکر سب سے پہلے اپنی تلوار کو اپنے ہم قوم اور ہم مذہبوں کے خون میں رنگا اور بعض اوقات جب اپنے مدِمقابل کو اپنے سے زیادہ صاحب قوت پایا تو مسلمانوں کو جن کے استیصال کیلئے انھوں نے ہزاروں میل کی تکلیف سفر گوارا کی تھی۔ اپنا معاون و مددگار بنانے میں تامل نہیں کیا۔ خود غرضی اور اس ہی قسم کی فرعونیت نے عیسائیوں کی قوت کو پراگندہ کر رکھا تھا ان کا ہر فرقہ بادشاہت کا دم بھر رہا تھا۔ جب یہ مختلف فرقے اپنے میں قوت کامیابی کی نہ پاتے تھے

[1] ان واقعات کی تائید میں کتاب "پرتگال" مصنفۂ استیفنز کا پہلا حصہ دیکھنے کے قابل ہے۔

تو ایسی حالت میں بہ نسبت اپنے ہم مذہبوں کے مسلمانوں کا محکوم بن کر رہنا ان کو کہیں زیادہ مرغوب ہوتا تھا پس پہلی وجہ مسلمانوں کی کامیابی کی ان کی راسخ الاعتقادی اور ابنائے آدم کی سچی خیر خواہی تھی اور عیسائیوں میں یہ دونوں باتیں اس وقت مفقود تھیں۔

اب دوسرے الزاموں کو جو بغیر دریافت مسلمانوں پر عائد کیے ہیں مفتوحہ قوموں کو حقیر سمجھنا تعجب خیز امر نہیں بلکہ اس کو مقتضائے بشریت کہنا چاہیے۔ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہ ملے گی جو اپنی مفتوحہ رعایا کو کسی چیز میں اپنا ہمسر تصور کرتی ہو۔ لیکن باوجود حقارت وتنفر اور اختلاف مذہب تاریخ اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنے مذہب اور اپنے پیشواؤں کے قطعی احکام کے پابند رہے اور انہوں نے کبھی راہِ راست سے انحراف نہیں کیا۔ اسٹانلی لین پول اور اسٹیفنز اور بازورتھ اسمتھ وغیرہ ایسے ایسے معتبر عیسائی مورخ و مصنف لکھتے ہیں کہ عربوں نے شمشیر بکف بغرض اشاعت اسلام اپنا قدم عربستان سے باہر رکھا تھا۔ مگر انھوں نے کسی قوم کو اپنے مذہب کے ترک اور اسلام کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ ملک گیری اور حکمرانی میں جو بیّن فرق ہے اس کے اظہار اور صراحت کی ضرورت نہیں۔ عرب جوشِ مذہب در دل اور زرہ فولادی در بر مثل موجِ دریا شام، مصر، افریقہ اور اندلس کو فتح کرتے ہوئے ملک فرانس کے وسط میں داخل ہوگئے۔ لیکن جب یہ ان ممالک مفتوحہ پر اچھی طرح قابض اور متصرف ہوگئے اور تسخیر ملک کا زمانہ ختم اور حکمرانی کا دَور شروع ہوا تو عربوں نے اپنے فطری مادۂ حکمرانی اور نیز جو سبق کہ انہوں نے تدبیر مملکت اور اصول ریاست میں اپنے مذہبی پیشوا سے حاصل کیا تھا اس سے ایک قلیل عرصہ میں وہ فائدہ اٹھایا کہ بحر اطلانتک سے لے کر جزیرۂ چین تک ان ہی کی حکومت کا ڈنکا بجنے لگا۔

عیسائی عورتوں کو نکاح میں لے آنے سے ظلم و زیادتی اور تعصب مذہبی ثابت نہیں

ہوتی۔ہر سال سو لڑکیوں کا لینا صرف میسو لیبان مصنف "تمدن عرب" نے لکھا ہے لیکن جتنی انگریزی اور عربی تاریخیں ہماری نظر سے گزری ہیں ایک سے بھی اس واقعہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے تاریخ عربوں کے عدل روشن کی داد دے رہی ہے۔

چنانچہ اندلس[1] میں خلفائے بنی امیہ کی بے تعصب اور منصفانہ طرز حکومت سے چند ہی روز میں تجارت وصنعت و حرفت کو ایسی ترقی اور عیسائیوں کو ایسا آرام وچین حاصل ہوا جو اُن کو اپنے ہم مذہب اور ہم قوم بادشاہوں کے عہد حکومت میں کبھی نصیب نہوا تھا۔ تجارت اور صنعت نے چھوٹے چھوٹے شہروں اور بنادر کو دنیا کی تجارت گاہیں بنا دیا بڑے بڑے شہروں کا انتظام وہاں کی رعایا کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اگر رعایا کو غلامی کے پھندوں سے رہائی حاصل کرنے کے لیے اسلام اختیار کرنے کی کوئی ترغیب دیجاتی تھی تو اس کے ساتھ یہ بھی رعایت کی گئی تھی کہ عیسائیوں کے مذہب اور جائداد کی حفاظت ونگرانی کی غرض سے ایک خاص محکمہ قایم کیا گیا تھا جہاں عربوں کے ساتھ عیسائی امرا بھی بیٹھکر رعایا کے حقوق کا تصفیہ کرتے تھے ان کی استبازی

[1] "رائز اینڈ فال آف دی رومن امپائر" مصنفہ گبن جلد ۱ (۲) صفحہ (۳۶۴) عربوں کے زمانۂ حکومت میں اندلس کی ترقی وسرسبزی کی نسبت لکھا ہے کہ دو صدیوں میں عربوں نے خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے ایسا کام لیا اور فن زراعت کو وہ ترقی دی کہ اس ملک کی کایا پلٹ گئی اور تجارت اور صنعت نے ایسی ترقی کی جس کی نظیر مشکل سے ملے گی صرف وادی الکبیر (اندلس کا ایک دریا) کے سرسبز وشاداب کناروں پر بارہ ہزار قصبے اور دیہات اس ملک کی ترقی اور خوش حالی کا ثبوت دے رہے تھے۔ اسی کتاب کے صفحہ (۳۶۶) پر گبن نے مذہب کی آزادی اور بے تعصبانہ طرز حکومت کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "ترغیب وتحریص نہ کہ جبر واکراہ سے عربوں نے اشاعت اسلام میں کوشش کی اور خلفائے وقت نے ہمیشہ اپنی مفتوحہ رعایا کے مذہب اور معابد کی نگرانی کی"۔

اور معدلت گستری نے وہ شہرت پائی تھی کہ وہ عیسائی بھی جو ان کے محکوم نہ تھے آپس کی نزاعوں کو تصفیہ کی غرض سے خلیفۂ وقت کے سامنے پیش کرتے اور جو فیصلہ صادر ہوتا اس کو بلا عذر منظور کر لیتے تھے[1]۔

الحاصل انہیں وجوہ اور اسی طرز حکومت کی بدولت جس کی تصویر ہم نے اوپر کھینچی ہے۔ عربوں نے آٹھ سو برس اندلس میں حکمرانی کی جس طرح لایق اور بیدار مغز بادشاہوں کے ظل عاطفت میں قوم اور ملک کو ایسا بے مثل عروج حاصل ہوا۔ اسی طرح کوتہ اندیش اور آرام پسند بادشاہوں کی حکومت اور امراء اور روساء کی خود غرضیوں نے عربوں کو آن واحد میں اعلیٰ سے اسفل میں لا پھینکا۔ جو ممالک ان کے بزرگوں نے لیاقت اور تدبیر اور بزور شمشیر بکمال محنت و عرق ریزی فتح کیے تھے ان کو اس طرح کھویا کہ اگر ان کی یادگاریں ملکوں میں نہ ہوتیں تو آج ہم نہایت مشکل سے اس قوم کی بے نظیر فتوحات اور ملک گیری کو باور کرتے یہی سبق جو صاحب عقل و ہوش تاریخ سے حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی ایک نامہ عبرت خیز ہے۔ جس کے مطالعہ سے ہر ذی فہم اور صاحب ادراک دنیا کے نشیب و فراز سے کما حقہٗ واقف ہو سکتا ہے ؎

روز اس گلشنِ اوراق سے لیجاتے ہیں
اپنا دامانِ نظر مردمِ بینا بھر کر

---

[1] عرب ان اسپین مصنفۂ کونڈ جلد سوم باب (۲۸) صفحہ (۳۰۸) اس میں لکھا ہے کہ یوسف بن یوسف سلطان غرناطہ کے دربار میں ارغون اور قسطل کے عیسائی اپنے بادشاہوں کے ظلم و ستم سے پناہ گیر ہوتے تھے اور اکثر یہ لوگ اپنے خانگی نزاعوں کو بھی تصفیہ کی غرض سے سلطان کے سامنے پیش کرتے تھے اسی کی تائید میں دیکھو فردنانڈ اور ازابیلا مصنفۂ پرسکاٹ صفحہ (۹۶) باب (۸) المقری ایک نہایت مشہور اور معتبر عربی مورخ گزرا ہے۔ جس کا حوالہ گبن وغیرہ عیسائی مورخوں نے اپنی اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "عیسائیوں کے حقوق اور جائداد کی حفاظت کے لیئے ایک خاص محکمہ قایم کیا گیا تھا"۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ ہجری مین طبع ہوئی تھی چونکہ میں اُسی زمانہ میں انگلستان سے بعد ختم تعلیم واپس آیا تھا۔ تصنیف وتالیف کا تجربہ تو ایک طرف اپنی مادری زبان سے بھی اچھی طرح واقف نہ تھا کہ یہ میری ابتدائی کوشش دیگر اسقام سے معرا رہتی۔ اُس وقت محض یہ ولولہ دامنگیر تھا کہ والد ماجد کی اس آرزو کو میں پورا کرسکوں کہ زبان اُردو میں اندلس کی تاریخ اس نہج پر لکھی جائے کہ اس قوم کے معجز نما کارنامے علمار مصنفین بیت النصاریٰ کے اقوال سے ثابت کیے جاسکیں۔ چنانچہ زبان انگریزی میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ملے جس کو میں نے نہ دیکھا ہو اور جس سے اپنی تاریخ کی ترتیب میں مدد نہ لی ہو۔ اس طبع ثانی میں میں نے مشہور علماء اندلس کے حالات اضافہ کیے ہیں۔ جو تکمیل کتاب کیلئے لازمی تھے آخر میں مین بکمالِ عجز و انکسار اس کتاب کو بطور ہدیہ ناچیز اپنے آقائے ولی نعمت قدر دانِ سرپرستِ علم وفن اعلیٰحضرت قدر قدرت ظلِ سبحانی **میر عثمان علی خاں** بہادر خلد اللہ ملکہٗ آصف جاہ سابع کی بارگاہ اقدس میں بامید منظوری پیش کرتا ہوں۔

ذوالقدر جنگ

حیدرآباد دکن

نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم ۔ اے ۔ دار العلوم کیمبرج ۔ بیرسٹر ایٹ لا ۔
میڈل ٹیمپل ۔ سابق رکن عدالت العالیہ و معتمد سر رشتہ فوج
وطبابت ۔ وحال معتمد عدالت وکوتوالی و امور عامہ
ممالک محروسہ سرکار عالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح مصنّف

ملک ماوراء النہر کے دارالحکومت سمرقند میں ترکان برلاس کا ایک عالی نسب خاندان جس کی اصل چغتائی خاں پسر چنگیز خاں سے تھی مدت سے آباد چلا آتا تھا[1]۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس خاندان کے ایک بزرگ مرزا اسفندیار بیگ مع چند عزیزوں کے سمرقند سے عازم

---

[1] اس خاندان کا نسب نامہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مورث اعلیٰ کا نام "دادا سبزپوش" لکھا ہے حضرت صوفی سبزپوش رحمۃ اللہ علیہ بڑے خدا رسیدہ صوفی تھے ان کا مزار اب تک فیض آباد واقع بدخشاں میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ سبزپوش کے معنی اگر سید کے سمجھے جائیں تو یہ مشکل پیدا ہوتی ہے کہ خاندان برلاس کے مورث اعلیٰ سادات سے کیسے ہو گئے میں سمجھتا ہوں کہ اسی برلاسی خاندان سے کوئی بزرگ زہد ورع عبادت اور ریاضت میں ایسے کامل گزرے کہ وہ صوفی سبزپوش مشہور ہو گئے اور تعظیماً اس خاندان نے انہی کے مبارک نام سے اپنا نسب نامہ شروع کیا لیکن اگر سبزپوش کے معنی سید ہی کے لیے جائیں تو پھر قیاس چاہتا ہے کہ سادات سے کوئی بیٹی اس برلاسی خاندان میں بیاہی گئی ہوگی اور انکی اولاد نے سادات کو تعظیماً اپنا مورث سمجھا۔ بہرکیف دونوں صورتوں میں تعظیم ہے اور مجھے خیال ہے نسب نامہ کی ابتدا انہی حضرت سبزپوش کے نام سے ہوئی۔

ہندوستان ہوئے۔ بڑے بڑے دریا کوہ و بیابان طے کرکے آخر کار شمالی ہند میں وارد ہوئے اور یہاں کی با اختیار ریاستوں میں مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے۔ جو زمانہ اس حال میں گزرا اس کا تعین ممکن نہیں مگر اتنا تحقیق ہے کہ اس خاندان کے ایک رکن مرزا جیون بیگ حضرت شاہ عالم شہنشاہ ہند کے دَورِ حکومت میں پایۂ تخت دہلی میں آئے اور اس وقت سے دہلی اس شریف اور معزز خاندان کا وطن ہوگیا۔

مرزا جیون بیگ کے ایک فرزند مرزا افضل بیگ کو دربار شاہی میں بڑا رسوخ اور اعزاز حاصل ہوا اور بادشاہ کی طرف سے ان کو مقرب الدولہ دلاور جنگ کا خطاب عطا ہوا مرزا جیون بیگ کے دوسرے فرزند حاجی مرزا اکبر بیگ اور اُن کے فرزند مرزا جواد بیگ تھے۔ یہی مرزا جواد بیگ عرف مغل بیگ ہمارے فاضل مصنف کے دادا ہیں۔

چونکہ دہلی اس خاندان کا وطن ہوچکا تھا اور علاوہ عالی نسب ہونے کے شاہی دربار میں بھی اس کو رسوخ اور اعزاز حاصل تھا اس لیے شہر کے شریف ونجیب خاندانوں نے فخر کے ساتھ ان سے رشتے ناتے شروع کیے۔ چنانچہ مرزا جواد بیگ عرف مغل بیگ کی شادی مفتی خلیل اللہ خاں کی صاحبزادی نواب منور زمانی بیگم صاحبہ سے ہوئی۔

مفتی خلیل اللہ خاں کا خاندان علم وفضل، دولت وثروت کے اعتبار سے شہر کے ممتاز اور سربرآوردہ خاندانوں میں تھا۔ خود مولوی خلیل اللہ خاں دارالحکومت ہند یعنی دہلی کے مفتی تھے۔ ان کے ایک بھائی مولوی برکت اللہ خاں صدر امین ہوئے۔ دوسرے بھائی حاجی منشی عزیز اللہ خاں جو مولوی سمیع اللہ خاں سی۔ ایم۔ جی کے والد بزرگوار تھے۔ پولیٹیکل ایجنٹ ملک محفوظہ کے میر منشی تھے۔

مفتی خلیل اللہ خاں کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ ایک شادی ان کی نواب دبیر الدولہ امیر الملک مصلح جنگ خواجہ فرید الدین احمد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ نواب صاحب موصوف

سپرِ قلمدان وزارت رہ چکا تھا اور بعد وزارت سرجان ملکم کے شریک سفرِ ایران رہے تھے۔ نواب دبیر الدولہ امیر الملک مصلح جنگ کی دوسری صاحبزادی کی شادی سید محمد متقی سے ہوئی تھی۔ سید محمد متقی نواب جواد الدولہ عارف جنگ سرسید احمد خاں بہادر کے والد بزرگوار تھے۔ سادات دہلی میں یہ خاندان بڑا شریف و نجیب گنا جاتا تھا۔

مفتی خلیل اللہ خاں کی دوسری شادی نواب قریشیہ بیگم صاحبہ بنت مرزا بختاور بخت نبیرۂ شہنشاہ عالمگیر ثانی سے ہوئی تھی۔ ان چنانچہ شاہزادی کے بطن سے نواب منور زمانی بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔

نواب منور زمانی بیگم صاحبہ کی شادی مرزا جواد بیگ عرف مغل بیگ سے ہوئی۔ آپ کے آغا مرزا بیگ ہمارے فاضل مصنف کے والد بزرگوار پیدا ہوئے۔ اس طرح سے ایک نسبتی واسطہ دہلی کے شاہان مغل سے بھی اس خاندان کا ہوگیا۔

آغا مرزا بیگ ۱۸۳۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے حالات زندگی خود ان کے قلم کے لکھے ہوئے ان کے صاحبزادے نواب جیون یار جنگ بہادر رکن عدالت العالیہ حیدرآباد نے انگریزی میں ترجمہ کرکے شائع کئے ہیں۔ یہ کتاب ایسی دلچسپ اور سبق آموز ہے کہ ایک مرتبہ شروع کرکے جب تک ختم نہ کرلیجے دل بے چین رہتا ہے۔

نواب آغا مرزا بیگ کی شادی نواب لوہارو کے خاندان میں ہوئی۔ اس خاندان کو قریب کا تعلق نواب نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب عرف مرزا نوشہ سے تھا۔

غرض عائد و اکابر دہلی میں ان رشتے ناتوں سے اور اس خاندان کے خود عالی مرتبت ہونے سے اس کو دہلی کے مشہور اور معزز خاندانوں کے ایسے ارکان سے نسبت و واسطہ ہوگیا جو مسلمانانِ ہند میں اپنے فضل و کمال، انسانی ہمدردی اور قوم کی بھلائی چاہنے میں مشہور و معروف گزرے ہیں۔

مثلاً نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ' نواب جواد الدولہ عارف جنگ سر سید احمد خان بہادر
ایل۔ایل۔ڈی' حاجی مولوی سمیع اللہ خاں' سی۔ ایم۔ جی۔ یہ سب دہلی کے ان بزرگوں میں ہیں
جن پر مسلمانان ہند جس قدر فخر و ناز کریں بجا ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد آغا مرزا بیگ اپنے چچا مرزا عباس بیگ کے پاس جو اس وقت
انگریزی سرکار میں بڑے منصب پر ممتاز تھے چلے گئے۔ اور کچھ زمانہ کے لئے اس خاندان نے اودھ میں
توطن اختیار کیا۔ مرزا عباس بیگ نے ایام غدر میں سرکار عظمت مدار کی ایسی تن دہی اور وفاداری
سے خدمات کی تھیں کہ اس کے صلہ میں ان کو اودھ میں تعلقداری عطا ہوئی۔ مرزا عباس بیگ صاحب
ان بزرگان دہلی میں تھے جنھوں نے وطن ترک کر کے دوسرے مقامات پر بڑا نام و اعزاز حاصل کیا۔

۱۸۷۰ء میں نہایت دشوار اور دلچسپ سفر کے بعد آغا مرزا بیگ ۲۲ برس کی عمر میں
حیدر آباد تشریف لائے۔ یہاں شرف و اعزاز میں وہ رتبہ حاصل کیا کہ حضرت غفران مکان
نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے پہلے اتالیق اور پھر پیشی کے سکریٹری ہوئے اور
خطابات سرور جنگ' سرور الدولہ' سرور الملک سے سرفراز ہوئے۔

۱۸۷۸ء میں بلدہ حیدر آباد میں آغا مرزا بیگ سرور جنگ' سرور الدولہ' سرور الملک کے
فرزند اکبر مرزا ذوالقدر بیگ پیدا ہوئے جو ہمارے اس مضمون کا موضوع ہیں۔ ابتدائی تعلیم
آپ کی حیدر آباد کے مدرسہ اعزہ میں ہوئی۔ پھر پانچ برس تک بمبئی کے اسکاٹش اسکول میں
تعلیم پاتے رہے۔ بمبئی سے واپس ہو کر حیدر آباد کے سنٹ جارجز گریمر اسکول میں پڑھا اور اسی
مدرسہ سے مدراس یونیورسٹی کے میٹریکیولیشن کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔

بعد اس کامیابی کے حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نے
اپنے استاد زادہ کی تکمیل تعلیم کی طرف توجہات شاہی کو مبذول فرمایا اور بیش قرار تعلیمی وظیفہ

عطا فرما کر اس وعدہ کے ساتھ انگلستان روانہ فرمایا کہ بعد واپسی مساوی المواجب خدمت پر ان کا تقرر کیا جائیگا۔ یہاں یہ امر خاص طور پر قابل یادگار ہے کہ معاہدہ مذکور پر سنجانب شاہِ وقت نواب وقارالامرا بہادر مدار المہام نے بہ نفس نفیس دستخط ثبت فرمائے۔ انگلستان پہنچ کر مرزا ذو القدر بیگ کرایسٹ کالج کیمبرج میں داخل ہوئے اور نصاب تعلیم میں "تاریخ" اپنا مضمون رکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تاریخ سے ان کی طبیعت کو ابتدا ہی سے مناسبت تھی۔

کرایسٹ کالج کیمبرج کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے۔

جان مورلے جو انگریزی ادبیات و فلسفہ میں بڑے نامور ادیب و فلسفی اور مدبر گزرے ہیں اس زمانہ میں کیمبرج میں وارد تھے انھوں نے اپنے زمانۂ قیام میں اٹلی کے مشہور و معروف مصنف اور مدبر میکاوَلی پر لکچر دیا تھا۔ مرزا ذو القدر بیگ نے اس کا ترجمہ کر کے اس کی دو نقلیں خوبصورت جلدوں میں بندھوا کر اس ادیب کو پیش کیں۔ جان مورلے اس تحفہ سے بہت ہی خوش ہوئے اور یہی ترجمہ دونوں میں تعارف کا باعث ہوگیا۔ اکثر ملاقات اور گفتگو رہنے لگی۔ یہ معمر اور فاضل ادیب ہندوستان کے ایک نوجوان طالب علم کی بے تکلف باتیں سُن کر خوش ہوتا تھا اور جیسا کہ شفیق اور مہربان بزرگوں کا قاعدہ ہے کہ ذہین لڑکوں اور نوجوانوں کے خیالات کرید کرید کر پوچھتے ہیں جو خود ان نوجوانوں کے حق میں ایک قسم کی تعلیم ہوتی ہے اور کیا عجب ہے کہ ان بزرگوں کے کسی سلسلۂ خیال کی بھی تکمیل ان تقریروں سے ہو جاتی ہو۔ جان مورلے نہایت خنداں پیشانی سے مرزا صاحب سے باتیں کیا کرتے تھے۔ جوانی کی عمر، علم کا تازہ غرور، حواس تیز، چہرہ بشاش، طبیعت میں جودت بھری ہوئی، مرزا ذو القدر بیگ جو بات زبان پر آتی بے تکلف کہہ دیتے۔ ان کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہی جان مورلے لارڈ مورلے ہو کر کسی وقت میں وزیر ہند ہو جائینگے۔ ان ملاقاتوں کے زمانے میں اتفاق سے اس عجیب مسئلہ پر بحث و مباحث

شروع ہوئے کہ "شخص حاضر المقام کی بات کو باور کیا جائے" یعنی میدان سیاست میں جو شخص جہاں کسی سیاسی خدمت پر مامور ہو اس کی بات کا یقین کرنا ضروریات سے ہے۔ ایک دن ملاقات میں اسی مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ مرزا ذوالقدر بیگ نے کہا "یہ سب درست ہے بے شک یقین کیجیے۔ لیکن پہلے یہ تو دیکھ لیجیے کہ وہ شخص نیک سیرت ہے، بد باطن تو نہیں ہے اگر نیک سیرت اور ہمدرد انسان ہے تو اس کے کہنے کو باور کیجیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے باور کرنے میں مخلوق خدا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔" مرزا ذوالقدر بیگ کیمبرج کے نوجوان اور شستہ لطف طالب علم بالکل بے باک اور بے تکلف ہو کر اپنے دلی خیالات ظاہر کرتے تھے اور یہ آزمودہ کار مدبر فلسفی ان کی باتیں خوش ہو ہو کر سنتا تھا۔

یہ بات مشہور ہے کہ جب لارڈ مورلے وزیر ہند ہوئے تو جس قدر احتیاط مقامی شخص کو باور کرنے میں انھوں نے برتی کسی دوسرے وزیر ہند نے نہیں برتی۔ اور تاوقتیکہ پورا اطمینان نہ ہو گیا کسی مقامی شخص کی بات کو باور کرنے میں عجلت نہ کی۔

سنہ ۱۸۹۷ء میں مرزا ذوالقدر بیگ نے "ہسٹوریکل" ٹرائی پوس میں ڈگری حاصل کی۔ قانونی تعلیم بھی مڈل ٹیمپل ان میں ساتھ ساتھ جاری رکھی تھی چنانچہ سنہ ۱۸۹۹ء میں بیرسٹری کی سند بھی حاصل کر لی۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں انگلستان سے حیدرآباد واپس ہوئے۔ یہی زمانہ ہے کہ آپ نے خلافت اندلس لکھنے کی طرف توجہ فرمائی۔ تاریخ اندلس لکھنے کا خیال معلوم ہوتا ہے سفر انگلستان اختیار کرنے سے پہلے ہی قائم ہو گیا تھا کیمبرج کے زمانۂ قیام میں مختلف کتابوں سے اس تصنیف کے لیے نوٹ جمع کرتے رہے۔ واپسی کے بعد اور مواد حاصل کیا۔ حتیٰ کہ پوری کتاب مرتب ہو گئی اور سنہ ۱۹۰۲ء میں وہ شائع کر دی گئی۔

حیدرآباد پہنچنے پر حسب معاہدہ اردی بہشت سنہ ۱۳۱۰ف میں نظامت سوم عدالت فوجداری بلدہ

کا چارج لیا۔ اس خدمت میں سلسلہ بسلسلہ ترقی پا کر ۱۹۰۵ء میں ناظم اول فوجداری جدہ ہوگئے۔ ۱۹۰۷ء میں رکنیت عدالت العالیہ کے عہدۂ جلیلہ پر ترقی پائی اس وقت آپ کی عمر صرف ۳۲ برس کی تھی۔ اتنی کم سنی میں ایسے جلیل القدر ذمہ داری کے منصب پر مامور ہونا عدیم المثال تھا۔ ۱۹۱۲ء بتقریب سالگرہ مبارک ۱۳۳۰ھ میں بیشگاہ حضرت غفران مکان سے خطابات خانی و بہادری و جنگی سے سرفراز ہوئے۔ رکنیت عدالت العالیہ کے اس منصب کے فرائض ۱۹۱۵ء تک انجام دیتے رہے۔ یہی زمانہ تھا کہ دشمنوں نے نرغہ کر کے آپ کے خلاف سازشیں کیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدمت سے وظیفہ پر سبکدوش ہوگئے اور حیدرآباد سے روانہ ہو کر لکھنؤ میں اقامت اختیار کی۔

لکھنؤ کی اعلیٰ سوسائٹی میں نواب ذوالقدر جنگ بہادر بہت جلد ہر دلعزیز ہوگئے۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء میں جب اُردو کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا تو آپ اس کی استقبالی کمیٹی میں صدر انجمن مقرر کیے گئے۔ قومی اور ملکی تحریکات میں بڑے ذوق و شوق سے مصروف ہوگئے۔

جون ۱۹۲۱ء میں حضور پُر نور کو اپنے قدیم متوسل کی یاد آئی اور توجہات شاہانہ اور مکارم ملوکانہ سے حیدرآباد طلب فرمایا اور معتمدی عدالت وکوتوالی و امور عامہ کی کرسی عطا فرما کر نواب صاحب کی عزت افزائی فرمائی۔ اس خدمت کے فرائض آپ نے اس جانفشانی عدل گستری اور عالی دماغی کے ساتھ انجام دیئے کہ تھوڑے عرصہ میں حاکم و محکوم دونوں کی نظروں میں وہی ہر دلعزیزی پیدا کرلی جو چند سال پہلے رکھتے تھے۔

اس کے چند سال بعد بحکم خاص رکنیت عدالت العالیہ پر ایک بار اور کارفرما ہوئے پھر ۱۹۲۵ء میں معتمدی فوج کے بڑے منصب پر حسب ارشاد خسروی مامور ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں دوبارہ معتمدی عدالت وکوتوالی و امور عامہ پر سرفراز ہوئے۔

عشرۂ محرم ۱۳۲۲ھ میں جب گلبرگہ شریف میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں نزاع ہوئی تو حضور پُرنور نے بطور خاص نواب ذوالقدر جنگ بہادر کو کمیشن تصفیہ کی صدر آرائی کی عزت عطا فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ نواب صاحب ممدوح نے بڑے حُسنِ تدبیر سے اس موقع پر کام کیا ۱۹۲۹ء میں سرکار عالی کی خدمت سے وظیفہ یاب ہوکر خانہ نشین ہوگئے تھے کہ اس کے چار سال کے بعد ۱۹۳۳ء میں تیسری مرتبہ معتمدی عدالت وکوتوالی وامورعامہ پر مامور ہوئے۔

یہ آقا کے ساتھ دائمی وفاداری اور نیک خواہی کا ثمرہ تھا کہ بار بار خدمت سے علٰحدہ ہونے پر بھی مناصب جلیلہ پر سرفراز ہوتے رہے اور جو شکایتیں موجب علٰحدگی ہوئی تھیں وہ از خود زائل ہوکر اس نمک حلال اور جاں نثار خاندان کے چشم وچراغ وفا پر بار بار توجہات خسروانہ مبذول ہوئیں۔ طوفان اُٹھے آندھیاں چلیں گر اس وابستہ دولت آصف جاہی نے آقا کی وفاداری وجاں نثاری میں کوہ راسخ کی طرح ثابت قدم رہکر اپنے ولی نعمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور زمانہ کی اِن نیرنگیوں کو معمولی حوادث سمجھکر بہ کمال استقلال، صبر وقناعت ہمیشہ اپنی نظر اسی چشمۂ انوار کی طرف رکھی جس نے ہر ذرہ کو عالم نور بنا رکھا ہے۔

محمد عنایت اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی کتاب "خلافت اندلس" کو بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ اندلس اسلامیہ کی تاریخ میں وہ سب سے پہلی اور آخری تصنیف ہے جو اُردو میں اب تک کسی کے قلم سے نکلی۔ پہلی مرتبہ یہ کتاب سنہ ۱۹۰۴ء میں شایع ہوئی تھی۔ اور اب نظر ثانی اور مفید اضافوں کے ساتھ جن میں مشاہیر اندلس کے سوانح حیات لکھے گئے ہیں ایک ہی جلد میں شائع ہوئی ہے۔

سنہ ۱۹۰۴ء سے پہلے اور اس کے بعد جو کتابیں اس مضمون پر شایع ہوئیں اُن میں اکثر انگریزی کتابوں یا چند عربی کتابوں کے ترجمے ہیں۔ "خلافت اندلس" سے پیشتر اندلس اسلامیہ کی تاریخ سے متعلق جو سرمایہ اردو زبان میں تھا وہ تین کتابیں تھیں۔ ایک ابو الفدا کا ترجمہ تھا جس کو مشہور و معروف مستشرق اسپرنگر نے دہلی سے سنہ ۱۸۴۸ء میں شایع کرایا تھا۔ اس کی ایک مدت کے بعد حامد علی صدیقی سہارنپوری مرحوم نے اسٹینلی لین پول کی تاریخ "مورزان اسپین" کا ترجمہ کیا۔

اور اس کے بعد مولوی سید محمد احمد خاں صاحب دہلوی مرحوم نے لیڈی میری میڈ کی "تاریخ اندلس" کو اُردو میں منتقل کرکے شائع کیا۔ ۱۹۰۲ء کے بعد مولوی احمد حسین صاحب الہ آبادی نے "تاریخ ابن خلدون" کا ترجمہ شروع کیا اور جن جلدوں میں اندلس کی تاریخ بیان ہوئی تھی وہ بھی ترجمہ کردیں۔ اسی مضمون سے متعلق ریاست حیدر آباد کے دار الترجمہ سرکار عالی نے تین کتابیں یعنی علامہ مقری کی "نفح الطیب" کا وہ حصہ جو تاریخ سے متعلق تھا اور جس کو مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب نے ترجمہ کیا تھا اور ایک "تاریخی جغرافیہ اندلس" کا اور "احاطہ فی احوال غرناطہ" کی پہلی جلد کا ترجمہ شایع کیا۔ اسی زمانہ میں مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب نے مسٹر اسکاٹ کی تاریخ اندلس کی تین ضخیم جلدوں کا ترجمہ لاہور سے شایع کیا۔ پھر مولوی نعیم الرحمن صاحب ایم۔ اے نے عبدالواحد المراکشی کی کتاب "المعجب" کا ترجمہ "خلافت موحدین" کے نام سے مدراس سے شایع کیا۔ اس کے بعد ان کے بھائی مولوی جمیل الرحمن صاحب ایم۔ اے نے ابن عذاری کی کتاب "البیان المغرب فی احوال المغرب" کے پہلے حصہ کا ترجمہ شایع کیا۔ مولوی صاحب موصوف نے اس کتاب کے دوسرے حصے کا ترجمہ بھی جس میں اندلس کی تاریخ ترتیب اور التزام سے بیان ہوئی ہے ترجمہ کرایا ہے مگر ابھی شایع نہیں کیا۔ غرض ترجمے بہت ہوئے لیکن کوئی مستقل تصنیف سوائے "خلافت اندلس" کے نہ ۱۹۰۲ء سے پہلے ہوئی نہ اس کے بعد۔

ترجموں کا حال یہ ہے کہ یا تو وہ یورپین مصنفین کی کتابوں کے ہیں یا عربی مصنفوں کی کتابوں کے۔ یورپ کے مصنفوں کو اسلامی تاریخ کے ساتھ دلچسپی بجا ہے ہو لیکن ہمدردی رکھنے کی کوئی وجہ معقول نہیں۔ اختلاف نسل، اختلاف مذہب، اختلاف معاشرت، اختلاف عقائد سیاسی اور ان سب سے بڑھکر یہ قلب و جگر میں دبی ہوئی شکایت کہ اسلام قبول کرکے عرب کی جواں بخت اور نوخیز قوت نے ایک صدی کے اندر مسیحی سلطنت روما کے شاداب اور آباد ترین ملکوں

میں مثلاً مصر وشام اور شمالی ساحل افریقہ کے ممالک کو فتح کرکے ان سے بھی آگے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور یورپ کے جنوب مغربی گوشہ کے وسیع جزیرہ نما کو جس میں اسپین اور پرتگال کے ملک شامل ہیں فتح کرلیا۔ اور یہی نہیں کیا بلکہ ان مفتوحہ ملکوں کی اکثر عیسائی رعایا کو اپنے مذہب میں شامل کرکے صدہا مسیحی فرقوں کو دنیا سے معدوم کردیا۔ مسلمانوں نے یورپ کے زمانۂ حکومت میں جو کچھ علوم وفنون کو ترقی دی اس کو نظر انداز کرکے یہ عجیب شکایت بھی کی جاتی ہے کہ جتنے دن مسلمانوں نے اسپین میں حکومت کی اتنے ہی دن وہاں کی ترقی مسدود رہی غرض یہ اختلافات اور شکایات ان کے دلوں میں ایسی جاگزیں ہوگئے ہیں کہ کسی اسلامی حکومت کی تاریخ پر قلم اٹھانے سے پہلے ہی وہ اسلام اور اہل اسلام اور اسلامی تاریخ سے بدظن اور بدگمان ہوجاتے ہیں اور جو کچھ ان کے قلم سے اس مضمون پر نکلتا ہے اس میں اکثر عیب بینی اور اعتراض اور غیر واجبی نکتہ چینی غالب ہوتی ہے۔ اور ان کے معترضانہ طرز تحریر میں تلخی اس درجہ ہوتی ہے کہ مسلمان اس کو پڑھکر بے لطف اور آزردہ خاطر ہوجاتے ہیں اور خیال کرنے لگتے ہیں کہ یورپ کے مورخ عمداً ہماری تاریخوں سے ایسے واقعات جمع کرتے ہیں جن سے مسلمانوں کی تاریخ کا صرف بُرا پہلو ظاہر ہوسکے۔ گو یہاں اس امر کے اعتراف کی بھی ضرورت ہے کہ بعض حق پسند یورپین مورخوں نے بنی امیہ مغرب کی تعریف بمقابلہ دیگر سلاطین اسلام کے ایسے الفاظ میں کی ہے جس کو خالص تعریف کہہ سکتے ہیں۔ مذمت کی آمیزش اس میں نہیں ہے مگر یہ مثالیں شاذ ونادر ہیں۔ ایسے مورخ جن کو اس مضمون میں اہل یورپ بالعموم مستند مانتے ہیں ان کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ ان کی تصانیف کا مجموعی اثر ہمارے دلوں پر اچھا نہیں ہوتا۔ یورپ کے اکثر مورخ کسی اسلامی سلطنت کے زوال پر سمجھتے ہیں کہ اس کے ساتھ مسلمان بھی دنیا سے مٹ گئے۔ ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ مسلمان زندہ ہیں اور زندہ رہینگے۔ غرض

ان مصنفوں میں ہم کو اکثر ایسے نظر آتے ہیں جو بدنما واقعات جمع اور ان سے بدنما نتائج مستنبط کر کے مسلمانوں کے حق میں یک طرفہ فیصلے لکھتے ہیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں گزرتا کہ کوئی مسلمان بھی کبھی ان کی کتاب پڑھے گا۔ مختصر یہ کہ ایک طرف تو اس اصول کی پابندی ہے کہ "جو مر گئے ہیں ان کی عزت کرو اور ان کی عیب چینی سے پرہیز کرو۔" مسلمانوں کو اپنے بزرگان سلف کی جا و بیجا تعریفیں سننے کا شوق دوسری طرف بجائے تعریف کے علانیہ اعتراضوں اور ہجو ملیح کی کثرت ان باتوں سے مسلمان طالبانِ علم تاریخ پر ایک مایوسی اور مجبوری کا عالم چھایا رہتا ہے۔

اب رہے عربی تاریخوں کے ترجمے تو اس سے انکار نہیں کہ وہ اردو زبان میں ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ ان کی زبان کا پورا پورا مطلب ہمارے ذہن میں نہیں اترتا اور بعض مقامات ایسے آتے ہیں کہ ہماری سمجھ سے وہ بالکل ہی باہر ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے عربی تاریخوں میں واقعات مسلسل کم بیان کیے جاتے ہیں۔ اکثر واقعات بقید سنین بیان ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ایک ہی واقعہ کے اجزا مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔ چونکہ ہماری طبیعتیں سہل پسند ہو گئی ہیں اس لیے ہم عربی تاریخوں یا ان کے ترجموں کو پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس میں کچھ قصور مترجموں کا بھی ہے کہ وہ بجز عربی دانی کے اور کسی قسم کی معلومات سے ترجمہ کرتے وقت مدد لینی ضروری نہیں سمجھتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ تر قصور ان حالات کا ہے جن میں ہم زندہ ہیں۔ بجز مذہب کے ہم کو اہل عرب سے ایسا بُعد اور تفاوت ہو گیا ہے کہ اُن کے خصائص، خیالات اور طرز بیان کا سمجھنا ہمارے لیے بھی ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ ایک غیر مسلم یورپین کے لیے۔ مگر اہل یورپ کا شوق تحقیق و تجسس اور پھر ان کے پاس تاریخ نویسی کے لیے ایسا سامان اور ذخیرہ موجود ہے کہ ان کی مدد اور اپنی ذہانت اور محنت شاقہ سے وہ اپنی تصانیف میں صفائی، شگفتگی اور دل آویزی ایسی پیدا کر دیتے ہیں کہ اپنی تاریخوں سے کہیں زیادہ دلکش ان کی تصانیف ہم کو معلوم ہونے لگتی ہیں۔ گو ان کی زبان سے زیادہ تر اپنی برائیاں سننی پڑتی ہیں

لیکن جس صراحت اور خوبی کے ساتھ وہ مطالب کو صاف کر کے لکھتے ہیں ان سے بسا اوقات عربی ترجموں کو سمجھنے کے لیے شرح کا کام لینا پڑتا ہے۔

غرض ایک طرف تو مخالفت کے نیش جو بدن میں زہر پھیلاتے ہیں دوسری طرف اپنی سمجھ اور استعداد کا قصور اس دوگونہ رنج و عذاب سے مسلمان ناظرین تاریخ کو نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی یہ تصنیف بچا دیتی ہے۔

قدیم علمائے تاریخ نے اس علم کے جہاں اور فوائد بیان کیے ہیں ایک فائدہ یہ بھی لکھا ہے کہ "علم تاریخ سے خوشی اور بشاشت حاصل ہوتی ہے اور آئینۂ خاطر سے ملال دفع ہو جاتا ہے"۔ اس میں ہرگز شبہ نہیں کہ یہ خوشی اور بشاشت نواب صاحب ممدوح کی تصنیف سے ضرور پیدا ہوتی ہے اور ملال دل سے اس درجہ رفع ہوتا ہے کہ بے اختیار مصنف کے حق میں دل سے دعائے خیر نکلتی ہے۔

جس حال میں کہ اندلس اسلامیہ کی تاریخ کا ذخیرہ کم تھا اور جس قدر تھا وہ بھی مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث ہوتا تھا۔ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی مسلمان جس کے دل میں اسلام اور اہل اسلام اور بزرگان عدم رفتہ کی حقیقی عزت اور وقعت ہو اس مضمون پر قلم اُٹھائے اور صحیح واقعات سے صحیح نتائج پیدا کر کے اور اس زمانہ کا پورا لحاظ اور اندازہ کر کے جس زمانہ میں وہ واقعات پیش آئے اندلس اسلامیہ کی تاریخ لکھکر زخمی دلوں پر مرہم رکھے۔ یہ کام نواب صاحب ممدوح کے لیے اترا تھا۔ انھوں نے ترجموں کی محتاجی سے بہت کچھ آزاد کر کے اندلس اسلامیہ کی ایسی تاریخ لکھی جس سے بیقرار دلوں کو تسکین ہوئی۔ ان کا طرز تحریر پاک صاف سلیس اور سریع الفہم ہے۔ علاوہ علم و فضل کے چونکہ سلطنت کے کاروبار میں برسوں سے حصّہ ملا ہوا ہے اس لیے تجربہ اور مشاہدہ کی شانیں بھی تحریر میں جھلکتی ہیں۔ صاف گوئی اور صاف بیانی کے ساتھ عبارت میں احتیاط و حفظ مراتب کو بھی ملحوظ رکھا ہے جو یورپین مصنفوں یا اُن کی تصانیف کے ترجموں میں عنقا ہے۔ عاقلوں نے تجربہ اور مشاہدہ کو

فضائل انسانی میں بڑا درجہ دیا ہے۔ اور ایسے مورخوں کو جو اپنے تنگ و تاریک حجروں میں بیٹھے کتابوں کے حصار اور مورچے باندھے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ناآشنا تاریخ نویسی میں مصروف ہوتے ہیں ایسے مورخوں پر قابل ترجیح نہیں سمجھا ہے جو معاملات دنیا میں تجربہ کار اور دنیا کے نشیب و فراز سے آگاہ ہوتے ہیں۔ ایسے علماء جو امور دنیا میں کم تجربہ رکھتے ہیں ان کا اخلاقی احساس اس قدر نازک ہوتا ہے کہ وہ خفیف سے خفیف اخلاقی لغزش پر بغیر وقت اور زمانہ کا لحاظ کیے ہوئے لعن طعن کی بھرمار کر دیتے ہیں برعکس اسکے جن عالموں کو دنیا کا تجربہ ہے اور اس قسم کی لغزشوں کو دوسرے ہی قواعد اور ضوابط کے تحت سمجھکر ان پر اعتراض سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس کی ایک عجیب مثال میں نے کہیں پڑھی تھی۔ امیر تیمور گورگان جب ہند سے ایک لاکھ قیدیوں کو لے کر وطن جانے لگا تو راستہ میں اُس نے اُن قیدیوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا اور وہ سب فوج میں تقسیم ہوکر قتل کر دیے گئے۔ اس پر ایسے عالم مورخوں نے جن کا اخلاقی حس نازک تھا۔ تیمور کے اس فعل کو بدترین افعال میں شمار کیا۔ لیکن ایک مورخ ایسا بھی نکلا جس کو میدان جنگ کا تجربہ تھا۔ اس نے تیمور کے اس ظلم کو قواعد جنگ کے عین مطابق بتایا اور لکھا کہ قیدیوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا۔ اگر وہ رہا کر دیے جاتے تو نقض امن کا خوف تھا۔ اگر ان کو ساتھ رکھا جاتا تو سخت گزار پہاڑوں اور میدانوں میں ہزارہا میل کی پیادہ پائی ان کے لیے موت کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہوتی۔ غرض ایک واقعہ پر ایک تجربہ کار اور دوسرے ناتجربہ کار عالم اور مورخ نے دو مختلف طریقوں سے نظر ڈالی ہے۔ سلطنت کے اسباب قیام اور زوال پر جہاں کہیں مصنف نے اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں وہ قابلِ قدر ہیں۔

کتاب میں ترتیب مضامین بہت صاف ہے۔ پہلے فتح اندلس کے حالات اور جو مضامین اس سے متعلق ہیں ان کو لکھا ہے۔ فتح کے بعد ۲۴ والیانِ اندلس کا حال ہے جن میں دو نے

دو مرتبہ حکومت کی اور جن کو بنی امیہ دمشق کے والیان مصر و افریقہ نے مفتوحہ ملک اندلس کے
انتظام کے لیے نامزد کرتے تھے۔ ان میں اکثر کے حالات اور کارنامے درج ہیں۔ آخری
والیٔ اندلس یوسف بن عبد الرحمٰن الفہری کے زمانہ میں بنی امیہ دمشق کی سلطنت کو ایشیا اور
افریقہ میں زوال ہوا۔ اسی مشہور شاہی خاندان کا ایک رکن عبد الرحمٰن بن معاویہ افریقہ میں بہ حال
پریشان حال رہکر اندلس میں داخل ہوا۔ یہاں اس کے بزرگوں یعنی خلفائے دمشق کے موالی نے
اس کو تخت پر بٹھایا اور اس طرح یورپ میں سلطنت عرب کی بنیاد پڑ گئی۔ عبد الرحمٰن بن معاویہ کے
بعد جس کا نام تاریخ میں عبد الرحمٰن الداخل بھی آیا ہے۔ پانچ سلاطین کا ذکر کر کے جب چھٹا امیر
اندلس عبد الرحمٰن الثالث تخت نشین ہوتا ہے تو امارت اندلس کو خلافت کا درجہ حاصل ہو جاتا
ہے اور اب عبد الرحمٰن الثالث الناصر لدین اللہ کی پنجاہ سالہ دور خلافت کے بعد بارہ خلفاء کے
بعد دیگرے تخت قرطبہ پر بیٹھتے ہیں اور قرطبہ سے اسپین اور پرتگال کے بڑے حصے پر حکومت کرتے
ہیں۔ ان بارہ خلفاء کے دور حکومت کے آخری زمانہ میں چار بادشاہ بنی حمود کے بھی قرطبہ میں ہوئے
مگر ان کا زمانہ بہت قلیل تھا۔ عبد الرحمٰن الناصر لدین اللہ کے بعد تیسرے خلیفہ ہشام ثانی المؤید کے
دور حکومت میں بربر کا فتنہ اٹھا اور ملوک الطوائف نے زور پکڑا۔ شخصی سلطنتوں میں اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ جب
سلطنت زوال کے قریب ہوتی ہے تو انقراض کلی سے قبل تقسیم ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی شکل اختیار
کرتی ہے۔ اندلس میں بھی یہی ہوا کہ جب بنی امیہ کی سلطنت کو زوال ہونے لگا تو ملوک الطوائف کثرت
پیدا ہو گئے۔ اشبیلیہ میں بنو عباد، قرطبہ میں بنی جہور، مالقہ اور جزیرۃ الخضراء میں بنی حمود، قرمونہ اور ارکش
میں بنو برزال، بلنسیہ، مرسیہ اور المریہ میں بنی عامر اور بنی صمادح اور بطلیوس میں بنی الافطس، طلیطلہ
میں بنی ذی النون، سرقسطہ میں بنی ہود خود سر بنکر ریاستیں کرنے لگے۔ غرناطہ میں پہلے بنی زیری صاحب حکومت
ہوئے۔ اسکے بعد بنی الاحمر کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا جن کو سلاطین بنی نصر بھی لکھتے ہیں۔ انکا تعلق قبیلہ

المأسدہ یا مربض الأسد (شیرون والا ایوان)
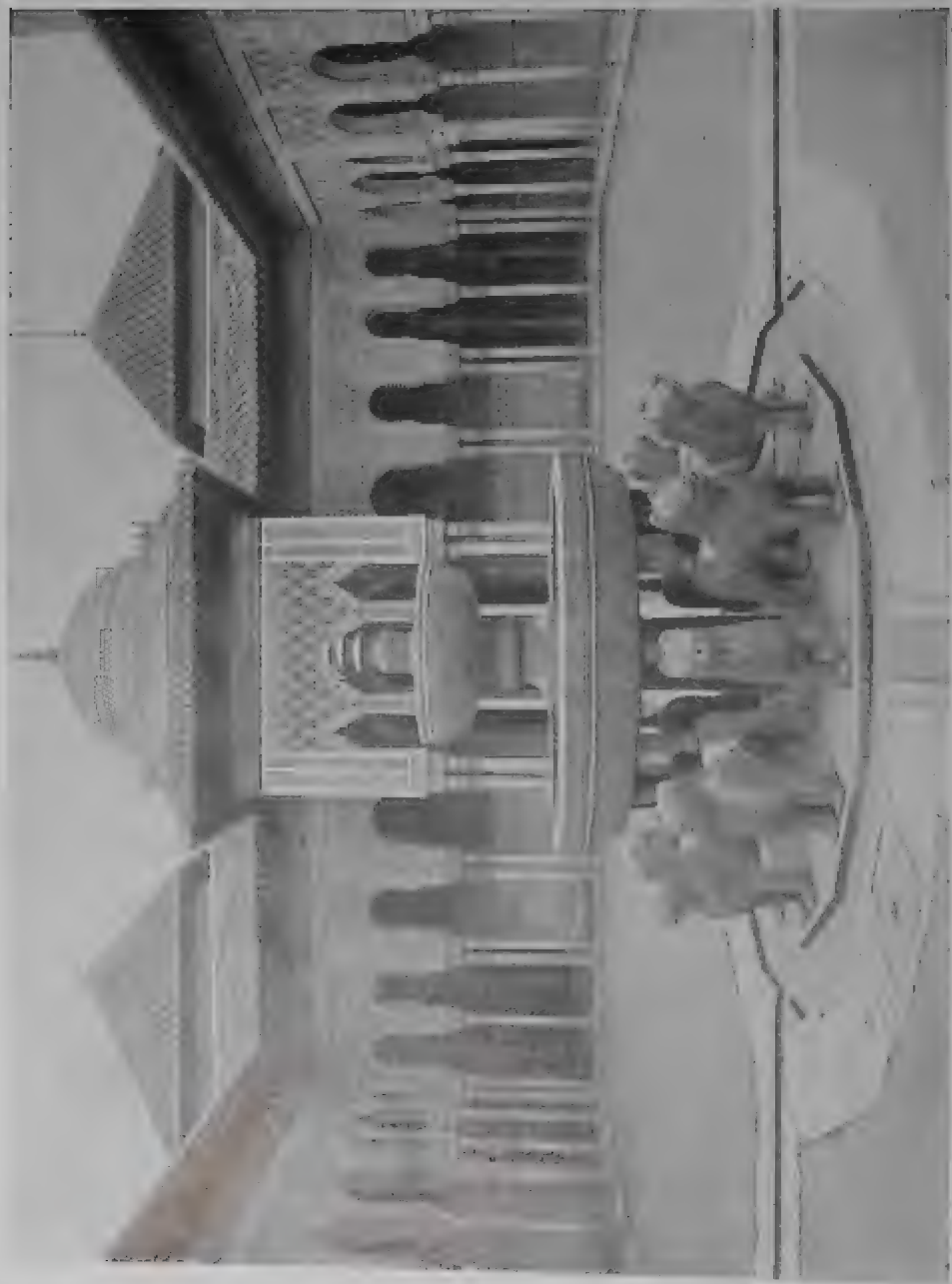
(الحمراء غرناطہ)
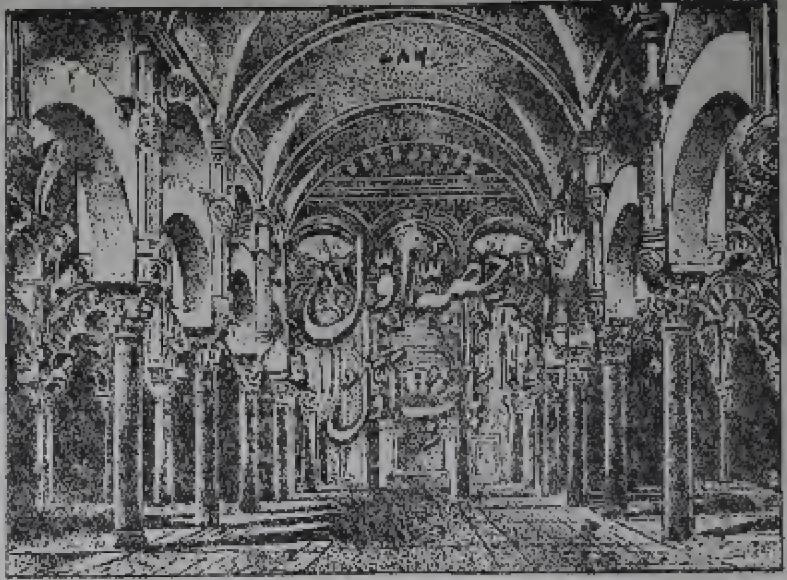
اندلس کی ابتدائی حالت۔ مختلف اقوام۔ اون کا عروج اور تنزل۔ عربوں کی آمد

قبل اس کے کہ ہم اپنی تاریخ کا سلسلہ شروع کریں اس جزیرہ نما ملک اندلس کا جغرافیہ اور تھوڑے سے ابتدائی حالات تحریر کرنا مناسب ہوگا۔ یہ ملک جو اپنے ابتدائی زمانہ سے اس وقت تک انقلاب کا معدن رہا ہے یورپ کے مغربی جنوبی حصّے کی طرف واقع ہے اس کے اور ملک افریقہ کے درمیان صرف بارہ میل کا سمندر جو بحر ظلمات[۱] کو بحر متوسط سے ملاتا ہے جس کو آبنائے طارق کہتے ہیں حائل ہے۔ اس ملک کے مشرق کی جانب بحر متوسط[۲] اور شمال کی طرف جبل البرتات[۳] جو ملک فرانس کو سرحد اندلس سے جدا کرتا ہے اور بے آف بسکے واقع ہیں۔ غرب کی جانب ملک

[۱] اس کو عربی میں بحر محیط بھی کہتے ہیں اور بعضے مورخین نے اس کو بحر اقیانوس بھی لکھا ہے۔ لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اقیانوس لفظ یونانی ہے جس کے معنی محض بحر کے ہیں جسے انگریزی میں اوشن کہتے ہیں۔ اس بحر ظلمات کو انگریزی میں اطلانٹک کہتے ہیں۔

[۲] اس کو انگریزی میں مڈاٹرینین سی کہتے ہیں [۳] اس کو انگریزی پرانیز کہتے ہیں۔

پرتگال اور بحر ظلمات اور جنوب کی طرف آبنائے طارق اور ملک افریقہ اس کے حدود کو ختم کرتے ہیں۔
ملک اندلس کے قدیم باشندے قوم سیلٹ سے تھے جو فرانس کی جانب سے اس ملک میں وارد ہوے تھے اون کے بعد اور اقوام بھی مثل آئی بیری اور فنیقی اور قرطاجنی کے بعد دیگرے اس ملک پر مسلط ہوتی رہیں بالآخر حضرت عیسیٰ کے تین سو برس قبل دوسری جنگ پیونک میں قرطاجنیوں نے شکست پائی اور اہل روما ملک پر قابض ہوگئے۔ اس قوم نے اندلس پر پانچویں صدی بعد مسیح تک اپنی حکومت کو قایم رکھا یوں تو ہر قوم نے اپنے اپنے زمانہ حکومت میں اندلس کو بہت کچھ ترقی دی تھی۔ لیکن اہل روما کے زمانہ میں جو فروغ اور رونق اس ملک کو حاصل ہوئی وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ تمام ملک سرسبز و شاداب اور شہروں سے آباد تھا اور ایسے مشہور شعرا اور علما مثل لوشین اور سینکا پیدا ہوے جو اس سلطنت کے باعث افتخار تھے۔ جب سلطنت روما اپنی عمر طبعی کو پہونچی اور آثار انحطاط اور تنزل نمودار ہونے لگے تو وہ شمالی قومیں جو وحشی سمجھی جاتی تھیں اس سلطنت پر حملہ آور ہوئیں اور فرانس کو برباد کرتی اندلس پر مسلط ہوگئیں۔ ان کے بعد ایک دوسری بت پرست قوم گاتھ کو عروج حاصل ہوا چنانچہ اسٹرو گاتھ نے ملک اطالیہ کو اپنے قبضہ میں کیا اور وزی گاتھ[1] نے سولوی اور دیگر اقوام جرمن کو تسخیر کر کے چھٹی صدی عیسوی میں اندلس میں جس کو زمانہ سابق میں آئی بیریا کہتے تھے اپنی سلطنت کو قائم کیا لیکن بہت قلیل عرصے میں اندلس کے قدیم لاطنی عیسائی باشندوں کا وزی گاتھ پر ایسا اثر ہوا کہ فاتح اور مفتوح دونوں میں مذہب اور زبان اور طریقہ بود و باش میں کوئی فرق باقی نہ رہا وزی گاتھ کے تسلط کو دو سو برس ہی کا زمانہ گزرا تھا کہ حکومت میں آثار انحطاط اور کمزوری ہویدا ہونے لگی۔ آدھی سے زیادہ رعایا غلامی کے سخت پھندوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ ریاست کے چھوٹے بڑے جاگیر دار اور زمیندار غلاموں سے کاشت اور زراعت کا کام مثل جانوروں کے لیا کرتے تھے اور ذرا سی خطا یا عدول حکمی پر نہایت بے رحمی سے قتل

[1] اس ہی قوم وزی گاتھ کے زمانہ تسلط میں عربوں نے اندلس پر فوج کشی کی تھی۔

کرڈالتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا بھی جو اوائل زمانہ میں سچے عقائد کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا کرتے تھے متمول اور خوشحال ہو کر ان وحشیانہ مظالم کے مقلد ہو گئے۔ جب ڈٹیزا کو تخت سے اتار کر لذریق[1] بادشاہ ہوا تو ابتدا میں اس نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے کام کیا لیکن جب نو دولت اور کم ہمت اور پست حوصلہ لوگ شرافت نفس اور خودداری سے عاری اجزائے حکومت بن جائیں اور آرام طلبی۔ خانہ جنگیاں۔ خود غرضیاں سلطنت کی جزو اعلیٰ ہو جائیں تو ایسے بکھرے ہوئے شیرازہ کا درست کرنا لذریق جیسی معمولی ہستی سے ممکن نہ تھا بہر حال انقلاب کا زمانہ قریب تھا اور اُس انقلاب کی بارود بھری ہوا میں صرف آگ لگانے کی دیر تھی۔ اُس زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ شہزادے اور امرائے سلطنت اپنے بچوں کو شاہانہ تہذیب و تعلیم دینے کی غرض سے بادشاہ کے سپرد کر دیا کرتے تھے اُن ہی معززین میں سے کونٹ جولین گورنر سوطا نے اپنی لڑکی فلورنڈا نامی کو دار السلطنت طلیطلہ[2] حسب دستور تعلیم کے لئے بھیجا تھا اس لڑکی کے حُسن و جمال پر بادشاہ ایسا عاشق ہوا کہ بلا لحاظ قانون تہذیب اور اخلاق مروجہ اس لڑکی کو جبراً اپنے تصرف میں لایا۔ لڑکی نے بدقت تمام اپنی عصمت کی بربادی کی خبر باپ کے کانوں تک پہونچائی۔ جولین چونکہ خاندان ڈٹیزا کا رکن اعظم تھا۔ اس حرکت سے نہ صرف اسی کی توہین ہوئی بلکہ تمام قوم گاتھ نے اپنی اہانت سمجھی اور یہی وجہ تھی کہ کونٹ جولین اور اشبیلیا[3] کا رئیس الاساقفہ عربوں کی فوج کشی کے معاون ہوئے تھے۔

اِدھر یہ حالت تھی اور اُدھر عربوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تقریباً ستر برس بعد وہ عروج حاصل ہوا کہ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملے گی جس کو آج تمام یورپ نہایت تعجب کی نظروں سے دیکھتا ہے اور اون کی اس بے نظیر کامیابی پر تمام دنیا عشش کرتی ہے۔ اس قلیل عرصہ میں

---

[1] اس کو انگریزی میں راڈرک کہتے ہیں اور یہ اندلس کا اخیر بادشاہ تھا۔ [2] اس کو انگریزی میں ٹالیڈو کہتے ہیں۔
[3] اس کو انگریزی میں سویل کہتے ہیں۔

عرب شام اور مصر اور افریقہ کا کامل شمالی حصہ فتح کرتے ہوئے بحر ظلمات کے ساحل تک جا پہنچے تھے مگر فوج عرب کے نامور سپہ سالار امیر عقبیٰ کے دل پر اس دریائے شور قیامت خیز موجوں کا کب اثر ہو سکتا تھا جس نے میدان جنگ میں خون کے دریا بہا دئے تھے اور اپنی بہادری اور شجاعت کا سکہ شجاعان عالم کے دلوں پر بٹھا دیا تھا امیر عقبیٰ نے بلا تردد سمندر میں گھوڑا ڈال دیا لیکن موجوں نے اس کے گھوڑے کو آگے بڑھنے سے روکا اس امیر نے یاس اور حسرت بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور سچے دل سے اپنے معبود حقیقی سے یہ التجا کی کہ اے فتح بخش مطلق یہ تیرا بندۂ ناچیز جو کبھی ہزاروں بہادران جنگجو سے مجبور نہ ہوا اب اس سمندر نے اوس کو مجبور کر دیا ورنہ تیرے سچے نبی کی اشاعت مذہب میں کبھی دریغ نکرتا۔

ملک اندلس کے فتح کرنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ پچاس برس میں افریقہ کی تمام قومیں پھر جو اسلام کے دائرہ حکومت میں آچکی تھیں بالخصوص قوم بربر پر اسلامی تمدن کا ایسا اثر ہوا تھا کہ یہ اپنے کو عربوں کی برابر سمجھنے لگی اور مائل بہ بغاوت اور فساد ہونے لگی تھیں۔ عربوں کی یہ اعلیٰ درجہ کی خوش تدبیری تھی کہ انھوں نے بغاوت کے بڑھنے کے قبل ہی ان اقوام کو ملک گیری کی طرف مائل کر دیا۔ پس پہلی فوج جو آبنائے طارق کو عبور کر کے یورپ میں داخل ہوئی تھی وہ سب سوائے افسروں کے بربری تھی جب عرب اس جزیرہ نما ملک میں داخل ہوئے اور اس ملک سرسبزی اور شادابی اور آب وہوا کی لطافت کو انھوں نے دیکھا تو ان کے دلوں میں اس تمام ملک کے فتح کرنے کا شوق پیدا ہوا فوج عرب کے سپہ سالار نے ایک خط میں جو اس نے خلیفہ ولید ابن عبد الملک کے نام لکھا۔ اس ملک کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

آسمان اور زمین کی خوبصورتی میں یہ ملک شام ہے آب وہوا کی لطافت میں یمن اور پھولوں اور عطریات میں ہند زرخیزی میں مصر اور بیش بہا فلزات میں چین ہے۔

باب دوم

عیسائیوں کا موسیٰ ابن نصیر کے پاس آنا۔ اندلس کی فتح کا قصد۔ طارق کا اندلس میں داخل ہونا۔ تدمیر کے ساتھ جنگ۔ جنگ الخضرا۔ جنگ وادی لکہ جولین۔ عربوں کی فتوحات

موسیٰ ابن نصیر گورنر افریقہ اور سپہ سالار فوج عرب شہر طنجہ[1] میں لب دریا اپنے امرا فوج کو لئے اندلس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آثار فکر روز بروز اوس کے بشرے سے عیاں ہوتے جاتے تھے وہ ہمت جس کے ہاتھوں پر تمام ملک افریقہ فتح ہو چکا تھا اور وہ جرأت جس نے اپنی شمشیر کا سکہ دنیا کے بہادر ترین بہادروں کے دلوں پر جما دیا تھا اب انقباض اور درماندگی کو خیال میں لا سکتی تھی گو شہر طنجہ اور شہر اندلس میں صرف بارہ میل کا سمندر ابنائے طارق[2] حائل تھا مگر ابھی عربوں کو اندلس فتح کرنے کا خیال تک نہ گزرا تھا۔ لیکن قضا و قدر کو یہ منظور تھا کہ اس سچے مذہب اور بہادر قوم کے ہاتھوں سے اور بھی ممالک فتح ہوں اس لئے کارکنان قدرت نے چند عیسائیوں کو سپہ سالار موسیٰ کے خیمہ پر حاضر کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ امیر موسیٰ عالم بیکاری میں سخت پریشان اور اس فکر میں تھا کہ اب کس ملک پہ اسلامی علم نصب کروں ہنوز کوئی راے قرار نہ پائی تھی کہ چند عیسائیوں کے حاضر ہونے کی اطلاع ہوئی اس نے باریابی کی اجازت دی جس دم وہ اس کے روبرو آئے یہ بکمال اخلاق اون کے ساتھ پیش آیا اور اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دی اور حاضری کا سبب پوچھا اونھوں نے سر تسلیم خم کرنے کے بعد پہلے اپنے بادشاہ لذریق کے ظلم و ستم کی کیفیت بیان کی پھر اندلس کی سرسبزی اور شادابی اور معدنیات اور زرخیزی کا ذکر کر کے یہ باور کرانا چاہا کہ

---

[1] انگریزی میں اس کو شہر تنجیر کہتے ہیں یہ شہر آبنائے طارق پر واقع ہے۔ [2] انگریزی میں اسٹریٹس آف جبرالٹر کہتے ہیں۔

اگر عرب اس ملک کی جانب پیش قدمی کریں تو وہاں کی رعایا جو لذریق کے ظلم و ستم سے اب تنگ آگئی ہے
شب و روز اسلامی فوج کا انتظار کر رہی ہے اس مژدہ نے امیر موصوف کے تمام انقباض و افکار کو دل سے
دور کر دیا قریب تھا کہ فوج کو یلغار کا حکم دے لیکن موسیٰ فنون جنگ میں بے مثل ہونے کے علاوہ دانشور بھی تھا چونکہ
ایسی مہم عظیم میں تعجیل مناسب نہ تھی عیسائیوں کو اپنے لشکر میں مہمان کیا اور جب خفیہ دریافت سے اون کے بیان کی
پوری پوری تصدیق ہو گئی تب امیر نے ایک عرضداشت خلیفہ کی خدمت میں دربارہ تسخیر اندلس ارسال کی
خلیفہ ولید ابن عبد الملک نے جو ہر وقت ایسے کاموں کے لئے آمادہ رہا کرتا تھا بکمال خوشی جنگ کی اجازت
دیدی اجازت کے قبل ہی کل سامان جنگ مہیا اور تیار کر لیا گیا تھا اجازت حاصل ہوتے ہی گورنر شہر طنجہ
یعنی طارق ابن زیاد کو جو حقیقت میں موسیٰ ابن نصیر کا داہنا ہاتھ تھا اندلس جانے کا حکم دیا طارق ابن زیاد
فوراً سات ہزار سوار اور چند مشہور امراے عرب کو ہمراہ لیکر جن میں زیادہ تر قوم بربر تھی چار بڑی کشتیوں میں سوار ہوا
طارق عبور کر کے جبل الطارق پر فروکش ہوا فوج کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے لیکن المقری لکھتا ہے کہ
اس امیر کے ساتھ صرف سات ہزار آدمی تھے طارق ہنوز جہاز ہی میں تھا کہ ایک واقعہ عجیب ظہور میں آیا
جس نے اس کے اور اس کی فوج کے دلوں کو اور بڑھا دیا اور ان سب کو فتح یابی اور نصرت کا کامل یقین ہو گیا
وہ یہ ہے کہ ایک شب کو طارق نے خواب میں آنحضرت صلعم کو دیکھا کہ آنحضرت صلعم کے ہمراہ بہت سے لوگ
جنگ کے لئے تیار ہیں اور آنحضرت صلعم طارق کی جانب مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ اے طارق تو
اپنے ارادہ پر قائم رہ اور اوس کام کے کرنے میں سعی اور کوشش کر جس کے لئے تو منتخب ہوا ہے۔

طارق اپنی جمعیت کے ہمراہ سرحد اندلس پر اوترا اور لب دریا جو جو شہر واقع تھے انھیں فتح کرتا ہوا
آگے بڑھا اثناے راہ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بڑھیا نے اس سے کہا کہ اس ملک کا تو ہی فاتح
معلوم ہوتا ہے میرا شوہر جو بڑا کاہن تھا وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ غیر قوم اندلس پر قابض ہو گی اور اوس کے
سپہ سالار کی پیشانی بلند اور اوس کے بائیں شانہ پر تل ہو گا اور اوس تل کے گرد بال ہوں گے یہ جو تک

غور کرتی ہوں تیری ہی پیشانی بلند پاتی ہوں گرد تل بھی تیرے جسم پر ہے تو بے شک تو وہی شخص ہے جس کے متعلق میرے شوہر نے پیشین گوئی کی ہے۔ طارق نے اپنے بائیں شانے کا تل اوس بڑھیا کو دکھایا۔
ان واقعات عجیب سے اس کو اپنی کامیابی اور فتحیابی کا یقین کامل ہو گیا جزیرۃ الخضرا کو چھوٹی سی جنگ کے بعد عربوں نے بآسانی فتح کر لیا پھر اونھوں نے اصل زمین اندلس پر قدم رکھا لیکن جب آگے بڑھنے کا قصد کیا تو بادشاہ اندلس کے بہادر سپہ سالار تدمیر نے بڑی فوج کے ہمراہ طارق کا مقابلہ کیا عربوں نے اس فوج کو پے در پے اس قدر شکستیں دیں کہ پھر اوس کو تاب مقابلہ باقی نرہی حالت بدحواسی میں میدان جنگ خالی کر دیا۔ تدمیر نے اس متواتر ناکامیابیوں سے مایوس ہو کر ایک عرضی اپنے بادشاہ کو لکھی جس کا مضمون یہ تھا کہ "اے شاہنشاہ ملک افریقہ کی جانب سے غیر قوم نے ہم پر فوج کشی کی ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ فوج زمین سے اُبلی ہو یا آسمان سے ٹپکی ہے میں نے اوس کے روکنے میں بہت کوشش کی لیکن اوس کے سامنے میری کوئی تدبیر نہ چلی اور اب یہی فوج خاص سرحد اندلس پر خیمہ زن ہے اپنی ناکامیابیوں سے مجبور ہو کر مجھے میدان جنگ خالی کر دینا پڑا اور اب میں مدد کا منتظر ہوں اگر شاہنشاہ بذات خود اس طرف کا قصد فرمائیں گے تو مجھکو ضرور کامیابی ہوگی"۔ اس وحشت ناک خبر کے سنتے ہی لذریق نے ہراساں اور خوف زدہ ہو کر ریاست کے وزرا اور افسران فوج سے مشورہ لیا اور اون کی رائے کے مطابق اپنے خاص سواروں کو جن کی شجاعت ضرب المثل تھی آگے روانہ کیا اور خود بھی جانے کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ اس کو بھی یقین تھا کہ یہ تمام فساد باغی رعیت کا برپا کیا ہوا ہے۔ بہرکیف سواروں کے پہونچتے ہی تدمیر نے بڑی جوانمردی سے عربوں پر پھر ایک بار حملہ کیا عیسائی دل توڑ کر لڑے مگر کامیاب نہ ہوے۔

فوج عرب کی پہلی صف کا افسر مغیث الرومی تھا یہ وہ نامی افسر ہے کہ جس کے زبردست ہاتھوں جنگ افریقہ کا خاتمہ ہوا تھا اس ناکامیابی کے بعد لذریق نے اپنے صوبوں سے مدد فوج چاہی اور تمام فوج کے ساتھ جس کی تعداد نود ہزار کہی جاتی ہے عربوں کے مقابلے میں خیمہ زن ہوا۔ گو اوس وقت بادشاہ کے

جلو میں اوس کے تمام نام آور فوجی افسر اپنی اپنی جمعیت کے ہمراہ ریاست کے بڑے بڑے امیرا ور مُدبر موجود تھے لیکن ان سب کے دل بادشاہ سے بوجہ ظلم و ستم بھرے ہوئے تھے ایک روز ان سب امیروں ور افسروں نے یہ مشورہ کیا کہ عرب صرف لوٹ مار کی غرض سے اس ملک میں آئے ہیں جب ان کا کاسۂ طمع بھر جائیگا واپس چلے جائیں گے ہنگام آغاز جنگ ہم سب اس سے علٰحدہ ہو جائیں اور اس کو تنہا عربوں سے مقابلہ کرنے دیں جب یہ تباہ ہو جائیگا تو ہم میں سے جو حقدار ہوگا اوس کو اندلس کے تخت پر بٹھادینگے اس اثنا میں طارق بعجلت تمام الجزائر اور شدونہ کے صوبوں کو فتح کرتا ہوا وادی لکہ کے کنارہ تک پہونچ گیا۔ اور جنگ فوراً شروع کردی جس میں خود شاہ لذریق نوّے ہزار جمعیت کے ہمراہ شریک تھا باوجودیکہ طارق کی امداد کے واسطے امیر موصوف کے حسب طلب موسیٰ ابن نصیر نے فوراً پانچ ہزار سوار اندلس روانہ کئے لیکن جب دونوں کا سامنا ہوا تو عربوں کی فوج سے عیسائیوں کی فوج تقریباً پانچ حصہ زیادہ تھی طارق کا خواب ہر سپاہی کے پیش نظر تھا زیادتی فوج نے اون کے دلوں پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔ یکشنبہ کے دن رمضان کے ختم ہونے میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے کہ طارق اپنی فوج کی صفیں جماکر دشمن کے مقابلے میں آیا اس کو پورا اطمینان تھا کہ عرب دلیری اور سپاہ گری میں اہل اندلس سے کہیں زیادہ ہیں گو عیسائیوں کی پہلی دو صفیں زرہ بکتر زیب تن کئے تھیں لیکن عرب بھی تیر اور تلوار اور نیزوں سے اس آہنی دیوار کے توڑنے کے واسطے تیار تھے دونوں فوجیں اپنے اپنے افسروں کے حکم کا انتظار عجب بے چینی سے کر رہی تھیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز طبل کی گرج اور سپاہیوں کے نعروں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پھٹا پڑتا ہے غرضکہ وادی لکتہ کے میدان جنگ کا سماں بھی قابلِ دید تھا ہنوز آفتاب پورے طور سے نکلا بھی نہ تھا کہ جنگ شروع ہوگئی دونوں فوجیں تین روز برابر لڑتی رہیں لیکن یہ چند ہزار عرب ایک لاکھ فوج کا کہاں تک مقابلہ کرتے تیسرے دن عربوں پر بہت ہی سخت حملہ ہوا فوج کی زیادتی سے میدانِ جنگ نمونہ قیامت تھا قریب تھا کہ بہادر فاتحان شام و افریقہ میدان چھوڑ دیں لیکن لایق امیر طارق بخیال عاقبت اندیشی ہر وقت

المتأسدة بامربض الاسد

(الحمراء - غرناطة)

اپنی فوج کی حالت دیکھ رہا تھا اس خطرناک آنے والے وقت کا تصور دل میں آتے ہی بے چین ہو گیا اور بیساختہ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کر فوج سے یوں مخاطب ہوا۔

اے قوم عرب والے فاتحان ملک شام کیا تمھاری رگوں میں خون عرب نہیں دوڑ رہا ہے کیا تم اپنی ناموری کا خاتمہ اسی مقام پر کیا چاہتے ہو کیا تم اپنے باپ دادا کے نام کو اس گمنامی کے جنگل میں بدنامی کے ساتھ بدلنا چاہتے ہو کیا تم کو گزشتہ واقعات جنگ افریقیہ اور شام یاد نہیں رہے کیا تم اپنے خدا اور رسول کے قول کو بھول گئے تم نے اس مُلک میں قدم رکھتے ہی اپنی کشتیوں کو جلا دیا تھا اور یہ قصد کر لیا تھا کہ یا ہم اس ملک کو فتح کریں گے یا اپنی جان دیدیں گے۔ اس وقت تمھارا دشمن آمادہ جنگ اور تمھاری پشت پر دریائے شور ہے سواری کے لئے نہ جہاز ہے نہ کشتی ہاں اگر اس وقت تمھارے بچاؤ کی کوئی صورت ہے تو صرف تمھاری مستقل مزاجی اور خدا کی مدد و اعانت۔ اے اولاد عرب آؤ آگے بڑھو اور اپنے امیر کا ساتھ دو یہ کہکر امیر طارق نے اپنے گھوڑے کو میدان کارزار کی طرف بڑھایا۔ اس کے ساتھ اس کی تمام فوج نے از سر نو ایک حملہ عیسائیون پر کیا جس کی تاب لذریق کی فوج نہ لاسکی فوجی افسرون نے موقع پاکر یکے بعد دیگرے اپنی اپنی فوج کو علحدہ کرنا شروع کر دیا وٹیزا کے لڑکے جن کا ملک لذریق نے ضبط کر لیا تھا طارق کی فوج میں آکر شامل ہو گئے بقیہ فوج کو عربوں نے تعاقب کر کے تباہ و تاراج کر ڈالا عربوں کو یہ فتح ۵ شوال ۹۲؁ھ م ۷۱۱؁ء میں حاصل ہوئی طارق جب اندلس کی فوج کا قلع قمع کر چکا تو اس نے ایک عرضی اپنے افسر موسی ابن نصیر کو لکھی اور تمام واقعات اس جنگ کے پرجوش الفاظ میں درج کئے لیکن صرف عرضی پڑھ کر موسیٰ کا دل سیر نہ ہوا اور قاصد کو حکم دیا کہ زبانی بھی چشم دید واقعات جنگ سنائے۔ سپہ سالار اثنائے بیان میں فتح مندی کی خبر سن کر باغ باغ ہوا جاتا تھا اور جب عربوں کی مصیبت کا حال سنتا تھا غم اور رنج کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں ہوتے تھے۔ بالخصوص تیسرے روز کے ابتدائی واقعات سنتے ہی بے چین ہو گیا لیکن جب نامہ بر نے طارق کی مشہور تقریر اور فوج کا دوبارہ حملہ کرنا بیان کیا تو یہ رنج

مبدل بکمال مسرت ہوگیا۔ موسیٰ نے ایک تہنیت نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مع اون تحفون اور ہدیون کے جو نامہ برلایا تھا خلیفۃ الاسلام کی خدمت میں ارسال کیا اور خود بغیر انتظار جواب اپنے قابل قدر ماتحت کی مدد کے واسطے اپنی جگہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولایت افریقہ پر مامور کرکے دس ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل کی جمعیت کے ساتھ مع اپنے بیٹوں عبداللہ اور مروان اور اہل قریش کے چند نامی رفقا مثل علی ابن ابی لحمی اور حیات ابن تمامی آبنائے طارق کو عبور کرکے اندلس میں داخل ہوا۔

امیر طارق کو والی افریقہ کے اندلس میں آنے کی بالکل خبر نہ تھی یہ صوبہ اندلوسیہ کے مشہور شہروں کے فتح کرنے میں مشغول تھا کہ اس اثنا میں اس کے پاس ایک خط سپہ سالار کا باین مضمون پہونچا کہ تاوقتیکہ لشکر میں داخل نہ ہوجاؤں تم آگے بڑھنے کا قصد نکرو اس حکم کے پہونچنے سے طارق بے حد مشوش ہوا کہ اس خاص وقت میں ایک لحظہ بھی خاموش بیٹھنا اس کی آیندہ کامیابیوں کے لئے نہایت مضر تھا اس نے اپنے امیروں کو جمع کیا اور سپہ سالار کا حکم انہونے سنا کر راے طلب کی۔ تمام افسروں نے متفق اللفظ عرض کی کہ اس نازک وقت میں اس حکم کی تعمیل کسی طرح ممکن نہیں ورنہ ہم کو اس ملک کے فتح کرنے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اوس مجلس میں جولین سابق حاکم سوطا بھی شریک تھا چونکہ عربوں کو اس سے بہت کچھ مدد ملی تھی اس لئے عرب اس کی خیرخواہی اور راے پر بھروسہ کرتے تھے۔ جب فوجی افسروں نے اپنی تقریر ختم کی تو جولین نے طارق کی طرف مخاطب ہوکر مندرجہ ذیل راے ظاہر کی۔

”جب تو نے وادی لکہ کو فتح کرلیا اور معروف عیسائی امیر افسروں کا قلع وقمع کرڈالا تو پھر ایسے عمدہ موقع پر تجھکو ہرگز اپنے بیش بہا وقت کو بے کار گنوانا مناسب نہیں یہی وہ زمانہ ہے کہ تمام عیسائی جو تیرے مقابلے سے بھاگ کر دور دور مقامات میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ تیری اور تیری فوج کی شجاعت کو اپنے ہموطنوں سے بیان کرکے اون کے پژمردہ دلوں میں خوف کی مضبوط جڑیں جما رہے ہیں ایسی حالت میں تجھ کو چاہئے کہ جلد اون کا تعاقب کرے اور قبل اس کے کہ یہ اپنی پریشان اور

منتشر فوج کو فراہم کریں اون کو ایک دم بھی آرام لینے کا موقع نہ دے اگر تو نے ایک بار بڑے شہروں کو فتح کر لیا تو پھر تجکو کسی قسم کا خوف باقی نہ رہے گا۔ اگر عیسائیوں کو کافی موقع اپنی فوج دوبارہ درست کرنے کا ملا تو تیرے مقابلہ میں پھر اوسی قدر فوج مہیا ہو جائے گی اور تجکو از سر نو وہی مشکلیں پیش آئیں گی جن پر تو غالب آچکا ہے۔" اس تقریر کا ایسا اثر حاضرین جلسہ پر ہوا کہ اونھوں نے ایک دل اور ایک زبان ہو کر اپنے عزیز امیر سے درخواست کی کہ اسی رائے کی پابندی کی جائے اور اپنے گھوڑے کی عنان کو آگے بڑھنے سے نہ روکے امیر طارق کا خود دلی منشا یہی تھا اوس نے جولین کی رائے پسند اور اوس کی خیر خواہی اور دور اندیشی کی تعریف کی اور اپنے افسروں کے اصرار پر فوج کو معائنہ کے واسطے حاضر ہونے کا حکم دیا امیر نے پہلے اپنی فوج کا معائنہ کیا اور پھر پر جوش الفاظ میں عربوں کو اون کی فتوحات سابقہ یاد دلا کر آیندہ کامیابی کا یقین لیلایا مگر اس کے ساتھ ہی اپنی فوج کو یہ بھی اچھی طرح سمجھا دیا کہ میدانِ جنگ میں قواعد اسلام کی پوری پوری پابندی کرنی لازم ہے یعنی عربوں کو اونھیں لوگوں کا مقابلہ کرنا چاہئے جو ہتھیار اوٹھا کر اون کے سدِ راہ ہوں عورتوں اور بچوں اور اُن لوگوں کو جنھیں جنگ سے کوئی تعلق نہیں نہ چھیڑیں۔ لشکریوں کے یہ امر بھی ذہن نشین کیا کہ میدانِ جنگ یا شہر میں لوٹ اور تشدد نہ کریں اگر کوئی سپاہی ایسے ناجائز افعال کا مرتکب ہوگا تو اوسے سزائے قتل دی جائے گی۔ اس کے بعد طارق نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا پہلے حصہ کی افسری مغیث الرومی کے سپرد کی اور شہر قرطبہ فتح کرنے کا حکم دیا دوسرے حصہ پر امیر زید بن قیصری کو مقرر کر کے شہر ملقونکی طرف روانہ کیا تیسرے حصہ کو اپنے جلو میں رکھا اور شہر جینیان اور اندلس کے پایہ تخت طلیطلہ کو فتح کرتا ہوا شمال کی طرف روانہ ہوا لیکن قبل اس کے کہ طارق پایہ تخت کے قریب پھونچے امیر زید حسب قرار داد شہر استیجہ ملقون اور البیرہ کو فتح اور اندلس کی رہی سہی قوت برباد کرتا ہوا طارق کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اِن شہروں کے حاکموں نے بسبب اس کے کہ انھیں پہلے ہی سے اس امیر کی فتحیابی کی خبر مل چکی تھی بغیر لڑائی کے صرف عربوں کو شہر پناہ کے باہر دیکھ کر دروازہ کھولدیا اور خراج دینا قبول کر لیا۔

مغیث الرومی جسکے سپرد فوج کا پہلا حصہ طارق نے کیا تھا منازل طے کرتا ہوا شہر قرطبہ کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ حاکم شہر کو اطاعت قبول کرنے کا پیام بھیجا اور اسلامی قواعد کے موافق اہل شہر کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ اگر تم فوراً اطاعت قبول کرلوگے اور دروازہ شہر کا کھول دوگے تو پھر تمھیں جان اور مال کا خوف کچھ باقی نرہے گا۔ اور اون کو اس سے بھی مطلع کیا کہ قریب قریب کچھ تمام ملک عربوں کے قبضہ میں آچکا ہے جس کی خبر اس شہر کو بھی پھونچ گئی ہوگی ایسی حالت میں ہمارے مقابلے کے واسطے تیار ہونا غریب رعایا کی جانوں کو طلف کرنا ہے۔

امیر مغیث نے اون کو یہ بھی اطمینان دلایا کہ وہ خود اہلِ شہر کی جان و مال کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن باوجود اس اطمینان کے کسی نے عربوں کی اس فہمائش پر توجہ نہیں کی اور جنگ پر آمادہ ہوگئے جس کی یہ وجہ ہوئی کہ حاکم اور اہل شہر کو بہت کچھ بھروسا اُس بقیہ فوج پر تھا جس کی ایک ٹکڑی میدان وادی لکّہ سے بھاگ کر اس شہر میں پناہ گزیں ہوئی تھی اور جس نے اہل شہر کو اطمینان دلایا تھا کہ ہم مسلمانوں کو شہر میں قدم نہ رکھنے دیں گے غرض جب مغیث الرومی کو یقین ہوگیا کہ حاکم اور رعایا بغیر جنگ ہتھیار نہ رکھیں گے اور پیام صلح کو کمزوری پر محمول کرتے ہیں۔ اس نے لڑائی کی تیاری شروع کردی اور موقع کا منتظر رہا۔

ایک شب آندھی اور طوفان اور بادل کی گرج نے آسمان اور زمین کو تاریک کردیا مغیث اپنے خیمے سے باہر آیا اور باد و باران کو اپنے حق میں نیک فال خیال کرکے ایک ہزار سواروں کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ قبل ازیں اس نے خفیہ طور سے قلعہ کا کمزور اور غیر محفوظ مقام دریافت کرلیا تھا اپنے مسلح سواروں کے ہمراہ اوس دروازے کے قریب آیا جو فی الجملہ غیر محفوظ دریا کے سامنے واقع تھا وہاں پھونچتے ہی اوس نے حکم دیا کہ ہر سوار اپنے گھوڑے کی پشت پر ایک ایک پیادہ کو سوار کرلے اور دریا کے دوسرے کنارے پر جا اترے جب امیر مع اپنے سواروں کے دریا کو عبور کرچکا اور سب دروازہ مذکور کے قریب دیوار کے سایہ میں جمع ہوگئے اُس نے پاسبانوں کو غافل پاکر فوراً یورش کا حکم دیا اور اوس دستہ فوج کو جو دروازہ کی حفاظت کے لئے وہاں متعین تھی قتل کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس طوفان میں بے خبر فوج اور شہر والے اس حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ سب نے فوراً اطاعت

قبول کرلی اور صبح ہوتے ہوتے باہر کی فوج بھی شہر میں داخل ہوگئی البتہ حاکم شہر مع چار سو سواروں کے شہر کی ایک مضبوط اور محفوظ گرجا میں مورچہ بند ہوگیا۔

اس چھوٹی سی جنگ میں عیسائیوں کی معدودہ چند جمعیت نے امید سے زاید دلیری اور شجاعت دکھائی حتیٰ کہ اون کے دشمن عرب بھی یکزبان ہوکر اون کی تعریف کرتے تھے ان چار سو آدمیوں میں سے بغیر جان ہوئے ایک نے بھی ہتھیار نہ رکھا۔ الغرض مغیث الرومی نے شہر قرطبہ کو فتح کرلیا اور اوس کا انتظام کرنے کے بعد فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ عربوں کی اس کامیابی اور تیز رفتاری نے اس خطہ کے عیسائیوں کو ایسا بدحواس اور بے بس کردیا تھا کہ جس طرف مغیث جانکلتا تھا عیسائی اطاعت اور فرمان برداری اوس کی قبول کرلیتے تھے۔ جس زمانہ کی تاریخ ہم اس وقت لکھ رہے ہیں اندلس تین حصوں میں منقسم تھا۔ شمالی حصہ وسط کے حصہ میں شریک تھا اور اس حصہ میں سب سے بڑے شہر قرطبہ۔ غرناطہ۔ طلقون۔ طلیطلہ۔ جیانش۔ المریتیہ تھے اور ان سب شہروں میں تفوق شہر قرطبہ کو حاصل تھا۔ مسلمانوں کے عہد میں اس بے نظیر شہر کی مسجد اور وادی الکبیر کا پل قابل دید تھا یہ وہ سرزمین ہے کہ جس کی دیواروں کے اندر قوم عرب کے مشہور علما اور حکما نے ارسطو اور افلاطون کے صدہا سال کے مردہ فلسفہ کو از سر نو زندہ کیا تھا جن کی تصانیف ابتک یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود ہیں بلکہ ابھی تمام یورپ ان علما کی تصنیفوں سے فیض اوٹھا رہا ہے ایک دوسرے مورخ نے اس شہر کی یوں تعریف کی ہے کہ بنی مروان کے عہد حکومت میں قرطبہ اسلام کا دار العلوم تھا اس میں ہزاروں میل سے طالب علم مختلف علوم و فنون حاصل کرنے کے واسطے آیا کرتے تھے اور علم کی روشنی کو دور دور پھیلایا کرتے تھے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح ایک شمع تمام کمرے کو روشن کردیتی ہے اوسی طرح قرطبہ نے اپنے علم کی روشنی سے کل اندلس کو منور کر رکھا تھا اور وہ وحشی قومیں اوس پر رشک کرتی تھی تھیں جو تہذیب و اخلاق کو عربوں سے سیکھنے کی کوشش کررہی تھیں۔ چنانچہ یہ وہی وحشی قومیں ہیں جو اس وقت تہذیب و اخلاق میں اور ہر ایسے فن میں جس پر قوم کی ترقی منحصر ہے

کوس لمن الملک بجا رہے ہیں اور ہر علم و فن کو اطراف و اکناف میں فروغ دے رہے ہیں اس وقت ہم مسلمانوں کی موجودہ حالت پر بحث کرنا نہیں چاہتے بلکہ جب عربوں نے اندلس کو رشک فردوس اور معدن تہذیب بنا دیا تھا اوس زمانہ کی ایک مختصر تصویر پیش کر کے اپنا اصل مطلب شروع کرینگے۔ شہر قرطبہ خود ایک سرسبز اور پرفضا مقام پر واقع تھا اوس کے مشہور دریا کا پانی نلوں کے ذریعہ سے دور دور پھونچایا جاتا تھا۔ عربوں نے اس سرزمین کی سرسبزی اور شادابی کو اپنے علم و کمال سے اس قدر ترقی دی تھی کہ تمام ملک کو ایک باغ پُر بہار ہمیشہ کے لئے بنا دیا تھا۔ ہر طرف درخت ہائے میوہ دار سرسبز و شاداب پانی پر سایہ فگن تھے اور ہر جانب پھولوں کی مہک سے ہوائے دشت و کہسار معطر۔ اگر ایک طرف کسانوں کی محنت سے سبز کھیت ہوا کے جھوکوں سے لہرا رہے تھے تو دوسری جانب ہریالی کا فرش زمردیں کوسوں تک انسان کی نگاہ کو لبھا رہا تھا۔ ایک روز سلطان یعقوب المنصور بن سلطان یوسف بن سلطان عبدالصمد بن علی نے اپنے ایک بڑے امیر سے پوچھا کہ قرطبہ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر قرطبہ اور بغداد کو ہم جنت کہیں تو بجا اور زیبا ہے۔

تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اندلس کے فتح کرنے کے بعد چند ہی روز میں عربوں نے اس سرزمین کی ماہیت کو بدل دیا تھا۔ میوہ جات اندلس کو صرف عربوں کی بدولت نصیب ہوئے اور جو دلکش اور حیرت انگیز عمارتیں عربوں نے اس ملک میں بنائیں اور جن کے آثار اب تک موجود ہیں تمام دُنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں جن کی سیر کے لئے بڑے بڑے سیّاح ہر مُلک سے تکلیف سفر گوارا کرتے ہیں اور عربوں کی صنعت اور ہُنرکاری کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ ایک شاعر اس شہر کی تعریف یوں کرتا ہے ؎

باربعٍ فاقت الامصار قرطبۃ	منھُن قنطرۃ الوادِیُ وجامعھا
ھاتان ثنتان والزھراء ثالِثۃٌ	والعلم اعظم شَئٍ وھو رابعھا

لہ شہر قرطبہ چار چیزوں کی وجہ سے تمام شہروں پر فوق رکھتا ہے منجملہ اوس کے ایک پل ہے اور دوسری مسجد جامع تیسرے باغات چوتھی شے جو سب سے افضل ہے وہ علم ہے۔

اندلس میں عربوں نے حکمت و صنعت حرفت و علم کا بازار کھول دیا تھا جہاں ہر فرد بشر بلا لحاظ قوم و ملت تمدن کے ہر علم و فن کی تعلیم پاتا تھا۔ یورپ کے زمانۂ جاہلیت کے اندھیرے میں اگر کہیں علم و فن کا چراغ ٹمٹماتا نظر آتا تھا تو وہ ان عربوں ہی کے شمع علم کا پرتو تھا ابن رشد سا فلاسفر او ابو سینا اور ابن باجہ سے حکما حاذق اور ان کے ہم فن اور دوسرے علما کی بدولت یورپ نے ارسطو اور افلاطون کو پہچانا یورپ کے تمام مشہور و معروف مورخین مثل گبن نے خود یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہر علم کے موجد عرب کے علما تھے یورپ نے ان علوم و فنون کو اس درجہ ترقی دی ہے کہ جس کو آج ہم حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔

الغرض یہ جنگ وادی لکہ[1] اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد تھی جس کو عربوں نے سات سو برس تک اس ملک میں قائم رکھا اور یہ بہت صحیح قول ہے کہ اس فتح کی یادگار ہیں صرف عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہونچا بلکہ کل یورپ اور دوسرے ملکوں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے حالی ہمارے اس مطلب کو اپنی نظم میں یوں ظاہر کرتے ہیں ؎

وہ تارے جو تھے شرق میں لمعہ افگن   پہ تھا جن کی کرنوں سے تا غرب روشن
نوشتوں سے جن کے ہیں اب تک مُزیّن   کتب خانہ پیرس و روم و لندن

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ علم کی تمام دُنیا انھیں تاروں سے روشن ہوئی جس کی روشنی اب تک قائم ہے اور تا قیامت اسی طرح قائم رہے گی۔

اب ہم پھر عنان قلم کو اپنے اصلی مقصود کی طرف منعطف کرتے ہیں۔ یہ تحریر ہو چکا ہے کہ امیر زید اور امیر مغیث الرومی نے اپنے فرائض منصبی کو کس خوبی سے ادا کیا اب دیکھنا یہ ہے کہ سپہ سالار یعنی امیر طارق ابن زیاد جو فوج کا تیسرا حصہ اپنے ہمراہ لے کر اندلس کے وسط میں داخل ہوا تھا۔ اوس نے کیا کیا اور کہاں تک پہونچا امیر طارق اپنے دونوں امیروں کو روانہ کر کے خود راستہ کے

[1] انگریزی میں گوادے ہرسٹ کہتے ہیں۔

شہروں کو فتح کرتا ہوا اور اہل اندلس کی رہی سہی قوت کو مٹاتا ہوا شہر طلیطلہ دار السلطنت اندلس میں جا پہونچا اور شہر کے دروازے کے روبرو فوج کے ہمراہ خیمہ زن ہوا۔ عربوں کی فتحیابیوں نے دشمنوں کا کام تمام کر دیا تھا جب اہل شہر نے طارق کے آنے کی خبر سنی فوج کے پہونچنے کے قبل ہی اونھوں نے شہر خالی کر دیا تھا۔ امیر شہر میں داخل اور قصر شاہی میں لب دریائے ٹیگس فروکش ہوا۔ اس قصر میں بہت کچھ سامان از قسم زر و جواہر اس کے ہاتھ آیا جس میں (۲۵) تاج شاہی بھی شامل تھے ہر تاج پر مختلف بادشاہوں کے نام اور اونکی عمر اور زمانہ حکومت کندہ تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جلوس کے وقت ہر بادشاہ کے لئے نیا تاج تیار ہوتا تھا اور اوس کے انتقال کے بعد خزانہ میں رکھا جاتا تھا۔ طارق نے کچھ فوج شہر کی حفاظت کے لئے متعین کی اور خود مع بقیہ فوج آگے بڑھا وادی الحجارۃ اور درہ کوہ سے جو اب فج طارق کے نام سے مشہور ہے گذر کر مدینۃ المبدۃ میں پھونچا اس پہاڑ پر اسے ایک میز ملی جس کے پائے زمرد کے تھے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ میز حضرت سلیمان کی تھی۔ علاوہ اس کے اور بھی اس قدر مال اس کو ملا جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس مال میں نہایت عمدہ اور بکار آمد کتابیں علم حکمت اور طب کی شامل تھیں جن کے مصنف یونانی تھے بعض مورخین کا قول ہے کہ اس قدر دورہ کے بعد طارق طلیطلہ واپس چلا آیا اور بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ صوبہ جلیقیہ کو فتح کرنے کے بعد واپس آیا تھا۔ بہرکیف امیر طارق کا طلیطلہ واپس آنا ثابت ہے اس کے واپس ہوتے ہی اسکو موسیٰ ابن نصیر کے اندلس میں داخل ہونے کی خبر ملی۔

باب سوم

موسیٰ ابن نصیر کا اندلس میں داخل ہونا اوس کی فتوحات - طارق سے ملاقات - طارق کی معزولی - طارق کا بحال ہونا - عربوں کا فرانس میں داخل ہونا - عبد العزیز کی فتوحات خلیفہ کا حکم موسیٰ کے نام موسیٰ کا شام واپس ہونا خلیفہ سلیمان کی تخت نشینی - موسیٰ کا انتقال - عبد العزیز کا قتل خلیفہ عمر ابن عبد العزیز ایوب اور الحر اور السمح کا یکے بعد دیگرے والی مقرر ہونا - عبد الرحمٰن عنبسہ کا والی مقرر ہونا امیر عذرہ وغیرہ

موسیٰ ابن نصیر جب اندلس میں داخل ہوا اور اُس نے سُنا کہ طارق باوجود ممانعت اس وقت تک پے درپے فتوحات حاصل کر رہا ہے - موسیٰ بہت ناراض اور کبیدہ خاطر ہوا اور طارق کی تنبیہ کیلئے خود طلیطلہ جانے کا مصمم ارادہ کیا اور اٹھارہ ہزار سواروں کو تیاری کا حکم دیا لیکن اسی اثنا میں جولین کے جاسوسوں نے سپہ سالار سے عرض کیا کہ ابھی بڑے بڑے شہر باقی رہ گئے ہیں جو اب تک فتح نہیں ہوئے وہ اوس راہ میں پڑتے ہیں جو شہر طلیطلہ کو جاتی ہے اور اوس راہ سے جسے طارق نے اختیار کیا بہت قریب ہے اگرچہ موسیٰ ابن نصیر کی تمام عمر میدان جنگ میں بسر ہوئی تھی لیکن عالم پیری میں بھی اس میں وہی جوش اور ہوس فتوحات باقی تھی اس نے ان جاسوسوں کی رائے پسند کی اور شہر شدونہ[۱] کو فتح کرتا ہوا شہر قرمونہ پر حملہ آور ہوا یہ قلعہ تمام قلعجات اندلس سے زیادہ تر مضبوط اور مستحکم تھا - اسکی تسخیر میں عربوں کا بہت وقت صرف ہوتا لیکن خوش قسمتی سے وہی لوگ جو امیر موسیٰ کی سدِ راہ تھے اس قلعہ کے فتح کے بھی کفیل ہو گئے یعنی پہلے اسکے کہ فوج عرب شہر کے قریب پہونچتی یہہ جاسوس پیشتر ہی سے بھاگ کر شہر کے اندر گھس گئے اور یہہ بیان کیا کہ ہم موسیٰ کی فوج سے ڈر کر آگئے ہیں - اہل شہر نے ان کی مزاحمت نہیں کی - اسی عرصہ میں عرب بھی قلعہ تک آ پہونچے - شب کو ان جاسوسوں نے موقع پاکر دروازہ کھول دیا - موسیٰ جو اسی امر کا منتظر تھا فوراً اپنی فوج کے ہمراہ شہر میں داخل ہو گیا - اہل شہر ان واقعات سے بالکل بے خبر تھے ایسے ہراساں ہوئے کہ فوراً اطاعت قبول کر لی - اسکے بعد موسیٰ نے شہر اشبیلیہ کا عزم کیا - یہہ شہر اندلس کے مشہور شہروں میں گنا جاتا تھا - اور

[۱] انگریزی میں سدونیا کہتے ہیں -

نہایت وسیع تھا اسکی چار دیواری کے اندر خوشنما اور نفیس عمارتیں بنی ہوئی تھیں جن کی سیر کو دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے۔ اس کی شان و شوکت گواہی دیتی تھی کہ کسی زمانہ میں یہ پایہ تخت ہوگا۔ چنانچہ اب تک پوپ کا قایم مقام اسی میں مقیم تھا۔ چند روز اسکی مستحکم دیواروں نے عربوں کے حملہ کو روکا۔ لیکن جب اہل شہر کو اپنی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اونھوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا موسیٰ شہر میں داخل ہوا اور شہر میں اوسی قدر فوج جس سے حفظ امن قایم رہے متعین کر کے مریدہ آیا۔ یہ شہر بھی مثل اشبیلیہ عمدگی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا اور اسکی فصیل بھی مضبوط اور مستحکم تھی امیر موسیٰ نے متواتر اس پر حملے کئے لیکن ایک بھی کارآمد نہوا جب سپہ سالار نے دیکھا کہ یہ قلعہ معمولی تدبیروں سے فتح نہیں ہو سکتا اس نے دیوار کے توڑنے کیلئے خاص ایک کل تیار کی جس میں سپاہی بیٹھکر دیوار کے قریب پہونچے اور اوسکے ایک حصہ کو منہدم بھی کیا۔ عیسائی پہلے ہی ہوشیار ہو گئے تھے۔ دیوار کے منہدم ہوتے ہی اونھوں نے عربوں پر سخت حملہ کیا اور جس قدر کہ عرب اس کل کے ہمراہ تھے سبکو قتل کر ڈالا چنانچہ اب تک وہ برج شہدا کے نام سے مشہور ہے جب موسیٰ کی یہ تدبیر بیکار گئی تو وہ اہل شہر سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا شہر کے چند نامور آدمی موسیٰ کے پاس حاضر ہوئے جب یہ خیمہ کے اندر داخل ہوگئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص سفید ریش جسکے چہرہ سے آثار دلیری اور شجاعت نمایاں ہیں خیمہ کے وسط میں بیٹھا ہے اور عرب امرا گرد جمع ہیں سپہ سالار کے رعب دار چہرہ سے یہ بہت متاثر ہوئے۔ بہر کیف اوس روز کسی امر کا فیصلہ نہیں ہوا اور مجلس دوسرے روز مقرر ہوئی۔ رات کے وقت موسیٰ نے اپنی سفید ڈارہی میں حنا کا خضاب لگایا صبح کو جب عیسائی پھر حاضر ہوئے تو سپہ سالار کی سرخ ڈاڑھی دیکھکر نہایت متحیر ہوئے امیر نے اس روز بھی تصفیہ ملتوی کیا۔ تیسرا روز قرار پایا موسیٰ نے اس مرتبہ اپنی سرخ ڈاڑھی کو خضاب سے بالکل سیاہ کر لیا جب عیسائی امرا اسکے سامنے آئے تو اونھوں نے دیکھا کہ سفید ڈاڑھی جو پہلے سرخ ہو گئی تھی اب وہ ایک رنگ سیاہ ہے ایک بال بھی سفید و سرخ نظر نہیں آتا۔ امیر انکے بشرے سے فوراً سمجھ گیا کہ اسکی حکمت عملی نے عیسائیوں پر خاطر خواہ اثر کیا پس پھر اونکو شرائط صلح پر غور کرنے کی اجازت دی شہر میں پہونچنے کے بعد اونھوں نے حاکم اور

رعایا کے روبرو اس عجیب و غریب قصہ کو بیان کیا اور کہا کہ جس قوم میں بڈھے سے جوان ہو جانیکی قدرت موجود ہو اوس سے لڑنا محض اپنی جانوں کو تلف کرنا ہے مناسب یہی ہے کہ شہر کے دروازے کھولدیئے جائیں اور ہم ہتھیار رکھکر اسکی اطاعت قبول کریں اس تقریر کا سامعین پر ایسا اثر ہوا کہ اونھوں نے اپنے حکمرانوں کی رائے بغیر کسی عذر کے تسلیم کرلی بلا وسی وقت امیر موسیٰ کے پاس واپس آئے اور جو شرائط ذیل امیر نے پیش کئے تھے وہ قبول کرلئے

(۱) یہ کہ تمام مال از قسم زر و جواہر عربوں کو دیدیا جائے۔ (۲) رعایا ہتھیار رکھدے۔

(۳) جو لوگ بھاگ گئے ہیں اون کی جائدادیں ضبط کرلی جائیں اور جو لوگ شہر میں موجود ہیں اون کے جان و مال اور مذہب میں عرب کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں سپہ سالار اون کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہے (۴) عیسائی اپنے قانون اور مذہب کے عوض جزیہ دینا قبول کریں۔ اور اگر کوئی عیسائی اسلام اختیار کرنا چاہے تو اوس کا کوئی مانع اور مزاحم نہ ہوگا اور عیسائی بلا اجازت نئے گرجا نہ بنائیں۔

تکمیل صلح کے بعد موسیٰ ابن نصیر اپنے لشکر کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا لیکن جب موسیٰ قلیل فوج وہاں چھوڑکر آگے روانہ ہوا عیسائیوں نے خلاف عہد بغاوت کا علم بلند کیا۔ لیکن عبد العزیز ابن موسیٰ نے جو حال ہی میں سات ہزار سواروں کے ہمراہ افریقہ سے آیا تھا اور اشبیلیہ روانہ کیا گیا تھا فوراً انشی عربوں کے خون کا جن کو باغیوں نے قتل کیا تھا پورا انتقام لیا بعد ازاں امیر موسیٰ نے طلیطلہ کا عزم کیا اور شوال ۹۴؁ھ میں اوس طرف روانہ ہوا۔ جب سپہ سالار کے آنے کی خبر امیر طارق کو پھونچی وہ اپنی فوج کے ہمراہ موسیٰ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا اور سپہ سالار کے سامنے گھوڑے سے اوترکر مودبانہ کھڑا ہوا اور جو مال اوس کے حصہ میں آیا تھا وہ سب امیر کے پیش کش کردیا۔ برخلاف اس کے کہ موسیٰ اس سے سختی کے ساتھ پیش آیا اور بحالت غصہ عدول حکمی کا سبب پوچھا اگرچہ تمام فوجی افسر طارق کی تعریف میں ہم زبان تھے اور سب نے بیان کیا کہ اسلام کے لئے اس نے جو جو مصیبتیں اوٹھائی ہیں اور میدان جنگ میں جو بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے وہ نہایت ہی قابل قدر ہیں لیکن سپہ سالار نے ایک کی سفارش نہ سنی طارق سے تمام مال

مع منبر حضرت سلیمان جس کا ایک پایہ گم ہوگیا تھا لے کر اوس کو قید اور بجائے اُسکے مغیث الرومی کو مامور کیا
موسیٰ ابن نصیر کا یہ عتاب صرف عدول حکمی کی وجہ سے تھا جو افسران فوج میں نہایت خوفناک سمجھی جاتی تھی موسیٰ
کو اس تنبیہ سے صرف یہ منظور تھا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ طارق کی تقلید سے اجتناب کریں۔ فی الحقیقت
موسیٰ طارق کی بے نظیر فتوحات سے بہت خوش تھا چنانچہ موسیٰ نے دیکھا کہ اس تنبیہ سے دوسرے فوجی
افسر خاطر خواہ متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے طارق کو قید سے رہا کر کے اوسے پھر اپنے لشکر کی سپہ سالاری پر
مامور کیا بعض یورپین مورخین کا خیال ہے کہ موسیٰ کی خفگی طارق پر بسبب عدول حکمی نہیں ہوئی تھی بلکہ اسکی مسلسل
کامیابیوں نے موسیٰ کے دل میں حسد اور بغض پیدا کر دیا تھا۔ اسی سبب سے موسیٰ نے اپنا حکم امتناعی جاری
کیا تھا اور اوس کی تعمیل جیسا کہ ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں طارق نہیں کر سکا کونڈیز[1] لکھتا ہے کہ سپہ سالار نے خود اپنی
خواہش سے طارق کو رہا نہیں کیا بلکہ طارق نے اپنا مرافعہ خلیفہ وقت کے سامنے پیش کیا تھا اور خلیفہ نے
موسیٰ کو اس کی رہائی اور بحالی کا حکم دیا۔ ہم یورپین مورخین کے اس بیان کو چند وجوہ سے تسلیم نہیں کر سکتے پہلے
یہ کہ اندلس سے دمشق کو آنا جانا اوس زمانہ میں ایک دو روز کا کام نہ تھا بلکہ مہینوں کا راستہ تھا۔ اور عرب مورخین
لکھتے ہیں کہ عتاب کے تھوڑے ہی زمانہ بعد موسیٰ نے طارق کی خطا معاف کر دی۔ دوسرے یہ کہ اگر طارق
کی خدمتوں نے سپہ سالار کو فی الحقیقت اوس کا دشمن جانی بنا دیا تھا تو پھر طارق کے قتل کر دینے میں کونسا
امر مانع تھا دمشق ہزاروں میل پر واقع افریقہ اور اندلس کا انتظام موسیٰ کے سپرد یہاں کی تمام فوج اور
افسر موسیٰ کے محکوم۔ ان تمام واقعات کو طارق اچھی طرح جانتا تھا پس موسیٰ کی شکایت خلیفہ سے
کرنا قرین قیاس نہیں یورپ کے مورخین کی تردید اسی سے ہوتی ہے کہ طارق کی رہائی کے بعد امیر موسیٰ نے
اوسے اپنے لشکر کا افسر اعلیٰ بنا دیا موسیٰ کے بعد فوج اندلس کا اعلیٰ افسر طارق ہی تھا۔ تیسرے یہ بھی قیاس
میں نہیں آتا کہ خلیفہ وقت محض طارق کی سرسری فریاد پر بغیر دریافت موسیٰ سے جلیل القدر اور ذمہ دار بلکہ
خود مختار سپہ سالار کے مقابلہ میں یہ حکم صادر کرتا الغرض ان دونوں امیروں کی مصالحت سے تمام لشکر کو مسرت

[1] "عرب ان اسپین" مصنفہ کونڈیز۔

اور اطمینان ہوا امیر موسیٰ نے طارق کو بڑی فوج کے ہمراہ آگے روانہ کیا اور آپ خود لشکرِ اسلام کے ساتھ اوس کے عقب میں کوچ کیا۔ ان دونوں نے شہر ارغون[1] سے گزر کر شہر اور صوبہ سرقسطیہ[2] کو فتح کر لیا اور ملک اندلس کے وسط میں بہت دور تک نکل گئے طارق نے جس شہر کا محاصرہ کیا اوس کو فتح ہی کر کے چھوڑا یہ شہر اور بلاد فتح کر کے آگے بڑھتا تھا اور اسکے عقب میں سپہ سالار مقامات مفتوحہ کا انتظام اور جو معاہدے طارق شہر مفتوحہ کے حاکموں سے کرتا تھا اونہیں بغیر کسی رد و بدل کے منظور کرتا ہوا آ رہا تھا۔

جب ان امیروں نے تقریباً تمام ملک فتح کر لیا اور ہر شہر اور مشہور قلعوں پر اسلامی پھریرہ ہوا میں غرور اور تمکنت سے اڑنے لگا ان دونوں کو جو جبل البرتات[3] یعنی سرحد ملک فرانس تک پہونچ گئے تھے سرزمین فرانس کے دیکھنے کا از حد شوق پیدا ہوا سرحد کے قریب سپہ سالار نے چند روز فوج کے انتخاب میں بسر کئے جو لوگ ہمراہ چلنے کے لئے تیار تھے اون کو جمع کر کے ملک فرانس میں داخل ہوا۔ اور بغیر کسی تعرض و مزاحمت کے اوس کے بڑے بڑے شہر مثل برشلونہ[4] اور اربونہ[5] پر قبضہ کرتا ہوا دریائے رون کے کنارے خیمہ زن ہوا اور شہر لیون[6] کے مستحکم قلعہ پر اسلامی جھنڈا نصب کر دیا۔

ہم نے متعدد تاریخوں کو دیکھا لیکن ٹھیک طور سے پتہ نہیں چلتا کہ عرب فرانس کی سرزمین میں کہاں تک پہونچ گئے تھے کسی مورخ نے مقام کا تعین نہیں کیا۔ جن مورخین سے ہم نے مدد لی ہے وہ اسی قدر لکھتے ہیں کہ عرب بہت دور تک نکل آئے تھے۔ یہ ثابت ہے کہ عرب شہر اربونہ تک داخل ہو گئے تھے اور یہ شہر قرطبہ[7] سے تین سو پچاس فرسخ یعنی ایک ہزار پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

ایک مورخ کا قول ہے کہ جب موسیٰ اور طارق شہر لیون سے آگے بڑھے تو اثنائے راہ میں بہت سی عمارتوں کے کھنڈر دیکھے اس کے وسط میں ایک ستون جسکی بلندی کا ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکتا نصب تھا

---

[1] انگریزی میں اراگان کہتے ہیں۔ [2] انگریزی میں سارا گوسا کہتے ہیں۔ [3] پرنیز۔ [4] انگریزی میں بارسلونا کہتے ہیں۔
[5] انگریزی میں ناربون کہتے ہیں [6] انگریزی میں لائینز کہتے ہیں۔ [7] انگریزی میں کارڈوا کہتے ہیں۔

اس کے ایک جانب عجیب و غریب عبارت کندہ تھی جس کا مفہوم یہ تھا "اے اولاد اسمٰعیل یہاں تک تم پہونچ گئے اب واپس ہوجاؤ" دوسری طرف اوسی عبارت کے سلسلہ میں یہ الفاظ کندہ تھے کہ "اگر تم اس پتھر کے آگے بڑھے تو یہاں سے تم خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوجاؤ گے اور تمہاری قوت منتشر ہوجائیگی" موسیٰ اس حیرت انگیز اور پُرخوف واقعہ سے ہراساں ہوا اور فوجی افسروں سے مشورہ کیا وہ مختلف الرائے تھے لیکن امیر موسیٰ کو اس کے بعد آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی اور جمعیت کو واپس ہونے کا حکم دیا مہم فرانس کی نسبت بعض مورخین کا قول ہے کہ عرب اس ملک میں داخل ہی نہیں ہوئے بلکہ موسیٰ اندلس کے صوبہ جلیقیہ کے فتح کرنے میں مشغول تھا کہ مغیث الرومی جو طلیطلہ کے فتح ہوجانے کے بعد دمشق چلا گیا تھا واپس آیا اور سپہ سالار سے عرض کی کہ خلیفہ ولید ابن عبدالملک نے تمہیں شام واپس ہونے کا حکم دیا ہے لیکن ان مورخین کی یہ رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ علاوہ مورخین عرب کے بعض نامور مورخین یورپ نے بھی فرانس میں عربوں کی فتوحات کا ذکر کیا ہے چنانچہ گبن نے اپنی بے نظیر تصنیف جس میں روما کی ترقی اور تنزل کا حال بڑی فصاحت سے تحریر کیا ہے بیان کرتا ہے کہ اگر چارلز مارٹل عربوں کو فرانس کے وسط میں شکست نہ دیتا اور سوبی اکی شاہ پولنڈ ترکوں کا سر حلہ جرمنی پر مزاحم نہ ہوتا تو اس زمانہ میں یورپ اور انگلستان کے تمام بڑے بڑے مدرسوں اور یونیورسٹیز میں بجائے انجیل کے قرآن کا درس طلبا کو ملتا پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں نے فرانس کا کچھ حصہ ضرور فتح کیا تھا لیکن یہ اس ملک سے تھوڑے ہی عرصے میں نکال دئے گئے یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ موسیٰ فتح کے شوق میں یہاں تک چلا آیا تھا۔ نہ تو اوس نے رسد کے پہونچنے کا راستہ قائم کیا تھا اور نہ امداد کا بندوبست۔

دنیا میں ہر فرد بشر کو لازم ہے کہ ترقی کے ساتھ تنزل کا بھی خیال رکھے کیونکہ ترقی و تنزل ہر مخلوق کے ساتھ توام خلق ہوئے ہیں خواہ آدمی ہو یا حیوان۔ درخت ہو یا پھول۔ موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام کرائے جو تا قیام قیامت صفحہ ہستی پر منقش رہیں گے لیکن یہ نامور سپہ سالار اگرچہ شجاعت و تدبیر میں

اپنا آپ نظیر تھا پھر انسان تھا جب اسکا ستارۂ اقبال کمال اوج پر پہونچا تو اوس میں آثار تنزل نمودار ہونے
لگے اس کی عزیز از جان نثار فوج کو کیا خبر تھی کہ اس ہر دلعزیز امیر پر مصیبت کا آسمان ٹوٹنے والا ہے اور فوج
اندلس جس کے ذریعہ سے اس نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کی تھیں اب گویا یتیم ہونے والی ہے موسیٰ ابھی
اپنی قسمت کے زوال سے لاعلم اپنی جان نثار فوج کی آسایش اور اسلام کی ترقی میں مصروف تھا کہ مغیث نے اسکو
واپسی دمشق کا حکم سنایا لیکن قبل اس کے کہ ہم اس حصہ تاریخ کو جس کا تعلق موسیٰ کی ذات سے ہے ختم کریں
مختصر طور پر اس امیر کے لایق بیٹے عبد العزیز کی فتوحات کا ذکر اس مقام پر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو موسیٰ کے
دمشق واپس جانے کے قبل وقوع میں آئے تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے جب موسیٰ طلیطلہ روانہ
ہوا تو عبد العزیز نے اپنی تھکی ماندی فوج کو چند روز آرام دیا اور بعد ازاں غرب کے صوبوں کے فتح کرنے
کی جانب متوجہ ہوا اور تھوڑے ہی زمانہ میں اس کل حصے کے بڑے بڑے شہروں پر اوس نے اسلام کے
جھنڈے گاڑ دئے۔ اس کے بعد اس نے جنوب کا قصد کیا جہاں عالی خاندان اور بہادر سپہ سالار تدمیر نے
عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا اور خود جنوبی حصہ کا بادشاہ بن بیٹھا تھا عرب اس کو وقعت کی نظروں سے
دیکھتے تھے بالخصوص جو بے نظیر کارنمایاں اس سے جنگ وادی الکتہ میں ظہور میں آئے تھے اون سے
عرب خوب واقف تھے۔ جب تدمیر کو امیر عبد العزیز کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی باقی فوج کو درست
کیا اور مقابلہ کے واسطے بڑھا یہ عیسائی خوب سمجھا ہوا تھا کہ کھلے ہوئے میدان میں عربوں کا مقابلہ کرنا دشوار ہے۔
عربوں کے حملہ سے بخوبی واقف تھا اور جانتا تھا کہ عیسائی فوج اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس نے
جنگ کا بالکل نیا طریقہ اختیار کیا اور کمال تدبیر و ہوشیاری سے دڑہ ہاے کوہ اور محفوظ مقامات پر اپنی
فوج کو مورچہ بند کر دیا جہاں سے بغیر اپنے ذاتی نقصان کے عربوں کو بہت کچھ مضرت اور تکلیف پہونچا سکتا
تھا۔ عبد العزیز نے بہت کوششیں کیں کہ عیسائی فوج کو دھوکا دے کر کسی طرح کھلے میدان میں لے آئے
لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ باوجود اس ناکامیابی کے عبد العزیز بھی اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور

نہایت استقلال کے ساتھ موقع کا منتظر رہا۔ آخر خوش تدبیری اور طالع کی یاوری سے مظفر و منصور ہوا۔ تدمیر نے بہت کچھ چالاکی اور ہوشیاری کی لیکن عبدالعزیز نے وہ جال چار طرف بچھایا کہ تدمیر کو مجبوراً میدان لورکۃ[1] میں عربوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس میدان میں ایک عظیم الشان جنگ ہوئی عیسائیوں نے اپنے رہے سہے ملک کے بچانے میں جان کی پروانہ کی اور نہایت دلیری اور شجاعت سے عربوں کا مقابلہ کرتے رہے لڑائی کو شروع ہوئے عرصہ ہو گیا تھا عیسائی فوج کی ردی اور نازک حالت ہوتی جاتی تھی تدمیر خود اپنی فوج کا دل بڑھاتا تھا اور اوسے لڑائی کی ترغیبیں دیتا تھا اور آپ چاروں طرف پھر رہا تھا کہ اتنے میں اسکی نظر عربی سواروں پر پڑی کہ نیزے ہاتھوں میں بلند کئے مثل طوفان خیز دریا کے امنڈ رہے تھے اون کے سفید عماموں کے شملے دور سے ہوا میں اڑتے ہوئے مثل کف دریا معلوم ہوتے تھے۔ اگر اس عیسائی کو کسی چیز سے خوف تھا تو انھیں سواروں کے حملوں کا تھا جسے کوہ آہنی بھی روک نہیں سکتا تھا۔ ایسے نازک وقت میں یہ دہشت ناک سماں دیکھتے ہی تدمیر کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی اور اس کے ہاتھ سے تلوار زمین پر گر پڑی اور وہ خود سکتے کی حالت میں اس طوفان کا تماشا دیکھنے لگا کہ اون سواروں نے تدمیر کی فوج سے ٹکر کھائی اور مانند اوس بے خوف موج دریا کے جو ایک بار کسی سبب سے تھم کر دچند قوت سے آگے نکل جاتی ہے۔ یہ سوار راستہ کاٹتے ہوئے اوس منتشر اور پریشان فوج کے قلب میں داخل ہو گئے تدمیر کی فوج پہلے ہی بے دل ہو چکی تھی اس سخت حملہ کی تاب نہ لا سکی تدمیر جب اپنی سکتہ و تحیر کی حالت سے چونکا تو دیکھا کہ فوج چار طرف بھاگ رہی ہے اور عرب اس منتشر اور بدحواس سپاہ کے تباہ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اس نے اون سواروں کو جو اوس کے گرد تھے جمع کیا اور بھاگ کر قلعہ اوری اولہ کی مضبوط چار دیواری میں پناہ گزیں ہوا عربوں نے قلعہ تک اون کا تعاقب نہ چھوڑا۔ کچھ عرصے کے بعد جب تدمیر کے ہوش و حواس درست ہوئے تو کیا دیکھتا ہی کہ ہمراہی بہت تھوڑے رہ گئے ہیں جو عربوں کے روکنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتے گو یہ وقت

[1] انگریزی میں لُرگو کہتے ہیں۔

اس بہادر عیسائی پر قیامت سے کم نتھا مگر اس بلند ہمتی اور مستقل مزاجی نے ایسے نازک موقع پر بھی اس کا ساتھ چھوڑا قبل اس کے کہ عرب قلعہ کے قریب پہونچے تدمیر نے فوراً عورتوں کو حکم دیا کہ مردانہ لباس پہن کر اور بالوں کو ٹھڈیوں کے نیچے باندھ کر قلعہ کی دیواروں اور مورچوں پر کھڑی ہو جائیں اس کی اس تیز فہمی اور حکمت عملی سے عربوں کے دل متاثر ہوئے جس دم عبدالعزیز اپنی فوج کے ہمراہ قلعہ کے قریب پہونچا تو دیکھا کہ قلعہ کی مستحکم دیواروں اور مورچوں پر بے شمار فوج تیار کھڑی ہے متعجب ہوا کہ تھوڑے زمانہ میں تدمیر نے اتنی فوج کثیر کہاں سے فراہم کر لی۔ اس نے اپنی فوج کو روک کر کمال احتیاط قلعہ کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ کے انتظام سے فارغ بھی ہوا تھا کہ قلعہ کا دروازہ کھلا اور ایک سوار اندر سے نکل کر عربوں کے لشکر میں آیا اور امیر عبدالعزیز سے ملنے کی درخواست کی۔ امیر نے فوراً باریابی کی اجازت دی۔ سوار نے خیمہ کے اندر حاضر ہو کر عرض کی کہ تدمیر نے بغرض صلح مجھے تمام اختیارات عطا کر کے بھیجا ہے عبدالعزیز عورتوں کی فوج سے دھوکہ کھا ہی چکا تھا صلح کر لینا مناسب سمجھا چنانچہ حسب معاہدہ ذیل فریقین میں صلح ہو گئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبدالعزیز بن موسیٰ اور تدمیر بن گبداس آپس میں صلح کرتے ہیں۔ خدا ہر فریق کو اس پر قائم رکھے۔ تدمیر کی حکومت حسب دستور سابق اس حصہ ملک پر قایم رہیگی لیکن کسی اور مقام یا وہاں کے عیسائی رعایا سے تدمیر کو کوئی تعلق نہ رہے گا۔ عربوں اور عیسائیوں میں جنگ نہ ہوگی۔ عیسائیوں کے مرد یا عورت یا بچوں کو عرب غلام نہ بنائیں گے۔ عرب اون کے مذہب میں کچھ دخل نہ دیں گے اور نہ اُن کے کلیسا جلائیں گے اور نہ تدمیر کی رعایا سے کوئی نوکری یا دوسرا کام علاوہ مندرجہ معاہدہ ہذا لیں گے۔ اس معاہدہ کا اثر سات شہروں پر محدود ہے تدمیر اپنی جانب سے اقرار کرتا ہے کہ وہ عربوں کے دشمن کو اپنے ملک میں پناہ نہ دے گا اور نہ اُن سے بغاوت کرے گا اور اگر کوئی اوس کا ہم قوم اون کے خلاف بغاوت کرنا چاہے

اور اوس سے تدمیر واقف و آگاہ ہو جائے تو اوس کی اطلاع عربوں کو دیگا اور تدمیر کے ماتحت امرا و رؤسا سالانہ ایک ایک دینار اور گیہوں و رسر کہ و شہد اور تیل جسکی قدر مقدار مقرر ہو گئی ہے عربوں کو بطور خراج پیش کیا کریں گے۔ یہ معاہدہ ۴ ۔ رجب ۹۴ھ ہجری کو تحریر ہوا جس پر اشخاص ذیل نے اپنے اپنے دستخط ثبت کئے عثمان بن ابی عبیدہ۔ حبیب بن ابی عبیدہ۔ ادریس ابو القاسم" جب معاہدہ پر امیر عبد العزیز اور ایلچی کے دستخط ہو گئے تو ایلچی نے بیان کیا کہ تدمیر میں ہی ہوں۔ امیر عبد العزیز بکمال اخلاق اوس بہادر عیسائی سے پیش آیا اور اپنا مہمان بنایا۔ دونوں بہادروں نے اس طرح باہم مل کر کھانا کھایا کہ گویا ان میں بہت پرانی دوستی تھی اور بہت دنوں کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اس واقعہ کے دوسرے روز دروازہ قلعہ کا کھولدیا گیا عبد العزیز ہمراہ امیر حبیب اور ابو القاسم اور چند سوار اور پیادوں کے قلعہ میں داخل ہوا تدمیر اور شہر کے رؤسا نے اس کا استقبال کیا اندر قلعہ کے پہونچکر امیر نے نہایت حیرت سے پوچھا کہ وہ لوگ جو قلعہ کی دیوار اور مورچوں پر تھے کہاں چلے گئے تدمیر نے بغیر کسی تصنع کے واقعہ مذکور کا بیان کیا۔ عربوں نے اوس کی دور اندیشی اور حُسنِ تدبیر کی تعریف کی اور تین روز تک قلعہ میں مہمان رہے اس کے بعد امیر عبد العزیز تدمیر سے رخصت ہو کر البیرہ[1] جیان[2] غرناطہ فتح کرتا ہوا اطقون[3] واپس آیا اسی اثناء میں موسیٰ کے پاس خلیفہ ولید کا وہ حکم پہونچا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ موسیٰ اوس وقت صوبہ جلیقیہ[4] کے فتح کرنے میں مصروف تھا اس حکم سے بہت پریشان ہوا اس کی دلی تمنا یہ تھی کہ یہ رہا سہا حصہ ملک کا بھی اسی کے ہاتھوں پر فتح ہو چنانچہ اس نے مغیث الرومی کو راضی کر لیا کہ چند روز وہ تعمیل حکم میں سختی نکرے اس اقرار کے بعد سپہ سالار نے قلعہ بازو کو فتح کر لیا اور قلعہ لگو پر قبضہ کرتا ہوا صخرۃ البریٰ پر جو کہ بحر الاخضر کے کنارے پر واقع ہے اسلامی جھنڈا نصب کر دیا۔ جس طرف عرب نکل جاتے تھے عیسائی فوراً اطاعت اور خراج دینا قبول کر لیتے تھے۔ جن شہروں کو عیسائیوں نے خالی کر دیا تھا وہاں مسلمان بسائے گئے

---

[1] انگریزی میں جین کہتے ہیں۔ [2] انگریزی میں گرانڈا کہتے ہیں۔ [3] مالاگان کہتے ہیں۔ [4] انگریزی میں گلسیہ کہتے ہیں۔

امیر موسیٰ ہنوز قلعہ لوگو میں مقیم تھا کہ ابو نصر نے خلیفہ کا دوسرا حکم اسے پہونچایا۔ اس میں خلیفہ نے نہایت عتاب کے ساتھ حکم کی تعمیل میں جو درنگی واقع ہوئی اوس کی وجہ سپہ سالار اور مغیث سے دریافت کی تھی اور ابو نصر کو یہ حکم دیا تھا کہ "موسیٰ جہاں ملے اوسے آگے بڑھنے سے ممانعت کرو اور بہت جلد دمشق روانہ کر دو"۔ اس حکم ثانی کے بعد موسیٰ میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ وہ خلیفہ اسلام کی عدول حکمی کرتا۔ ہزاروں ارمان دل ہی میں لئے اوٹھ کھڑا ہوا۔ فج موسیٰ کے قریب طارق سے ملاقات ہوئی۔ یہ صوبہ ارغون[1] کو فتح کرکے سپہ سالار کے پاس جا رہا تھا یہاں سے مغیث الرومی۔ ابو نصر۔ طارق۔ کو اپنے ہمراہ لے کر اشبیلیہ آیا اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اور سرحدی قلعوں پر بقدر ضرورت فوج روانہ کی۔ اسکے بعد طارق کے ہمراہ آخر سنہ ۹۵ ہجری میں شام کو روانہ ہوا۔ جبل الطارق سے یہ دونوں امیر کشتی پر سوار ہوئے اور اوس ملک کو جسے انہوں نے بکمال محنت اور جانفشانی اسلام کے لئے فتح کیا تھا حسرت بھری نگاہوں سے دور تک دیکھتے رہے۔ الغرض یہ دونوں آبنائے طارق کو جسے بحر الزقاق بھی کہتے ہیں عبور کرکے افریقہ میں داخل ہوئے۔ شہر قیروان میں پہونچنے کے بعد موسیٰ نے اپنے دور دراز سفر کی تیاریاں کیں اپنے بڑے بیٹے امیر عبداللہ فاتح جزیرہ ملارقہ کو اس ملک کا والی مقرر کیا۔ مغربی حصہ کی حکومت اپنے چھوٹے بیٹے عبدالملک کے سپرد کی اور سواحل افریقہ اور شہر طنجہ کے قلعوں کا انتظام اپنے تیسرے بیٹے کے حوالہ کیا ان انتظامی امور سے فارغ ہونے کے بعد بہ ہمراہی جمعیت کثیر جس میں سیکڑوں اونٹ مال و اسباب سے لدے ہوئے تھے شام کی جانب روانہ ہوا۔ علاوہ اس جمعیت اور مال کے تیس ہزار ماموز عیسائی اندلس کے جن کو اس نے مختلف لڑائیوں میں گرفتار کیا تھا ہمراہ رکاب تھے لیکن باوجود اس قدر مال و متاع اور جاہ و حشم کے رنج اور فکر نے اس کے دل کو بے چین اور پریشان کر رکھا تھا چہرہ پر آثار فکر و تردد کے پائے جاتے تھے۔ غالب کا یہ شعر اس کے حسب حال تھا؎

[1] انگریزی میں اراگان کہتے ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

سچ ہے کہ اگر انسان موت کے پنجہ میں گرفتار نہ ہوتا تو یہ اپنے خالق کے وجود کا بھی قائل نہ ہوتا۔ اگر ہم دس صدیوں تک بھی زندہ رہیں اور اپنی عمر موسیٰ کی نظیر ڈھونڈنے میں صرف کریں تب بھی اس کا ثانی ہمیں نہ ملے گا۔ جس زمانہ میں خدا نے اسے پیدا کیا تھا وہ اس کے لئے بہت موزوں تھا جس قدر موسیٰ مشکل سے مشکل ترین مرحلوں اور مہموں پر کامیاب ہوتا جاتا تھا اوسی قدر اس کی بلند ہمتی روز افزوں ترقی ہو جاتی تھی اور ارمان کا ایک دریا تھا کہ اس کے دل میں موج زن ہوتا جاتا تھا جو ارمان اس کے پورے ہوئے تھے وہ آیندہ آنے والے ارمانوں کے مقابلے میں گویا بحر ذخار کا ایک قطرہ تھا۔ جب موسیٰ بسبب قلت فوج سرزمین فرانس سے واپس ہوا اور جبل البرتات کی چوٹی سے اس سرزمین کو اپنے پیروں کے نیچے پھیلا ہوا دیکھا تو مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی فوج کو درست اور رسد اور امداد کا بندوبست کر کے یورپ کے مختلف ملکوں کو فتح کرتا اور اسلام کو ترقی دیتا قسطنطنیہ کے راستے سے ملک شام میں داخل ہوگا اگر فی الحقیقت سپہ سالار کو اپنے اس خیال کے پورا کرنیکا موقع ملتا اور یہ کامیاب ہوتا تو بقول گبن یورپ کے مشہور مدرسوں میں بجائے انجیل کے اس وقت قرآن اور توحید کا درس دیا جاتا اور پوپ کے عوض شیخ الاسلام کا حکم آج شہر روما میں نافذ اور واجب التعمیل ہوتا۔

غرض کہ اسی حالت مغموم میں موسیٰ دمشق کے قریب پہونچا۔ شہر میں داخل ہونے کے قبل اس نے مغیث الرومی سے سابق گورنر شہر قرطبہ کو جسے خود مغیث نے گرفتار کیا تھا طلب کیا اس نے جواب دیا کہ میں نے اوس کو گرفتار کیا ہے اور میں خود اپنے مالک اور خلیفہ کی خدمت میں پیش کرونگا اس صاف انکار سے موسیٰ نہایت برہم ہوا اور قیدی کو جبراً مغیث الرومی سے چھین لیا سپہ سالار کے چند دوستوں نے اوسے مشورہ دیا کہ اس حالت میں قیدی کو خود پیش کرنا مناسب نہیں کیونکہ مغیث خلیفہ کے روبرو ضرور دعوی کریگا جس کی تائید میں اس عیسائی قیدی کا اقرار کافی ہوگا۔ لیکن موسیٰ نے اس نیک مشورہ پر عمل نہیں کیا اور

طیش میں عیسائی کو اوسی وقت قتل کر ڈالا موسیٰ کی اس حرکت بے جا نے مغیث الرومی کو اوس کا جانی دشمن بنا دیا۔ بالآخر موسیٰ کو طارق اور مغیث سے ایسا نقصان پہونچا کہ پھر وہ سنبھل نہ سکا۔

تاریخ سے یہ صاف طور سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ آیا موسیٰ خلیفہ ولید کی حیات میں دمشق پہونچا تھا یا اوس کے انتقال کے بعد خلیفہ سلیمان کے عہد حکومت میں۔ وہ مورخین جو آخرالذکر قول کے قائل ہیں تحریر کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ موسیٰ اپنے خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا مغیث الرومی اور طارق نے سلیمان کے سامنے اس کی شکایتیں کر کے موسیٰ سے اوسے برگشتہ خاطر کر دیا تھا پس جس دم سپہ سالار خلیفہ سلیمان کے سامنے حاضر ہوا تو خلیفہ کے برتاؤ اور طرز گفتگو سے سمجھ گیا کہ وہ ناراض ہے سلیمان نے پہلا سوال اوس سے اوس سلیمانی میز کی نسبت کیا جس کو موسیٰ نے طارق سے جبراً حالت عتاب میں لے لیا تھا موسیٰ نے فوراً اوس میز کو دربار میں پیش کیا۔ اس نادر تحفہ کو دیکھکر خلیفہ نے موسیٰ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ طارق کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ میز مجکو ملی تھی سپہ سالار نے یہ جواب دیا کہ اگر طارق نے اس میز کو کہیں دیکھا تھا تو میرے ہی قبضہ میں دیکھا ہوگا۔ طارق نے کہا کہ موسیٰ سے دریافت کیا جائے کہ اس میز کا چوتھا پایہ کیا ہوا۔ خلیفہ نے دیکھا کہ تین پایہ اوس کے زمرد کے ہیں اور چوتھا پایہ سونے کا جسے موسیٰ نے خود لگایا تھا۔ موسیٰ اصل راز سے واقف نہ تھا اوس نے عرض کی کہ یہ میز مجکو بحالت موجودہ ملی تھی اس جواب کے بعد ہی طارق نے فوراً اپنی عبا سے چوتھا پایہ جس کو اوس نے اسی موقع کے لئے چھپا رکھا تھا نکال کر پیش کر دیا اس واقعہ سے خلیفہ کو یقین ہو گیا کہ جو الزامات اس پر لگائے گئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں سلیمان نے موسیٰ کا تمام مال و متاع ضبط کر کے اوسے شہر بدر کر دیا۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ اس کو بہت سختی کے ساتھ قید کر رکھا اور دو لاکھ اشرفیاں اس سے بطور جرمانہ وصول کرنے کا حکم دیا موسیٰ نصف جرمانہ سے زیادہ ادا نہ کر سکا بالآخر امیر ابن المہلب فاتح جارجیہ اور طبرستان کی سفارش سے باقی جرمانہ اور دوسری خطائیں بھی ایک حد تک معاف کر دی گئیں مگر اوس کا بڑا بیٹا امیر عبداللہ ولایت افریقہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔

وہ مورخین جنکی یہ رائے ہو کہ "موسیٰ خلیفہ ولید ہی کے زمانہ میں شام پہونچا تھا تحریر کرتے ہیں" کہ جب سپہ سالار دمشق کے قریب پہونچا تو معلوم ہوا کہ خلیفہ ولید ایسے مرض مہلک میں مبتلا ہے جس سے جاں بر ہونے کی امید نہیں۔ سلیمان بن عبدالملک کو جب یہ خبر پہونچی کہ موسیٰ شام میں داخل ہو گیا ہے برادس نے ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ خلیفۂ اسلام کے بچنے کی کوئی امید نہیں خلیفہ کی زندگی تک تم شہر دمشق میں آنے کا ارادہ نہ کرو اور میرے جلوس کا انتظار کرو۔ نامہ بر نے یہی پیام موسیٰ کو زبانی بھی پہونچا دیا اور ہدایت کی کہ بلحاظ حالت موجودہ تمھیں دمشق میں آنے کی جلدی نہ کرنی چاہیے موسیٰ کو جب یقین ہو گیا کہ فی الحقیقت خلیفہ ولید کا اس مہلک بیماری سے جانبر ہونا دشوار ہے اس بہادر نے باوجود ممانعت خلیفہ کے مرنے کے پہلے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی جب یہ دمشق کے قریب پہونچا تو ہوشیاری یہہ کی کہ ایک عریضہ اپنی حاضری کا خلیفہ کی خدمت میں ارسال کیا اور حسب الحکم دربار میں باریاب ہو کر تمام مال ومتاع خلیفہ کے روبرو پیش کر دیا یہہ واقعہ سنہ ۹۶ھ کا ہے اس واقعہ کے دو چار روز کے بعد خلیفہ ولید نے انتقال کیا اور سلیمان بن عبدالملک برادر خلیفہ مرحوم تخت خلافت پر متمکن ہوا اور فوراً موسیٰ کو طلب کر کے از روی عتاب دمشق میں جلوس سے پہلے داخل ہونے کی وجہ پوچھی اور قبل اس کے کہ اوسے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ملتا خلیفہ نے بلالحاظ خدمات سابقہ اوسے قید کر دیا اور اس قدر رقم اوس سے بطور جرمانہ وصول کی کہ بھیک مانگنے کی نوبت آگئی ایسی سخت سزا کے دینے سے بھی جب خلیفہ کا جی نہ بھرا تو اوس نے اس ستر سالہ سردار کو جلتے ہوئے فرش پر دھوپ میں اتنی دیر تک کھڑا رکھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور قدیم مرض دمہ کا عود کر آیا اگر امیر ابن المہلب اپنی سفارش میں ناکامیاب ہوتا تو موسیٰ کے ہلاک ہو جانے میں کوئی شبہہ نہ تھا جب موسیٰ کو ہوش آیا تو دیکھا کہ ابن المہلب سرہانے بیٹھا ہے۔ اس نے یہہ درخواست کی کہ جس طرح تو نے میری جان بچائی ہے اوسی طرح ایک احسان یہہ بھی کر کہ خلیفہ سلیمان سے میری تمام خطائیں معاف کرا دے ابن المہلب نے یہہ جواب دیا کہ میں تیرے لئے ہر وقت حاضر ہوں لیکن قبل اس کے کہ میں خلیفہ سے تیری سفارش کروں تجھ سے

ایک سوال کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ تو اوس کا شافی جواب ادا کرے۔ موسیٰ نے اس شرط کو قبول کر لیا۔

امیر مہلب نے اس سے پوچھا کہ میں نے تیری لیاقت اور ہوشیاری اور دیانت داری اور تیری بے نظیر شجاعت اکثر سنی ہے اور اب بھی سن رہا ہوں جو تجربہ دنیوی معاملات اور انقلابات زمانہ کا تجھے حاصل ہے دوسرے کو نہیں ہو سکتا علاوہ بریں تو یہ بھی جانتا تھا کہ تیرا دشمن خلیفہ ولید کے بعد تخت نشین ہو گا پس جب کہ تو نے ایسا وسیع اور شاداب اور زرخیز ملک اندلس اپنی بہادری اور شمشیر کے زور سے فتح کر لیا اور تیرے پاس ایک بڑا لشکر جرار موجود تھا اور متعدد خزانے تیرے قبضہ میں تھے اور تیرے مخالفین کے درمیان دریائے شور حد فاصل تھا اور نیز تجھکو پورا یقین تھا کہ تیری لازوال خدمات کی جن کا سکہ ممالک اسلام اور ممالک نصاریٰ دونوں پر بیٹھ چکا ہے اس دربار میں قدر نہ ہو گی تو پھر کیوں ایسے عمدہ مواقع ہاتھ سے جانے دئے اور کیوں دشمنوں کا شکار بنا اگر ایسے موقع ہاتھ سے نہ دیتا اور ملک اندلس کا حاکم بن بیٹھتا تو آج یہ برا دن نہ دیکھتا۔ گو میں نے تجھسے وعدہ معافی دلانے کا کر لیا ہے اور اس کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھوں گا لیکن اس کے ساتھ تجھ کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ مجھے کامیابی کی بالکل امید نہیں ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ اے مہلب یہ وقت میری غلطیاں پکڑنے کا نہیں ہے موت نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔ ابن المہلب نے کہا کہ اس سے میرا منشا اور مطلب یہ نہیں تھا کہ میں شکایت کروں یا تجھکو رنج پہونچاؤں۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ اصلی حالت سے واقف ہو جاؤں اور اس کا اندازہ کر سکوں کہ کچھ صلح کی امید بھی ہے یا نہیں موسیٰ نے جواب دیا کہ کیا تو اوس آبی جانور سے واقف نہیں ہے جس کی تیز نگاہ دریا کی تہ کی خبر لاتی ہے لیکن بچھے ہوئے جال کو قریب سے نہیں دیکھ سکتا۔

الغرض امیر ابن المہلب نے خلیفہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر موسیٰ کی فتوحات اور اوس کی قابل یادگار خدمات کو یاد دلا کر سفارش کی سلیمان کو اس امیر کی راست بازی اور خیر خواہی پر پورا بھروسہ تھا اس کی سعی نے دل پر اتنا اثر کیا کہ وہ موسیٰ کے قتل سے دست بردار ہو گیا لیکن جرمانہ میں کچھ کمی نہ کی اور خیداد کر

اندلس اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ عبدالعزیز بن موسیٰ والی ملک اندلس کا سر کاٹ کر دربار شاہی میں حاضر کریں گویا باپ کے گناہوں کا بدلا اوس کے لایق اور بے گناہ بیٹے سے جو ہمہ تن ملک اندلس کے انتظام اور اپنے خلیفہ کی خیر خواہی میں مصروف تھا لیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد موسیٰ ابن نصیر نے وادی القریٰ میں سکونت اختیار کی لیکن طرح طرح کی تکلیف میں مبتلا تھا حتیٰ کہ پہننے کو نہ کپڑا ملتا تھا نہ کھانے کو روٹی نصیب ہوتی تھی۔ سنہ ۱۹ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عمرؓ ابن الخطابؓ پیدا ہوا اور ساٹھ برس کی عمر میں افریقہ کا والی مقرر ہوا۔ سنہ ۹۷ھ میں بحالت بے کسی پر حسرت ارمان اس جہان سے رخصت ہوا۔ تمام ہم عصر مورخین موسیٰ کی بہادری اور انتقال ذہن کی تعریف کرتے ہیں جیساکہ یہ شخص بہادر اور لائق تھا اوسی قدر رحم دل اور اپنے مذہبی عقائد میں پکا اور فیاضی میں اپنا نظیر رکھتا تھا۔ اس کے گرد ہمیشہ فقرا اور ذی علم لوگ جمع رہتے تھے گو یہ اخیر وقت میں کم ظرف لوگوں کی دشمنی اور حسد کا نشانہ ہوا اور انھوں نے اس کی پاکدامنی میں دہبہ لگانے کے لئے کوئی بات اوٹھا نہیں رکھی لیکن جب تک اس کی فتوحات کا نام دنیا میں باقی ہے اس کا نام بھی مثل آفتاب روشن رہیگا۔ اگر ہم انصاف پسند مصنفین کی تصانیف کی سیر کریں اور تواریخ سے مدد لیں تو اس کے ورقوں میں ہم کو بہت سی ایسی نظیریں ملیں گی جو مصداق اس شعر کے ہیں ؎

حقوق خدمت صد سالہ رائیگاں باشد

ز کشورے کہ درو کود کاں خداوند اند

یہ امر نہایت عبرت ناک ہے کہ وہ شجیع اور خوش تدبیر جو اپنی نظیر رکھتا تھا اس قدر مجبور ہو گیا کہ لاکھ تدبیریں کیں مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی۔

آنحضرت صلعم کے بعد تیس (۳۰) سال نہایت سادہ آئین جمہور پر عمل رہا اور ہر ذی حق کو حق پہونچتا رہا مگر جب ذاتی اغراض اپنی حد سے تجاوز کر گئے اور امیر معاویہ کے زمانہ میں شخصی اور موروثی سلطنت قائم ہو گئی اور شہر دمشق سلطنت کا پایۂ تخت قرار پایا تب انتظام سلطنت اور استحکام مملکت بلکہ کل سیاستی امور ایک ہی شخص کی رائے پر

چھوڑ دئے گئے۔ شخصی سلطنت میں قوم کی ترقی و تنزل ایک ہی شخص کی محسن لیاقت اور خوش تدبیری پر منحصر ہے اگر بادشاہ قوم کی خوش قسمتی سے بیدار مغز اور قدردان علم و ہنر کامل آیا تو اوسکے قوم کیلئے ایسے بادشاہ کی زندگی کا ہر روز عید اور ہر شب شب برات ہے۔ ورنہ قوم و ملک کے حصہ میں تباہی اور بربادی رکھی ہے۔

شام ۔ مصر ۔ افریقہ ۔ اندلس ۔ روم ۔ ہندوستان میں بہت سے ایسے نامور بادشاہ گزرے ہیں جن کے ظل عاطفت میں ہر قسم کے علم و فن نے نشو و نما پایا جن کی شہادت تاریخ دے رہی ہے۔ مگر ان ملکوں میں ایسے بادشاہ بھی ہوے ہیں جنہوں نے اپنے آبا و اجداد کی شان و شوکت خاک میں ملا دی اور اون کی جفاکشی اور محنت کی یہہ قدر کی کہ جن اقلیموں کو ان کو پیش رووں نے بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد فتح کیا تھا کھو بیٹھے۔ کیا خوش قسمت ہیں اہل یورپ جنہوں نے اسلام کے حیرت انگیز عروج اور پھر عبرت آمیز تنزل کی تاریخ سے پورا فائدہ اوٹھایا اور بہت جلد اپنی دولتوں کو ایسے اصول پر قائم کر لیا جس میں آیندہ ترقیوں کا سلسلہ قائم ہوگیا اور گزشتہ غلطیوں کو مٹا دیا۔ قبل اس کے کہ ہم اس حیرت انگیز اور درد آمیز بیان کو ختم کریں اس مقام پر یہہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ خلیفہ سلیمان ابن عبدالملک کی ناقدردانی اور جابرانہ برتاؤ کا اثر جو دوسرے خیرخواہان سلطنت پر پڑا اوسے تحریر کریں وہ یہ ہے کہ چند ہی روز کے بعد حاکمان اندلس ۔ افریقہ ۔ مصر نے رفتہ رفتہ شہر دمشق پایہ تخت اسلام سے اپنے تعلقات قطع کر لئے اور ہر امیر خود مختار بن گیا۔ آپس کی خانہ جنگیوں نے اسلام کی مجموعی قوت کے ٹکڑے کر ڈالے اگرچہ یہہ حالت خلیفہ سلیمان کے عہد حکومت میں نہیں ہوئی لیکن اس کی بنیاد اوسی زمانہ میں قائم ہوئی اور وہ لائق اور جاں نثار امیر جو خلیفہ پر اپنی جان دیتے تھے اور اس کے حکم کو آنحضرت صلعم کے ارشاد سے کم نہ سمجھتے تھے اوس کے افعال قبیحہ سے متنفر ہو کر باغی اور مخالف ہوگئے۔ ذی لیاقت اور صاحب فہم بادشاہوں نے اس کے بعد سلطنت کو بہت کچھ سنبھالا لیکن اون کی اولاد اپنے پیش رووں کی

محنت کو برباد کر دی گئی موسیٰ ابن نصیر اور اوس کی بے گناہ اولاد پر جو ظلم و ستم ہوا ہے وہ خون ناحق کی طرح خاندان بنی امیہ کی بربادی کا باعث ہوا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

ایک انگریزی شاعر کیا خوب لکھتا ہے کہ "اے قسمت تو نے ترقی کے زینہ پر ایک ایسا مقام بھی بنا رکھا ہے جہاں آدمی ترقی کرتا ہوا پہونچتا ہے اور پھر تیری ہی بدولت وہاں سر کے بل گر پڑتا ہے" بادشاہ انگلستان کے زبردست اور خیر خواہ وزیر کرام ول کے یہ حسرت انگیز اور درد آمیز الفاظ اس بدنصیب امیر کے حسب حال ہیں "جس محنت و جانفشانی سے میں نے اپنی عمر عزیز کو اپنے خداوند مجازی کی خیر خواہی اور نیک اندیشی میں صرف کیا اگر اوس کا عشر عشیر بھی اپنے خداوند حقیقی کی خوشنودی و اطاعت میں بسر کرتا ہوا جرم پوش خطا بخش مجکو اس حالت ذلت اور بے کسی میں دیکھنا ہرگز گوارا نہ کرتا"
موسیٰ ابن نصیر کے جانے کے بعد عبد العزیز نے عنان حکومت کو پورے طور سے اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیا اور اپنی منتشر فوج کو اکٹھا کر کے اون شہروں کو جو اب تک عربوں کے قبضہ سے باہر تھے فتح کرنا شروع کیا تا اینکہ تمام جزیرہ نما ملک حدود اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان فتوحات کے بعد یہ سیاست اور ملک کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا اور سب سے پہلے اپنے ملک کو دوسری قوموں کے حملہ سے بچانے کے لئے سرحدات مضبوط اور درست کرنے لگا۔ ہنوز یہ کم عمر ہونہار اور لایق امیر انتظامی امور کی طرف متوجہ تھا کہ یکبارگی مصیبت کے آسمان نے اس کے روشن ستارہ کو تاریکی میں پوشیدہ کر دیا۔ فوراً سلسلہ کامیابی مدبرانہ ارادوں اور ولولوں کا منقطع ہو گیا۔ عالم شباب نے پیری کا ذائقہ چکھا۔
عبد العزیز چرخ کی نیرنگیوں سے بے خبر اور خلیفہ سلیمان کی وحشیانہ حرکات سے لاعلم اپنے بادشاہ پر جان و مال نثار کر رہا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز گزرے تھے کہ اس نے آخر سال حسب دستور صوبہ

افریقہ اور اندلس سے زرکثیر وصول کر کے خلیفہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا جن لوگوں نے صوبجات کا محاصل خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا انھیں کی معرفت سلیمان نے اس امیر کے قتل کا حکم بھیجا اندلس میں اس قتل کے فرمان کو سب سے پہلے موسیٰ ابن نصیر کے سچے دوست اور خیرخواہ امیر حبیب ابن عبیدہ نے کھولا اور جب قتل کے مضمون پر اس کی نظر پڑی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور ہاتھ رعشہ سے بے قابو ہوگئے۔ نامہ زمین پر گر پڑا اور اشک بھری آنکھوں سے امیر زیدبن نابہ کی جانب متوجہ ہوکر کہا کہ موسیٰ اوس کے خاندان کے دشمن اپنی بغض اور عداوت بھری کارروائی میں کامیاب ہوگئے۔ اس خاندان کے مشہور کارنامے اور بے نظیر خدمات بہت جلد فراموش کردئے گئے۔ خدا منصف ہے اور اوس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کریں۔ اسی وجہ سے ہم مجبور ہیں۔"

الغرض حسب الحکم خلیفہ سلیمان امیر عبدالعزیز قتل ہوا اور اس کا سر دمشق بھیجا گیا۔ اس لائق امیر کے عہد حکومت میں وہی لطف زندگی اور امن کا تھا جو اس عہد کے کئی سو برس بعد ہندو اور مسلمانوں نے اکبر کی بدولت ہندوستان میں اوٹھایا عبدالعزیز نے اپنے مدبرانہ طرز حکومت اور خوش تدبیری سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں ایسا اتحاد پیدا کر دیا تھا جسے ہم قومی اتحاد کہیں تو نامناسب نہ ہوگا موسیٰ کے جاتے ہی اس نے ایک دیوان یا مجلس امرا اس غرض سے قائم کی تھی کہ وہ اسلامی قانون سے اوس حصہ کو اخذ کریں جس سے عیسائی اور مسلمان دونوں برابر اوٹھا سکیں۔ اس میں ایک بڑا حصہ ملکی قانون اور رسم و رواج کا بھی شریک کر دیا گیا تھا۔ اس قانون کے مطابق اگر کوئی غلام نصاریٰ دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تو وہ آزاد سمجھا جاتا تھا اوس کے مالک کو اوس پر کوئی حق یا دعویٰ باقی نہ رہتا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں غلامی کا عام طور پر رواج تھا۔ اندلس کے امرا اور رؤسا اور زمیندار خرچ سے بچنے کے لئے غلاموں ہی سے تمام کام لیا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی زمانہ میں اس قسم کے لوگ جو دوسروں کی غلامی میں تھے اونھوں نے اسلام اختیار کر کے پوری آزادی اور خودمختاری حاصل کر لی۔ دوسری

قابل تعریف اور یادگار بات عبدالعزیز نے یہ کی کہ عیسائی اور مسلمانوں کو آپس میں شادی کرنے کی ترغیب دی چنانچہ سب سے پہلے دوسروں کو اوس طرف راغب کرنے کی غرض سے خود شاہ لندریق کی زوجہ اجیلونا سے جسے عرب اُمّ عاصم کہتے ہیں نکاح کیا۔ عبدالعزیز سنہ ۹۸ھ میں قتل ہوا۔ اوس کے انتقال کے ایک سال بعد سنہ ۹۹ھ م سنہ ۷۱۷ء میں خلیفہ سلیمان نے صرف دو سال پانچ مہینے حکومت کے بعد انتقال کیا اگرچہ کہ دور دور کے صوبوں کے ساتھ اس کا برتاؤ اس قدر سخت اور جابرانہ تھا کہ بالآخر بتدریج یہ حصے سلطنت سے علٰحدہ ہو گئے لیکن مشرق میں رعایا اس کی حکومت سے بہت خوش رہی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے تخت نشینی کے بعد تمام جیل خانوں سے قیدی آزاد کر دئے تھے اور اپنی شامی رعایا کے آرام و آسائش کا خاص طور پر نگراں تھا۔ اس کے صلہ میں اس کو رعایا مشرق نے خطاب مفتاح الخیر کا دیا تھا۔ خلیفہ سلیمان کے بعد اس کا چچا زاد بھائی عمر ابن عبدالعزیز صفر سنہ ۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس رحم دل رعایا پرور بادشاہ نے جلوس کے بعد ہی اپنی شفقت اور رعایا کی دلجوئی اور بیدار مغز طرز حکومت سے کچھ روز کے واسطے سلطنت کو بربادی سے بچایا۔ تین سال امور سلطنت کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا۔ سپاہ کی دعوتیں اور خاطرداری کی۔ رعیت کی فلاح و بہبودی میں کوشش کی۔ چنانچہ قبل اپنے انتقال کے خلیفہ نے اپنے وسیع ملک میں عدل اور انصاف کا خود نتیجہ دیکھ لیا تھا۔ لیکن اس کے بعض احسان فراموش رشتہ دار جو خود غرضی میں خلیفہ سلیمان کے قدم بقدم چلتے تھے اس ہردلعزیز اور دانشمند بادشاہ کو جسے رعایا نے خلیفۃ الصالح کا خطاب دیا تھا سنہ ۱۰۱ھ میں زہر دے کر مار ڈالا۔

امیر عبدالعزیز بن موسیٰ کے قتل کے بعد فوج اور امرا نے بالاتفاق امیر ایوب بن حبیب اللخمی کو اوس کا جانشین مقرر کیا لیکن والی افریقہ نے جس کے ماتحت صوبہ اندلس تھا ایوب کے تقرر کو نامنظور اور اس عہدہ پر امیر الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی کو نامزد کیا مگر امیر الحر جیسا کہ بہادر اور شجیع تھا اوسی طرح ظالم بھی تھا اس کے ظلم و ستم سے عیسائی اور مسلمان دونوں نالاں تھے جب اس کی زیادتیوں کی خبر خلیفہ عمر کو پہونچی اوس نے

فوراً الحر کو معزول کر کے امیر السمح بن مالک الخولانی کو اس جلیل القدر عہدہ پر مقرر کیا اس حاکم کے عدل و خوش تدبیری
اور حُسن انتظام سے عبد العزیز کے عہد حکومت کا سماں رعایائے اندلس کی آنکھوں میں پھرنے لگا اس نے
خلیفہ کے حکم سے محکمۂ مردم شماری قایم کیا اور ماہرین جغرافیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک یادداشت مع نقشہ
تیار کریں جس میں شہر اور دریا اور سمندروں کی ٹھیک تعداد اور اراضی کی نوعیت اور اوس کا سالانہ محاصل
پورے طور سے درج ہو سرقسطہ میں ایک عظیم الشان مسجد اس نے تعمیر کی اور تجارت کے لئے جدید پُل
تیار کرائے الحاصل اس لائق اور منتظم امیر کے زمانۂ حکومت میں اُن سب امور نے روز افزوں ترقیاں
کیں جو قیام سلطنت اور استحکام مملکت سے تعلق رکھتے ہیں مہمات سلطنت کے انتظام سے فارغ ہونے
کے بعد امیر السمح نے فوج کو درست کیا اور جمعیت کثیر کے ہمراہ سرحد ملک فرانس کی جانب باغیوں کی تنبیہ
کے لئے روانہ ہوا اونکی گوشمالی کے بعد جبل البرتات سے گزر کر سرزمین فرانس میں داخل ہوا یہ وہ پہاڑ ہے
جس پر چند سال پہلے امیر موسیٰ نے کھڑے ہو کر یورپ کے فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا اس ملک کے باشندوں کے
دلوں میں ابھی تک عربوں کے سابقہ حملوں اور فتوحات کا خوف باقی تھا۔ شہر اربونیہ کے باشندوں نے اسکی
فوج کو دیکھ کر فوراً دروازے کھول دئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اور شہروں کے حاکموں نے بھی عربوں کی اطاعت
قبول کر لی امیر السمح نے ان مفتوح شہروں میں کافی فوج شہر کی حفاظت کے واسطے متعین کی اور
اور خود شہر ٹولوز پہونچکر اوس کا محاصرہ کر لیا۔ بہت بڑا حصہ فوج کا شہروں کی حفاظت کے لئے پیچھے رہ گیا
تھا اور جو فوج امیر کے ہمراہ تھی وہ اس محفوظ و مستحکم شہر کے فتح کرنے کے لئے ناکافی تھی امیر اسی فکر و تردد
میں تھا کہ دفعتاً یوڈس رئیس اکوٹین بڑے لشکر کے ہمراہ عربوں کا مقابل ہوا جب سپہ سالار نے دونوں
فوجوں پر نظر ڈالی دیکھا کہ عیسائیوں کی فوج بمقابلہ عربوں کے دس گنی ہے لیکن اب دشمن کے سامنے
سے ہٹنا ممکن نہ تھا پس باوجود اس قلیل تعداد کے عرب اپنی مشہور دلیری اور شجاعت کے ساتھ
فرانسیسیوں سے لڑتے رہے فوج کے افسروں نے تلواروں کے نیاموں کو توڑ ڈالا کہ بغیر فتحیابی کے

تلوار کو نیام نہ کریں گے۔ ان عربوں کی نسبت بھی وہی قول اہل یورپ کا صادق آتا ہے جو زمانہ حال میں نپولین کے مشہور گارڈس پر صادق آتا تھا یعنی "بغیر جان دئے میدان جنگ سے قدم پیچھے نہ ہٹایا اور دشمن سے امان طلب کی"۔ ایک عرصے تک یہ تمیز نہ ہوتی تھی کہ ان میں سے کون غالب ہوگا۔ اس اثنا میں ایک اتفاقی تیر نے امیر السمح کو زخمی کیا جس کے صدمہ سے امیر گھوڑے سے زمین پر گر پڑا اس واقعہ سے عرب ایسے بے دل ہوئے کہ قریب تھا کہ پسپا ہو کر میدان جنگ خالی کر دیں امیر عبد الرحمن بن عبد الغافقی نے فوج کی یہ سراسیمگی اور پریشان حالی دیکھ کر اوس کی افسری اپنے ہاتھ میں لے لی اور کمال بہادری اور ہوشیاری سے اس نے فوج کو تباہی اور قتل عام سے بچایا جس کی تعریف دشمنوں نے بھی کی۔ یہ جنگ جو بلاط الشہدا کے نام سے مشہور ہے ۱۰۳ھ م ۷۲۱ء میں خلیفہ عمر کے انتقال کے تقریباً دو سال بعد واقع ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یزید بن عبد الملک ثانی بادشاہ تھا اور اس کا ہمنام یزید بن ابی سلامۃ ولایت افریقہ صوبہ دار تھا۔ امیر السمح تیر کے زخم سے جان بر نہ ہو سکا۔ اس کے انتقال کے بعد اور عنبسہ ابن سحیم الکلبی کی تقرر تک عبد الرحمن نے اندلس کی خدمت صوبہ داری کو بھی نہایت نیک نامی کے ساتھ انجام دیا۔ ۱۰۳ھ م ۷۲۱ء میں ایک عیسائی بلائی[۱] نامی نے چند اپنے ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں کو جمع کر کے صوبہ جلیقیہ میں عربوں سے بغاوت شروع کر دی بلائی اور اوس کے ہمراہی ایک بلند اور محفوظ کوہ پر فروکش ہوئے جہاں سے یہ بغیر اپنے ذاتی نقصان کے عربوں کو بہت کچھ مضرت پہونچا سکتے تھے گو بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے اس صوبہ کو بالکل فتح کر لیا غلطی ان سے یہ ہوئی کہ بلیو[۲] اور اوس کے تیس ہمراہیوں کو آزاد رہنے دیا۔ یہ نہ سمجھے کہ "افعی کشتن و بچہ اش نگاہ داشتن کار خردمنداں نیست"۔ جب کبھی یہ تیس آدمی لوٹ کی غرض سے پہاڑ کے نیچے آجاتے تھے اور عربوں کو ستاتے تھے تو وہ یہ کہکر کہ یہ تیس آدمی ہمارا کیا کر سکتے ہیں خاموش ہو جاتے تھے۔

---

[۱] بادشاہ کے محافظ۔ [۲] انگریزی میں پلیو کہتے ہیں۔

ابن حیان اپنی تاریخ میں تحریر کرتا ہے کہ کاش حق تعالیٰ عربوں کے دلوں میں ان تیس آدمیوں کے قلع قمع کر دینے کا خیال پیدا کر دیتا اس بے پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ اونھوں نے تمام ملک کے عیسائیوں کو اپنی جانب کر لیا یہ کیسا ہی بعید از قیاس واقعہ کیوں نہ ہو مگر تمام مورخین عرب کا قول ہے کہ جن مٹھی بھر کوہ نشینوں کو عرب حقارت سے دیکھا کرتے تھے آخر کار وہی اور اون کے جانشین انتزاع سلطنت کے باعث ہوئے یعنی جو آگ بلائی اور اوس کے تیس رفقا نے لگائی تھی اوسی آگ کی چنگاریوں نے آٹھ سو برس بعد عربی حکومت اندلس کو خاکستر کیا تھا چنانچہ صدیوں کے بعد بلائی بغاوت کو یاد دلا کر مورخ ابن سعد لکھتا ہے کہ حال میں ان لوگوں نے اپنی تعداد اور کامیابی میں اس قدر ترقی کی کہ دشمنان اسلام کے قبضہ میں بعض مشہور شہر آگئے۔ اور وہ بے نظیر ہمارے اسلاف کی یادگار اور پرشوکت پایہ تخت سلطنت اندلس یعنی قرطبہ جس میں خلفاء بنی امیہ دربار کیا کرتے تھے کافروں کے قبضہ میں دوبارہ چلا گیا۔"

بعض مورخین کا قول ہے کہ امیر عنبسہ جنگ فرانس میں مارا گیا اور بعض یہ تحریر کرتے ہیں کہ اثنا راہ میں اوس کا انتقال ہوا۔ بہرکیف چار سال کی حکومت کے بعد سنہ ۱۰۷ھ م ۷۲۵ء خلیفہ یزید بن عبدالملک ثانی کے دو سال بعد اس نے انتقال کیا۔

عنبسہ کے بعد فوج نے امیر عذرۃ بن عبداللہ الفہری کو والی اندلس مقرر کیا بعض مورخین نے اس کو والیان اندلس کی فہرست میں شریک نہیں کیا ہے اور بعض مورخین مثل ابن حیان کا بیان ہے کہ یہ شخص اون مشہور امیروں میں تھا جنھوں نے اندلس کے فتح کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا اس عارضی تقرر کے چند ہی ماہ بعد بشیر ابن صفوان الکلبی والی افریقہ نے یحییٰ ابن سلامۃ الکلبی کو اس عہدہ پر مامور کر کے اندلس روانہ کر دیا امیر یحییٰ ۱۰۷ھ کے آخر میں اندلس داخل ہوا اور اٹھارہ مہینے تک حکومت کی۔ تاریخ سے اس کا پتہ ملتا ہے کہ اس کی حکومت میں قرطبہ اس ملک کا دارالحکومت قرار پا چکا تھا۔

اس کے بعد جب عبید ابن عبدالرحمن والی افریقہ مقرر ہوا تو اوس نے ذی ۱۱۰ھ میں امیر عثمان کو ولایت اندلس پر مقرر کیا لیکن یہ پانچ ہی مہینے کے بعد معزول ہوگیا اور امیر حذیفہ بن الاحوص القیسی اس عہدہ پر حسب حکم والی افریقہ مامور ہوا۔

ربیع الاول ۱۱۱ھ کو اس نے اپنے عہدہ کا جایزہ لیا اور ایک سال کی حکومت کے بعد الہیثم بن عبیدہ عبید الکلابی اوس کا قائم مقام مقرر ہوا پھر ابتدا ۱۱۳ھ لغایۃ ۱۱۵ھ محمد بن عبداللہ لاشجعی۔ عبدالملک بن قطن الفہری یکے بعد دیگرے حاکم مقرر ہوئے۔

ان کے زمانہ حکومت میں کوئی ایسا واقعہ نہیں جو قابل تحریر ہو ۱۱۶ھ میں ولایت اندلس امیر عقبیٰ کے سپرد ہوئی۔ اس کے سابق کے دو تین حاکم اپنے جور و ستم سے بدنام ہوگئے تھے لیکن اس نے نیک نامی کی شہرت حاصل کی اس کی معدلت گستری اور سچے مذہبی عقائد اور متانت اور سنجیدگی نے اسے ہر دلعزیز بنا دیا تھا مسلمان اور عیسائی دونوں اس کے طرز حکومت سے خوش تھے۔ اس نے اپنی حکومت پنجسالہ میں ملک فرانس پر کئی بار حملے کئے اور شہر اربونیہ تک اپنا قبضہ کرلیا اور متعدد قلعے دریائے رون کے کنارے تیار کر دئے فتوحات عظیم حاصل کرنے کے علاوہ اس نے سلطنت کا عمدہ انتظام کیا اور اسلام کے پھیلانے میں از حد کوشش کی اس کا دستور تھا کہ ہر فتح کے بعد واجب القتل قیدیوں کو پہلے اسلام کے قبول کرنے کا موقع دیتا پھر اگر وہ ایمان نہ لاتے تو مجبوراً قتل کرتا جیسا دیانت دار اور امانت شعار حکام اس پر اپنی جان نثار کرتے تھے ویسا ہی ظالم اور بدنیت اس سے ڈرا کرتے تھے عقبیٰ نے جب اس عہدہ کا جائزہ عبدالملک سے لیا تو مورخین عرب عموماً یہ تحریر کرتے ہیں کہ عقبیٰ نے اس امیر کو بے قصور پاکر اوس کو فوج کے ایک حصہ کا افسر مقرر کیا اور بعض مورخین کا قول ہے کہ عبدالملک ابن قطن نے عقبیٰ کو اندلس میں داخل ہوتے ہی نکال دیا تھا۔ لیکن اول الذکر بیان صحیح ہے اس لئے کہ عقبیٰ کی اندلس آنے کے بعد عبدالملک امیر بلج کی اجازت سے قتل ہوا اور عقبیٰ نے صفر ۱۲۳ھ م ۷۴۱ء میں قرطبہ میں انتقال کیا۔

باب چہارم

قوم بربر کا افریقہ اور اندلس میں بغاوت کرنا۔ عبدالملک ابن قطن کا اون سے شکست کھانا جنگ امرا ابن سالم۔
یوسف الفہری کا انتظام خلیفہ مروان بن محمد بن مروان بن عباسیہ کی بغاوت۔

خلیفہ یزید ابن عبدالملک کے بعد ہشام ابن عبدالملک سریر خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے ہنوز عنانِ حکومت پورے طور سے ہاتھ میں نہ لی تھی کہ دفعتاً یہ خبر پہونچی کہ قوم بربر نے مغرب الاقصیٰ میں بغاوت کر دی ہے اور انتظامات ریاست میں مخل ہو رہے ہیں اور لوٹ مار سے غریب رعایا اور حکام کو پریشان کر رہے ہیں اس نے فوراً عبداللہ کو معزول اور انتظام و حکومت اس حصۂ سلطنت کی کلثوم ابن عیاض کے سپرد کی یہ امیر جمعیت کثیر کے ہمراہ شام سے روانہ ہوا۔ افریقہ آکر اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اوس تمام فوج کو جو مختلف قلعوں میں بغرض حفاظت مقیم تھی اور جس کی تعداد تقریباً ستر ہزار تھی اپنی فوج میں فوراً شریک کر کے باغیوں کے مقابلہ کے واسطے آگے بڑھا۔ اہل بربر کے افسر کا نام میسرا تھا جس دم امیر کلثوم کے آنے کی خبر اسے پہونچی یہ بھی بڑے لشکر کے ہمراہ لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ جب عربوں نے پہلے پہل افریقہ کی اس حصہ کے فتح کرنیکا عزم کیا تھا اس ملک اور قوم کی تسخیر میں چنداں دقت نہ ہوئی تھی کیونکہ قوم بربر نہایت پست ہمت اور فنون سپاہ گری سے بالکل ناواقف تھی۔ سو برس میں عربوں کی حکومت نے اس قوم کی حالت کو ایسا بدلا کہ یہ قوم جو ایک زمانہ میں ہر بات میں حقیر سمجھی جاتی تھی اب عربوں کی بدولت اخلاقی تمدنی۔ علمی۔ سیاستی۔ فوجی اصلاحوں سے آراستہ اور مشہور ہو گئی جنگ وادی لکتہ کو طارق ابن زیاد نے اسی قوم کی مدد سے فتح کیا تھا چنانچہ جب خلیفہ سلیمان نے موسیٰ ابن نصیر سے اہل بربر کی نسبت سوال کیا

تو اوس نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین بربر مجموعہ ہے چند قوموں کا اگر کوئی قوم عربوں سے ہمت اور شجاعت اور فیاضی اور رحم دلی میں مشابہت رکھتی ہے تو وہ یہی قوم ہے لیکن باوجود ان اوصاف کے اس قوم سے زیادہ دغاباز اور احسان فراموش دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے۔ گویا موسیٰ ابن نصیر نے پیشین گوئی کی تھی جس کا ظہور اب ہوا لیکن ہم کو اس کا بھی خیال رکھنا ضرور ہے کہ محکوم قوم میں کیسے قابل قدر جوہر کیوں نہ ہوں فطرت اس کی مقتضی ہے کہ حاکم اپنے محکوم کو کسی قدر کم وقعتی کی نظر سے دیکھتا ہو اگرچہ عرب قوم بربر کو دوسری قوم پر ترجیح دیتے تھے لیکن اپنے مقابلے میں حقیر سمجھتے تھے یہی سبب تھا کہ امیر کلثوم نے بے پروائی سے ان کا مقابلہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو شکست فاش ملی بلکہ قریب تھا کہ انکا افسر گرفتار ہوجاتا امیر کلثوم نے بہزار مشکل اپنے کو بچایا اور قلعہ سوطا میں باقی جمعیت کے ہمراہ پناہ گزیں ہوا۔ فوج بربر نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ عربوں نے قلعہ میں کسی قسم کا انتظام نہیں کیا تھا چند ہی روز میں رسد نہ پہونچنے سے اون پر طرح طرح کی سختیاں گزرنے لگیں۔ فاقہ کشی اور بیماری نے فوج کی تعداد میں کمی کردی امیر کلثوم نے حاکم اندلس سے مدد چاہی لیکن عبدالملک نے اس خیال سے کہ بعد رہائی یہ لوگ مجھے اس عہدہ پر قائم نہ رکھیں گے مدد دینے سے انکار کردیا مگر جب اس دردناک واقعہ کی خبر اندلس میں پھیل گئی تو مسلمانوں کو عام طور سے رنج ہوا اور اپنے بھائیوں کو ایسی بیکسی اور مصیبت میں گرفتار دیکھ کر قومی ہمدردی نے اون کو بے چین کردیا چنانچہ زید ابن عمرو اور ہر عام و خاص نے طرح طرح کی آسایش و ضروری سامان جہازوں پر بھر کے اون نیم جانوں کو پہونچایا لیکن یہ قومی ہمدردی، عبدالملک کو ناگوار گزری اور اس نے زید کو گرفتار کر کے سات سو ضرب بید کی سزا دے کر نہایت بے رحمی سے قتل کیا خلیفہ ہشام کو جب عربوں کی شکست اور امیر کلثوم کے قلعہ سوطا میں محصور ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو امیر حنظلہ کو فوج کے ہمراہ مغرب الاقصیٰ کی جانب روانہ کیا اس نے افریقیہ پہونچتے ہی فوج بربر کو متعدد شکستیں دے کر فوج محصورہ کو قید سے رہا کردیا۔ ہنوز یہ حصہ سلطنت خانہ جنگیوں اور بغاوت کے سخت صدموں سے سنبھلا نہ تھا کہ اسی قوم بربر کے وہ لوگ جو اندلس میں آکر بسے تھے انھوں نے جنگ کی خبر

پاتے ہی اندلس میں بغاوت شروع کردی اور عبدالملک کو متواتر شکستیں دیں عبدالملک جانتا تھا کہ فساد
بآسانی فرو نہ ہوگا اس نے ایک خط امیر بلج ابن بشیر بن عیاض القشیری کو تمام واقعات جنگ کے لکھ کر روانہ
کیا اوس میں یہ بھی وعدہ تحریر کیا تھا کہ اگر تم ہماری مدد کے لئے یہاں آؤگے تو میں تمہیں اور تمہاری فوج کو
انعام دونگا یہ خط امیر بلج کو اوس کے چچا امیر کلثوم کے انتقال کے بعد پہونچا اور چونکہ امیر حنظلہ سے کوئی امید
ترقی کی نہ تھی اس نے درخواست مذکور کو منظور کر لیا اور اپنی فوج کو انعام اور صلہ کی ترغیب دلا کر اندلس چلنے
پر آمادہ کیا۔ چنانچہ امیر بلج اپنی فوج کے ہمراہ اس ملک میں داخل ہوا عبدالملک نے ان کے دل بڑھانے
کے لئے امیر بلج اور اوس کے ساتھیوں کو زمین اور خطابات عطا کئے مگر اس کے ساتھ ہی عبدالملک نے
امیر بلج سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد اپنی جمعیت کے ہمراہ پھر افریقہ واپس ہو جائے گا۔
الغرض عبدالملک نے فوج شام کے دو حصے کئے اور اون کی افسری اپنے بیٹوں قطن اور امیہ کے سپرد
کی اور دشمن کا مقابلہ کیا۔ اگر دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی لیکن عبدالملک کامیاب ہوا عبدالملک
ہنوز باغیوں کے تعاقب اور اونکی سرکوبی میں مصروف تھا کہ ملک کی سرسبزی و شادابی اور مال غنیمت کی
فراوانی سے امیر بلج کے دل میں اندلس کی حکومت کی ہوس پیدا ہوئی اور جب ابن قطن نے اُس سے ایفائے
وعدہ کا تقاضہ کیا تو امیر بلج نے وہ واقعات یاد دلائے کہ جب افریقہ میں یہ لوگ قلعہ میں محصور تھے اور بیماری
فاقہ کشی اور بربریوں کے متواتر حملوں سے مرگ کے قریب پہونچ گئے تھے۔ اور پھر اپنے احسانات یاد دلائے
غرض بلج نے اندلس چھوڑنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ یہ کہا کہ عبدالملک کے شدید مظالم سے عاجز آکر خود رعایا
نے مجھے ان مظالم کے انسداد کی درخواست کی ہے جس کا منظور کرنا میرا بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کے
بعد بلج نے عبدالملک کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس کے دشمنوں نے بلج کو یہ رائے دی کہ اس کا قتل کرنا
مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن بلج نے اون کی رائے ناپسند کی مگر جب اوس نے یہ عام شکایت سُنی
کہ چونکہ عبدالملک بھی اس کا یمنی ہم وطن ہے اس لئے رعایت کر رہا ہے بلج نے مجبوراً عبدالملک کو

ان لوگوں کے حوالہ کر دیا۔

جس مورخ سے ہم نے اس حصہ تاریخ کو نقل کیا ہے وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ عبدالملک کی عمر اوس زمانہ میں نوّے برس کی تھی باوجود اس کبرسنی کے یہ نہایت وجیہ اور قدآور اور قوی تھا اس کے چہرے سے آثار شجاعت اور بلند ہمتی کے نمایاں تھے۔ یہ پہلے زمانہ میں اوس مشہور جنگ حجاز میں جو اہل شام اور اہل مدینہ سے ہوئی تھی شریک تھا جب اس کے دشمنوں نے اسے اپنے قبضہ میں پایا تو جنگ مذکور کے واقعات یاد دلا کر کہا کہ اوس وقت تو ہماری تلواروں سے بچکر نکل گیا تھا اور جب ہم قلعہ سوطا میں سخت تکلیفیں اوٹھا رہے تھے اور ہم کتوں کے گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے تھے تو نے نہ صرف مدد دینے ہی سے انکار کیا بلکہ دوسرے لوگوں کو اعانت کرنے سے باز رکھا تھا اس کے بعد اونھوں نے عبدالملک کو قتل کر ڈالا۔

عبدالملک کے بعد اس کے دونوں لڑکوں کو قطن اور امیہ نے قرطبہ سے بھاگ کر اپنے خیر خواہوں کی ایک جماعت کثیر جمع کر لی بنی فہر جو اہل بربر سے تھے اور اندلس میں پہلے سکونت پذیر تھے وہ امیر عبدالرحمن ابن حبیب کے ہمراہ عبدالملک کے خون کا انتقام لینے کے لیئے اوس کے لڑکوں کے ساتھ شریک ہو گئے الفہری کے ساتھ اس کا ہمنام عبدالرحمن ابن علقمہ گورنر شہر اربونیہ جس کی بہادری اندلس میں ضرب المثل تھی اپنی جمعیت کے ہمراہ آملا یہ لوگ ایک لاکھ فوج کے ہمراہ قرطبہ کا محاصرہ کرنے کے لئے آگے بڑھے اودھر سے بلج بھی فوراً بارہ ہزار سواروں کے ہمراہ علاوہ اوس فوج کے جو اسی ملک کے عربوں سے تیار کی گئی تھی دشمن کا مقابلہ ہوا اثنار جنگ میں امیر ابن علقمہ نے بلج کو زخمی کر کے گھوڑے سے گرا دیا باوجود اس واقعہ عظیم کے فوج شام ذرا بھی ہراساں نہ ہوئی اور لڑتے رہے بالآخر یہی بے سردار فوج فتحیاب ہو گئی مگر امیر بلج کے شدید زخموں نے اسے زندہ رہنے نہ دیا چنانچہ اس جنگ کے دو ہی روز کے بعد اس نے سنہ ۱۲۴ھ م ستمبر سنہ ۷۴۲ع میں اندلس کے داخلے کے گیارہ مہینے بعد انتقال کیا۔ اس کے بعد

شامیوں نے ثعلبہ بن سلامۃ العاملی کو اوس کا قایم مقام کیا لیکن اس نے اہل یمن کی اس قدر طرفداری
شروع کی کہ بنی فہر نے اس سے اپنا تعلق قطع کر ڈالا۔ ابھی اندلس کو آپس کی لڑائیوں سے دم لینے کی مہلت
نہ ملی تھی کہ پھر آتش خانہ جنگیوں کی از سر نو بڑے زور شور سے بھڑک اوٹھی اور وہ عرب جو سب سے پہلے
اس ملک میں آکر بسے تھے اونھوں نے اہل بربر کے ساتھ ابن سلامۃ کو شہر مریدۃ میں محصور کر لیا ان کو یقین تھا
کہ اگر سامان خورد و نوش ختم ہوگا تو یہ لڑائی بغیر کشت و خون کے ختم ہو جائے گی۔ اس خیال نے اور نیز ان کی
بے شمار فوج نے ان کو اس قدر بے پروا کر دیا کہ شب و روز سیر و تماشے میں بسر کرنے لگے جب ابن سلامۃ
نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ایک روز صبح کو جب یہ لوگ ناچ اور رنگ میں مشغول تھے شہر سے نکل کر اون پر
حملہ کیا اس میں دس ہزار عرب گرفتار اور ہزاروں قتل ہوئے اس کے بعد امیر ابن سلامۃ قیدیوں کے
ہمراہ شہر قرطبہ میں داخل ہوا اور ایک روز ان کے قتل کا مقرر ہوا۔ اوسی زمانہ میں خلیفہ نے ابو الخطار
ابن ضرار الکلبی کو والی اندلس مقرر کر کے روانہ کیا تھا چونکہ آپس کے تنازعات اور خانہ جنگیوں سے عرب
اور عیسائی پریشان ہو رہے تھے اور ملک کے نظم و نسق میں طرح طرح کی خرابیاں ہو رہی تھیں نئے
امیر کے آنے کی خبر سنتے ہی دوست اور دشمن دونوں نے ہتھیار رکھکر اوس کی اطاعت قبول کر لی۔
عبد الملک کے لڑکوں اور امیر ابن سلامۃ نے بھی صلح کر لی اور ابو الخطار کا اہل شہر نے بڑی دھوم سے
استقبال کیا اور شہر قرطبہ میں لے گئے۔ یہ امیر ۱۲۵ھ میں اندلس داخل ہوا تھا۔ ابو الخطار بڑا بہادر اور
فیاض آدمی تھا۔ لیاقت۔ متانت۔ سنجیدگی۔ دور اندیشی۔ انتظام سلطنت بلکہ صفات حمیدہ اس میں
موجود تھے شہر قرطبہ میں پہونچتے ہی اسے معلوم ہوا کہ اہل شام فساد کے بانی مبانی اور اوسکے اطراف و اکناف
میں کثرت سے بسے ہوئے ہیں اون کی قوت توڑنے کے لئے اون کو دوسروں صوبوں میں بسنے کا
حکم دیا اور انہیں کاشت اور زراعت کے لئے زمین دی تاکہ یہ اوس میں مصروف ہو جائیں۔
صوبہ البیرۃ[۱] جو ملک دمشق سے لطافت آب و ہوا میں بہت کچھ مشابہ تھا اہل دمشق کے لئے

[۱] انگریزی میں الویرا کہتے ہیں۔

تجویز کیا گیا اونھوں نے وہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد اوس کا نام شام رکھا بنی ہمز کو صوبہ اشبیلیہ میں
جگہ دی گئی صوبہ جیان بنی قناصرین کے حصہ میں آیا اور بنی الوردان کو راتیہ اور طلقون عطا ہوا بیت المقدس
کے رہنے والوں نے صوبہ شدونہ میں سکونت اختیار کی اور بنی مفر کو ریاست تدمیر میں رہنے کا حکم ہوا۔
بہرکیف اس امیر نے شہر قرطبہ کو شامیوں سے خالی کرالیا اس سے نقض امن کا اندیشہ بالکل جاتا رہا اور
اندلس میں امن وامان کی خوشگوار ہوا پھر چلنے لگی غرض کہ پہلے پہل ابوالخطار نے کمال متانت اور سنجیدگی سے
اپنے جلیل القدر عہدہ کو انجام دیا لیکن آخرالامر اس سے بھی وہی غلطی ہوئی جو اس کے پیشتروں سے ہوئی تھی۔
اس نے اہل یمن کی طرفداری شروع کردی بالخصوص جب کبھی اہل یمن میں اور بنی مفر اور اون کے ہم قوم
بنی قیس میں نزع ہوتی تھی تو یہ ہمیشہ علانیہ اہل یمن کی طرفداری کرتا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنی مفر اور بنی قیس
نے بھی عام طور پر اس کے حکم سے انحراف کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ تھوڑے ہی زمانہ میں خانہ جنگی کا شعلہ
پھر ایکبار پہلے سے بھی زیادہ مشتعل ہوا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک روز یمنی عرب جو رشتہ میں امیر کا
چچازاد بھائی ہوتا تھا بنی کنعان کے عرب سے لڑا۔ دونوں نے اپنے مقدمے والی کے روبرو پیش
کئے راست بازی کنعانی عرب کی ثابت ہوئی لیکن باوجود ثبوت قطعی کے امیر نے فیصلہ اپنے چچازاد بھائی
کی طرف کردیا اس یک طرفہ فیصلہ سے ناراض ہوکر کنعانی عرب نے سردار بنی مفر ابن حاتم ابن شمر الکلبی عرف
ابوالجوشن کے پاس حاضر ہوکر ناانصافی کی داد چاہی۔

یہ امیر جو ہمیشہ ظلم وستم اور ناانصافی سے متنفر رہتا تھا اس غریب کی آہ وزاری سنتے ہی کشیدہ خاطر ہوا
اور چونکہ یہ اپنی قوم کے حقوق کی حفاظت میں جان ومال کی بھی پروانہ کرتا تھا فوراً ابوالخطار کے پاس آکر غیر
ملائم الفاظ میں اس خلاف معدلت فیصلہ کی شکایت کی اوس نے بھی اس امیر کی شان میں توہین آمیز جملے استعمال کئے
اوس کا جواب بھی اس نے ترکی بترکی دیا۔ پھر یہ رنجش اس قدر بڑھی کہ ابوالخطار کے دربانوں کو حکم دیا کہ اوسے
باہر نکال دیں اس تکرار میں بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالجوشن کے سر وگردن پر کسی نے دو تین گھوں سے بھی مارے

جس سے اوس کا عمامہ سر کے ایک طرف لٹک پڑا جب یہہ قصر کے دروازے سے گزرا تو ایک شخص نے پوچھا کہ اے ابو الحسن تیرے عمامہ کو کیا ہوا ہے جو سر کے ایک طرف لٹک پڑا ہے اس نے جواب دیا کہ عنقریب میری قوم میرے عمامہ کو سیدھا کردے گی۔ ابو الجوشن نے مکان پر پہونچتے ہی اپنی جانبدار قوم کے امیروں کو مشورہ کیلئے طلب کیا وہ سب اس کے مکان پر آئے رات کو ابو الجوشن نے کہا کہ تم نے کچھ سنا کہ آج مجھ پر کیا گزرا انجیل سر دربار میری آبروریزی کی جس سے نہ صرف میری خفت بلکہ تمھاری اور تمھاری قوم کی بھی ذلت ہوئی"

اسکے بعد سب نے واقعہ مذکور کو دوہرایا۔ حاضرین جلسہ نے پوچھا کہ اب تو ہم سے کس قسم کی امداد چاہتا ہے ابو الجوشن نے جواب دیا کہ تاوقتیکہ میں ابو الخطار کو اس ملک کی حکومت سے علٰحدہ نہ کردوں گا زندگی اور آرام مجھپر حرام ہے اسی وقت میں قرطبہ سے روانہ ہوتا ہوں یہاں مجھے کامیابی کی امید نہیں ہے مگر یہہ بتاؤ کہ میں کہاں اور کس کے پاس جاؤں کون مجھے مدد دے گا۔ ان لوگوں نے کہا کہ باستثنا ئے ابو عطاء العیسی اور جس کے پاس تیرا دل گواہی دے چلا جا اول تو یہہ کسی قابل ہی نہیں ہے دوسرے یہہ اگر تیرے لئے کچھ کر بھی سکتا ہے تب بھی یہہ تجھے کسی قسم کی مدد نہ دے گا ابو عطا کی بدظنی کی یہہ وجہ تھی کہ وہ ابو الجوشن سے بہت عداوت رکھتا تھا بجز ابو بکر ابن طفیل العبدی کے سب نے اس رائے کی تائید کی وہ خاموش بیٹھا ہوا ان کی گفتگو سنتا رہا اگرچہ یہہ سب سے کم عمر تھا لیکن اپنی قوم میں بڑا صاحب الرائے سمجھا جاتا تھا ابو الجوشن نے اس سے پوچھا کہ اے ابن طفیل تو اپنی رائے کیوں نہیں ظاہر کرتا اس نے جواب دیا کہ مجھے صرف ایک بات تجھ سے کہنی ہے کہ اگر تو ابو عطا کے پاس نہ گیا اور اب بھی اوس کا دشمن بنا رہا تو ہم کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے اور انجام کار ہم سب قتل ہوں گے برعکس اس کے اگر تو ابو عطا کے پاس چلا جائے اور اوسے بھی اس راز میں شریک کرلے تو مجھے یقین ہے کہ وہ ایسے نازک وقت میں اپنی قدیم عداوت اور دشمنی کو بھول جائے گا اور اپنی قوم کے لئے دل وجان سے تیرا ساتھ دے گا۔ یہہ تقریر ابو الجوشن سنتے ہی اوٹھ کھڑا ہوا اور ابن طفیل کی جانب مخاطب ہوکر کہا کہ یہہ رائے مناسب وقت ہے اور میں بلا تامل اسی پر عمل کروں گا اس کے بعد ابو الجوشن شہر غزیجتہ

میں سیدھا ابو عطا کے مکان گیا اور اس قصہ کو اوس کے سامنے بیان کیا وہ اس کی مدد اور اعانت کرنے پر مستعد ہو گیا پھر ابو الخوشن یہاں سے روانہ ہو کر شہر مورور پہونچا اور ابن سلامتہ سے ملاقات کی چونکہ ابن سلامتہ کو بھی ابو الخطار نے اسی قسم کی زک پہونچائی تھی۔ گو یہ امیر اہل یمن کے مشہور سرداروں میں گنا جاتا تھا لیکن اس نے ابو الخوشن سے اقرار کر لیا کہ اگر بنی مضر کی فوج میدان جنگ میں آئے گی تو میں بھی تیری مدد کروں گا۔ جب ابو الخوشن کو معلوم ہو گیا کہ اندلس کے مشہور اور ذی اقتدار امیر بھی والی کے طرز حکومت سے ناراض ہیں اور میری مدد کے لئے تیار ہیں اس نے سب سے شذونہ میں اپنی اپنی فوج کے ساتھ ملنے کا وعدہ لیا جب یہ سب شہر مذکور میں مجتمع ہو گئے اور ابو الخطار کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔

وادی لکہ کے کنارے پر جنگ شروع ہوئی اس جنگ میں صرف والی مذکور کی فوج کو شکست فاش ہی نہیں ملی بلکہ وہ خود بھی گرفتار ہو گیا۔ ابو الخوشن اور ابن سلامتہ کا پہلے یہ خیال ہوا کہ اسے قتل کر دیں مگر بعدہٗ ابو الخطار کو پا بزنجیر قرطبہ کے ایک مستحکم و مضبوط قلعہ میں مقید کر دیا۔ یہ جنگ اور گرفتاری ابو الخطار کی ماہ رجب سنہ ۱۲۷ھ م سنہ ۷۴۵ء میں واقع ہوئی ابو الخطار بہت روز مقید نہیں رہا۔ قید کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس کے ایک دوست عبد الرحمٰن ابن حسن الکلبی نے ایک رات کو موقع پا کر اوسے رہا کر دیا۔ اس کے بعد جب یمنی عربوں کو معلوم ہوا کہ امیر کا قصد دشمنوں کے مقابلہ کا ہے سب اہل قوم اس کے پاس جمع ہو گئے اور ابو الخطار بہمراہی فوج کثیر قرطبہ روانہ ہوا۔ ابو الخوشن اور ابن سلامتہ بھی غافل نہیں تھے وہ اپنی فوج تیار کر کے میدان شکندہ میں ابو الخطار کے مقابل ہوئے۔ یہ جنگ سنہ ۱۲۹ھ م سنہ ۷۴۶ء میں واقع ہوئی اس میں ابو الخطار نے پھر شکست فاش پائی اور دشمنوں کے ہاتھ میں دوبارہ گرفتار ہو گیا۔ اونھوں نے فوراً اسے قتل کر ڈالا ابو الخطار کے قتل کے بعد ملک کے امراء اور فوجی افسروں نے ابن سلامتہ کو اوس کا قایم مقام مقرر کیا لیکن چند ماہ کے بعد ربیع الثانی سنہ ۱۲۹ھ میں یوسف ابن عبد الرحمٰن ابن حبیب الفہری کو رعایا نے اس عہدہ پر مامور کر دیا۔

چونکہ ابن سلامتہ اور ابو الخوشن کے عہد حکومت میں تمام ملک میں بدانتظامی پھیل گئی تھی اس وجہ سے امیر یوسف

کے تقرر سے عیسائی اور مسلمان دونوں کو خوشی حاصل ہوئی ابن سلامہ کا انتقال اس واقعہ سے کچھ روز پہلے ہی ہو چکا تھا ابوالجوشن ابوعمر بن عمر القرشی حاکم سواحل اندلس کو یوسف کا تقرر نہایت ناگوار گزرا لیکن اس امیر کی لیاقت اور متانت اور سنجیدگی اظہر من الشمس تھی اور اس کا ادنیٰ اور اعلیٰ اسے اپنے دل سے عزیز رکھتا تھا ان لوگوں کو بجز خاموشی اور اطاعت کے دوسرا چارہ نہ تھا امیر یوسف نے اپنی صلح پسند طبیعت کا یہ ثبوت دیا کہ فوراً اپنے مخالف ابوالجوشن کو صوبہ طلیطلہ کا حاکم مقرر کیا مگر یوسف کی صلح کل طرز حکومت نے کچھ فائدہ نہ پہونچایا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ابن علقمہ حاکم اربونیہ[1] بہ نیت بغاوت اس کے مقابلے کے لئے فوجیں جمع کرنے لگا۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ پورا تیار ہوتا اور یوسف سے مقابلہ کرتا یہ خود مارڈالا گیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے امیر ابن الولید نے عیسائیوں کی مدد سے مقابلہ کیا اور اشبیلیہ کو فتح کرکے قرطبہ کے قریب پہونچ گیا۔ لیکن امیر یوسف نے اس کی فوج کو شکست دی اور اسے گرفتار کرکے فوراً قتل کرڈالا۔ اسی طرح عمرابن عمرو نے بھی بغاوت کی لیکن یہ بھی ناکام رہا۔

الغرض جب یوسف الفہری ان باغیوں کی تنبیہ کرچکا اور اسے یقین ہوگیا کہ اب کسی کو جرأت باقی نہیں رہی تب پھر انتظام ریاست کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے تمام صوبوں کا دورہ کیا اور ہر صوبہ پر ایسا حاکم مقرر کیا جس پر بھروسہ تھا۔ بدنیت اور ظالم حکام کو سزائیں دیں فوجی راستے جو اس خانہ جنگی میں توڑ ڈالے گئے تھے وہ درست اور ازسر نو بنائے گئے علاوہ اس انتظام کے امیر یوسف نے ایک فہرست اس ملک کے شہروں کی تیار کرائی اور اندلس کے پانچ صوبے مقرر کئے پہلے صوبہ کا نام اندلوسیہ رکھا اس کے صوبہ کے مشہور شہر یہ تھے قرطبہ۔ قرمونہ۔ اشبیلیہ۔ شدونہ۔ ملقون۔ البیرۃ۔ جیان۔ دوسرا صوبہ طلیطلہ تھا اس میں شہر طلیطلہ او بیدہ بیسہ مرسیہ۔ دینیہ۔ بلنسیہ داخل تھے تیسرا صوبہ مریدۃ۔ پیشتر صوبہ جلیقیہ کے نام سے مشہور تھا اس مشہور شہروں میں مریدۃ۔ بجیسہ۔ لشبونہ۔ سلامنکا گنے جاتے تھے۔ چوتھا صوبہ سرقسطہ اس کے مشہور شہر سرقسطہ۔ ترکونہ۔ برشلونہ

[1] ناربون فرانس میں

لیدۃ تھے پانچواں صوبہ اربونیہ یہ صوبہ سرزمین فرانس میں واقع تھا۔

خلیفہ مروان ابن محمد کے عہد حکومت میں بنی عباسیہ نے اس خاندان کو کمزور پاکر ملک شام میں بغاوت کی خلیفہ یزید اور مروان کے زمانہ حکومت میں ظلم اور زیادتی نے اس قدر ترقی پائی تھی کہ زمین مشرق کی تمام رعایا اس خاندان سے بددل ہوگئی تھی صرف ایک سہارے کا انتظار تھا بنی عباسیہ پہلے ہی سے اس موقع کے منتظر تھے اونھوں نے فوراً بغاوت کا نشان بلند کردیا اور بنی امیہ کو متواتر شکستیں دیں۔ جب اس انقلاب عظیم کی خبر ملک اندلس میں مشتہر ہوئی تو بعض ہوا خواہان بنی عباسیہ نے اس ملک میں بھی فساد شروع کیا جن میں الزہری اور ابن حاتم بھی شریک تھے۔ ان امرائے جلیل القدر نے اپنے ارادوں میں اس قدر کامیابی حاصل کی کہ شہر سرقسطہ کا محاصرہ کرلیا ابوالجوشن نے امیر یوسف سے مدد طلب کی لیکن اس نے مدد دینے سے انکار کردیا۔ ابوالجوشن کی خوش قسمتی سے بنی قیس نے اس کی مدد و اعانت کی اور بہت کچھ کشت و خون کے بعد اسے قید محاصرہ سے رہا کردیا۔ مگر شہر سرقسطہ الزہری کے قبضہ میں رہا اور آخرکار امیر یوسف کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

باب پنجم

بنی عباسیہ کی کامیابی۔ سلطنت امیہ کا خاتمہ۔ مروان کے انتقال کے بعد عبدالرحمن ابن معاویہ کا فرار ہونا۔ اس کا تعاقب کیا جانا۔ اس کا مغرب الاقصی میں داخل ہونا۔ بدر کو اندلس روانہ کرنا۔ اس کے طرفداروں کی کامیابی عبدالرحمن کا اندلس روانہ ہونا امیر یوسف کی تیاری۔ عبدالرحمن کا جانب قرطبہ جانا جنگ مصارۃ۔ اس کی کامیابی۔ امیر یوسف کا تعاقب اور گرفتاری

مروان ابن محمد کے زمانہ حکومت میں ابوالعباس عبداللہ نے بغاوت اختیار کی اور اپنی جمعیت کے ہمراہ خلیفہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا شام کی رعایا خلیفہ یزید اور مروان کے ظلم و ستم سے عاجز اور

بددل ہوگئی تھی اہل کوفہ نے ابو العباس کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی تھی اور سلطنت کا اُسے حقدار سمجھ کر بغاوت پر آمادہ ہوگئے تھے خلیفہ نے فوج بنی عباس کے مقابلہ کے لئے روانہ کی لیکن آخر کو فتح و نصرت بنی عباس ہی کو نصیب ہوئی ابو العباس مروان کی فوج کو متواتر شکستیں دیتا ہوا دمشق میں داخل ہوگیا۔

خلیفہ مروان نے مصر کا عزم کیا لیکن قبل اس کے کہ یہ مصر میں داخل ہو ابو العباس کے بھائی صالح نے اس کو شہر نصیر میں گرفتار کر لیا مروان جمادی الثانی ۱۳۲ھ م ۷۵۰ء میں قتل ہوا سلطنت بنی امیہ کا اسی سنہ میں خاتمہ ہوا اور دور خلافت عباسیہ شروع ہوا۔ ہمیشہ قابل آدمی ہی ہر قوم میں عام اس سے کہ وہ جاہل ہو یا مہذب اوس قوم پر قابض و متصرف ہوا کرتا ہے۔ زمانہ قدیم میں بخیال حفظ ما تقدم بقائے سلطنت اور استحکام اساس حکومت کی غرض سے یہ لازم سمجھا جاتا تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا تو کل دعویٰ داران ریاست کو عام اس سے کہ وہ یگانہ ہوں یا بیگانہ موافق ہوں یا مخالف اون کے نقش ہستی کو صفحہ دنیا سے مٹا دیتا تھا۔ تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب بھی اسی مذموم طرز کے عادی تھے چنانچہ جب بنی عباسیہ نے تاج اور تخت حاصل کیا تو ممالک محروسہ میں جاسوسوں کو یہ حکم دیا کہ بنی امیہ کے خاندان کا ایک شخص بھی زندہ نہ رہنے پائے۔ جہاں کہیں اس خاندان کا آدمی نظر آتا تھا وہ نہایت بے رحمی سے قتل کیا جاتا تھا۔

الحاصل جب سلطنت بنی امیہ ختم ہوگئی اور بنی عباس اس خاندان کو تباہ و برباد کرنے لگے تو اون میں سے ایک نوجوان جس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی اور اوس کا نام عبدالرحمٰن بن معاویہ تھا کسی ترکیب سے اپنے دشمنوں کی نگاہ بچا کر بھاگ نکلا اور اپنی بی بی اور لڑکے کے ساتھ دریائے فرات کے قریب ایک خطرناک جنگل میں پناہ گزیں ہوا افریقہ میں پہونچنے کے قبل جو جو مشکلیں اور واقعات اس کو اس سفر میں پیش آئے اون کی نسبت ہم خاص عبدالرحمٰن کی تقریر حسب ذیل تحریر کرتے ہیں۔

"ایک روز میں اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پانی زور سے برس رہا تھا کہ میرا بیٹا سلیمان جس کی عمر چار سال

کی تھی خیمہ کے باہر میرے سامنے کھیل رہا تھا چیخیں مارتا ہوا اندر آیا اور میرے سینے سے لپٹ گیا میں نے اوسے
علٰحدہ کرنا چاہا لیکن اوس پر اس قدر خوف تھا کہ وہ مجھ سے کسی طرح جدا نہ ہوا تھوڑی دیر کے بعد میں
اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو قریب کے قصبوں سے شور و غل کی آوازیں میں نے سنیں اور لوگوں کو پریشان
حال چاروں طرف بھاگتے ہوئے دیکھا جب میں آگے بڑھا تو بنی عباس کے پھریرے ہوا میں اوڑتے
ہوئے نظر آئے میں نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں میرا چھوٹا بھائی دوڑ ہوا آیا اور کہا کہ اے بھائی
یہاں سے بھاگو بنی عباس کے پھریرے بہت ہی قریب آپہونچے ہیں - یہہ سنتے ہی میں خیمے میں واپس آیا
اور کچھ دینار لے کر بیٹے اور بھائی کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوا جب میں اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو سواروں نے
خیمہ کو گھیر لیا اور آدمیوں نے اندر جاکر خوب ڈھونڈا - مگر کوئی نہ ملا یہہ لوگ باہر نکل آئے اور تھوڑی دیر کے
بعد قصبہ سے کوچ کر گئے مگر ہم تینوں آدمی ایک محفوظ مقام پر ٹھہرے اسی اثنا میں بدر میرا غلام ایک اجنبی
شخص کے ہمراہ میرے پاس آیا یہہ اجنبی دریا اور اس سرزمین سے خوب واقف تھا میں نے اوس کے
لئے گھوڑا اور نفیس پوشاک خریدنے کا حکم دیا پھر معلوم ہوا یہہ دشمنوں کا جاسوس ہے ہم تھوڑی دور تک اوس کے
ساتھ گئے تھے کہ پھر اونھیں سواروں کو اپنی جانب بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے دیکھا ہم بھاگتے
تھے اور خدا سے دعائیں مانگتے تھے کہ دریا کے کنارے ان سے پہلے ہم پہونچ جائیں - چنانچہ ایسا ہی ہوا
ہم جب دریا میں تیرتے ہوئے چلے تو اونھوں نے لب دریا پہونچکر ہم سے کہا کہ تم باہر نکل آؤ ہم تمھیں
کسی قسم کا نقصان نہ پہونچائیں گے - لیکن میں نے ایک نہ سنی اور ہمراہیوں کے ہمراہ تیرتا ہوا چلا تاکہ پار
پہونچ جاؤں مجھے تیرنے میں کمال حاصل تھا - میں نے اپنے لڑکے کو اور بدر نے میرے بھائی کو کاندھے پر
چڑھا لیا - ہنوز وسط دریا تک نہ پہونچے تھے کہ میرے بھائی کو خوف و اضطرار از حد پیدا ہوا اور ظاہر ہوتا تھا کہ
اگر وہ آگے بڑھا تو ڈوب جائے گا - میں یہہ حالت دیکھکر اوس کے پاس آیا اور بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ
آگے نہ بڑھا چونکہ اوس کی قضا سر پر کھیلتی تھی وہ دشمنوں کی جانب واپس ہوا میں بمشکل تمام دریا کے پار ہوا

قاعة ابن السراج بين الأسدة بمربض الأسد

(الحمراء - غرناطة)

تو پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ظالموں نے کنارے سے کچھ فاصلہ پر میرے بھائی کو قتل کر ڈالا اوس کی عمر تیرہ[۱۳] برس کی تھی دشمنوں نے لاش کو وہیں ڈال دیا صرف سر لے گئے جن آدمیوں نے میرا ساتھ دیا تھا وہ بھی جدا ہو گئے اس وحشت ناک واقعہ کا اثر میرے دل پر اس قدر ہوا کہ میں پھر بھاگا اور جنگل کی جھاڑی میں چھپ رہا۔ چند روز کے بعد دشمنوں نے میرا تعاقب چھوڑ دیا اور میں افریقہ کی طرف روانہ ہوا"

عبدالرحمن بڑی مشکل سے افریقہ پہونچا وہاں اپنے غلام بدر اور سالم اور اپنی بہن ام الاسباغ سے ملاقات کی لیکن اس ملک میں بھی اسے آرام نصیب نہ ہوا عبدالرحمن ابن حبیب الفہری والی افریقہ نے بنی عباس کی کامیابی کی خبر سن کر بنی امیہ پر اسی ملک میں بھی ظلم وستم شروع کیا۔

عبدالرحمن بن معاویہ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں بھی میرا رہنا مناسب نہیں تو اپنے متعلقین کے ہمراہ بنی رستم کے پاس فروکش ہوا۔ یہ شخص قبیلہ بربر کا تھا۔ یہاں سے اندلس کے حالات دریافت کرنے لگا معلوم ہوا کہ یہاں اس کے خاندان کے لوگ موجود ہیں اس نے اپنے غلام بدر کی معرفت ابو عثمان عبیداللہ ابن عثمان اور عبداللہ ابن خالد کو جو عہد سلطنت بنی امیہ میں علم برداری کے عہدہ پر مامور تھے اور باوقعت سمجھے جاتے تھے خطوط روانہ کئے جن میں وہ احسانات و مراعات درج تھے جو خلفائے بنی امیہ نے بنی عباس کے ساتھ کئے تھے۔ اوس کے بعد عبدالرحمن نے اپنے حقوق سلطنت کا اظہار کیا اور اون سے دریافت کیا کہ آیا وہ ایسے نازک وقت میں ہماری مدد و اعانت کرنے پر آمادہ ہیں یا نہیں اور جن امور پر اونکی کامیابیاں منحصر تھیں اون کا تذکرہ بھی کیا اور یہ بھی تیقین دلایا کہ آج کل اہل یمن اور بنی مضر میں نزاع پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ آپس کی خانہ جنگیوں میں مصروف ہیں اگر تم ہماری مدد کرو گے تو ہم کامیاب ہو جائیں گے ابو عثمان نے مدد دینے کا وعدہ کر لیا یہ خط اسکو اوسوقت ملا کہ جب حسب الحکم امیر یوسف والی اندلس شہر سرقسطہ جس میں الزہری نے ابن حاتم کو محصور کر لیا تھا۔ جانے کی تیاری کر رہا تھا اور باوجود وعدہ مذکور ابو عثمان نے والی کے حکم کی تعمیل مناسب خیال کی اثنائے راہ میں اس نے اپنے داماد عبداللہ ابن خالد سے مشورہ کیا اور بعد مباحثہ پھر رائے قرار پائی

کہ عبدالرحمن کے ارادوں سے ابن حاتم کو بھی مطلع کرنا چاہئے عجب نہیں کہ وہ اپنے ذاتی فائدہ کے خیال سے ہمارا شریک ہوجائے چنانچہ ابوعثمان نے اوس سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہنوز اس نے گفتگو ختم نہ کی تھی کہ ابوجوشن نے امیر یوسف کی شکایت کی اور بیان کیا کہ میں تمھاری مدد کے لئے موجود ہوں عبدالرحمن کو یہاں آنے کا مشورہ دو میں اندلس میں داخل ہوتے ہی امیر یوسف کو اس امر پر آمادہ کروں گا کہ وہ عبدالرحمن کو شاہانہ استقبال سے شہر میں لائے اور اپنی بیٹی کا نکاح اوس سے کردے اگر امیر اس پر راضی ہوگیا تو بغیر کشت وخون تمھارا مطلب نکل آئے گا اور اگر وہ راضی نہوا تو اوسے عہدۂ حکومت سے جدا کرکے تمھارے دوست کو خلیفہ بنائیں گے اس قرارداد کے بعد ابوالجوشن صوبہ طلیطلہ کو روانہ ہوا ابوعثمان اور عبداللہ ابن خالد شہر البیرہ کو واپس آکے اس شہر کی رعایا اور شام کی فوج اور امرا جو اس امیر کے ماتحت تھے اس راز سے واقف ہوگئے تھے اور اس کی مدد واعانت کرنے پر آمادہ ہوچکے تھے رفتہ رفتہ یہ خبر شہر کے اطراف واکناف میں بھی شائع ہونے لگی جس سے عوام الناس کے خیالات دریافت کرنے کا موقع بھی ملا چونکہ اوس زمانہ کے سخت قحط سے رعایا حیران وپریشان ہورہی تھی تھوڑی سی داد ودہش نے اوس کو ہموار کرلیا۔

بعض مورخین اس واقعہ کو بہ تبدیل مضمون یوں تحریر کرتے ہیں کہ ابن حاتم نے پہلے مدد دینے کا وعدہ کیا پھر اپنی رائے سابقہ بدل دی اور ان امیروں سے صاف کہدیا کہ میں امیر یوسف کے طرز حکومت سے خوش ہوں میں نہیں پسند کرتا کہ دوسرا شخص اوس عہدہ پر مقرر کیا جائے میں تم کو مطلع کرتا ہوں کہ تم اگر اون خیالات سے جو تم نے دل میں جمائے ہیں باز نہ آئے تو مجھکو مجبوراً دوسری تدبیروں سے تمھیں روکنا پڑیگا جب ابوعثمان اور اوس کے ہمراہیوں نے دیکھا کہ بنی مضر اور بنی قیس مدد دینے پر آمادہ ہیں تو اونھوں نے ان قبیلوں کو اہل یمن سے لڑانا شروع کیا اور ایک جہاز خرید کر بدر کو گیارہ آدمیوں کے ہمراہ افریقہ روانہ کیا کہ وہ عبدالرحمن کو یہاں کے واقعات سے اطلاع کردے اور اندلس میں داخل ہونے کے لئے اوسے تیار رکھے عبدالرحمن۔ بدر اور تمام ابن علقمہ سے اپنی کامیابی کی خوشخبری سنتے ہی اندلس کی طرف روانہ ہوا

اور ربیع الاول یا ربیع الآخر ۱۳۸ھ میں بندر المنقاب صوبہ البیرۃ میں جہاز سے اوترا اس کے استقبال کے لئے ابو عثمان اور ابو خالد اور یوسف ابن بخت ابو عبیدہ حسین ابن مالک الکلبی اور دوسرے امرا بنی امیہ کے لب دریا موجود تھے یہاں سے یہ سب ابو عثمان کے مکان پر گئے اوس نے پہلے ہی کامیابی کا پورا بندوبست کر لیا تھا عبد الرحمن کے پہونچتے ہی عوام الناس کو مدد و اعانت کرنے پر آمادہ کرنے لگا چنانچہ جب یہ اندلس میں پہونچا اوس کے سات مہینہ کے بعد قرطبہ پایہ تخت اندلس میں داخل ہوا جس کا ذکر من بعد کیا جائے گا اودھر عبد الرحمن اور اوس کے ہمراہی فوج کی فراہمی اور درستی میں مصروف تھے جس کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی ادھر یوسف الفہری صوبہ ارغوان میں باغیوں کے مقابلے میں خیمہ زن تھا عبد الرحمن کے آنے کی خبر سنتے ہی باغیوں سے مقابل ہو گیا اور بعد کامیابی یہاں سے طلیطلہ کی طرف بسرعت تمام روانہ ہوا طلیطلہ پہونچتے ہی امیر نے اون قیدیوں کو جن میں بعض مشہور اہل قریش کے امرا بھی تھے خلاف وعدہ قتل کرنے کا حکم دیا اوس کا یہ فعل دوسرے امرا کو ناگوار گزرا اور یہ اس کی وعدہ خلافی سے اس قدر بد دل ہوئے کہ رات ہی کو اپنی اپنی فوج کے ہمراہ عبد الرحمن سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے امیر یوسف کو یہ خبر اوس وقت پہونچی کہ جب وہاں پر بجز چند امرائے بنی قیس کے جو ابو الجوشن سے ایک تعلق خاص رکھتے تھے دوسرا شخص موجود نہ تھا امیر نے ابن حاتم سے رائے طلب کی اس نے بیان کیا کہ بہتر ہوگا کہ آگے بڑھنے کے عوض ہم عبد الرحمن کو اپنی طرف آنے دیں اور یہیں اوس کا مقابلہ کریں امیر یوسف نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مقابلے سے پہلے قرطبہ میں داخل ہو کر فوج کا درست کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ یوسف ابن حاتم کے خلاف مشورہ قرطبہ روانہ ہوا ادہر عبد الرحمن سات سو سواروں کے ہمراہ ریۃ آیا یہاں کی رعایا اس کی مدد اور اعانت پر آمادہ ہو گئی حاکم شہر عیسٰی ابن مساود نے بخلوص اطاعت قبول کر لی یہاں سے عبد الرحمن شدونہ اور مورور ہوتا ہوا اشبیلیہ میں داخل ہوا۔ ان شہروں کے حاکم عتاب ابن علقمہ اور ابو الصبا ابن یحیی سردار اہل یمن بھی باظہار اطاعت و فرماں برداری اپنی اپنی فوج کے ہمراہ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے عبد الرحمن نے تمام فوجی افسروں کو

جمع کرکے آگے بڑھنے کے متعلق مشورہ کیا۔ سب نے قرطبہ پر حملہ کرنے کی رائے دی عبدالرحمن نے اوس کے
مطابق قرطبہ پر یورش کی امیر یوسف بھی اس کے مقابلہ کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ دونوں فوجیں وادی الکبیر
کے متصل میدان مصارۃ میں ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن ہوئیں۔ قحط نے عبدالرحمن کی فوج کو پریشان
کر رکھا تھا اور بھوک ان کے دلوں کے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفعتاً امیر یوسف نے پیام صلح بھیجا چوں کہ
عیدالضحیٰ میں صرف دو ہی روز باقی تھے اس نے دو روز کی مہلت حاصل کرکے اسی قلیل عرصے میں فوج
درست کر لی جمعہ کے روز ۱۳۸ھ م ۱۴ مئی ۷۵۶ء میں اس نے صبحدم امیر یوسف کی فوج پر حملہ کیا
دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ اگرچہ امیر یوسف اور ابوالجوشن نے کمال دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا لیکن
کامیابی عبدالرحمن ہی کو نصیب ہوئی اس لڑائی میں امیر یوسف کا بیٹا عبدالرحمن اور دوسرے امراء جنہوں
نے امیر یوسف کا ساتھ اس جنگ میں دیا تھا گرفتار ہو گئے۔ ابن حاتم۔ ابوالجوشن۔ یوسف الفہری بچکر نکل گئے
ابن حاتم شہر مریدۃ میں اور یوسف الفہری صوبہ جیان میں پناہ گزیں ہوا۔

اس جنگ کے ختم ہوتے ہی امیر ابوالصبا نے فوج کی طرف مخاطب ہو کر یوں تقریر کی۔ "اے
ہموطنوں آج اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ عظیم الشان فتح عطا فرمائی ہے۔ امیر یوسف اور ابن حاتم میں اب اتنی جرأت
نہیں ہے کہ وہ دوبارہ ہم سے مقابلہ کریں اس موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔ میں مناسب خیال کرتا ہوں
کہ اس نوجوان افسر یعنی عبدالرحمن ابن معاویہ کو فوراً قتل کر ڈالو اور اتنے آدمیوں میں سے جس کو تم پسند
کرو اوسے اس ملک کا حاکم مقرر کر دو۔" ابوالصبا کی اس تقریر کو افسر اور فوج دونوں نے سنا لیکن کسی نے
اس کا جواب نہ دیا بلکہ اس تقریر سے عبدالرحمن کو مطلع کیا ابوالصبا ایک سال کے بعد عبدالرحمن کے حکم سے قتل
کیا گیا پھر عبدالرحمن یہاں سے دارالسلطنت قرطبہ کی جانب روانہ ہوا شہر میں داخل ہونے کے بعد یہ حکم دیا کہ
جو شخص ہماری اطاعت کرے گا اوس کی خطا معاف کر دونگا اس مدبرانہ برتاؤ نے عبدالرحمن کو چند ہی روز میں
ہر دلعزیز بنا دیا حتیٰ کہ اس ملک کے بڑے بڑے شہروں کے حاکموں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

امیر یوسف اور ابی حاتم نے اپنی منتشر فوج کو از سر نو جمع کیا اور ایک بار پھر مقابلہ کے لئے شہر قرطبہ روانہ ہوئی لیکن مقتضائے وقت عبدالرحمٰن سے صلح کرنی مناسب سمجھی چنانچہ حسب معاہدہ امیر عبدالرحمٰن نے امیر یوسف اور ابن ابوالجوشن کی خطائیں معاف کر دیں صلح نامہ کے شرائط یہ تھے کہ یہ دونوں قرطبہ میں سکونت اختیار کریں اور ہر روز ایک مرتبہ عبدالرحمٰن کو اپنی صورت دکھا جایا کریں۔ یہ معاہدہ ۱۳۹ھ م ۷۵۶ء میں منعقد ہوا اور اوسی سنہ سے خلافت اندلس شروع ہوئی جو کچھ تعلقات دمشق سے تھے وہ بالکل اب منقطع ہو گئے۔ اس پچاس برس کی خانہ جنگی اور بدانتظامی سے اہل اندلس کو یقین ہو گیا تھا کہ جب تک یہ ملک سلطنت شام کے زیر حکومت رہے گا یہی خرابیاں روز بروز بڑھتی جائیں گی اندلس سے دمشق تک کئی مہینے کی راہ تھی خلیفہ کے احکام کا پہلے تو یہاں پہونچنا ہی مشکل تھا اور اگر پہونچتے بھی تھے تو خود غرض حکام اون کی تعمیل نہیں کرتے تھے اور بلا لحاظ حقوق اور انصاف رعایا کو اپنے احکام کی پابندی پر مجبور کرتے تھے ہر صوبہ دار خود سری کا دعویٰ کرتا تھا اور جو والی منجانب خلیفہ مقرر ہوتا تھا اوس سے یہ بغاوت کیا کرتے تھے۔ انہیں وجہ سے اہل اندلس نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کا ساتھ دیا اور اوس کی اطاعت اور فرمانبرداری فوراً قبول کر لی۔

سلطنت بنی امیہ کے زمانہ حکومت میں بائیس ۲۲ امیر اندلس پر مامور ہوئے جن کے نام اور مدت حکومت ذیل میں درج ہیں۔

شمار	نام والی	مدت حکومت	کیفیت
۱	طارق ابن زیاد	شوال ۹۲ھ م جولائی ۷۱۱ء لغایۃ جمادی الاولیٰ ۹۳ھ م مارچ ۷۱۲ء	
۲	موسیٰ ابن نصیر	جمادی الاولیٰ ۹۳ھ م ۷۱۲ء لغایۃ ذی الحجہ ۹۵ھ م ۷۱۴ء	
۳	عبدالعزیز ابن موسیٰ ابن نصیر	ذی الحجہ ۹۵ھ م ۷۱۴ء لغایۃ ذی الحجہ ۹۷ھ م ۷۱۶ء	
۴	ایوب بن حبیب اللخمی	ذی الحجہ ۹۷ھ م ۷۱۶ء لغایۃ ذی الحجہ ۹۸ھ م ۷۱۷ء	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج حاکم ہوا تھا
۵	الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی	ذی الحجہ ۹۸ھ م ۷۱۷ء لغایۃ رمضان ۱۰۰ھ م ۷۱۹ء	

شمار	نام والی	مدت حکومت	کیفیت
۶	السمح بن مالک الخولانی	رمضان ۱۰۰ھ م ۷۱۹ء لغایۃ ذیحجہ ۱۰۲ھ م ۷۲۱ء	
۷	عبدالرحمن بن عبداللہ الغافقی	ذیحجہ ۱۰۲ھ م ۷۲۱ء لغایۃ صفر ۱۰۳ھ مطابق ۷۲۱ء	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج حاکم مقرر ہوا
۸	عنبسہ بن سحیم الکلبی	صفر ۱۰۳ھ م ۷۲۱ء لغایۃ شعبان ۱۰۷ھ مطابق ۷۲۶ء	
۹	عذرہ بن عبداللہ الفہری	شعبان ۱۰۷ھ م ۷۲۶ء لغایۃ شوال ۱۰۷ھ م ۷۲۶ء	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج مقرر ہوا
۱۰	یحییٰ ابن سلمہ الکلبی	شوال ۱۰۷ھ م ۷۲۶ء لغایۃ ربیع الثانی ۱۰۸ھ م ۷۲۶ء	
۱۱	عثمان ابن ابی عبیدہ	ربیع الثانی ۱۰۸ھ م ۷۲۶ء لغایۃ شعبان ۱۰۹ھ م ۷۲۷ء	اس کا انتخاب فوج نے کیا
۱۲	عثمان ابن ابی نسعہ الخثعمی	شعبان ۱۰۹ھ م ۷۲۷ء لغایۃ ربیع الاول ۱۱۰ھ م ۷۲۸ء	
۱۳	حذیفہ بن الاحوص القیسی	ربیع الاول ۱۱۰ھ م ۷۲۸ء لغایۃ محرم ۱۱۱ھ م ۷۲۹ء	
۱۴	الہیثم بن عبدالکلابی	محرم ۱۱۱ھ م ۷۲۹ء لغایۃ جمادی الاولیٰ ۱۱۳ھ م ۷۳۱ء	
۱۵	محمد بن عبداللہ الاشجعی	جمادی الاولیٰ ۱۱۳ھ م ۷۳۱ء لغایۃ شعبان ۱۱۳ھ م ۷۳۱ء	
۱۶	عبدالرحمن بن عبداللہ الغافقی	شعبان ۱۱۳ھ م ۷۳۱ء لغایۃ رمضان ۱۱۴ھ م ۷۳۲ء	دوسری بار بحکم خلیفہ حاکم مقرر ہوا تھا
۱۷	عبدالملک بن القطن الفہری	رمضان ۱۱۴ھ م ۷۳۲ء لغایۃ رمضان ۱۱۶ھ م ۷۳۴ء	
۱۸	عقبہ بن الحجاج	رمضان ۱۱۶ھ م ۷۳۴ء لغایۃ صفر ۱۲۳ھ م ۷۴۰ء	
۱۹	عبدالملک بن القطن الفہری	صفر ۱۲۳ھ م ۷۴۰ء لغایۃ ذیقعدہ ۱۲۳ھ م ۷۴۱ء	دوسری بار بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا
۲۰	بلج ابن بشر العیاض القشیری	ذیقعدہ ۱۲۳ھ م ۷۴۱ء لغایۃ شوال ۱۲۴ھ م ۷۴۲ء	بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا
۲۱	ثعلبہ بن سلامۃ العاملی	شوال ۱۲۴ھ م ۷۴۲ء لغایۃ رجب ۱۲۵ھ م ۷۴۳ء	بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا۔
۲۲	ابوالخطار بن ضرار الکلبی۔	رجب ۱۲۵ھ م ۷۴۳ء لغایۃ رجب ۱۲۷ھ م ۷۴۵ء	
۲۳	ثوابہ بن سلامۃ الجذامی	رجب ۱۲۷ھ م ۷۴۵ء لغایۃ ربیع الثانی ۱۲۹ھ م ۷۴۶ء	اولاً بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا لیکن چند روز بعد خلیفہ نے اسکی ماموری کو منظور کرلیا۔

نمبر شمار	نام والی	مدت حکومت	کیفیت
۴۴	یوسف بن عبدالرحمن الفہری	ربیع الثانی ۱۲۹ھ ۷۴۶ء لغایۃ ذیحجہ ۱۳۸ھ ۷۵۶ء	یہ آخر حاکم منجانب خلیفہ شام مقرر ہوا

خلفای بنی اُمیہ جن کے زمانہ مین ملک اندلس فتح ہوا اونکے نام حسب ذیل ہین

نمبر شمار	نام		کیفیت
۱	ولید بن عبدالملک بن مروان		معاویہ بن سفیان کے زمانہ سے
۲	سلیمان بن عبدالملک		تا این دم نہایت بے ادبی سے
۳	عمر بن ابن عبدالعزیز	....	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام
۴	یزید بن عبدالملک		لیا جاتا تھا اس خلیفہ کے عہد
۵	ہشام بن عبدالملک		حکومت میں موقوف کردیا گیا
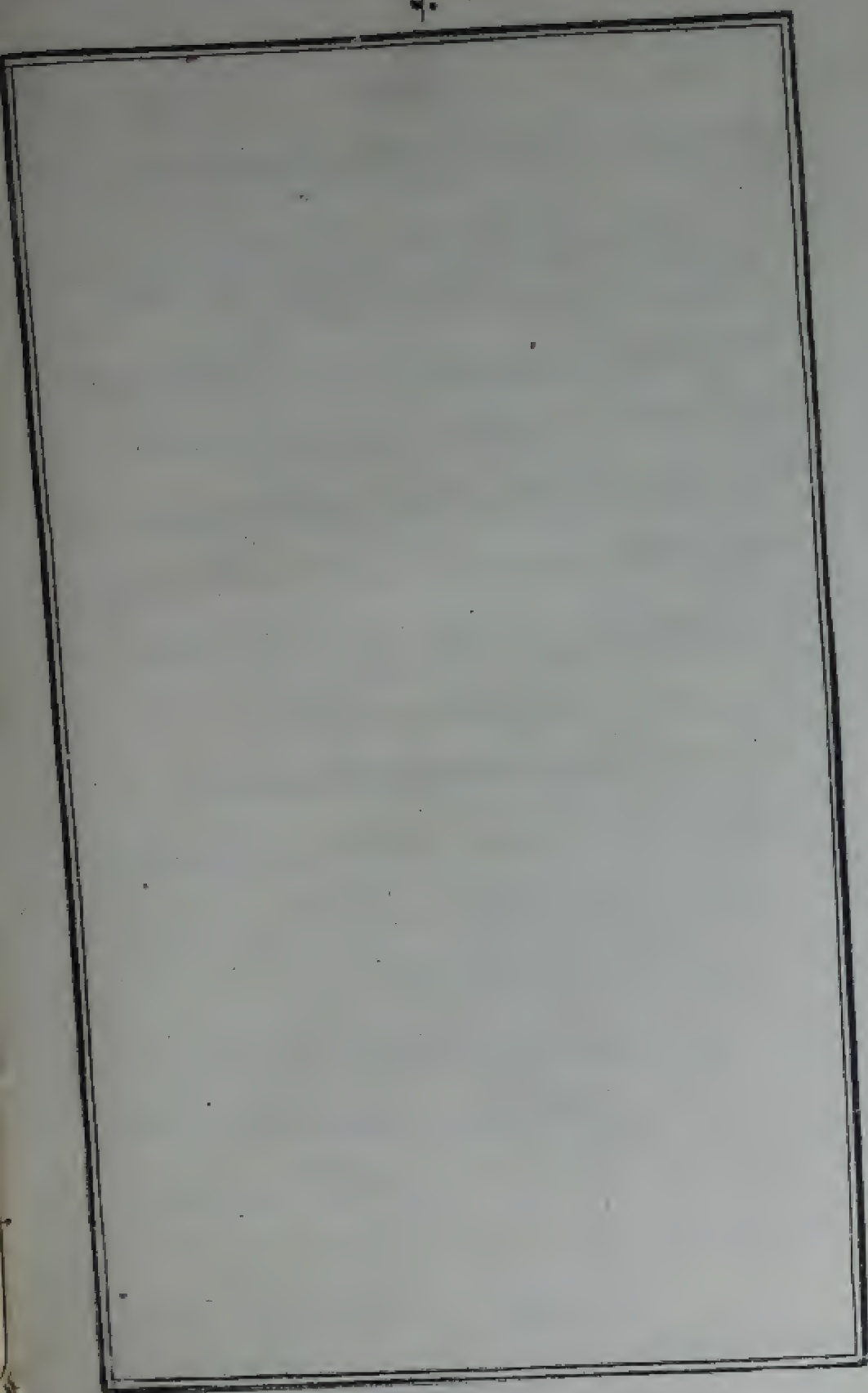
حصہ دوم

باب اوّل

عبدالرحمٰن الداخل

ذیحجہ ۱۳۸ھ ۷۵۶ء لغایۃ جمادی الاخر ۱۷۲ھ ۷۸۸ء

آغاز خلافت اندلس۔ بغاوت امیر یوسف الفہری۔ امیر یوسف اور ابن حاتم۔ ابو الجوشن کا انتقال۔ ابن مغیث کا حسب الحکم خلیفہ ابو جعفر المنصور اندلس میں داخل ہونا۔ اسکی ناکامی اور اسکا قتل۔ الیمین کی بغاوت۔ المغیرہ عبدالرحمٰن کے بھتیجے کا قتل۔ سلطان عبدالرحمٰن کا ملک شام کی فتح کا قصد کرنا۔ جنگ فرانس۔ شارلیمین کا صلح کی درخواست کرنا۔ تعمیر مسجد رصافہ۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ذاتی حالات۔

جنگ مصارۃ کے بعد جو ۱۳۸ھ مطابق ۷۵۶ء میں مابین یوسف الفہری والی اندلس اور عبدالرحمٰن بن معاویہ ہوئی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے عبدالرحمٰن سریر آرائے سلطنت ہوا اور اسی سال سے خلافت اندلس جس کو عربوں نے تقریباً آٹھ سو برس تک اس ملک میں قائم رکھا شروع ہوئی بعد صلح یوسف الفہری اور ابن حاتم ابو الجوشن نے حسب معاہدہ شہر قرطبہ میں اقامت اختیار کی اور سلطان عبدالرحمٰن انصرام سلطنت اور استحکام مملکت کی طرف متوجہ ہوا۔ کئی سال کی متواتر خانہ جنگیوں نے اہلِ اندلس کو نہایت پریشان اور تباہ حال کر رکھا تھا۔ انتظام کا نام و نشان تک اس ملک میں باقی نہ رہا تھا۔ غریب رعایا کی جانیں قزاقوں کی لوٹ مار اور امیروں اور زمینداروں کے ظلم و ستم سے تلف

ہورہی تھیں اس جدید انتظام سے ایک نوع کا اطمینان ہوا اور باستثنا ر چند امرا ر بانی فساد و بد باطن تمام ملک نے بطیب خاطر غاشیہ اطاعت اس کا اپنے دوش پر رکھا اور خلفائے بنی عباسیہ شکست کھا کر اس ملک کی حکومت سے محروم کر دئے گئے۔ سنہ ۱۴۱ھ میں سلطان کو اطلاع ہوئی کہ یوسف الفہری خلاف معاہدہ قرطبہ سے فرار ہو گیا ہے اور اب شہر مریدۃ میں بغاوت کی نیت سے فوج فراہم کر رہا ہے سلطان نے فوراً اپنے ایک تجربہ کار امیر عبدالملک بن عمر بن مروان کو فوج کثیر کے ساتھ مریدۃ روانہ کیا اور خود بھی اوس کے عقب میں کچھ فوج لے کر قلعہ المدور کی طرف متوجہ ہوا۔ اس طرف یوسف نے بیس ہزار فوج فراہم کر لی تھی۔ یہ فوج کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور عبدالملک کا مقابلہ کیا اس جنگ میں یوسف ہر قسم کا نقصان عظیم اوٹھا کر اور شکست فاش کھا کر طلیطلہ بھاگ آیا مگر یہاں بھی اپنی جان عزیز کو موت کے پنجہ سے نہ بچا سکا۔ اور عبداللہ بن عمر الانصاری کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ قاتل نے اس امیر کے سر کو عبدالرحمن کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان[1] مع افسران فوج نہایت شان و شوکت سے شہر مریدۃ میں داخل ہوا سلطان ابھی اس شہر کے انتظام ہی میں مصروف تھا کہ اس کو اپنی پیاری بی بی کی علالت کی خبر پہونچی اس نے عبدالملک کو اس صوبہ کا حاکم مقرر کیا اور خود شہر قرطبہ روانہ ہوا یہاں پہونچنے کے چوتھے روز آفتاب سلطنت و حکومت برج حمل سے طلوع یعنی فرزند دلبند وارث تخت و تاج پیدا ہوا جس کا نام ہشام رکھا گیا اور تمام سلطنت میں محفلیں خوشی و مسرت کی قایم کی گئیں۔ سلطان نے بخیال رفع فساد ابن حاتم اور یوسف کے لڑکوں ابوالاسود محمد الفہمی اور عبدالرحمن کو قید کر دیا اس واقع کے چند ہی روز بعد ابن حاتم زہر سے مار ڈالا گیا اور یہ دونوں لڑکے قید سے بھاگ نکلے عبدالرحمن

[1] شام اور بغداد میں سلطان کا خطاب امرا عظام کو دیا جاتا تھا اور بوقت عطائے خطاب خلیفہ خود اپنے ہاتھ سے جس کو خطاب ملتا تھا خلعت پہناتا تھا۔ اندلس میں عبدالرحمن ثالث کے پہلے لقب سلطان یا امیر مستعمل تھا عبدالرحمن سوم نے مستقل طور پر خلیفہ اور امیر المومنین کے القاب اختیار کئے تھے۔

فوراً گرفتار اور قتل ہوا لیکن ابوالاسود محمد ۱۶۹ھ تک سلطان کا مقابلہ کرتا رہا اور بالآخر اپنی موت سے مر گیا۔

سلطان کو ہنوز ان بغاوتوں سے فرصت نہ ہوئی تھی کہ خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی نے ۱۴۶ھ مطابق ۷۶۳ء میں اندلس پر فوج کشی کی اور اپنے ایک امیر العلا ابن مغیث الیحصبی کو مع فوج کثیر اندلس روانہ کیا اس امیر نے سرحد پر قدم رکھتے ہی شہر بیجہ[۱] کو فتح کیا اور رعایا کو اپنی مدد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور خیر خواہان خاندان بنی امیہ کو ہر قسم کی تکلیف اور نقصان پھونچانا شروع کیا سلطان جتنی فوج کو اس قلیل عرصہ میں فراہم ہو سکتی تھی لے کر شہر مذکور کی جانب روانہ ہوا اور اشبیلیہ[۲] کے قریب جس کی تسخیر کی نیت سے ابن مغیث آگے بڑھا تھا دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اس جنگ میں ابن مغیث مع اپنے افسران فوج گرفتار ہو گیا سلطان نے ان قیدیوں کے سر کاٹ کر دمشق اور مکہ بھیج دیئے اوس وقت خلیفہ ابوجعفر حج کی غرض سے مکہ آیا ہوا تھا ایک روز صبح کو دربانوں نے خلیفہ کے خیمہ کے سامنے ایک صندوق رکھا ہوا پایا دربانوں نے یہ صندوق خلیفہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔ جب وہ صندوق کھولا گیا تو خلیفہ نے اوس میں اپنے سپہ سالار حاکم افریقہ کا سر تراشیدہ رکھا ہوا دیکھا۔ اس امر کے مشاہدہ سے خلیفہ کو اس قدر رنج ہوا کہ اوس جوش میں اوس نے عبدالرحمٰن کے قتل کا عہد کیا۔ اور تا دم مرگ عبدالرحمٰن کو نقصان پھونچانے میں کوتاہی نہ کی لیکن باوجود اس دشمنی اور متواتر حملوں کے یہ ہمیشہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی جس کو اس نے صقر القریش خطاب دیا تھا تعریف اور اس کی لیاقت اور انصاف کی داد دیا کرتا تھا۔ خلیفہ نے ایک روز اپنے اہل دربار سے عبدالرحمٰن کی نسبت یہ تقریر کی کہ "ہم کو اس ملک کی وسعت اور قوت پر متعجب نہ ہونا چاہیئے۔ اس نوجوان قریشی نے صرف بہادری اور خوش اسلوبی سے اپنے کو اس اعلیٰ درجہ تک پھونچایا۔ جس زمانہ میں اس لڑکے کا دنیا میں کوئی دوست یا معاون نظر نہ آتا تھا اس نے اپنے پاس خوف و ہراس کو بالکل آنے نہ دیا اور نہایت دلیری سے مشکل ترین مرحلوں پر کامیاب ہوتا اور آفات زمانہ سے بچتا ہوا

[۱] انگریزی میں بیزا کہتے ہیں۔ [۲] جنگ اشبیلیہ ۱۴۶ھ م ۷۶۳ء۔

اندلس تک جا پہونچا اور وہاں کی خانہ جنگیوں سے پورا پورا فائدہ اوٹھایا مختصر یہ کہ ایک قلیل عرصہ میں اپنے تئیں ہر دلعزیز بنالیا اور اُس ملک کو شر و فساد سے پاک و صاف کیا اور اب کمال اطمینان ادس زرخیز و شاداب ملک پر حکمرانی کر رہا ہے۔" ۱۵۱ھ م ۷۶۸ء میں اہل یمن نے بارادۂ بغاوت قرطبہ پر فوج کشی کی سلطان نے فوراً عبدالملک بن عمر حاکم اشبیلیہ کو حکم دیا کہ باغیوں کا مقابلہ کرے۔ عبدالملک نے اپنے بیٹے اُمیّہ کو ہراول لشکر مقرر کر کے آگے جانے کا حکم دیا اور خود اُس کے عقب میں روانہ ہوا۔ امیر اُمیّہ نے نہایت تیزی کے ساتھ باغیوں کی فوج کو آملایا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ فوج مخالف کی تعداد اس کی فوج سے کہیں زیادہ ہے اس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا تا اینکہ اپنے باپ کی فوج سے ملحق ہوا عبدالملک نے جب دیکھا کہ اس کا بیٹا باغیوں کی فوج کے سامنے سے بھاگ رہا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا اور نہایت غضب کے ساتھ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ "اے پست ہمت کیا میں نے اسی روز کے لئے تجھ کو اپنی فوج کا ہراول مقرر کیا تھا۔ کیا اہل اندلس اور افریقہ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے کس محنت اور مشقت سے خون بہا دیکر جان عزیز کے عوض اس ملک کو خریدا۔" یہ کہکر امیر نے اپنے بیٹے کے قتل کا حکم دیا جس کی اوسی وقت تعمیل کی گئی اس واقعہ کے بعد امیر نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں اور افسران فوج کو جمع کر کے یہ کہا کہ "کیا ہم مشرق سے اس ملک کی انتہا تک بغیر محنت و مشقت کے پہونچ گئے تھے۔ اور کیا ہم اون سخت مشکلوں کو بھول گئے جو ہم کو اپنی فتوحات سابقہ میں سہنی پڑی تھیں۔ کیا ہمارے جسم میں وہ گردش خون کی باقی نہیں رہی جس نے ہم کو ہمیشہ فتوحات اور اپنے ارادوں میں کامیاب کیا تھا اپنی اپنی تلواروں کو غلاف سے نکالو اور مردانہ وار میدان جنگ میں مرنا قبول کرو۔" اس تقریر کے بعد امیر نے اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ اس سخت یورش کی تاب اہل یمن نہ لا سکے اور نہایت بدحواسی کے ساتھ چار طرف منتشر اور پراگندہ ہو گئے تاہم اتنے قتل اور گرفتار ہوئے کہ پھر ان میں مقابلے کی قوت باقی نہیں رہی۔ دونوں طرف سے تیس ہزار آدمی اس جنگ میں قتل ہوئے امیر عبدالملک

کو بھی شدید زخم آیا۔ ہنوز عبد الملک میدان جنگ ہی میں تھا کہ عبد الرحمٰن بھی فوج لے کر اس کی مدد کے لئے پہونچا۔ سلطان نے جب اس عظیم الشان کامیابی کی خبر سُنی اور اپنے لائق سپہ سالار اور رشتہ دار کو زخموں سے چور اور اوس کی تلوار کو خون چکاں دیکھا اوس نے میدان جنگ ہی میں امیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "اے بھائی میری یہ خوشی ہے کہ میں اپنے بیٹے ولی عہد ہشام کے ساتھ تیری بیٹی کی شادی کر دوں" اور اس ہی جنگ کے صلہ میں سلطان نے اپنے وفادار اور جان نثار امیر کو اپنا وزیر اور مشیر سلطنت مقرر کیا اور دولت دنیا سے مالامال کر دیا۔

سلطان عبد الرحمٰن جیسا کہ اپنے دوستوں کے حق میں فیاض اور گناہگاروں کے لئے خطا بخش اور رحیم و کریم تھا ویسا ہی اپنے مخالفین اور معاندین کے حق میں سم قاتل۔ چنانچہ ۱۶۳ھ میں ایک مولد عبد اللہ نامی نے اس کو خبر پہونچائی کہ بعض مشہور امراء عرب جن میں عبد السلام بن یزید بن ہشام اور اوس کا بھانجا عبد اللہ بن معاویہ بن ہشام شریک تھے سلطان کو تخت سے اوتارنے کی کوشش کر رہے ہیں عبد الرحمٰن نے ان لوگوں کو فوراً گرفتار اور قتل کیا ابو عثمان سلطان کا وزیر اعظم بھی اس سازش میں شریک تھا لیکن بلحاظ حقوق خدمات سابقہ عبد الرحمٰن نے اس کی جان بخشی کی۔ اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۶۶ھ میں سلطان نے اپنے دوسرے بھتیجے المغیرہ ابن الولید بن معاویہ اور ہذیل ابن حاتم کو اس جرم کی پاداش میں قتل کر ڈالا اور اپنے حقیقی بھائی ابن الولید یعنی المغیرہ کے باپ کو ملک سے خارج کر دیا لیکن اپنے بھائی کے ساتھ اس نے اتنی رعایت کی کہ اپنے متعلقین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دی المغیرہ کے قتل کی نسبت ایک یہ بھی روایت ہے کہ جس وقت عبد الرحمٰن نے اپنے بھتیجے کے قتل کا حکم دیا ایک عرب جس کو سلطان بہت دوست رکھتا تھا سلطان کے پاس آیا اور دیکھا کہ اس کے چہرہ سے غم اور فکر کے آثار ظاہر ہیں سلطان نے اس عرب کو دیکھ کر اس سے کہا کہ "کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ جن کی جان و مال بچانے میں میں نے اپنی جان و مال کی پروا نہیں کی ایسے احسان فراموش بلکہ محسن کش نکلے کہ آخر کار میرے ہی

مخالف اور دشمن بن گئے جب کہ یہ لوگ دشمنوں کی تلواروں کے خوف سے دربدر اور تباہ حال پھر رہے تھے میں نے انکی ہر طرح اعانت اور مدد کی اور انکے واسطے اس ملک میں آرام آسایش کا سامان مہیا کر دیا۔ مقام شکر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے حالات کو ظاہر کر دیا اور ہر ایک نے اپنی بدنیتی اور بداعمالی کی سزا پائی۔"

اسی سال میں عبدالرحمٰن نے ملک شام کی فتح کا قصد کیا اور قریب تھا کہ سلطان اپنے بڑے بیٹے سلیمان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اندلس سے روانہ ہو کہ دفعتاً سرقسطہ میں حسین الانصاری کی بغاوت کی خبر پہونچی اور سلطان کو اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا۔ علاوہ حسین الانصاری کے دوسرے امراء عرب مثل حیات ابن ملابس حاکم اشبیلیہ اور عبدالغفار بن حامد حاکم نیبلا اور عمرو حاکم بیجہ نے بغاوت کے جھنڈوں کو بلند کیا اور یک دل و یکجہت ہو کر کثیر التعداد فوج کے ساتھ قرطبہ پر حملہ آور ہوئے سلطان بھی لڑائی کے لئے مستعد تھا بروقت مقابلہ تینوں کو شکست فاش ہوئی اور آخرکار گرفتار اور قتل ہوئے۔

ان امیروں کی مخالفت سے عبدالرحمٰن کو یقین کامل ہو گیا کہ جب تک اس کے گرد ایسے لوگ جمع نہ ہوں گے جن پر اس کو پورا بھروسہ نہ ہو بغاوت کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا اس خیال سے سلطان نے افریقہ سے اہل بربر کو اندلس آنے کی ترغیب[1] دی چنانچہ چالیس ہزار بربر اس کی فوج میں شریک ہوئے اور اسی فوج کی مدد سے یہ ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب رہا عبدالرحمٰن اس طرف اپنے مخالفین اور باغیوں کی تنبیہ میں مصروف تھا اور ادھر یعنی صوبہ جلیقیہ کے عیسائی اپنی قوت کو روز بروز ترقی دے رہے تھے فریلہ بن الفانزو نے عبدالرحمٰن کو بے خبر پاکر سرحدی قلعوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا تھا اور اسی طرح رفتہ رفتہ عیسائی شہر لوگو اور پرتگال اور قسطلہ وغیرہ پر قابض اور متصرف ہو گئے تھے۔

[1] موزران اسپین مصنفہ اسٹانلی لینپول باب ۲ صفحہ (۶۶) میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن نے بغرض ظلم رسانی بربروں کو فوج میں بھرتی کیا تھا اور ایسی ظلم و زیادتی شروع کی کہ تمام رعایا اور سلطان کے رشتہ دار بددل ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ حالانکہ یہ بیان صحیح نہیں ہے تاریخ سے ثابت ہے کہ عبدالرحمٰن نے محض بغاوت کو فرو کرنے دیکھو صفحہ ۶۷

اسی زمانہ میں شارلیمین بادشاہ ملک فرانس نے جو ایک عرصہ دراز تک عبدالرحمٰن سے لڑتا رہا سلطان کے پاس سفارت بھیج کر اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے کی درخواست اور صلح کی خواہش ظاہر کی۔ چونکہ سلطان اپنی ران کے زخم کے سبب سے بے کار ہو گیا تھا اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا لیکن شارلیمین سے صلح کر لی۔

عبدالرحمٰن نے ملک اندلس میں عربی صنعت اور دست کاری کی بنیاد ڈالی اور قرطبہ میں اوس مشہور و معروف مسجد اور قصر باغ رصافہ کی تعمیر شروع کی کہ جس کو اس کے بیٹے ہشام نے اختتام کو پہونچایا سلطان نے اس ملک کی ایک سال کی آمدنی کا پانچواں حصہ یعنی اسی ہزار دینار طلائی اس عمارت پر صرف کئے تھے اور قصر کی چھت میں اس قدر سونا چڑھایا گیا تھا کہ جس کی چمک سے دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اس کے جانشینوں نے بھی اس قصر اور باغ پر روپیہ خرچ کرنے میں اور ان کی شان و شوکت بڑہانے میں کمی نہیں کی عبدالرحمٰن نے اپنی سکونت اسی قصر اور باغ میں

بقیہ صفحہ (۶۶) کی غرض سے قوم بربر کی فوج قائم کی تھی اور بعد رفع فساد اس کا زمانہ حکومت عدل و انصاف و روشن خیالی میں گزرا چنانچہ المقری اور ابن حیان تحریر کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن کی خلق فیاضی و معدلت گستری ضرب المثل تھی یسنپول نے بلا دریافت و تحقیق بغاوت کے فرو کرنے کو ظلم و تعدی خیال کیا ہے بربروں کو فوج میں بھرتی کرنیکی اصل وجہ یہ تھی کہ اکثر امرا عرب خلفائے دمشق کی خیر خواہی کا دم بھر رہے تھے ان کی سازشوں کا توڑنا لازمی تھا اور یہ آسان بات نہ تھی۔ دیکھو ہسٹری آف دی سارا سنس مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲۶ صفحہ ۴۷۶۔ +

[1] المقری نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے حالات میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے لیکن فرانسیسی اور انگریزی مورخین سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی تاریخ سے یہ البتہ اچھی طرح ثابت ہے کہ شارلیمین اور عبدالرحمٰن میں لڑائی ہوئی تھی اور شارلیمین نے اندلس پر حملہ کیا تھا لیکن عربوں نے فرانسیسیوں کو شکست دے کر اندلس سے خارج کر دیا اس جنگ کے بعد جو ۷۷۵ء میں ہوئی تھی شارلیمین نے عبدالرحمٰن کے ساتھ صلح کر لی" ہسٹری آف دی سارا سنس" مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲۶ صفحہ ۴۷

اختیار کی تھی چونکہ اس کو پھولوں اور میوہ دار درختوں سے بے انتہا شوق تھا اس باغ میں اس نے دنیا کے مشہور پھول اور درختوں کو فراہم کیا تھا۔ اس باغ کی سفری انار اور آڑو اور شفتالو لذت اور نزاکت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے علاوہ اس کے عبدالرحمٰن نے اور بہت سی عمارتیں مثل مساجد اور حمام اور پل اور قلعے ممالک محروسہ میں عامہ خلائق کے آرام و آسائش کے واسطے بنائے تھے۔ قصر رصافہ کے باغ میں ایک درخت خرما بھی نصب کیا گیا تھا ایک روز سلطان اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی نمک حرامی اور خانہ جنگی سے نہایت متفکر اور افسردہ خاطر باغ میں گشت کر رہا تھا کہ اس درخت خرما پر نظر پڑی دل پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا بے ساختہ یہ اشعار اس کی زبان پر جاری ہوگئے ؎

تَبَدَّتْ لَنَا وَسْطَ الرُّصَافَةِ نَخْلَةٌ[1]
تَنَاءَتْ بِأَرْضِ الْغَرْبِ عَنْ بَلَدِ النَّخْلِ
فَقُلْتُ شَبِيهِي بِالتَّغَرُّبِ وَالنَّوَى
وَطُولِ التَّنَائِي عَنْ بَنِيَّ وَعَنْ أَهْلِي
نَشَأْتِ بِأَرْضٍ أَنْتِ فِيهَا غَرِيبَةٌ
فَمِثْلُكِ فِي الْإِقْصَاءِ وَالْمُنْتَأَى مِثْلِي
سَقَتْكِ غَوَادِي الْمُزْنِ فِي الْمُنْتَأَى الَّذِي
يَصِحُّ وَيَسْتَمْرِي السَّمَاكَيْنِ بِالْوَبْلِ

[1] ہم نے باغ رصافہ کے وسط میں ایک درخت خرما دیکھا جس نے نخلستان سے علٰحدہ ہوکر زمین غربت میں نشوونما پائی ہے پس میں نے کہا کہ تو غربت و پریشانی میں جو بہ سبب دوری اولاد و اہل کے مجھے لاحق ہے میرا مشابہ ہے۔ تیری نشوونما اوس سرزمین میں ہوئی ہے کہ تو اوس میں تنہا و غریب ہے۔ پس تیرا مثل دوری وجدائی میں میرا مثل ہے۔ مقام جدائی میں تجھے سفید ابروں نے سیراب کیا ہے۔ کیونکہ مسکین بوجہ بارش کے صحت اور راحت پاتے ہیں۔

عبدالرحمٰن ابن معاویہ نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج تھا اس کی رعایا میں سے اگر کوئی مرجاتا تھا تو وہ کیسا ہی غریب کیوں نہو سلطان میت میں شریک اور بذات خود نماز جنازہ کی امامت[1] کرتا تھا رعایا کے ساتھ نماز جمعہ اور بعد نماز خطبہ پڑھنا ایک معمولی بات تھی اپنی رعایا کی شادی اور غم دونوں میں شریک ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بیمار ہوتا تھا اوس کی عیادت کو ضرور جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان بعد شرکت میت واپس ہو رہا تھا کہ اثنائے راہ میں ایک معمولی حیثیت کے آدمی نے جو قاضی کے فیصلہ سے ناراض تھا کہا کہ یا امیر قاضی نے میرے حق میں ناانصافی کی ہے جس کی داد میں تجھ سے چاہتا ہوں۔ سلطان نے جواب دیا کہ اگر تو سچا ہے تو میں تیرے حق میں انصاف کروں گا اوس آدمی نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کی باگ کو مضبوط پکڑ لیا اور کہا کہ یا سلطان برائے خدا میری فریاد کو سن اور تا وقتیکہ قاضی کو انصاف کا حکم نہ دے اس مقام سے ہرگز آگے نہ بڑھ وہ اس وقت تیرے ہمراہ رکاب ہے عبدالرحمٰن نے قاضی کو بلا کر اس شخص کے حق میں انصاف کرنے کا سختی سے حکم دیا جب عبدالرحمٰن محل میں واپس آیا تو ایک منھ چڑھے مصاحب نے اس طرح تنہا پھرنے کے نقصانات ظاہر کئے اور بیان کیا کہ یا سلطان اس طرح بغیر کافی احتیاط کے شہر میں پھرنا تجھکو زیبا نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رعایا کے دل سے تیرا رعب اور خوف بالکل جاتا رہے گا۔ عبدالرحمٰن نے اس خیر خواہانہ رائے کو بہت پسند کیا اور آیندہ سے باہر نکلنے میں بہت کچھ کمی کر دی اور اپنے بیٹے ہشام کو بھی یہی ہدایت کی۔

عبدالرحمٰن کی تقریر نہایت شستہ اور دل آویز تھی اور نہایت سنجیدہ اور معاملہ فہم اور منتظم خلق ہوا تھا کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرتا تھا لیکن جس کام کے کرنے کا قصد کر لیتا تھا تو

---

[1] سنہ ۱۵۸ھ میں معاویہ بن صالح قرطبہ کے قاضی القضاۃ نے انتقال کیا عبدالرحمٰن میت میں شریک تھا اور اس نے بذات خود نماز جنازہ کی امامت کی تھی۔ دیکھو عربس ان اسپین مصنفہ کونڈ جلد (۱) باب ۲ صفحہ ۲۱۳۔

پھر اوس کو بغیر ختم کئے ہرگز نہ ہٹتا تھا لہو و لعب اور ضرورت سے زیادہ آرام کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا تھا سیاستی معاملات اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھے تھے اور کبھی کسی پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ نہیں کرتا تھا لیکن مشکل معاملات میں اپنے لائق اور خیر خواہ مشیروں کی رائے ضرور لیا کرتا تھا فیاض کمال درجہ کا تھا اور فن شعر سے اس کی طبیعت کو بہت کچھ لگاؤ تھا سفید لباس ہمیشہ پسند کرتا تھا۔

سلطان عبدالرحمن کی خلق اور فیاضیاں عام طور پر ضرب المثل تھین جس وقت اس نے یوسف الفہری اور دیگر مخالفین پر پوری کامیابی حاصل کی اور اطمینان کے ساتھ سریر آرائے سلطنت ہوا تو ملک اندلس کے ہر صوبہ و ہر شہر سے حاکم اور رئیس اطاعت قبول کرنے کے لئے قرطبہ آنے لگے سلطان ہر روز وقت مقررہ پر ہر شخص سے علحدہ خلق سے ملتا تھا ہر شخص کو اسکی عام فیاضی اور عطائے خلعت و انعامات نے جان و دل سے مطیع و فرمان بردار بنا دیا تھا ایک روز ایک غریب عرب بنی قنسرین سے اس کے دربار میں حاضر ہوا اور عبدالرحمن سے عرض کی کہ یا سلطان خدائے تعالیٰ نے تجھکو بادشاہی اور بے انتہا خزانوں کا اس لئے مالک کیا ہے کہ تو غریب اور یتیم اور بیوہ کے حق میں انصاف اور انکی مدد کرے عبدالرحمن نے جواب دیا کہ "میں نے تیرے معروضہ کو سنا اور تیری خواہشوں کو پورا کر دیا میں نے حکم دیا ہے کہ تیری مدد کی جائے تاکہ تو اس تباہ حالی اور پریشانی سے نجات پائے اور میں عام طور پر حکم دیتا ہوں کہ وہ لوگ جو مثل تیرے تباہ اور پریشان ہو رہے ہیں وہ یا تو بذات خود دربار میں حاضر ہو کر مجھ سے مدد چاہیں یا اپنی اپنی درخواست میرے پاس پیش کریں تاکہ میں اونکی مدد کر سکوں اور مثل تیرے اون کو ہر قسم کی پریشانی سے نجات دوں" اس کے بعد عبدالرحمن نے اس عرب کو اپنے دربار سے خوش و خرم روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی درخواست لیکر دربار میں آنا چاہے تو اوس کو ممانعت نہ کی جائے سلطان کی ایک یہ عادت تھی کہ کھانے کے وقت اگر کوئی اہل غرض حاضر ہو جاتا تو اوس کو اپنے ساتھ شریک کر لیا کرتا تھا۔

ان واقعات مستند کردہ صدر سے جن سے سلطان عبدالرحمٰن کے ذاتی حالات معلوم ہوتے ہیں بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہہ کس قدر رحم دل رعایا پرور اور اپنی عام رعایا کی بہبودی اور فلاح کا سچا خواستگار تھا یہی باتیں ہیں کہ جس سے بادشاہ ہر دلعزیز بنتا ہے اور یہی طرز حکومت ہے جس سے اسکا نام ابدالآباد قایم اور رعایا کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے بادشاہ کو چاہئے کہ اپنے ملک اور رعایا کا حاکم اور نوکر دونوں سمجھے کیونکہ مطابق حدیث شریف "سید القوم خادمہا" بادشاہ سے زیادہ کوئی دوسرا شخص خیرخواہ ملک و رعایا کا نہیں ہوسکتا

جن عرب مورخین نے عربوں کے اس حصہ تاریخ کی نسبت کچھ لکھا ہے وہ سب متفق الیہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ تخت پر بیٹھتے ہی عبدالرحمٰن نے شام اور مصر لوگوں کو اس غرض سے روانہ کیا کہ یہ لوگ خاندان بنی امیہ کے بچے ہوؤں کو جہاں کہیں ملیں اندلس آنے پر آمادہ کریں سلطان عام طور پر کہا کرتا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایک عنایت مجھ پر یہ بھی کی ہے کہ مجھکو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو اس ملک میں جگہ دینے کا موقع دیا تاکہ یہ لوگ بھی اس ملک کی حکومت میں شریک ہوسکیں اور خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ وہ لوگ جو اپنی جانوں کو ہتیلی پر لئے پریشان اور سرگرداں خاک چھانتے ہوئے پھرا کرتے تھے وہ اس میں داخل ہونے لگے جہاں اون کو امن اور اطمینان نصیب ہوا اس گروہ میں سلطان کا ایک بھائی الوالولید بن معاویہ اور ایک چچازاد بھائی عبدالسلام ابن زید ابن ہشام اور دو بھتیجے المغیرہ ابن ولید اور عبداللہ اور دو لڑکے خلیفہ ہشام ابن عبدالملک کے اور دوسرے عرب امرا مثل عبدالملک بن عمرو اور ابوسلیمان اور عبدالملک بن بشیر اور حبیب بن عبدالملک اس زرخیز اور شاداب ملک میں پناہ گیر ہوئے عبدالرحمٰن نے ان سب کو جاگیرات اور فوجی اور دیوانی خدمات عطا کیں جس سے خود سلطنت کو انتظام سلطنت اور انصرام مملکت میں بہت مدد ملی چونکہ عبدالملک بن عمر خلفائے بنی امیہ کے عہد حکومت میں بڑے عہدوں پر رہ چکا تھا اپنی تجربہ کاری اور ہمہ دانی سے اہم معاملات اور پیچیدہ مقدمات میں سلطان کو بہت مدد دیا کرتا تھا عبدالرحمٰن نے اس امیر کو صوبہ اشبیلیہ کا حاکم مقرر کیا

اور اوس کے بیٹے عمر کو صوبہ مورور کا۔

اس[1] زمانہ میں بظاہر کوئی تعلق اندلس کو شام سے باقی نہیں رہا تھا لیکن اندلس کی مساجد میں خطبہ خلیفہ ابوجعفر المنصور بنی عباس ہی کا پڑھا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے بھی اس قاعدہ کو دس سال تک جاری رکھا بالآخر عبدالملک بن عمر کے شورہ سے خلیفہ کے عوض عبدالرحمٰن کا نام خطبہ میں شریک کیا گیا۔

جس وقت عبدالرحمٰن نے اندلس کی فتح کا قصد کیا اُس کے ساتھ اس قدر دوست اور خیر خواہ اوس کے اور اُسکے خاندان کے نہ تھے جو امیر یوسف الفہری والی ملک اندلس کا مقابلہ بامید کامیابی کر سکتے یہ صرف عبدالرحمٰن کی دور اندیشی اور مدبرانہ برتاؤ کا سبب تھا کہ اس نے سلطنت شام کے خیر خواہوں کو بھی اپنا دوست بنالیا اور اون سے اوس سے زیادہ کام لیا جتنا وہ اس کی کامیابی کے لئے دے سکتے تھے۔ ایک مدبر آدمی جو اصول سیاست سے آگاہ ہو اوس کے نزدیک دوست اور دشمن دونوں سے اپنے حسب منشا کام نکالنا کوئی بڑی بات نہیں۔ عبدالرحمٰن میں یہ صفات موجود تھے۔ جب

[1] اگر المقری یہ نہ لکھتا تو مشکل سے باور کیا جاتا کہ بنی عباس کے ہاتھوں تباہ ہونیکے بعد بنی اُمیہ اپنے دشمن اور ایسے دشمن کا نام تک منا گوارا کرتے لیکن یہ اسلام کا تاریخی واقعہ ہے کہ خلافت راشدہ نے مسلمانوں کے قلوب پر ایسا پائدار بلکہ لازوال اثر ڈالا تھا کہ بقا اور استحکام حکومت کے واسطے دنیوی بادشاہت کے ساتھ دینی تعلق لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا تھا چنانچہ جب بنی عباس کی حکومت میں انحطاط شروع ہوا اور ایرانیوں کی اور انکے بعد اتراک کو عروج ہوا اور ایرانی اور ترکی ریاستیں بالکل آزاد اور خود مختار وجود میں آئیں جنکو کوئی تعلق بعید سے بعید بھی بغداد سے نہ تھا ان عجمی حکمرانوں نے جو اپنی ذات میں دنیوی اور دینی اقتدار جمع نہیں کر سکتے تھے اپنی اپنی حکومت کے پروانے یا سندیں خلیفۂ وقت سے حاصل کی تھیں تاکہ خلیفہ کی نیابت کے نام سے رعایا کی اطاعت و فرمان برداری حاصل کریں۔ یہ سند یا تو خلیفہ کے ساتھ کمال عقیدت اور عجز و انکسار ظاہر کر کے قلیل خراج یا سالانہ تحائف کے پیش کش کے وعدہ پر حاصل کی جاتی تھی یا بجبر فوج کشی کا خوف دلاکر مساجد میں ہمیشہ خلیفہ کا خطبہ پڑھوایا کرتے تھے۔ یہ طریقہ نہ صرف سنی حکمرانوں تک محدود تھا بلکہ شیعہ بھی اسی پر عمل پیرا تھے۔ بنی فاطمہ نے مصر میں معزول خلیفہ عباسی کو اپنی دور حکومت کے اختتام تک اپنے پاس رکھا اور خطبہ اوسی کے نام سے پڑھوایا۔ (صفحہ آئندہ)

بہ پورے طور سے کامیاب ہوگیا اور ملک اندلس کو اپنے قبضہ میں کرلیا تو اب اس نے اپنی قوت کے
بڑھانے کی کوشش کی اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو مصر اور شام وغیرہ سے بلاکر اپنے گرد فراہم
کرنا شروع کیا۔ لیکن بعضے مورخین سلطان کی اوس طرز اور برتاؤ کی بہت کچھ شکایت کرتے ہیں جو اوس نے
بعد کامیابی اور تسخیر ملک اندلس اپنے پروردہ اور معاون بدر اور نیز ابو عثمان کی خلافت میں اختیار کیا تھا۔
اس میں شک نہیں کہ ایک ایسے آدمی کے احسانوں کو فراموش کردینا جس نے غم اور خوشی دونوں میں
اس کا ساتھ دیا سزاوار نہ تھا۔ بدر وہ شخص تھا کہ جس نے نہ صرف پریشانی اور حیرانی اور سرگردانی ہی میں
عبدالرحمٰن کا ساتھ دیا بلکہ اسی خیرخواہ اور سچے دوست اور غلام کی وجہ سے یہ عظیم الشان کامیابی حاصل
کی لیکن عبدالرحمٰن نے تخت پر بیٹھتے ہی بدر کو نہایت ذلت کے ساتھ قید کیا اور لبعدہٗ اندلس سے بدر کردیا
بعد اخراج بدر نے ایک خط سلطان کو لکھا جس کا مضمون یہ ہے۔

"مجھکو امید تھی کہ صحرا اور دریا طے کرنے اور تجھکو ایک ملک کا مستقل حاکم بنا دینے کے بعد تو
مجھکو ہرگز ذلیل اور بے آبرو نہ کرے گا اور دشمنوں کو مجھپر نہ ہنسائے گا اگر میں بنی عباس کے ہاتھوں
میں گرفتار ہو جاتا تو مجھکو یقین ہے کہ وہ میرے ساتھ اس قدر برا برتاؤ نہ کرتے۔ میں نے اپنے معاملات کو خدا
کے سپرد کردیا ہے"

امیر ابو عثمان کی نسبت مورخین یہ تحریر کرتے ہیں کہ جب اس امیر نے دیکھا کہ سلطان میری
طرف ملتفت نہیں ہے اور نیز اپنے معروضوں کو بھی بے اثر پایا اس نے البیرۃ میں اپنے بھتیجہ کو بغاوت پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۲) سلطان سلیم نے جب مصر فتح کیا اُسی خلیفہ کی اولاد میں جو اوسوقت موجود تھا اوس نے منصب خلافت مع
تمام تبرکات حضرت رسول اللہ صلعم حاصل کیا تھا۔ ترکون نے سلطان سلیم کے زمانہ سے تمام اسلامی دنیا پر اپنے منصب خلافت
کے اثر سے حکومت کی اور اب تک باقی رہے۔ سلطان صلح الدین ایوبی نے بنی عباسیہ کے نام سے اپنی کردی حکومت کو قائم رکھا۔
اس تاریخی واقعہ کی تفصیل کے واسطے دیکھو "امیہ اور عباسیہ تاریخ تمدن اسلام" حصہ چہارم مصنفہ جرجی زیدان مترجمہ مارگولیتھ
گب موریل صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۹ اور ابن خلدون۔ ہندوستان کے بادشاہ بھی بنی عباسیہ سے سند حکومت حاصل کرتے رہے۔

آمادہ کیا لیکن ابھی بغاوت شروع نہ ہوئی تھی کہ سلطان پر یہ بات ظاہر ہوگئی اور اس کا بھتیجا مع شرکا کے قتل کیا گیا اس ناکامیابی کے بعد امیر ابوعثمان نے سلطان کے بھتیجے کو بغاوت کی ترغیب دی اس دفعہ بھی عبدالرحمن کو سازش کا حال معلوم ہوگیا اور قبل اس کے کہ بغاوت شروع ہوتی سلطان نے اپنے بھتیجے اور ابوعثمان کو گرفتار کرلیا گو سلطان کو یقین کامل ہوگیا تھا کہ فساد کا بانی ابوعثمان ہی ہے بازہم اسکے قتل سے باز رہا صرف خطابات اور جاگیرات ضبط کرلیں جو بعد ایک مدت کے پھر اس امیر پر بحال کی گئیں۔ عبداللہ ابن خالد اور تمام ابن علقمہ بدر اور عثمان کے شرکا بھی اپنے عہدوں سے علیحدہ کئے گئے

سلطان عبدالرحمن کے عہد حکومت میں حسب ذیل اشخاص یکے بعد دیگرے حاجب مقرر ہوئے تھے تمام بن علقمہ یوسف بن بخت عبدالکریم ابن محران عبدالرحمن ابن مغیث ابن حیریث منصور اخیرالذکر پہلا خواجہ سرا تھا اس عہدہ پر مامور ہوا اور سلطان عبدالرحمن ابن معاویہ کی زندگی تک اسی عہدہ پر سرفراز رہا عبدالرحمن نے بجائے ایک وزیر یا مشیر کے مجلس امرا مقرر کی تھی جن کی رائے اور مشورہ سے سلطان انتظامی کام ریاست کا کیا کرتا تھا اون کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابوعثمان مشیر اول عبداللہ بن خالد یہ داماد تھا ابوعثمان کا۔ ابوعبیدہ حاکم اشبیلیہ شہید ابن عیسیٰ ثعلبہ ابن عبید حاکم سرقسطہ آثم ابن مسلم۔

عہدہ خطابت پر حسب ذیل امرا یکے بعد دیگرے مامور ہوئے تھے ابوعثمان عبداللہ بن خالد امیہ بن زید۔

عہدہ قضات پر یحیٰی ابن زید ابوعمرو معاویہ مقرر تھے۔

سلطان عبدالرحمن بن معاویہ کی پیدائش کی تاریخ کی نسبت زیادہ اختلاف نہیں پایا جاتا سب کو اتفاق ہے کہ ۱۱۳ھ م ۷۳۱ء میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کے انتقال کی تاریخ میں کس قدر اختلاف ہے بعض ۱۷۲ھ م ۷۸۸ء بتاتے ہیں اور بعضے ۱۷۱ھ کہتے ہیں۔ خلیفہ ہارون رشید کے عہد خلافت میں سلطان کا

انتقال ہوا اور قرطبہ میں دفن کیا گیا۔

عبدالرحمٰن[1] کے ابتدائی حالات کی نسبت یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے باپ معاویہ نے خلیفہ ہشام کے عہد حکومت ۱۱۸ھ میں انتقال کیا اوس وقت معاویہ کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ خلیفہ ہشام نے عبدالرحمٰن کو پرورش کیا تھا چونکہ خلیفہ کا یہ خیال تھا کہ اس کو اپنا ولیعہد مقرر کرے۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور تربیت دی گئی۔ سلطان علاوہ تمام صفات مذکورہ بالا کے علم و فضل و کمال کی قدردانی میں اپنے نامی ہمعصر خلیفہ ہارون رشید کا ہمپلہ تھا عبدالرحمٰن سے لے کر عبدالرحمٰن انصاری تک فرمانروایان اندلس امیرالمسلمین کے خطاب سے مشہور تھے سلطان عبدالرحمٰن انصاری کے عہد حکومت میں جبکہ خلافت عباسیہ میں ضعف پیدا ہو گیا تھا اور سلطنت کا نام ہی باقی رہ گیا تھا۔ عبدالرحمٰن انصاری نے رعایا کی خواہش سے اپنے خطابات شاہی میں امیرالمومنین شریک کیا اور اوسی زمانہ سے شاہان اندلس نے امیرالمومنین و خلیفۃ المسلمین کے القاب اختیار کئے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ نہایت خوبصورت اور وجیہ آدمی تھا۔ رنگ بہت صاف بال بھورے اس کی صرف ایک آنکھ کام دیتی تھی۔ قوت شامہ سے بے بہرہ تھا اس کے بیس بچے تھے گیارہ بیٹے اور نو بیٹیاں۔

---

[1] تاریخ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ الداخل کے لقب سے مشہور ہے جس کی وجہ یہ پائی جاتی ہے کہ خاندان بنی اُمیہ کا یہ پہلا شخص تھا جو اندلس میں داخل ہوا تھا۔

باب دوم

ہشام

جمادی الآخر ۱۷۲ھ م ۷۸۸ء لغایۃ صفر ۱۸۰ھ م ۷۹۶ء

ہشام کی تخت نشینی۔ نجومی سے ملاقات۔ سلیمان کی بغاوت۔ فتح اربونیہ اور عیسائیوں سے جنگ۔

تعمیر پل قرطبہ۔ طرز حکومت۔ ذاتی حالات۔

۱۷۲ھ مطابق ۷۸۸ء میں عبدالرحمٰن بن معاویہ اندلس کے خلیفہ اول نے انتقال کیا اور اور اس کا دوسرا بیٹا ہشام ابوالولید جس کو عبدالرحمٰن نے اپنی حین حیات اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس کی ماں کا نام حلل تھا شوال ۱۳۹ھ میں یعنی عبدالرحمٰن کے اندلس میں داخل ہونے کے ایک سال بعد پیدا ہوا اور بچپن ہی سے اس کو علماء اور اہل کمال کی صحبت میں بیٹھنے کا بے انتہا شوق تھا اس کے بڑے بھائی سلیمان کی طبیعت اس کے برعکس واقع ہوئی تھی عبدالرحمٰن نے ہشام کو ان ہی خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کی وجہ سے اس کو ولیعہد مقرر کیا تھا[1] اور ہمیشہ لوگوں سے ان دونوں بھائیوں کے حالات اور ذاتی صفات کا مستفسر رہتا تھا سب ہمزبان تھے کہ شہزادہ ہشام کا

[1] عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اپنے تمام بچوں کی تعلیم کا خاص طور پر انتظام کیا تھا۔ ہشام اور سلیمان دونوں کو حکم تھا کہ دارالقضا میں جاکر کام سیکھا کریں اور جس وقت کونسل آف اسٹیٹ یعنی مجلس امراء کا انعقاد ہوتا تھا تو شاہزادے تاختم کام وہاں حاضر رہتے تھے شعراء اور علماء سلطان کی سالگرہ کے روز نظم ونثر سلطان کی تعریف میں لکھ کر شہزادوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور جس کی نظم یا نثر سب سے عمدہ ہوتی تھی اوس کو انعام دیا کرتے تھے۔ عربس ان اسپین مصنفہ کونڈ جلد (۱) صفحہ ۲۱۳۔
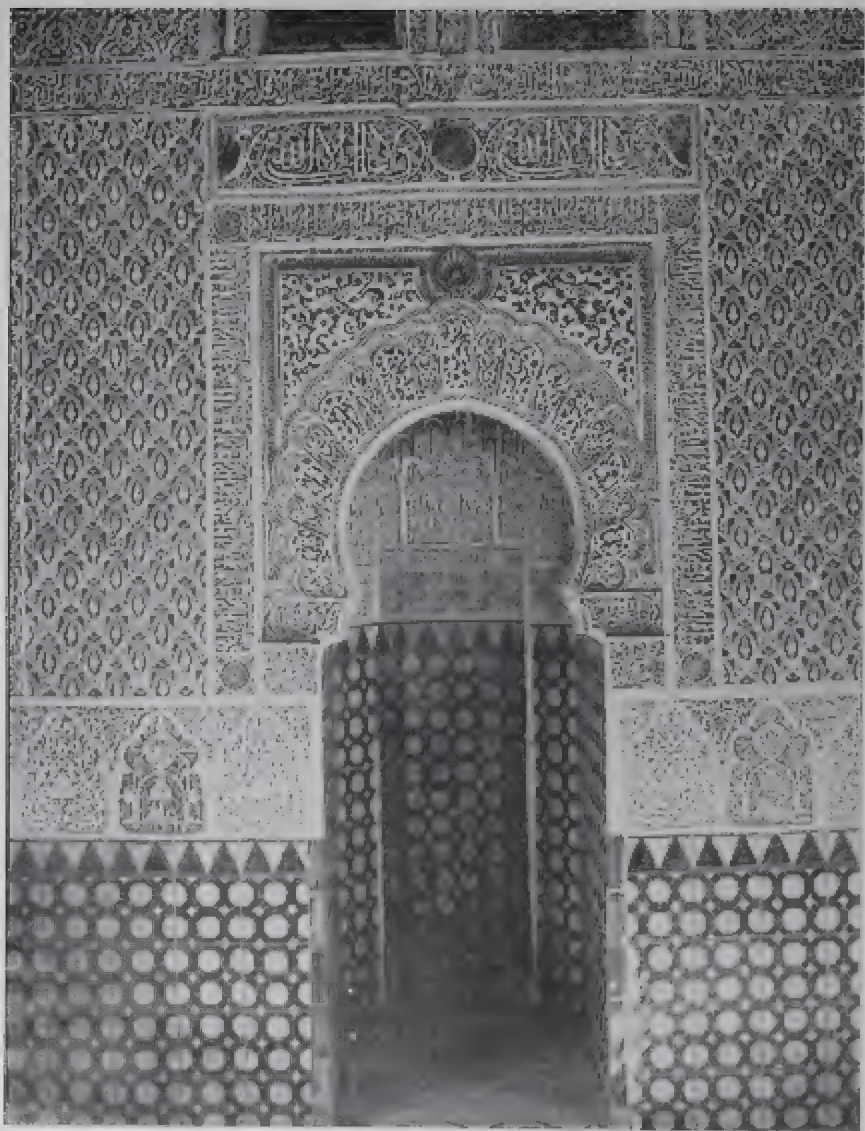
مقصورة القرآن
مقصورہ جس میں کلام اللہ محفوظ ہے
(جامع غرناطہ)

دربار ہمیشہ علما اور فضلا اور بہادران و دبیران وقت اور صاحب کمال لوگوں سے معمور رہتا ہے جہاں ہر قسم کے علمی مباحثے ہوا کرتے ہیں برخلاف اس کے شہزادہ سلیمان کے دربار میں کم ہمت اور پست حوصلہ اور خوشامدی جمع رہتے ہیں۔ ہشام صوبہ مریدہ کی صوبہ داری کو انجام دے رہا تھا کہ اس کو اپنے باپ کے انتقال کی خبر پہونچی شہر مریدہ ہی میں اس نے عنان حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا اور رعایا نے بلاعذر اس کو سلطان عبدالرحمٰن کا جانشین تسلیم کر لیا۔

تخت پر بیٹھتے ہی سلطان ہشام نے الضبی نامی مشہور اور معروف منجم ساکن الجزائر کو دربار میں طلب کیا اور اوس سے کہا کہ گو خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہو سکتا چونکہ تو اپنے فن میں یکتائے زمانہ سمجھا جاتا ہے لہٰذا زائچہ کے ذریعہ سے بلا تامل اور بغیر خوف و خطر مجھکو بتا کہ میرا زمانہ حکومت کس طرح گزریگا۔ سلطان کے اس اطمینان دلانے پر اس نجومی نے زائچہ تیار کیا اور بارگاہ سلطانی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا امیر تیرا زمانہ حکومت نہایت مبارک اور قابل یادگار رہوگا۔ دشمن ہمیشہ پامال اور فتح و نصرت ہمیشہ ہمرکاب رہے گی مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیرا عہد حکومت آٹھ سال تک یا کچھ کم و بیش رہے گا۔ ہشام نے منجم کے اس بیان کو غور سے سنا اور کچھ دیر تک سوچ اور فکر میں رہا بعد چند لحظے کے سر اوٹھایا اور کہا کہ اے الضبی تیری پیشین گوئی نے مجھکو مطلقاً ہراسان اور پریشان نہیں کیا بلکہ اس تیرے بیان نے مجھکو اپنی نیک نامی اور کامیابی حاصل کرنے کا راستہ بتا یا میں ہمیشہ اپنے معبود برحق کی عبادت اور اپنے منصب جلیلہ کی انجام دہی میں تادم مرگ مشغول رہوں گا۔ اس کے بعد ہشام نے منجم کو خلعت و انعام کے ساتھ رخصت کیا اوسی وقت سے دنیوی عیش و آرام و خواہشات نفسانی کو یک لخت دور اور سلطنت گستری اور رعیت پروری میں مصروف ہوا۔

اپنے عہد حکومت کے اوایل میں سلطان ہشام کو اپنے بعض اہل خاندان سے بہت تکلیف پہونچی چنانچہ اس کے بڑے بھائی سلیمان نے دوسرے بھائی عبداللہ نامی کی شرکت سے فوج کثیر

کے ساتھ سلطنت کا دعویٰ کیا سلطان نے بذات خود باغیوں کا مقابلہ کیا اور اون کو شکست فاش دی اس خانہ جنگی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہشام فرانس کی طرف متوجہ ہوا جب اس نے شہر اربونیہ[1] کو دوبارہ فتح کیا صوبہ جلیقیہ کے ماتحت عیسائی رئیسوں نے نہایت عجز کے ساتھ صلح کی درخواست کی جس کو سلطان نے بایں شرط قبول کیا کہ یہ لوگ اربونیہ کی شکستہ دیواروں کے چونہ اور پتھر وغیرہ کو ڈھو کر دار السلطنت قرطبہ تک پہونچائیں جہان پر سلطان نے اسی سامان سے ایک مسجد باب الجنہ کے محاذی تعمیر کی۔

سنہ ۱۷۵ھ میں البہ اور ارض القلاع کے عیسائیوں نے بغاوت شروع کی لیکن سلطانی فوج نے باغیوں کو ایسی شکست دی کہ پھر ان عیسائیوں کو فساد کی جرائت نہ ہوئی۔ اسی سال میں سلطان نے اپنے وزیر یوسف ابن بخت کو فوج کثیر کے ساتھ پھر صوبہ جلیقیہ کے عیسائیوں کے تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ یوسف نے رئیس صوبہ برمیوڈو کو شکست کامل دی جس میں بے انتہا عیسائی قتل و غارت ہوئے۔ اور اس صوبہ کا بہت بڑا حصہ ممالک مفتوحہ میں شریک کیا گیا۔ سنہ ۱۷۶ھ میں دوسرے وزیر عبد الملک ابن عبد الواحد ابن مغیث نے البہ اور ارض القلاع کے عیسائیوں کو کافی سزا دی سنہ ۱۷۷ھ میں اہل اربونیہ اور جرندہ کو پھر مائل بفساد پاکر امیر عبد الملک ہی کو اس مہم پر مقرر کیا۔ جہاں اس نے اپنی خدمات مفوضہ کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

اسی زمانہ میں قرطبہ کے پل کی جس کو امیر السمح نے خلیفہ عمر ابن عبد العزیز کے زمانے میں بنایا تھا از سر نو تعمیر کی گئی۔ یہ پل جس کا نقشہ سلطان ہشام نے اپنے ہاتھ سے کھینچا تھا حسن اور وسعت

[1] اس فتح کی نسبت الفاظ بہت صاف ہیں " وفی ایامہ فتحت اربونہ "۔ بعض فرانسیسی مورخین مثل رومی اور ریناد بیان کرتے ہیں کہ عربوں نے اس شہر کو فتح نہیں کیا بلکہ صرف اس شہر کے قرب و جوار کے مقامات کو تاخت و تاراج کیا تھا المقری اور دیگر مورخین عرب کا بیان ہے کہ عربوں نے اس شہر کو فتح کر لیا تھا اور یہ آخر الذکر بیان بلحاظ واقعات مندرجہ حصہ اول صحیح معلوم ہوتا ہے۔

میں بے نظیر تھا۔ زمانہ تعمیر میں ایک روز سلطان نے اپنے اہلِ دربار سے پوچھا کہ اس پُل کے بنانے کی نسبت عام خیال کیا ہے۔ جواب دیا کہ رعایا کا یہ خیال ہے کہ سلطان نے پُل کو اس غرض سے تعمیر کیا ہے کہ شکار کی آمد و رفت میں دقت نہ ہو۔ یہ سُن کر ہشام نے عہد کیا کہ آج سے تادمِ مرگ اس پُل پر پاؤں نہ رکھوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہشام کے زمانہ حکومت میں بعض علماء اور فقہا حج کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے جن میں فرعون ابن العاص عیسیٰ ابن دینار سعید بن ابی ہند اور دیگر مشہور لوگ شریک تھے شام میں ان لوگوں کی ملاقات مالک ابن انس سے ہوئی جو کچھ کہ فیض ان لوگوں کو اوس کی صحبت سے حاصل ہوا تھا اوسے اہلِ اندلس انہی کے توسط سے مستفید ہوئے۔ دراصل ابوعبداللہ زید ابن عبدالرحمٰن کی کوشش سے عقائد مالکیہ نے اس ملک میں رواج پایا اور انکی متعلقہ تصانیف درس میں شریک ہوئیں۔ ہشام نے ابوعبداللہ زید کو بلحاظ اوس کی علم اور تقدس کے عہدۂ قضائت کے لئے تجویز کیا لیکن یہ کسی طرح راضی نہ ہوا اور جب سلطان نے اس کو مجبور کرنا چاہا تو اس نے صاف کہدیا کہ "اگر میں نے بجبر اس عہدے کو قبول بھی کیا تو شرع اور فقہ کے بالکل خلاف احکام جاری کروں گا۔ اوس وقت تم خود مجھکو اس خدمت سے علیحدہ کردوگے"۔ سلطان بصوابدید وزرا اپنے ارادے سے باز رہا اور پھر کبھی ابوعبداللہ کو عہدۂ قضائت کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس عالم کا انتقال ؁ھ میں ہوا۔

سلطان ہشام کے عہد حکومت میں علم و فضل اور ہر قسم کے کمال نے بے حد ترقی پائی چونکہ بادشاہ خود لایق اور علم دوست اور صاحب فن کا قدر دان تھا اس نے اپنے گرد ایسے بے نظیر اور نادر العصر لوگوں کو جمع کیا کہ جن کی بدولت اس کا نام اس وقت تک قائم ہے اور آیندہ بھی قائم رہے گا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ اس کا باپ سلطان عبدالرحمٰن بن معاویہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا اور اہلِ دربار

لہ اپنے وقت کا علامہ تھا۔

حاضر تھے کہ سلطان نے یہ دو شعر پڑھے۔

وَتَعْرِفُ مِنْ اَبِيهِ شَمَائِلًا سَمَاحَةَ ذَا مَعَ بِرِّ ذَا وَوَفَاءَ ذَا	مِنْ خَالِهِ اَوْ مِنْ يَزِيْدَ وَمِنْ حُجُرٍ وَنَائِلِ ذَا اِذَا صَحَا وَاِذَا سَكِرْ

اور ہشام سے پوچھا کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ اشعار کس کے ہیں ہشام نے فوراً کہا کہ یہ اشعار امرو القیس کے ہیں جو خاص تیرے لئے لکھے گئے۔ سلطان اپنے بیٹے کی اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہُوا ہشام کی فیاضی اور معدلت گستری کی نظیروں سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔ اس نے اپنی بیدار مغزی اور دانشوری سے سلطنت کو ایسے مستحکم اصول پر قائم کیا کہ اگر ان کی پابندی اس کے جانشین کرتے تو اسی وقت یورپ کا مغربی کونہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتا جس سے سلطنت ہائے بلاد مشرقیہ اسلامیہ کو تقویت ہوتی تمام ممالک محروسہ میں مخبر پھیلے ہوئے تھے جن کے ذریعہ سے سلطان کو حکام کی طرز حکومت کی خبر دم بدم پہونچتی رہتی تھی۔ جس طرح کہ خیر خواہ اور نیک خصال حکام چشمۂ فیض و قدردانی سے سیراب اسی طرح ظالم اور بدخواہ آتش غضب ظلم سوز سے ترساں اور لرزاں رہتے تھے اس کو رعایا کی تکلیف ایک لحہ کے لئے بھی گوارا نہ تھی اور ہمیشہ کوشش یہ تھی کہ رعایا اپنے حکام سے خوش رہے اور اوس کے جان و مال کی پوری پوری حفاظت کی جائے۔

شخصی سلطنت میں ملک اور رعایا کی بہبودی خاص بادشاہ کی ذات سے وابستہ ہے اس بادشاہ کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے اپنی محنت اور جفاکشی عدل وجود سخا کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا رعایا نے اس کو العادل کا خطاب دیا تھا اس لقب کو یہ نہایت عزیز رکھتا اور اپنا فخر سمجھتا تھا ہشام نے سات سال اور آٹھ یا نو مہینے حکومت کے بعد ۱۸۰ھ م ۷۹۶ء میں انتقال کیا قبل انتقال مسجد قرطبہ کو جس کی بنیاد عبدالرحمٰن نے ڈالی تھی ختم کر دیا تھا۔

لہ ترجمہ: او سکے باپ اور ماموں کی یا یزید کی و حجر کی شمائل سے تو اوس کو معلوم کر سکتا ہے کہ وہ صاحب بخشش ذکوٰتی و صاحب وفا و صاحب جود ہے صحت اور نشہ کی حالت میں۔

الحکم

صفر ۱۸۰ھ م ۷۹۶ء لغایۃ ذیحجہ ۲۰۶ھ م ۸۲۲ء

الحکم کی تخت نشینی۔ اس کے چچا سلیمان اور عبداللہ کی بغاوت۔ جنگ جلیقیہ۔ انتقال سلیمان۔
عیسائیوں کے ساتھ جنگ اور اون کی شکست۔ قحط عظیم۔ انتقال۔ طرز حکومت۔

سلطان الحکم اپنے باپ سلطان ہشام کے بعد تخت پر بیٹھا۔ عربوں کی یہ خوش قسمتی تھی کہ لائق باپ کی میراث لائق تر جانشین کے حصہ میں آے لیکن مثل سابق اس کے رشتہ داروں نے اسکو کبھی آرام لینے نہیں دیا۔ چنانچہ الحکم کے تخت پر بیٹھتے ہی اس کے دونوں چچاؤں یعنی عبداللہ اور سلیمان نے بغاوت شروع کردی اگرچہ یہ لوگ علانیہ بغاوت کی قدرت نہیں رکھتے تھے مگر چونکہ یہ سب سلطنت کے رکن اعظم تھے خفیہ طور پر اسکو اور اسکی سلطنت کو نقصان پہونچا سکتے تھے اور اس تکلیف اور نقصان رسانی میں انہوں نے کوتاہی نہیں کی۔ عیسائی بھی ہمیشہ ایسی سازشوں اور خانہ جنگیوں کا انتظار جن پر ان کی کامیابی منحصر تھی کیا کرتے تھے۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ الحکم خانہ جنگی میں مشغول ہے فرانسیسیوں نے ۱۸۵ھ م ۸۰۱ء میں برشلونہ پر حملہ کیا اور اوس کو اپنے قبضہ میں لے آئے۔ عربوں نے وہ پورا صوبہ خالی کردیا اور سرحدی قلعوں میں پناہ گزیں ہوئے لیکن قبل اس کے کہ عیسائی کچھ زیادہ نقصان پہونچاتے الحکم نے اپنے مشہور حاجب عبدالکریم ابن مغیث کو معقول تعداد فوج کے ساتھ عیسائیوں کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ اس امیر نے نہایت دلیری اور ہوشیاری سے اپنے کار مفوضہ کو انجام دیا اور ایک ہی

جنگ میں فرانسیسیوں کو ملک سے خارج کر دیا اور کافی انتظام کے بعد قرطبہ واپس آیا۔ اسی اثنا میں متعقدان مالک ابن انس نے جن کو اپنے سیادت اور تقدس پر ناز تھا یہ خبر مشہور کی کہ چونکہ سلطان دنیوی عیش و آرام کی طرف متوجہ ہے حکومت کے قابل نہیں رہا۔ اس الزام کے شہرت دینے اور فساد کی آغاز کرنیکا بانی یحییٰ ابن یحییٰ اللیثی تھا۔ بغاوت قرطبہ کے مغربی حصّہ سے شروع ہوئی اگر سلطان فی الحقیقت جیساکہ اس فرقہ نے اسے مشہور کیا تھا امور سلطنت سے بے خبر اور لہو و لعب میں مصروف ہوتا اور بے خبری کی حالت میں اس انقلاب اور بغاوت کو بڑھنے دیتا تو معلوم نہیں کہ انجام کار کیا ہوتا۔ یہ خاندان معاویہ کی خوش قسمتی تھی کہ الحکم میں وہی صفات اور خوبیاں موجود تھیں جن کی بدولت اس کے دادا عبدالرحمن بن معاویہ نے صرف خدائی عزوجل کی رحمت اور کرم سے اس ملک کو فتح کیا اور اپنے خاندان کا نام قایم رکھا۔ یہ بغاوت کوئی نئی بات نہ تھی۔ تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ انقلاب عظیم کے بانی اکثر مذہبی فرقہ ہوئے ہیں اور مذہب کی لگائی ہوئی آگ اپنا اثر کئے بغیر بجھتی نہیں۔ جس وقت الحکم کے مخبروں نے مالک ابن انس کے معتقدوں کی مفسدہ پردازی کی اطلاع دی اوس نے قبل اس کے کہ رعایا پر ان باغیوں کی سازش کا کچھ اثر ہو اس حصّہ شہر کو جس میں یہ لوگ مقیم تھے نیست و نابود اور جو لوگ باقی رہے اون کو سزائے سخت کے بعد اندلس سے خارج کر دیا کچھ باغی دارالسلطنت مراکش میں سکونت پذیر ہوئے اور کچھ مصر چلے گئے لیکن باوجود اس سختی اور مصیبت اوٹھانے کے بھی یہ لوگ اپنی شرارت جبلی سے باز نہیں آئے اور مصر میں بھی آتشِ فساد بھڑکانی چاہی مگر خلیفہ المامون کے قایم مقام عبداللہ ابن طاہر نے کافی سزا کے بعد ان کو جزیرہ اقریطش[۱] کی طرف نکال دیا جس کو ان باغیوں نے فتح کیا اور مدت دراز تک اوس پر حکومت کرتے رہے آخر کو میٹاس پسر قسطنطین نے سنہ ۹۶۱ء میں اس جزیرہ کو فتح اور ملک یونان سے ملحق کر لیا۔ آخر بادشاہ ان کا عبدالعزیز خاندان ابوحفص سے تھا۔

[۱] اس کو کریٹ یا کینڈیا کہتے ہیں جس پر اب ترک حکمراں ہیں۔

اندرونی بغاوتوں کو رفع کرنے اور اپنے چچا سلیمان کے انتقال کے بعد الحکم سرحد کی درستی اور حفاظت کی طرف مائل ہوا پہلے اس نے قلعجات سرحدی کو مکرر درست اور مستحکم کیا اور پھر عیسائیوں کے حملوں کو روکنے کی غرض سے مختلف دستہ فوج کے اپنے نامی اور جانثار امیروں کی سرکردگی میں سرحد کی طرف روانہ کئے سنہ ۱۹۲ھ م سنہ ۸۰۸ء میں شاہ فرانس کی سازش سے لذریق نے شہر طرطوشہ کا محاصرہ کیا جب اس محاصرہ کی اطلاع سلطان کو پہونچی تو باوجودیکہ بیشتر تجربہ کار امیر سرحدی لڑائیوں میں مصروف تھے۔ الحکم نے بذات خود طرطوشہ کا عزم کیا اور پہلے ہی مقابلہ میں اس کے بڑے بیٹے عبدالرحمن نے لذریق کو شکست فاش دے کر اپنی حدود سے باہر کردیا۔

اس جنگ کے چار برس بعد سنہ ۲۰۰ھ مطابق سنہ ۸۱۵ء میں سلطان نے پھر جنگ کا عزم کیا اور اور اپنے وزیر عبدالکریم ابن مغیث کو جو فنون سپہ گری میں یکتائے زمانہ تھا فرانسیسیوں کے مقابلہ میں بھیجا۔ عرب حدود جلیقیہ میں داخل ہوئے اور بلا کسی محنت اور مشقت کے سرحدی قلعجات کو اپنے قبضے میں لے آئے ہنوز یہ سرحد کے قریب تسخیر شدہ ملک کے انتظام میں مصروف تھے کہ ان کو شاہ جلیقیہ کی فوج کشی کی اطلاع پہونچی دونوں فوجیں دریا کے کنارے خیمہ زن ہوئیں چونکہ دریا دونوں کے بیچ میں حائل تھا جنگ چند روز تک ملتوی رہی امیر عبدالکریم نے بمصلحت اپنی فوج کو کنارے سے ہٹالیا اور عیسائیوں کو دوسری طرف آنے کا موقع دیا۔ تیرہ روز تک دونوں فوجیں لڑتی رہیں لیکن باوجود کامیابی بارش اور دریا کی شورش کی وجہ سے عرب اپنی کامیابی سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرسکے جب امیر نے دیکھا کہ دریا کی طغیانی زیادہ ترقی کرتی جاتی ہے اور طوفان بھی کم نہیں ہوتا تو اس نے سلطان کو اطلاع کی اور حسب الحکم قرطبہ واپس چلا آیا۔

اسی زمانہ میں اندلس میں ایسا شدید قحط پڑا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہوگئے اس حادثہ عظیم نے سلطان کا خواب و خور حرام کردیا تھا۔ اپنی عزیز رعایا کی تکلیف اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

عباس ابن ناصح الجزائری حسب ذیل اشعار میں اس واقع کو ظاہر کرتا ہے ؎

نَكِدَ[۱] الزَّمَانُ فَامَنَتْ اَيَّامُهُ	مِنْ اَنْ يَكُوْنَ بِعَصْرِهٖ عُسْرُ
ظَلَعَ الزَّمَانُ بِاَزْمَةٍ فَجَلَتْ لَهٗ	تِلْكَ الْكَرِيْهَةَ جُوْدُهُ الْغَمْرُ

عباس ابن ناصح ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ "جب میں وادی الحجارۃ کے قریب سے گزرا تو ایک عیسائی عورت نے مجھکو سلطان سمجھ کر بآواز بلند کہا اے الحکم کیا اس سخت زمانے کے ساتھ جس نے ہمارے باپ اور شوہر دونوں کو مار ڈالا تو بھی اپنی غریب رعایا کو جو بھوکی پیاسی تجھکو یاد کر رہی ہے بھول گیا میں نے نہایت تشفی اور دلداری کے ساتھ اس تباہی کی وجہ دریافت کی اس نے بیان کیا کہ جب ہم اپنے مردوں اور بچوں کے ساتھ وادی الحجارۃ کے کھیتوں سے گزر رہے تھے عیسائیوں کے ایک گروہ نے ہم کو گھیر لیا اکثر قتل ہوئے اور بقیۃ السیف کو گرفتار کر کے لے گئے" اس واقعہ کو بھی اس شاعر نے یوں نظم کیا ہے ؎

تَمَلْمَلْتُ[۲] فِي الْوَادِي الْحِجَارَةِ مُسْعِدًا	اُرَاعِيْ نُجُوْمًا مَا يَرُوْنَ تَغَيُّرًا
اِلَيْكَ اَبَا الْعَاصِيْ نَضَيْتُ مَطِيَّتِيْ	تَسِيْرُ بِهِمْ سَارِيًا وَمُهَجِّرًا
تَدَارِكْ نِسَآءَ الْعَالَمِيْنَ بِنُصْرَةٍ	فَاِنَّكَ اَحْرٰى اَنْ تُغِيْثَ وَتَنْصُرَا

عباس ابن ناصح نے دربار سلطانی میں اپنے قصیدے کو پڑھا جس سے سلطان اس قدر متاثر ہوا

[۱] (ترجمہ) زمانہ خراب ہوگیا تھا مگر اوس کے ایام نے اس بات سے بچایا کہ اوس کے عہد میں تنگی و پریشانی ہو مصیبتوں کی کثرت سے زمانہ تنگ ہو رہا تھا مگر اوس کی دریا دل بخشش نے اس رنج کو دور کر دیا۔

[۲] (ترجمہ) مقصود ان شعروں کا یہ ہے کہ وادی الحجارۃ میں بڑی مصیبتوں سے میری شب بسر ہوئی اور ابو العاص کی مدد کے نظر کرتے اونٹ کو رات دن اس قدر دوڑانا پڑا کہ وہ ناتوان و لاغر ہو گیا جب کہ تیری ذات نصرت و مدد کے لئے لائق تر ہے اپنے زمانہ کی عورتوں کی فریاد سن اور مدد کر۔

کہ فوراً بذات خود مع فوج کے وادی الحجارۃ پہونچا اور کامل تحقیقات کے بعد مجرموں کو قتل کیا اور اس عیسائی عورت کے سامنے سلطان نے عباس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے عباس اب اس عورت سے پوچھ کہ الحکم اپنی غریب رعایا کی آہ و زاری سنتا ہے یا نہیں اور اس کے مصائب کے دفع اور اس کے حقوق کی نگرانی کرنے میں خاص توجہ اور کوشش کرتا ہے یا نہیں - یہ وہ یہ سن کر آبدیدہ ہوئی اور رکاب سعادت کو بوسہ دے کر نہایت ادب سے عرض کیا کہ اے امیر جو کچھ میں نے اس وقت دیکھا اور سنا اس کے صحیح ہونے میں بالکل شبہ نہیں خدا تعالیٰ تجھکو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے -

الحکم کے گرد و پیش جو مشیر اور ارکان سلطنت تھے وہ اپنے اپنے فن میں وحید عصر تھے اون کے نام نامی یہ ہیں سحاق ابن المنذر اور عباس ابن عبداللہ اور عبدالکریم ابن مغیث اور سعید ابن حسین یہ چار پانچ شخص الحکم کے خاص وزیر اور سپہ سالار تھے - شہر قرطبہ کی قضائت پر عمر ابن البشیر اور بشیر ابن قطن اور عبداللہ ابن موسیٰ اور حمید ابن محمد ابن یحییٰ یہ مشہور عالم فقیہ یکے بعد دیگرے مامور ہوئے اور اس کے خطیب حجاج ابن العقیلی اور فطیس ابن سلیمان اور عطاف ابن زید تھے -

سلطان الحکم کے علم دوست ہونے کی نسبت جو کچھ اوپر تحریر کیا گیا ہے اس کی تائید متعدد مورخین سے ہوتی ہے - یہ قضائت شہر کی اوسی شخص کے سپرد کیا کرتا تھا جو علاوہ عالم ہونے کے راست باز اور منصف مزاج ہوتا تھا چنانچہ ایک مورخ کا بیان ہے کہ ابن عمران کے انتقال کے بعد محمد ابن بشیر قاضی الجماعت[1] اندلس کا مقرر کیا گیا اس کا باپ سعید ابن بشیر وہ مشہور اور واجب التعظیم عالم علم فقہ اور حدیث کا تھا جس کو سلطان عبدالرحمن اوّل نے اس عہدے کے لئے منتخب کیا تھا - اس کا انصاف صرف اندلس ہی میں نہیں بلکہ کل ممالک اسلام میں ضرب المثل ہو گیا تھا - نقل مشہور ہے کہ جب شاہی فرمان تقرر کا اسکے وطن مقام بیجہ پہونچا اور یہ قرطبہ کی طرف روانہ ہوا اس نے ایک منزل اپنے ایک پرانے دوست کے مکان پر

[1] اندلس کے قاضی کو قاضی القضات اور قاضی الجماعت دونوں کہتے تھے -

بسر کی اثنائے گفتگو میں ابن بشیر نے اپنے دوست سے کہا کہ اگر سلطان نے مجھکو اندلس کا قاضی مقرر کیا تو میں تجھکو اپنا مددگار بناؤنگا دوست نے جواب دیا کہ اس درخواست کے منظور کرنے میں مجھکو عذر نہیں بشرطیکہ تو میرے تین سوالوں کا جواب شافی دے۔ پہلے یہہ کہ اگر تجھکو عمدہ لباس عمدہ کھانا اور عمدہ سواری دیجائے تو تجھے خوشی حاصل ہوگی یا نہیں جواب دیا کہ لذیذ کھانوں کی مجھکو پروا نہیں۔ غذا سے صرف زندگی منظور ہے نہ کہ زندگی واسطے غذا لباس سے ستر منظور ہے نہ خوشنمائی اور جب خدائے تعالیٰ نے پاؤں عطا فرمائے ہیں تو پھر سواری کی کیا ضرورت۔ دُوسرا سوال یہ کہ حُسنِ[1] خداداد کے دیکھنے اور معشوق کے ناز و کرشمہ کے اوٹھانے کی تاب تجھ میں موجود ہے یا نہیں ابن بشیر نے جواب دیا کہ جب ان امور کا مجھکو تجربہ ہی نہیں تو مجھ پر معشوق کے حُسن خداداد کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ تیسرا سوال یہ کہ اگر تیرے ہم قوم تیری خوشامد اور تعریف کریں تو کیا تو خوش ہوگا اور اگر اس عہدہ پر مامور ہونے کے بعد علیحدہ کر دیا جائے تو کیا تو ناخوش ہوگا۔ جواب دیا کہ قسم ہے مجھکو اللہ کی کہ تعریف اور ستایش کی نہ مجھکو پروا اور نہ بُرا کہنے کا مجھکو رنج پھر اس عہدے سے علیحدہ ہونا مجھکو کیا بُرا معلوم ہو سکتا ہے۔ یہہ سنتے ہی اوس دوست نے ابن بشیر کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا کہ میرے سوالات کے جواب مجھکو حسب دلخواہ ملے اور اب میں نہایت خوشی سے تیری نیابت کو قبول کرتا ہوں

الحاصل ابن بشیر اپنے دوست سے رخصت ہو کر سیدھا دار السلطنت آیا اور عہدۂ قضاۃ پر مامور ہوا۔ اس کے انصاف اور اسکی شرع کی پابندی نے اوس کو ایسا شہرۂ آفاق کیا کہ دور دور سے لوگ اوس سے ملنے اور اوس کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے واسطے قرطبہ آنے لگے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے خاص سلطان پر ایک قطعہ زمین کے متعلق جو قرطبہ کے پل کے قریب واقع تھا دعویٰ کیا۔ بعد تحقیقات ابن بشیر کو مدعی کا مقدمہ صحیح معلوم ہوا اس نے حکم دیا کہ سلطان اپنا قبضہ اوس جایداد سے اوٹھالے۔ اب الحکم کے منصفانہ برتاؤ اور قانون کی پابندی کو دیکھنا چاہیے۔ کہ اس نے فریق اول کو طلب کر کے

[1] بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہہ سوالات اس کی خوبی طبیعت اور طینت کی جانچ کے لئے کئے گئے۔

قیمت اوس جائداد کی دریافت کی اور جو قیمت کہ مانگی گئی فوراً ادا کر دی۔ اسلام کا یہ بہت بڑا اصول ہے کہ جس قانون پاک کی روسے پادشاہ شیخ الاسلام کو معزول کر سکتا ہے اوسی قانون پاک کی روسے شیخ الاسلام پادشاہ کو سزا دے سکتا ہے۔ اسلام میں کیسی سخت اور جابرانہ شخصی سلطنت کیوں نہ قائم ہو بادشاہ ہمیشہ قانون شرع کا تابع رہے گا۔ جب الحکم کو یہ اچھی طرح یقین ہو گیا کہ ابن بشیر سے بہتر ملک کو قاضی القضاۃ نہیں مل سکتا سلطان اس کی قدر و منزلت اور زیادہ کرنے لگا۔ اور اس کے مخالفین سے منہ پھیر لیا۔ چنانچہ ایک روز موسیٰ ابن سمح نے جو شاہی اصطبل کا صاحب الخیل تھا سلطان سے عرض کی کہ ابن بشیر نے میرے مقدمہ میں ناانصافی کی ہے اور ایسے احکام جاری کئے ہیں جو خارج الاقتدار ہیں۔ سلطان نے جواب دیا کہ تیرے بیان کی صحت اسی وقت ہو سکتی ہے۔ تو جا اور ابن بشیر سے ملاقات کر اگر تو اوس میں کامیاب ہوا تو میں تجھ کو سچا سمجھوں گا اور اس کو عہدۂ قضاۃ سے معزول کر دوں گا ورنہ اس میں اوس کو اور زیادہ عزیز رکھوں گا۔ چنانچہ موسیٰ حسب الحکم ابن بشیر کے مکان پر گیا اور اوس سے ملنے کی خواہش کی سلطان نے موسیٰ کے عقب میں تحقیق حال کے لئے دو مخبروں کو بھی روانہ کیا۔ ان میں سے ایک واپس آیا اور الحکم سے عرض کیا کہ جب موسیٰ نے قاضی سے ملنے کی کوشش کی۔ قاضی کے ایک ملازم نے موسیٰ سے کہا کہ قاضی کہتا ہے کہ اگر تجھکو کسی عدالتی معاملے میں کچھ کہنا ہے تو عدالت میں وقت مقررہ پر حاضر ہو۔ الحکم یہ سُن کر مُسکرایا اور کہا کہ مجھکو پہلے ہی یہ یقین ہو چکا تھا کہ یہی ایک شخص اس عہدے کے لئے موزوں ہے۔ ابن بشیر کی تعریف نہ صرف ایک دو بلکہ جتنے عرب مورخین ہماری نظر سے گزرے سب کرتے ہیں۔

المقری نے بھی نفح الطیب میں ابن بشیر کی نسبت ایک واقعہ قابل ذکر تحریر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ الحکم کے چچا سعید الخیر ابن عبد الرحمٰن الداخل نے ایک دعویٰ کیا۔ سعید کی مختار نے ایک دستاویز جائداد متنازعہ کی نسبت قاضی کے سامنے پیش کی۔ اس دستاویز پر مختلف لوگوں کی شہادت موجود تھی۔

لیکن اُن گواہوں میں سے سوائے سلطان الحکم اور ایک اور شخص کے کوئی زندہ نہ تھا فریق ثانی نے یہ عذر پیش کیا کہ جب تک دستخطوں کی تصدیق نہ ہو دستاویز منظور نہیں ہو سکتی۔ ابن بشیر نے اس عذر کو تسلیم کیا اور فریق اول کو حکم دیا کہ وہ گواہوں کو عدالت میں حاضر کرے۔ قاضی کے اس فیصلے سے سعید الخیر بہت متعجب ہوا اور سلطان سے عرض کیا کہ اب ہماری حکومت اس قدر کمزور ہو گئی کہ ایک قاضی خاص سلطان کے دستخط کو منظور نہیں کرتا الحکم نے اپنے چچا کی بہت کچھ تشفی کی اور کہا کہ "تو قاضی کی صفات اور منصفانہ طبیعت سے واقف نہیں ہے اس نے یہ احکام انصاف رسانی کی نیت سے جاری کیے ہیں اور میں بھی نہیں چاہتا کہ میری رعایا میں سے جن کی جان و مال میرے ہاتھ میں خدائے تعالیٰ نے دی ہے کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ مجکو معلوم ہے کہ تیرا دعویٰ سچا ہے دستخط کی تصدیق کر دینے میں کیا ہرج ہے۔" یہ کہکر سلطان نے اپنے دو قانونی مشیروں کو طلب کیا اور ان کے سامنے اپنے ہاتھ سے اپنی دستخط کی تصدیق کی اور اس کو بند کرکے انہیں مشیروں کے ذریعہ سے قاضی کے پاس بھیجدیا۔ ابن بشیر نے یہ شاہی تحریر بغور پڑھی اور سعید الخیر کے مختار کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ جب تک تصدیق کنندہ اصالتاً حاضر ہو کر تصدیق نہ کرے عدالت اس کو منظور نہیں کر سکتی۔ سعید الخیر پھر الحکم کے پاس آیا اور کہا کہ قاضی کی عدول حکمی اب حد سے بڑھ گئی ہے اگر اس کو فوراً سزا نہ دی گئی تو شاہی رعب و داب کا قائم رہنا محال ہوگا۔ سلطان نے جواب دیا کہ "قاضی نے اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا ہے میں اس کو کس طرح سزا کا مستوجب قرار دوں" سعید یہ سن کر اور برہم ہوا اور عرض کیا کہ "کیا تو بھی میرے حقوق کو تسلیم نہیں کرتا" الحکم نے کہا کہ "میں پہلے ہی کہ چکا ہوں کہ تیرا مقدمہ بالکل سچا ہے مجھ سے جہاں تک ہو سکتا تھا میں نے تیری مدد کرنے میں کوتاہی نہیں کی البتہ قاضی کے فیصلے کے خلاف کچھ نہ کرونگا۔"

محمد ابن بشیر نے ۱۹۸ھ میں امام شافعی کے چھ برس قبل قرطبہ میں انتقال کیا ۲۰۶ھ میں سلطان الحکم نے اپنے امرا اور ارکین سلطنت کو جمع کرکے کہا کہ "اب میری زندگی کے بہت تھوڑے

روز باقی رہ گئے ہیں میری خوشی ہے کہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اپنا ولی عہد مقرر کروں پس تم سب اس کی اطاعت کو بحلف قبول کرو" سب سے پہلے شہزادوں نے اور ان کے بعد حاجب اور قاضی القضاۃ اور دیگر ارکان سلطنت نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ پر بوسہ دے کر اطاعت و فرماں برداری قبول کی چونکہ اس زمانہ میں جنگ موقوف تھی اور ملک میں امن تھا عبدالرحمٰن کے ولی عہد ہونے کی عام طور پر خوشی کی گئی اور سلطان کو بھی اپنی باقی عمر آرام سے گزارنے کا موقع ملا۔ الحکم نے ۲۵ ذی الحجہ ۲۰۶ھ م ۸۲۲ء روز پنجشنبہ کو انتقال کیا یہ طویل القامت لاغر اندام آدمی تھا، رنگ سانولا دراز بینی جو سامنے سے کسی قدر کج تھی۔

باب چہارم

عبدالرحمٰن ثانی

ذیحجہ ۲۰۶ھ م ۸۲۲ء لغایہ ربیع الثانی ۲۳۸ھ م ۸۵۲ء

عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی۔ عیسائیوں کے ساتھ جنگ۔ یونان کے سفیر کا قرطبہ آنا یحیٰی ابن اللیثی اور عبدالملک ابن حبیب۔ اندلس کا محاصل۔ عبدالرحمٰن کے ذاتی حالات

سلطان الحکم کی وصیت کے موافق عبدالرحمٰن زینبدہ سریر مملکت ہوا تخت پر بیٹھتے ہی اس نے جلیقیہ پر فوج کشی کی اور اوس ملک کا بہت بڑا حصہ اندلس میں شریک کیا۔ اس جنگ کے اختتام کے بعد سلطان نے ۲۰۸ھ میں اپنے نامی سپہ سالار امیر عبدالکریم ابن عبدالواحد کو مع فوج قسطلہ اور البہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اس امیر نے عیسائیوں کے قلعوں پر قبضہ کیا اور ان کو اس معاہدے کی پابندی پر مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کو قید سے رہا کریں اور حسب معمول خراج ادا کرتے رہیں۔

جنگ مذکور کے بعد سلطان ریاست کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ عیسائیوں نے اسکو آرام لینے نہیں دیا اور پھر اندلس کی حدود میں آکر مسلمانوں کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کیا۔ سلطان نے ۲۲۴ھ میں عبداللہ البلنسی کو ان کے مقابلے کے واسطے بھیجا۔ عبداللہ نے اہل قسطلہ کو شکست فاش دے کر اپنی حدود سے باہر کردیا۔ دوسری جانب ابن موسیٰ نے بادشاہ جلیقیہ کو شکست دے کر سیکڑوں عیسائیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ یہ سزا بظاہر عیسائیوں کے واسطے کافی نہ تھی۔ اسی لئے کہ عبدالرحمٰن بذات خود عازم جنگ ہوا اور ابن موسیٰ کو دور تک اس ملک کے تاراج کرنے کا حکم دیا اور جب

ان کی قوت کو اچھی طرح برباد و منتشر کرچکا اون قلعوں میں جو عیسائیوں نے سرحد کے قریب قائم کئے تھے فوج چھوڑ کر قرطبہ واپس آیا۔

سنہ ۲۲۶ھ میں عبدالرحمٰن نے ابن موسیٰ کو فرانسیسیوں کے مقابلہ کو بھیجا اور پھر اوسی میدان میں جہاں موسیٰ ابن نصیر نے فرانسیسیوں کو شکست دی تھی عرب اور عیسائی لڑائی کے لئے تیار ہوگئے اس دفعہ بھی عیسائی تعداد میں مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے لیکن افسر فوج اپنے مشہور ہمنام امیر سے جرأت اور شجاعت میں کچھ کم نہ تھا اس نے اپنی فوج کی قلت اور دشمن کی کثرت کی پروا نہیں کی اور بلاخوف و ہراس فوج مخالف پر حملہ کیا۔ فرانسیسیوں نے بھی نہایت دلیری سے عربوں کا مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک معرکہ کارزار گرم رہا بارے آخر کو فرانسیسی منتشر ہو کر چار طرف بھاگ نکلے اور عرب مظفر و کامیاب اندلس واپس آگئے

اس ہی سال موسیٰ ابن موسیٰ اور سلطان کے ایک دوسرے مصاحب خوز بن موفق میں کسی وجہ سے نزاع پیدا ہوئی۔ سلطان نے خوز کی طرفداری کی کہ موسیٰ کو یہ امر اس قدر ناگوار گزرا کہ اس نے غرسیہ بادشاہ بنبلونہ کو اپنی شرکت اور امداد کا اطمینان دلا کر عربوں سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ عبدالرحمٰن نے ان باغیوں کے دفع کرنے کے واسطے الحریث کو حکم دیا ابتدائی لڑائیوں میں حریث ایک فی الجملہ کامیاب رہا لیکن ایک موقع پر دہوکے سے گرفتار ہوگیا۔ سلطان کو جس وقت اس امیر کی گرفتاری اور اپنی فوج کی شکست کی خبر پہونچی اس نے فوراً اپنے بیٹے محمد[۲] کو فوج کثیر دے کر اس دہبے کے مٹانے کی غرض سے روانہ کیا۔ شہزادے نے شہر قطلیطہ[۱] کا جس میں موسیٰ مع عیسائی فوج کے مقیم تھا محاصرہ کرلیا۔ موسیٰ نے اپنے میں قوتِ مقابلہ نہ پاکر عفو قصور کی استدعا کی شہزادے نے بمصلحت وقت اس درخواست کو منظور کرلیا اور خود غرسیہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس جنگ میں نہ صرف عیسائیوں کو شکست ہوئی بلکہ اون کا بادشاہ بھی مارا گیا۔[۳]

---

[۱] اس شہر کو انگریزی میں ٹیوڈولہ کہتے ہیں۔ [۲] مؤرخ کونڈے نے اس جنگ کا ذکر غلطی سے سلطان محمد کے عہد حکومت میں کیا ہے اور یہی غلطی ایک دوسرے مؤرخ امام رومی نامی نے بھی کی ہے۔ المقری نے اس جنگ کا سنہ ۲۲۹ھ (دیکھو صفحہ ۹۲)

اس فتح عظیم سے جو سنہ ۲۲۹ھ م سنہ ۸۲۹ء میں حاصل ہوئی تھی عربوں کو بے حد فائدہ پہونچا۔ پادشاہ غرسیہ عیسائی بادشاہوں میں ممتاز تھا اور اسی کے بھروسہ پر چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو عربوں کے مقابلہ کی جرأت ہوتی تھی۔ جب اس طرف سے سلطان کو اطمینان کامل ہو گیا تو چونکہ شاہ جلیقیہ مثل غرسیہ کے ہمیشہ مصدر شورش اور فساد کارہا کرتا تھا اور اب غرسیہ کے قتل ہو جانے سے اس کی کمر ہمت شکستہ ہو گئی تھی عبدالرحمن کو یہ ترین مصلحت ہوا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس دوسرے بانی شر و فساد کو بھی مثل اس کے معین کے باقی نہ رکھے پس اس نے سنہ ۲۳۱ھ میں پھر ملک جلیقیہ کی طرف مع لشکر پیش قدمی کی عرب لیون تک بغیر کسی تعرض کے در آئے اور اوس کو محصور کر لیا لیکن یہ شہر ایسا مضبوط اور مستحکم تھا کہ عرب ایک مدت تک اس کو گھیرے ہوئے گرد و نواح کے مقامات کو تاراج کرتے رہے مگر بالآخر ان کو بے نیل مرام قرطبہ واپس آنا پڑا۔

فتوحات متواترہ زور و شجاعت اور ترقی علم و فنون نے عربوں کے فتوحات و وقار کا وہ سکہ دنیا میں جمایا تھا کہ یورپ کے چھوٹے اور بڑے حکمران کچھ بوجہ خوف اور کچھ بوجہ شوق ان سے اتحاد و دوستی بڑھانے اور پیدا کرنے کی فکر میں پڑے۔

سنہ ۲۲۵ھ میں طوفیلس بادشاہ قسطنطنیہ نے عبدالرحمن سے دوستانہ تعلقات قایم کرنے کی درخواست کی اوسی زمانے میں خلیفہ المامون اور پھر خلیفہ المعتصم نے یونان پر فوج کشی کی تھی۔ اس بادشاہ کی یہ خواہش تھی کہ عبدالرحمن کو جس کو وہ عباسیوں کا دشمن سمجھتا تھا اپنی مدد پر آمادہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے نامہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ عبدالرحمن نے اس درخواست کو قبول کیا اور فوج اور زر سے اہل یونان کی مدد کی تو خود اس کو عمدہ موقع اپنی آبائی سلطنت شام کے مکرر قبضے میں لانے کا ملے گا۔ عبدالرحمن نے اس کے جواب میں اپنے وزیر یحیی الغزال کے ذریعے سے بیش بہا تحائف

بقیہ نوٹ (صفحہ ۹۱) میں ہونا بیان کیا ہے جس سے دوسرے عرب مورخین کو بھی اتفاق ہے۔

طوفیلس کو بھیجے اور یہ سفارت مشید بنائے دوستی ویک جہتی جانبین کی ہوئی۔ بادشاہ یونان نے نہایت اعزاز واکرام سے یحییٰ سے ملاقات کی اور دعوت ومہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا۔ ایک روز یحییٰ طوفیلس سے باتیں کر رہا تھا کہ اثنا میں بادشاہ کی بی بی پر تکلف لباس پہنے کمرے میں داخل ہوئی یہ عورت ایسی حسینہ وجمیلہ تھی کہ یحییٰ اس کی صورت تکتا رہ گیا۔ اور ایک عرصے تک ایسا محو جمال ہوا کہ اصلا بادشاہ کی موجودگی کا خیال بھی نہ رہا طوفیلس کو سفیر کا یہ فعل بہت ناگوار گزرا مترجم کے ذریعے سے اس خلاف تہذیب واقعہ کی وجہ پوچھی یحییٰ نے ایسے عمدہ الفاظ میں شہزادی کی تعریف کی کہ دونوں کا غصہ مبدل بخوشی ہوگیا اور یحییٰ خوش وکامیاب اندلس واپس آیا اپنے وزیر کی دانش وری اور جادو بیانی سے عبدالرحمٰن اس قدر مسرور ہوا کہ جب کبھی ضرورت محسوس ہوتی تھی سلاطین یورپ کے پاس یحییٰ ہی بطور سفیر روانہ کیا جاتا تھا افسوس ہو کہ آخر عمر میں چشم حسد نے اس کو ایسا زخم کاری پہونچایا کہ عمر کا بقیہ حصہ بحالت جلاوطنی عراق وشام میں بسر ہوا یحییٰ نے پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا۔

اوسی زمانے میں مجوسی[1] جو یورپ کے شمال میں رہتے تھے اندلس پر حملہ آور ہوئے اور اپنے جہازوں سے اوتر کر سمندر کے کنارے کے مقامات کو تاخت وتاراج کرنا شروع کیا۔ پہلی فوج جو ان کے اخراج کے لئے بھیجی گئی تھی ناکام رہی لیکن امداد کے پہونچنے کے بعد عربوں نے اس غیر قوم کو شکست دی یہ لوگ جہازوں پر سوار ہوکر شدونہ کی طرف بھاگے اور گو عربی جہازی بیڑوں نے انکا تعاقب دور تک کیا۔ مگر یہ وحشی صفت لشبونہ ہوتے ہوئے نظروں سے غائب ہوگئے۔ عبدالرحمٰن نے سمندر کے کنارے قلعجات مجوسیوں کے روکنے کی غرض سے قایم کیئے۔

عبدالرحمٰن کے عہد حکومت میں بہت سے نامی اور گرامی اہل سیف اور اہل قلم نے سلطنت عباسیہ کو چھوڑ کر اندلس کو اپنا وطن گردانا۔ ان لوگوں میں علی ابن نفع معروف بہ زریاب[2] جو اوس زمانے

---

[1] اشارہ قوم نارمنز کی طرف ہے یہ فرانس کے شمال میں رہتے تھے۔ [2] اس ہی زمانہ سے اندلس کے عربوں کو (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۱۴)

میں فن موسیقی میں دور دور تک مشہور تھا عبد الرحمٰن کی طلبی پر اندلس آیا۔ علاوہ موسیقی کے یہ علم نجوم اور ہیئت اور جغرافیہ اور انشا پردازی میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کو ایک ہزار غزلیں حفظ یاد تھیں۔ یہ نہایت مہذب و با اخلاق خوش وضع و خوش تقریر شخص تھا۔ جہاں گیا وہاں معزز و مختار رہا طباخی میں بھی اسکو بہت کچھ ملکہ حاصل تھا انھیں خوبیوں کے باعث یہ ایسا مقرب بارگاہ سلطانی ہوا کہ عبد الرحمٰن اس کو ایک لحظہ کے لئے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ زریاب کی صحبت کا اثر تمام اہل ملک کی طرز معاشرت پر بھی بہت کچھ پڑا چنانچہ پہلے اس ملک کے عرب اپنے کپڑوں کو گلاب یا اور کسی خوشبودار پانی میں برائے نام دھو لیا کرتے تھے۔ اس نے پانی میں نمک ملوا کر کپڑے دھلوانا شروع کئے جس سے زیادہ نفاست اور صفائی پیدا ہوئی اسی طرح بعض ترکاریاں جو اوس ملک میں بکثرت ہوتی تھیں جن سے عرب بالکل ناواقف تھے اون کے استعمال کی عادت ان میں ڈالی اور ہر موسم کے مناسب ایک خاص لباس مقرر کیا بہرحال زریاب کی تقلید سے ان کو بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن سے وہ روزمرہ فائدہ اوٹھا سکتے تھے۔

یحییٰ ابن یحییٰ اللیثی اسی عہد میں فقہ اور حدیث کا بہت بڑا عالم گزرا ہے۔ یہ وہ شخص تھا کہ جس نے اوس زمانہ شور و شر میں ہزاروں میل کا سفر گوارا کیا اور مدینۂ منوّرہ جا کر مالک ابن انس سے فقہ اور حدیث میں درس لیا اور ایک زمانہ تک اوس عالم کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا اور جو کچھ اوس نے بکمال محنت و جانفشانی حاصل کیا تھا اوس کو اندلس میں آکر اپنے ہموطنوں کو بطور تحفہ نذر کیا۔ جو ذوق و شوق یحییٰ کو علم سے تھا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک روز یہ دوسرے طالب علموں کے ساتھ بیٹھا ہوا درس سن رہا تھا کہ ایک بارگی ہاتھی کے اوس طرف سے گزرنے کا غل ہوا چونکہ ہاتھی اس ملک میں ایک نئی چیز تھی اوس محلہ کے لوگ اور نیز اوس کے ہم درس سب اوس کے دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳) علم موسیقی کا شوق ہوا۔ اور اوس کو اونھوں نے درجۂ کمال تک پہونچا دیا رفتہ رفتہ ان کی تہذیب و اخلاق اور نازک خیالی اور نفاست طرز معاشرت نے اہل یورپ کو اپنا مقلد بنالیا۔

لیکن یحیٰی اپنی جگہ سے نہیں ہلا اور حسب دستور کتاب دیکھتا رہا۔ مالک ابن انس نے پوچھا کہ "ہاتھی اندلس میں بھی نہیں ہوتا پھر تو کیوں نہیں اوس کو باہر جاکر دیکھتا؟" جواب دیا کہ میں مغرب سے مشرق ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو دیکھوں اور آپ کی صحبت سے جو میرے ملک کو نصیب نہیں خود بھی فائدہ اوٹھاوں اور اپنے ہموطنوں کو بھی اوس سے مستفید کروں" مالک ابن انس کے منھ سے بے ساختہ نکلا کہ "تو اوس ملک کیلئے باعث فخر و مباہات ہے جس میں تجھ ایسا علو ہمت و بلند حوصلہ آدمی پیدا ہوا" سلطان عبدالرحمٰن نے ایک مرتبہ اپنے نامور علمار کو طلب کیا اور اون سے کہا کہ "مجھ سے یہ سخت خطا سرزد ہوئی ہے کہ میں رمضان میں دن کو محل میں چلا گیا۔ اسکا کفارہ کس طرح ممکن ہے" یحیٰی نے جو اوس جلسہ میں موجود تھا عرض کی کہ یا امیر اگر تو دو مہینے متواتر روزہ رکھے تو البتہ تیری بخشش کی صورت ہوسکتی ہے۔ حاضرین یہ سن کر خاموش ہوگئے لیکن جب یہ لوگ دربار سے باہر آئے تو بعض نے یحیٰی سے پوچھا کہ کیا مالک ابن انس نے اس کفارہ کا بدل بھی کوئی بتایا ہے یا نہیں۔ جواب دیا کہ معاوضہ ضرور ہے لیکن اگر میں عبدالرحمٰن کو اس سخت سزا کا معاوضہ بتا دیتا تو اوس کو مکرر اوسی گناہ کے کرنے کی جرأت ہوتی۔ اس پابند شرع بادشاہ کی ہمت کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے یحیٰی کے حکم کی پوری تعمیل کی جیسا کہ یحیٰی متبحر عالم تھا اسکی خوش قسمتی سے اسکو علم دوست بیٹا نصیب ہوا جسکا نام عیسیٰ تھا۔ اسکو صغرسنی سے سیر و سیاحت اور علمار و فقرار کی صحبت میں بیٹھنے کا بدرجہ غایت شوق تھا۔ بعد تحصیل علم جب یہ اندلس واپس آیا تو عبدالرحمٰن نے عیسیٰ کو شہر قرطبہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ یحیٰی کے انتقال کے چار سال بعد اس کے ہم درس اور ہم فہم ابو مروان[1] عبدالملک ابن حبیب نے بھی انتقال کیا جو یحیٰی سے کچھ کم مشہور نہ تھا۔ مورخین عرب تحریر کرتے ہیں کہ یحیٰی کی ایک ہزار تصنیفات جن میں علاوہ اور علوم کے تاریخ اور صرف نحو اور فقہ اور اصول قانون بھی شریک ہیں اوس کے دل و دماغ کی قوت اور ذہن کی تیزی کے

[1] یہ بھی ایک بڑا نامی گرامی عالم اوس وقت کا تھا۔

بہترین ثبوت ہیں۔ یحییٰ ابن اللیث نے ۲۳۴ھ میں انتقال کیا۔

غرضیکہ عبدالرحمٰن کی تاج میں علم و فضل و کمال کے ایسے بے بہا جوہر جڑے ہوئے تھے جن کی آب و تاب پر شرق و غرب عشش کرتا تھا ان ہی علماء کی فیضان صحبت کی بدولت اس کو شوکت اور دبدبہ نے دنیا کو اپنا مرغوب کرلیا تھا اور ہر بادشاہ اس سلطنت سے اتحاد اور دوستی بڑھانا باعث عزت و فخر تصور کرتا تھا۔

عبدالرحمٰن ثانی جب بیرونی دشمنوں کا کامل استیصال کر یکا امور ملکی کی طرف متوجہ ہوا لیکن کچھ ہی روز اطمینان سے بسر ہوئے تھے کہ اس مرتبہ محکوم عیسائی شریر النفس مفسد پرداز باغوا اپنے پادریوں کے علانیہ عام راستوں اور عدالتوں میں نقض امن کے مرتکب ہونے لگے۔ یہ لوگ شارع عام پر اور بعض وقت دارالقضا میں خاص قاضی کے اجلاس پر مذہب اسلام کی توہین اور حضرت رسول خدا صلعم کی شان میں نہایت ناسزا اور ناملایم الفاظ استعمال کرتے تھے۔ سلطان کی یہ اعلیٰ درجہ کی خوش تدبیری اور احکام عرب کی روشن خیالی اور ہوشیاری تھی کہ سب نے ایسے نازک وقت میں نہایت تحمل سے کام لیا اور اس فساد کو بلا کشت و خون رفع کرنے کی کوشش کی اور ان مغویوں کو تازیانہ اغماض سے ایسی سزا دی کہ خود ان کے ہم قوم اور ہم مذہبوں نے نہ صرف ان کی حرکات ناشایستہ پر لعنت و ملامت کی بلکہ ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اس ہنگامہ کا بانی ایک عیسائی یولوجیس نامی تھا جو اپنے کو مرد پرہیزگار اور باخدا ظاہر کیا کرتا تھا اس کے مریدوں میں دو عورتیں بھی تھیں ان میں سے ایک کا نام فلورا تھا جس کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی۔ ماں نے خفیہ طور پر اس لڑکی کو تلقین اپنے مذہب کی کی تھی جب یہ لڑکی سن شعور کو پہونچی تو ماں کے ورغلانے سے بھاگ کر ایک کانونٹ یعنی معبد میں پناہ گیر ہوئی۔ فلورا کے بھائی نے بمشکل تمام پتہ پاکر قاضی کے سامنے اسے پیش کیا مگر لڑکی نے برسر اجلاس اسلام کی

ؔ مورز ان اسپین مصنفہ اسٹانلے لینپول باب ۸ (صفحہ ۸۶)

نہایت جرات سے توہین کی۔ قاضی نے بکمال دور اندیشی اس کو مجنون قرار دے کر مقید کر دیا اور اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر یوحنیس کی تعلیم کا اثر اس لڑکی پر ایسا پڑا تھا کہ یہ اپنی ناز یبا حرکتوں سے باز نہ آئی لیکن عیسائی امراء شاہانہ مراعات سے عبدالرحمٰن کے اس قدر گرویدہ اور جاں نثار بنے ہوئے تھے کہ سب نے اپنی متحدہ کوشش سے اپنی جانوں پر کھیل کر عوام الناس کو پادریوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھا۔ یہ سب ان خود غرض پادریوں کو یہ جواب دیتے تھے کہ عربوں کی حکومت سے ہم کو کیا نقصان پہونچا ہے کہ ہم بلاوجہ تمہارا ساتھ دیں اور اپنی جانوں اور آزادی کو کھو دیں ہم ہر طرح آزاد اور ہماری جان اور مال ہر طرح محفوظ ہے عرب ہمارے مذہب میں بالکل دخل نہیں دیتے ہم بالکل مطلق العنان اور خوش حال ہیں ان فوائد کے عوض محض حکومت کی تمنا میں اپنی جان اور مال تلف کر دینا عقل و دانش سے بالکل بعید ہے۔"

عبدالرحمٰن کو علاوہ فتوحات کے ملک کو آراستہ اور اوس کی مالی حالت درست اور عمدہ اصول قائم کرنے کا بہت کچھ خیال و شوق تھا۔ بہ نسبت سلاطین سلف کے اس کے عہد حکومت میں ملک بیرونی حملوں اور خانہ جنگیوں سے امن میں رہا۔ ملک سرسبز اور رعایا خوش حال جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کی آمدنی پہلے سے دوچند ہو گئی۔ عبدالرحمٰن کی تخت نشینی کے زمانہ میں آمدنی چھ لاکھ دینار سرخ تھی اور اب اس کے حسن انتظام سے دس لاکھ دینار تک نوبت پہونچ گئی تھی۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے عہد میں تین لاکھ دینار بڑے شہروں سے تجارت اور اہل شہر کی مالی حالت کے لحاظ سے وصول کئے جاتے تھے۔ ہر شخص کو ایک رقم معینہ خزانہ عامرہ میں داخل کرنی پڑتی تھی اور علاوہ اسی ٹکس کے یہودی اور نصاریٰ سے ان کی حیثیت کے موافق جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ یہی طرز اب بھی جاری رہا لیکن کل آمدنی تین حصوں میں تقسیم کی گئی۔ ایک ثلث فوج پر صرف کی جاتی تھی اور ایک ثلث سے حکام و

لے مورزان اسپین مصنفہ اسٹانلی لینپول باب ۵ (صفحہ ۸۳)

عہدہ داران سلطنت وغیرہ کی تنخواہیں اور اخراجات ادا ہوتے تھے۔ بقیہ حصہ آمدنی کا خزانہ عامرہ میں خاص برتنوں مثلاً جنگ وغیرہ کے لئے محفوظ و امانت رکھا جاتا تھا۔ زکوٰۃ مطابق شرع ذریعہ آمدنی کا تھا۔ جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی۔ صدقہ۔ زراعت۔ مویشی اور تمام تجارتی مال سے جو ملک سے برآمد درآمد ہوتا تھا دو دینار فی صدی بلحاظ قیمت مال لئے جاتے تھے۔ سونا چاندی اور جواہرات جو ہتھیاروں کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ اور گھوڑوں کا ساز و سامان اور کتابیں اور وہ زیور جو شادی کے وقت دلہن کو پہنایا جاتا تھا محصول سے بری تھا لیکن جب بوجہ مصالح ملکی بحری و بری فوجوں کی ترقی پر بادشاہ مجبور ہوا تو نئے ذرائع آمدنی کے ایجاد کرنے پڑے۔ جب کبھی وہ آمدنی جو عیسائیوں اور یہودیوں سے وصول ہوتی تھی ملک کی ترقی اور ضروریات کے لئے ناکافی ہوتی جاتی تھی تو بار ٹکس کا مسلمانوں پر ڈالا جاتا تھا یہاں تک کہ ان کو خورد و نوش کی اشیاء پر بھی محصول دینا پڑتا تھا۔ ان نئے محصولوں کا نام " التستخلاص اور جبایہ[1] رکھا گیا تھا جن کا جملہ محاصل سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار سالانہ ہوتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے بہت کچھ روپیہ محلات اور باغات پر خرچ کیا لیکن اس عہد میں ایک ایسی یادگار قایم ہوئی جس سے عبدالرحمٰن کی روشن خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ اس نے آب رسانی کا محکمہ قرطبہ میں جاری کیا اور پانی کے متعدد خزانے بنا کر نلوں کے ذریعہ سے شہر میں پانی پہونچایا۔ ملک میں پل اور راستے اور بڑے شہروں میں مسجدیں تیار کی گئیں۔ قرطبہ کی مشہور مسجد بھی بڑھائی گئی لیکن قبل اس کے کہ مسجد کی تعمیر ختم ہوتی عبدالرحمٰن ثانی نے ۲۳۸ھ م ۸۵۲ء میں اکتیس سال کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔

عبدالرحمٰن کے دو سو اولادیں تھیں ڈیڑھ سو لڑکے اور باقی لڑکیاں یہ نہایت ہی نیک نیت ہر دلعزیز اور بیدار مغز بادشاہ تھا اس کی عظیم الشان فتوحات کے لحاظ سے رعایا اس کو المظفر کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ قیافہ شناس بے مثل تھا اور کہا کرتا تھا کہ حکومت اور اعزاز کی خواہش ایسے لوگوں کو رہتی ہے

[1] باج و خراج۔

کہ جن کو ان کی قدر نہیں پس بادشاہ کو چاہئے کہ اجزائے حکومت کے انتخاب میں از حد احتیاط اور دور اندیشی سے کام لے اور کم ظرف۔ غیر معروف آدمیوں کو انتظام ملک میں دخیل نہ ہونے دے۔"

سلطان محمد۔ اور سلطان منذر، اور سلطان عبداللہ کا یکے بعد دیگرے تخت نشین ہونا۔ ان کے زمانہ حکومت کے مختصر حالات

۲۳۸ھ مطابق ۸۵۲ء عبدالرحمن ثانی کے انتقال کے بعد سلطان محمد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ مثل اپنے باپ کے فتوحات کا اس کو بھی بے انتہا شوق تھا تخت پر بیٹھتے ہی اس نے موسیٰ ابن موسیٰ کو سپہ سالار لشکر مقرر کیا اور قسطلہ کی فتح کے لئے بھیجا اور ایک دوسری فوج بر شلونہ روانہ کی ہنوز یہ مہم ختم نہ ہونے پائی تھی کہ طلیطلہ کے عیسائیوں کی ترغیب سے بادشاہ جلیقیہ نے اندلس پر حملہ کیا۔ سلطان نے بذات خود یلغار کا عزم کیا اور وادی السلیطہ کے کنارے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مقابلہ میں بیس ہزار اہل طلیطلہ اور اسی قدر جلیقیہ کی فوج تھی۔ سلطان نے چند سوار بطور ہراول عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے اور بقیہ فوج کو ٹیلوں اور درختوں کی آڑ میں پوشیدہ رکھا۔ ہراول کے افسر کو یہ حکم تھا کہ وہ عیسائیوں سے لڑتا ہوا ان کو ان درختوں میں لے آئے جب یہ سوار آگے بڑھے تو بادشاہ جلیقیہ نے نہیں کو پوری فوج سمجھکر حملہ کا حکم دیا۔ سواروں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عیسائیوں نے اسی خیال سے کہ عرب بہت تھوڑے ہیں نہایت بے پروائی اور بے ترتیبی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ اپنے زعم ناقص میں ان کو پسپا کرتے ہوئے جھاڑی کے اندر گھس گئے۔ سلطان ایک بلند مقام پر سے اس جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا جیسے ہی یہ جھاڑی کے قریب پہونچے اس نے فوج کو حکم دیا کہ تین طرف سے عیسائیوں پر حملہ کرے عیسائیوں کو

اس فوج کا گمان تک نہ تھا اس قدر فوج کے دفعتاً پیدا ہو جانے سے ایسے بدحواس ہوئے کہ تاب مقابلہ دست نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہزاروں قتل اور ہزاروں گرفتار ہوئے اور جو کچھ مال اون کے ساتھ تھا تمام و کمال عربوں کے قبضے میں آیا۔

سلطان نے ۲۴۵ھ اور ۲۴۷ھ اور ۲۵۱ ہجری میں عیسائیوں اور باغیوں پر یلغار کی اور ہر بار منصور و مظفر رہا۔ ۲۵۱ھ میں اس کے بیٹے المنذر نے شاہ الفانزو کو شکست دی اور جو مال و متاع اس کے ہاتھ آیا سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ اسی سال سلطان محمد نے جلیقیہ پر پھر فوج کشی کی اور ملک کو تاراج اور قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرتا ہوا دار الخلافہ واپس آیا۔ غرضکہ اس کی عمر اسی قسم کی جنگ اور یلغاروں میں گزری۔ گو یہ بھی مثل اپنے باپ کے قدردان اہل علم و کمال تھا۔ اور اس نے بھی اپنے دربار میں مشہور علمائے مثل ابوعبدالرحمٰن القرطبی وغیرہ کو جگہہ دی لیکن اس کی لڑائیوں نے اس کو اس طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں دیا۔ سلطان محمد کے ذی ہوش اور شجیع ہونے میں شبہ نہیں لیکن بادشاہ میں علاوہ صفت بہادری اور بھی صفات کی ضرورت ہے۔ فی الحقیقت اس کے اور اس کے بعد جو دو بادشاہ گزرے ان کے زمانۂ حکومت میں کوئی نیا ملک دائرہ اسلام میں نہیں آیا۔ یہہ زیادہ تر اپنے خود غرض اور خوشامد پسند مشیروں کی رائے پر چلتے تھے جن کے ظلم و زیادتی کا یہہ نتیجہ ہوا کہ ملک میں بغاوت پھیل گئی جس کے فرو کرنے میں ان کی عمریں گزریں۔ سلطان محمد نے ۲۷۳ھم ۸۸۶ء میں انتقال کیا اور اسی سال المنذر تخت نشین ہوا اسکا زمانہ بھی سرحدی لڑائیوں میں گزرا۔ دلیر ایسا تھا کہ جنگ میں اپنی جان تک کی پروا نہ کرتا تھا۔ المنذر ۲۷۵ھ کی جنگ میں مارا گیا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی عبداللہ ابن محمد تخت پر بیٹھا۔ دنیا کی چھوٹی بڑی سلطنتوں میں یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ بعض بادشاہ اپنی لیاقت و محنت اور جانفشانی سے ملک اپنے قبضہ تصرف میں لائے لیکن ان کے کوتاہ عقل اور ناعاقبت اندیش جانشینوں نے اپنے باپ دادا کی محنت اور عرق ریزی کی یہ قدر کی کہ ناچ اور رنگ اور عیش و آرام کے پتلے بنکر

ملک کو برباد کر دیا۔ چنانچہ عربوں کی سلطنت اندلس بھی اس مرض سے محفوظ نہ رہ سکی اور عبدالرحمٰن ثانی کے جانشینوں نے کچھ بوجہ نالائقی اور کچھ بوجہ آرام طلبی انتظام اور انصرام سلطنت نظرانداز کر دیا اور خود غرض اور چرب زبان ندما کے کہ جن کے پاس سوائے زبانی جمع خرچ کے اصلی جوہر نہ تھا باتوں میں پھنس گئے۔ سلطان عبداللہ بوجہ تلون مزاجی اس قابل نہ تھا کہ اس نوعمر سلطنت کے اہم امور کا انصرام کر سکے۔ سختی اور نرمی کو ایسے بیجا موقعوں پر کام میں لایا کہ تمام رعایا اس سے اس قدر بیزار اور نالاں رہی۔ اس کے تخت پر سے اوتار دینے کا بھی خیال پیدا ہو گیا تھا۔ اس کو ابھی پورے تین سال بھی تخت پر بیٹھے نہ ہوئے تھے کہ اندلسیہ کا بڑا حصہ قریب قریب خود مختار ہو گیا۔ سلطنت کا ہر رکن ایک دوسرے کا مخالف۔ بادشاہ میں اتنی لیاقت اور دور اندیشی نہیں کہ سلطنت کے مختلف ارکان سے ان کی اہلیت و قابلیت کے مطابق کام لے۔ ہر عرب اور ہر بربری اور ہر عیسائی نے علانیہ خود مختاری سے کام لینا شروع کیا۔ غرض اس سخت بدانتظامی اور بادشاہ کی بےانتہا بےپروائی سے ہر طرف بدنظمی پھیل گئی۔ عیسائی پادریوں نے غل مچایا کہ سلطنت عرب اپنی عمر طبعی کو آپہونچی ہے اور زوال و ادبار کے آثار روز بروز نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ وہ عرب امرا کہ جن کے ہاتھوں پر یہ ملک فتح ہوا تھا اور جن کی آنکھوں میں ابھی تک عبدالرحمٰن اعظم اور الحکم کے دربار کی شان و شوکت کا سماں پھر رہا تھا بوجہ ناقدردانی دارالخلافہ چھوڑ چھوڑ کر اپنی جاگیروں میں خود مختار بن بیٹھے یہاں تک کہ ہر امیر اشبیلیہ قرطبہ کی ہمسری اور برابری کرنے لگا۔ وہ شہر جو اس بدنظمی پر بھی علانیہ بغاوت کی قدرت نہ رکھتے تھے صرف برائے نام عبداللہ کو بادشاہ مانتے تھے دارالخلافہ کی نواح کے باہر جہاں سلطان کی فوج کا اثر نہیں پڑتا تھا کوئی شہر یا صوبہ ایسا نہ تھا کہ خاندان امیہ کی حمایت پر آمادہ ہو۔

عربوں کی یہ حالت دیکھ کر قوم بربر کے قول و فعل سے بھی بغاوت اور خود مختاری کے آثار آشکارا ہوتے جاتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے پرتگال کے جنوبی صوبہ اور اندلسیہ کے مشہور شہر جیان پر قبضہ کر لیا اور ان کے

سرگروہ موسلیٰ اور اس کے تین بیٹوں نے جو فتنہ انگیزی اور کورنگی میں اپنے آپ نظیر تھے ملک کو تباہ و تاراج اور لوٹنا شروع کر دیا۔ وہ عیسائی جو ابھی مسلمان ہوئے تھے اور عربوں سے بھی زیادہ قواعد اسلام و شریعت کے پابند تھے اور جو ابھی تک شاہی خاندان کے خیرخواہ اور طرفدار سمجھے جاتے تھے دوسروں کی دیکھا دیکھی بادشاہ سے مخالفت اور سرکشی کرنے لگے اور ملک کے مغربی حصّہ کو دبا بیٹھے۔ وہ عیسائی جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور دامنوں میں چھپے ہوئے اسی موقع کے منتظر تھے اب باہر نکل کر علانیہ فوجیں جمع کرنے لگے۔ سلطان نے بارہا ان سے مقابلہ کیا لیکن ہر بار ناکام رہا۔ عربوں کی اس حالت زار پر زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ "اے اولاد عرب تم یہ نہ سمجھو کہ نمک اس خاندان کا جس نے تم کو اور تمھاری اولاد کو پرورش کیا اور وہ نمک جو تمھارے رگ و پے میں اثر کر گیا ہے تمھارے یا تمھاری اولاد کے دامنوں کو چھوڑے گا۔ وہ ملک اور دولت جس کو تمھارے باپ اور دادا نے خونبہا دیکر جان عزیز کے بدلے خریدا یوں آناً فاناً ضائع کر دینا اچھا نہیں۔ بغاوت سے دین و دنیا دونوں نہ کھو اور اور سرخروئی حاصل کرنے کے بعد اپنا منھ کالا نہ کرو اور اپنے آبا و اجداد کے صاف و پاک دامنوں کو کورنگی کے دھبے سے بچاؤ۔"

غرض جب عبداللہ نے دیکھا کہ دن بدن ملک کی حالت ابتر ہوتی جاتی ہے تو اس نے عیسائیوں سے صلح کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی ایسی سوئے تدبیر سے کہ جس سے اسی کو زک اور اور نقصان پہونچا۔ شہر طلیطلہ سے بھی بغاوت کی خبریں پے در پے آنے لگیں نوبت بانیجا رسید کہ سوائے تخت اور تاج کے کسی قسم کا سرمایہ باقی نہ رہا لیکن اس شدید مایوسی اور ہراس بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ نزع کی حالت میں اس سلطنت نے خفیف سا سنبھالا لیا یعنی عربوں کو ملک سے نکالنے کے قبل ہی عیسائیوں میں باہمی حسد نے زور کیا اور دشمن کے مقابلے کی عوض خانہ جنگی شروع ہو گئی کیس کہنہ و مختار عرب امر نے اپنے انتظام اور خوش اسلوبی سے عیسائیوں پر قدیم رعب و داب قایم رکھنے کی کوشش کی

ان سب میں سربرآوردہ ابن حجاج تھا جس نے صوبہ اشبیلیہ کو قرطبہ کا ہمپلہ بنادیا اور سلطان کو اپنے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے پر مجبور کیا اور خود اپنے کو اس صوبہ کا بادشاہ کہا کرتا تھا چونکہ دیرینہ سال مدبر و تجربہ کار آدمی تھا اس نے اپنی ریاست کو پرانے اصول پر قایم رکھا تھا۔ فوج نہایت باقاعدہ خزانہ معمور اور دربار علما و اہل فن اور دانشوروں سے بھرا۔ وہ لوگ جو کسی زمانہ میں دربار شاہی کے رکن اعظم اور دارالخلافہ کی زیب و زینت تھے جن کی تعظیم و تکریم کے لئے شاہان سلف اوٹھ کھڑے ہوتے تھے وہ اب اشبیلیہ میں نظر آنے لگے۔ مگر جب ملک سے اتحاد اور قومی عصبیت کا خیال جاتا ہے اور ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ جائے تو پھر ایک دو کی ترقی کا اثر تمام ملک پر کیوں کر پڑ سکتا ہے جب عربوں کو دارالخلافہ کی ناموس کا خیال نہ رہا اور عیسائی اور مسلمان دونوں قرطبہ کے لینے کی فکر میں ہوئے تو سب کو یہی خیال ہوا کہ سلطنت ہاتھ سے گئی۔ ملک کی یہ حالت کہ خیر خواہان ریاست کا یہ حال کہ ہر شخص کو بجائے خود وارث تخت و تاج ہونے کا شوق۔ قریب تھا کہ طارق ابن زیاد اور موسیٰ ابن نصیر کے ہاتھ کا روشن کیا ہوا چراغ جو اب ٹمٹما رہا تھا خاموش ہو جائے۔ سنبھلنے کی تمام امیدیں منقطع ہو گئی تھیں کہ قضا و قدر نے چراغ بے روغن کو قدرت کے تیل سے سیراب کیا یکبارگی معلوم ہوا کہ سلطان عبداللہ نے ۳۰۰ھ م ۹۱۲ء پچیس برس کی حکومت کے بعد ملک کو اس تباہ حال میں چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔

عبد الرحمٰن ثالث کی تخت نشینی۔ جلیقیہ اور نوار اور البہ پر یلغار عربوں کی شکست۔ عربوں کی فتح۔ اہلِ یورپ اور عبد الرحمٰن سلطان کے بیٹے عبد اللہ کا قتل۔ افریقیہ پر یلغار۔ انتظام ممالک محروسہ عمارات کا شوق۔ اسکا دربار عبد الرحمٰن کا انتقال۔

عبد الرحمٰن ثالث بن سلطان محمد سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس خبر سے خیر خواہان بنی اُمیّہ کے جان میں جان آئی۔ قرطبہ میں خوشی کے نقارے بجنے لگے۔ بادشاہ کی بیس برس کی عمر جواں بخت اور جواں سال۔ عربوں کا طالع حکومت ہنوز عروج پر تھا کہ تمام قریب کے رشتہ داروں اور تاج و تخت کے دعویداروں نے بھی بخوشی تمام عبد الرحمٰن کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اور دربار میں امرا سے پہلے دعویداران سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ تمکین و وقار اس کے چہرے سے نمایاں۔ اقبال و کامیابی کا ستارہ اس کی پیشانی سے درخشاں۔ سخاوت اور دلیری اس کے اطوار سے آشکار۔ مروت و فتوت افعال سے نمودار۔ پھر کیوں اہل قرطبہ امیر و غریب اس پر اپنی جانیں نثار نہ کرتے۔ سب کی نظریں اس بست سالہ لڑکے کی طرف لگی ہوئی تھیں اور سب نہایت مسرت و انبساط کے ساتھ اس کی ترقی اقبال و کامیابی کی دعائیں مانگ رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا طرز حکومت اختیار کرتا ہے۔ یہ دیکھ چکا تھا کہ عبد اللہ کی تلون مزاجی اور بے موقع سختی اور نرمی سے ملک کس حالت کو پہونچ گیا تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی فوج کی ترتیب شروع کی اور عام حکم ممالک محروسہ میں اس مضمون کا نافذ کیا کہ جو شاہی حکم سے ذرا بھی انحراف کرے گا قتل کیا جائے گا اور اون امرا اور عہدہ داروں کو جو باغی ہو کر

خود مختاری کا دعوی کر رہے تھے حکم دیا کہ فوراً دربار میں حاضر ہو کر اپنے اپنے ملک کا حساب پیش کریں۔ یہ غیر ممکن ہے کہ کوئی حصہ ملک کا کسی کے تصرف میں بلا حکم شاہی رہ سکے فرمان میں جو احکام مندرج تھے وہ نہایت صاف اور قطعی تھے۔ گو ملک کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص اپنے مقبوضہ حصہ کا بادشاہ بنا ہوا تھا۔ لیکن عبدالرحمن بھی اپنی قوم کے تشدد پسند طبائع سے پوری طرح واقف تھا پس واقرنوج کے فرہی کے بعد ہی مصلحت آمیز سختی سے کام لینا شروع کیا۔ اس کی خوش اقبالی سے بغاوت کا زور کم ہو چلا تھا اور وہ لوگ جو اس فساد کے بانی تھے بہت تو مر گئے تھے جو باقی تھے ان کو ضعیفی نے کم قوت و بے کار کر رکھا تھا عام رعایا بھی سالہائے دراز کی حکومت شورانگیز اور انقلابات پُرآشوب سے جاں بلب متمنی امن کی تھی عیسائیوں کو گو مسلمانوں کی باہمی مخالفت سے نفع پہونچا تھا اور یہ پُرزور اور صاحب جرأت ہو گئے تھے۔ بلکہ کچھ ملک بھی ان کے قبضہ میں آگیا تھا تاہم یہ دیکھتے تھے کہ مسلمان اوسی طرح اندلس میں موجود اور حکمران ہیں ادنیٰ اور اعلیٰ کی یہی خواہش ہوئی اور اسی میں اپنی بہبودی دیکھی کہ سلطان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے تاکہ عزت و آبرو مال و دولت مخالفوں کی دست بُرد سے محفوظ رہے۔

غرضکہ امرائے عرب کے تصفیہ کے بعد اب عبدالرحمن نے عیسائیوں کی طرف عنان توجہ کو منعطف کیا۔ یہ نہایت مشکل مہم تھی جہاں صرف شجاعت ہی نہیں بلکہ خلق اور تدبیر کو بہت کچھ دخل تھا ایک عیسائی ابن حفصون نے موقع پاکر بہت کچھ خزانہ اور لشکر جمع کر لیا تھا اور مع اپنے شرکا کے ایک نہایت مستحکم اور دشوار گزار پہاڑی قلعہ میں پناہ گیر ہوا تھا عبدالرحمن نے جب دیکھا کہ ان چند کوہ نشینوں کا استیصال آسان نہیں اور نیز عیسائی عام طور پر ان کے ہمدرد اور اگر موقع ملے تو انکی مدد کرنے سے بھی باز نہ آئیں گے اس نے نہایت دانشمندی سے بغرض تالیف قلوب عملاً عوام الناس پر یہ ثابت کر دیا کہ عدل و انصاف کی نظر میں مسلمان اور عیسائی اور یہودی سب درجہ مساوات کا رکھتے ہیں جب عیسائیوں نے جنکی کثیر تعداد مثل مسلمانوں کے امن کی بدل خواہشمند تھی دیکھا کہ سلطان بلالحاظ قوم و ملت عدل پر آمادہ اور رعایا کی حقوق کا نگران ہے تب ہتھیار رکھدئے اور دربار سلطانی

میں حاضر ہو کر عفو خطا کے طلب گار ہوئے سلطان نے نہایت دلجوئی اور دل دہی کے ساتھ سب کو بحال
خوشی رخصت کیا جن عیسائیوں کی جائداد اس طوائف الملوکی میں ضائع ہوئی تھی ان کی امداد شاہی
خزانہ سے کی گئی لیکن ابن حفصون مع چند اشرار کے بدستور بغاوت اور جنگ پر آمادہ رہا۔ راتوں کو شبخون
لوٹ مار سے شاہی لشکر کو پریشان کر رکھا تھا مگر بقول شخصے "یک پیری صد عیب"۔ بڑھاپے نے اسکی ہمت
اور جرأت کو پست کر دیا تھا صرف اسلام کی موروثی مخالفت اس کو لڑا رہی تھی لیکن پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا
اس کے مرتے ہی اس کے ہمراہیوں نے اپنے کو بے یار و مددگار دیکھکر ہتھیار رکھدئے اور قلعہ کا دروازہ
کھول دیا۔ سلطان مع چند سواروں کے قلعہ میں داخل ہوا۔ قلعہ کے ایک برج پر کھڑے ہو کر جب اس نے
اجمالی نظر چار طرف ڈالی اوسکو نہایت مضبوط اور مستحکم پایا اور اس طرح بلا کشت و خون قلعہ کو اپنے قبضہ میں پاکر
حالت وجد میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی جن عیسائیوں نے اس کو اس قدر حیران و پریشان کیا تھا سب کو بغیر
باز پرس معاف کر دیا اور خود راستے کے شہروں کو فتح کرتا ہوا طلیطلہ پہونچا۔ یہی ایک شہر باقی رہ گیا تھا
اس مشہور شہر کا قلعہ وسیع اور دیواریں نہایت مستحکم تھیں لیکن سلطان فتح و نصرت نشان کب ان مشکلات کو خیال
میں لاتا تھا بلا خوف و ہراس اسکی دیواروں کے سایہ میں خیمہ زن ہوا۔ طلیطلہ وہ مقام تھا کہ جس نے بہادر ترین
بہادروں کی شمشیر کو برداشت اور بہت سے جنگجویان قلعہ شکن کو ناکام و نامراد واپس کیا۔ اس کی شان و شوکت
گواہی دے رہی تھی کہ یہ شاہان سلف کا مایۂ ناز و فخر تھا مگر اب اس کو ایک بادشاہ کے سامنے کہ جس کا نیر دولت
و حکومت ترقی روز بہ روز پر ہے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ ابتداء میں طلیطلہ کی مستحکم دیواروں نے عربوں کے متواتر حملوں کو
رد کر دیا۔ عبد الرحمٰن نے جب دیکھا کہ معمولی تدبیروں سے کشایش کار ممکن نہیں اس نے نہایت استقلال
کے ساتھ اس کے قریب ایک دوسرا شہر موسوم بہ الفتح آباد کیا اور محاصرہ کو بدستور قایم رکھا ہر طرف کے
راستے اور رسد کے ذرایع مسدود و مفقود ہو چکے تھے چند ہی روز میں محصورین دست فقر و فاقہ سے ایسے
تنگ آئے کہ انجام کار دروازے قلعہ کے کھولدیئے اور اطاعت و فرمانبرداری قبول کر لی۔

اٹھارہ برس کی تباہی و بربادی کے بعد جب پھر ایک بار تمام ملک اندلس خاندان بنی امیہ کے دائرہ حکومت میں آیا اور امن قائم ہو چکا سلطان نے اپنے طرز حکومت کو بدلا۔ عرب امراسے جن کی خودغرضی اور سرکشی نے ملک کو تباہ و ویران کیا تھا وہ وسیع اختیارات جو ان کو اس وقت تک حاصل تھے چھین لئے کوئی اہم کام سلطان کی بلا اجازت یہ نہیں کر سکتے تھے اور صوبوں میں وہی اختیارات استعمال کر سکتے تھے جو دربار سلطانی سے عطا ہوئے تھے۔ عبدالرحمن کی طرز حکومت حسب ذیل اصول پر قائم تھی۔

(۱) شاہی اقتدارات کو سوائے سلطان کے اور کوئی امیر کام میں نہیں لاسکتا تھا اور تمام اہم امور سلطنت بغیر شاہی اجازت کے کوئی امیر یا وزیر فیصل نہیں کر سکتا تھا۔

(۲) اس نے اونہیں لوگوں کو بڑھایا جو خاص اس سے وابستہ و خیر اندیش تھے تاکہ سازش و عدول حکمی کی بنیاد باقی نہ رہے۔

(۳) پرانے امرائے عرب جن سے سازش اور عدول حکمی کا خوف تھا سب کے اقتدرات صلب کرلئے گئے۔

(۴) شاہی رعب و داب قائم رکھنے کی غرض سے اس نے اپنی فوج کی تعداد کو بہت بڑھا دیا تھا۔ اور اپنے غلاموں کا ایک باڈی گارڈ قائم کیا جس میں عیسائی اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ یہ وہ فوج تھی جس نے نہایت نازک موقعوں پر سلطان کا ساتھ دیا اور اس خاص فوج کو بڑھانے کی یہ ترکیب ایجاد کی تھی کہ ہر سپاہی کو حسب حیثیت جاگیر عطا کی اور یہ حکم دیا کہ وہ اوسکی آمدنی سے اپنی فوج تیار کرے جو بوقت ضرورت شاہی فوج میں شریک کرلی جاتی تھی۔

اس جدید طرز حکمرانی سے بظاہر ملک کو بہت فائدہ پہونچا۔ قدیم امرا کی قوتیں توڑ دینے سے فی الحال بغاوت اور سرکشی کا خطرہ جاتا رہا اور نو دولتوں کو عبرت حاصل ہوئی۔ غلاموں کی خاص فوج قائم کرنے سے اور اس کو روز بروز ترقی دینے سے بدمعاش اور جرائم پیشہ کا نشان تک ملک میں باقی نہیں رہا لیکن

اس طرز حکومت سے آیندہ چل کر سلطنت کو ایسا نقصان پہونچا کہ جس کا حد و پایاں نہیں اس وقت تو عرب رعایا جو خود غرض اور ظالم امرا کے ہاتھوں جاں بلب تھی ایسے با اخلاق رعایا پرور عدل گستر بادشاہ کا دل و جان سے ساتھ دینے اور مرنے پر آمادہ ہوگئی لیکن رفتہ رفتہ اس خاص فوج کا حال مثل ترکی ینی[1] چری کا سا ہو گیا اور دن بدن اس قدر ترقی کی کہ آیندہ چل کر یہ فوج جسکو چاہتی تھی بادشاہ بنا دیتی اور جس کو چاہتی تھی تخت سے اوتار دیتی آخرکار یہی فوج سلطنت کے بگاڑ کی بانی ہوئی۔

جب ملک اندلس خانہ جنگی کے جھگڑوں سے پاک و صاف اور سلطان کو اطمینان کامل حاصل ہو گیا تو اب یہ اپنے بیرونی دشمنوں کی طرف متوجہ ہوا دشمن صرف وقت کے منتظر تھے اسکے دو قوی از شمال کی جانب نصاریٰ اور جنوب کی جانب بنی فاطمہ جنہوں نے ابھی افریقہ کے شمالی حصہ میں اپنی حکومت قایم کی تھی۔

جوانی کا عالم بخت و اقبال یاور فوج ورنہ یا اپنے دلیر و جفاکش اور غریب پرور بادشاہ پر جاں نثاری کے لئے دل سے آمادہ اور وہ خزانے جو بدنظمی کے زمانہ میں خالی پڑے تھے معمور۔ بھلا یہ کب ان دشمنوں کو خیال میں لاتا لیکن دور اندیشی اس کے خمیر میں تھی۔ اس نے فوج کشی سے قبل تدبیر سے کام لیا اور چند ہی روز میں افریقہ کی رعایا میں مذہبی فساد کی بنیاد ڈال دی اور خود بیٹھا ہوا اپنی تدبیر کی تاثیر کا تماشا دیکھتا رہا۔ مذہبی آگ بھلا کسی سے بجھ سکتی تھی جو حاکم اس کو فرو کرنے کی کوشش کرتے تھے وہ کسی نہ کسی فریق کی طرفداری کر بیٹھتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ آتش فساد زیادہ مشتعل ہوتی تھی۔ ملاؤں کا جج میں ڈالنا تیل کا حکم رکھتا تھا۔ یہ اتنے آخر میں کہاں کہ مصالح ملکی اور مہمات مملکت کو پیش نظر رکھیں جہاں کسی نے

---

[1] ینی لفظ ترکی ہے بمعنی نئے کے ینی چری یعنی نیا لشکر۔ سلطان محمود ثانی کے زمانہ حکومت تک سلطنت عثمانیہ میں یہی فیوڈل سسٹم یعنی فوجی جاگیرداروں کا قاعدہ جاری تھا جس سے سلطنت کو ایسا نقصان پہونچا کہ بالآخر سلطان محمود نے اس کو بہت کشت و خون کے بعد مسدود کر دیا۔

انکے فتووں پر اعتراض کیا یہ فوراً اس کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے تھے غرض اس فساد نے اس قدر طول کھینچا اور سلطان نے اپنی دور اندیشی کے وہ جوہر دکھائے کہ بغیر کشت و خون اور خرچ کے ملک بربر اس کے قبضہ میں آگیا اور اس نے فوراً فوج کثیر بھیجکر ملک اور سرحد کا انتظام کرلیا بنی فاطمہ اندلس کو لینے کے عوض اپنی سلطنت کا عمدہ حصہ کھو بیٹھے اور قلعہ سوطا پر بنی اُمیّہ کا پھریرا ہوا میں لہرانے لگا۔ اس ملک کی آمدنی سے عبدالرحمن نے دریائی بیڑوں کو ساز و سامان جنگ سے آراستہ کیا بحر متوسط کی حکومت جس کو بنی فاطمہ باعث فخر سمجھتے تھے وہ بھی سواحل افریقیہ کے ساتھ ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ یوں تو اسلام کے شاہان سلف اور معاصرین کو عموماً بحری توپکے ترقی دینے کا شوق تھا لیکن ملک گیری کے شوق و ذوق نے سلطان کے دل میں دریائی حکمرانی کا اس درجہ شوق پیدا کیا کہ بہت تھوڑے عرصہ میں اس کے جنگی جہاز آبنائے طارق اور بحر متوسط پر حکومت کرنے لگے۔

جب تک سلطان اس مہم جنوبی میں مشغول رہا شمالی دشمن کی روک تھام کرتا جاتا تھا لیکن اب اس مہم کے اختتام کے بعد عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا عیسائیوں نے جو ہر طرح جنگ کے واسطے آمادہ اور تیار تھے خود پیش قدمی کی اور یلغار کرتے ہوئے سرحد اندلس میں داخل ہوئے۔ ہم اس تاریخ کے پہلے حصے میں بیان کرآئے ہیں کہ جب عربوں نے جلیقیہ کو فتح کیا تو ایک عیسائی پلیو نامی مع تین ہمراہیوں کے پہاڑوں میں جا گھسا تھا اور وہیں سے عربوں کو ستانے اور اپنی قوم کو عربوں کی بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوششیں کرتا تھا۔ عرب ان چند گمنام آدمیوں کو ڈاکو اور رہزن تصور کرکے کچھ اعتنا نہ کرتے تھے۔ پلیو نے عربوں کی بے پروائیوں سے پورا فائدہ اوٹھایا اور گو یہ خود اپنے دلی مقصود کو نہیں پہونچا۔ لیکن اس کے جانشین اس کی وصیت پر ثابت قدم رہے۔ یہ وہی وحشی عیسائی ہیں جو اب پر زور لشکر کے ساتھ پہاڑوں میں روپوش رہنے کی عوض جنگ کے لئے پیش قدمی کر رہے ہیں اور عربوں کی فوج اور ساز و سامان کو خیال میں نہیں لاتے ہیں ۵۷ء میں الفانزو اردونی نے پلیو کی بیٹی سے شادی کی تھی جس سے پلیو

کی قوت میں معتد بہ اضافہ حاصل ہوا چنانچہ الفانزو کی مدد سے اور نیز باغی عیسائیوں کو اپنا معین و مددگار بنا کر اس نے بڑے بڑے شہروں مثل سمورۃ ۔ لیون الگیسرہ پر عربوں کو پسپا کر کے مسلط ہو چکا تھا قریباً تمام ملک جلیقیہ اور قسطلہ عربوں کے دائرہ حکومت سے نکل گیا تھا اور گو ابتدا میں عربوں نے ان کو اپنی سرحد میں آنے نہیں دیا لیکن اہل طلیطلہ اور شاہ نوار کی مدد سے یہ لوگ عربوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے ۔عیسائی مذہبی تعصب سے اندھے ہو رہے تھے ۔جنگ میں سپاہی اور غیر سپاہی عورتوں اور بچوں میں تمیز نہیں کرتے تھے جو مسلمان ان وحشیوں کے سامنے آجاتا تھا اوس کو بلا سوال و جواب قتل کر ڈالتے تھے ۔جن شہروں پر یہ قابض ہوتے تھے وہاں مسلمان بڈھوں اور عورتوں اور شیر خوار بچوں کے خون سے دریا بہا دیتے تھے ۔جو بچ جاتے تھے اُن کو جبراً عیسائی مذہب اختیار کرنا یا غلامی کا طوق گردن میں ڈالنا پڑتا تھا ۔خلاف اس کے کہ جب کبھی عرب میدانِ جنگ میں فتحیاب یا کسی ملک پر قبضہ کرتے تھے تو سوائے اون کے جو مردانہ وار تیر و شمشیر سے ان کے سدِ راہ ہوتے ضعیف اور بچوں کو اور اون لوگوں کو جن کو لڑائی سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا گو وہ عیسائی یا کافر کیوں نہ ہوں اپنے علم ظفر پیکر کے سایہ میں پناہ دیتے تھے ۔جب کبھی انہوں نے کسی شہر کو فتح کیا تو انصاف و رحم دلی اور دل جوئی سے رعایا کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ان کے سامنے مسلمان اور نصاریٰ اور یہودی سب بشرط قبول طاعت برابر تھے ان کی معابد گاہیں بدستور قائم بلکہ عربوں نے یہاں تک کیا کہ یہودی اور نصاریٰ کے حقوق اور مذہب کی حفاظت کے لئے ایک علیحدہ[1] محکمہ قائم کیا تھا ۔غرضکہ عربوں کے عہد حکومت میں مذہبی تعصب نام کو نہ تھا لیکن باوجود ان تمام باتوں کے جب پیہم انقلابات اور بدنظمی نے سلطنت کو کمزور کیا اور عیسائیوں نے موقع پاکر زور پکڑا تو ان تمام احسانات سابق کو فراموش کر کے محض مذہبی تعصب اور

[1] المقری اور "ہسٹری آف دی سارا سنس" مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۳ صفحہ ۷۵ جو امیر کہ غیر مسلم کے مذہب اور جائداد وغیرہ کی حفاظت و نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا تھا اوس کو خطیب الزمام کہتے تھے۔

اختلاف کی وجہ سے وحشیانہ طرزجنگ اختیار کیا اور ہزاروں بے گناہ عورتوں اور بچوں اور ان لوگوں کو جن کو جنگ سے کچھ تعلق نہ تھا قتل کر ڈالا۔

عبدالرحمن مہم جلیقیہ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اردونی ثانی کی یورش کی اطلاع پہونچی کہ اس نے فوراً ایک دستہ فوج کا بطور ہراول عیسائیوں کو سرحد پر روکنے کے لئے بھیجا اس فوج نے یہاںتک کامیابی حاصل کی کہ اپنے سے چوگنی فوج کو ریلتی ہوئی دشمن کی سرحد میں گھس گئی اور متواتر شکستیں دیکر عیسائی فوج کو منتشر کردیا لیکن بالکل خلاف توقع اردونی نے اپنی برباد شدہ فوج فراہم کرکے اس قدر تیزی سے اچانک عربوں پر حملہ کیا کہ اس بار عرب اس بری طرح پسپا ہوئے کہ انکے سپہ سالار نے ایسی بدنامی سے میدان جنگ میں مرنا پسند کیا اور شمشیر بکف اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہوا یکہ وتنہا عیسائیوں کے انبوہ کثیر میں در آیا اور شہادت کا درجہ پایا۔ عیسائیوں کا تعصب مذہبی اس واقعہ سے منکشف ہوتا ہی کہ اردونی دون ہمت نے اس آدمی کے سر کو سور کے سر کے ساتھ قلعہ کے دروازے پر نصب کیا لشکر صرف ہراول کی ہزیمت سے لیون[1] اور نوار کے عیسائیوں کا دل اس قدر بڑھا کہ انکو پھر مقابلہ کی جراءت ہوئی لیکن دارالخلافہ کی فوج نے ان کو شکست دیکر واپس کردیا۔ عبدالرحمن نے جب دیکھا کہ اس طرزجنگ سے یہ لوگ اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہ رہیں گے اور چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کو فوز عظیم سمجھیں گے یہ بذات خود عازم جنگ ہوا اور ۳۰۸ھ مطابق ۹۲۰ء میں اپنے بہادر و تجربہ کار امرا کو ساتھ لے کر عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ شاہ اردونی ثانی بن الفانزو کی مدد کے لئے شاہان فرانس اور انکشکنس اپنی اپنی فوج لئے میدان میں موجود تھے مختصر یہ کہ نہایت سخت معرکہ آرائی ہوئی عبدالرحمن قلب لشکر میں کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا اور جہاں کہیں اپنی فوج کو کمزور اور ہٹتا ہوا دیکھتا وہاں اپنی خاص فوج لیکر مثل بجلی کے جا گرتا تھا اور دشمن کی فوج کو درہم برہم کرتا ہوا اسکے

[1] لیون کا حکمراں لیون فرانس میں واقع ہے۔

لشکر کے قلب تک گھس آتا تھا۔ عیسائیوں نے اپنی فوج کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن عربی سواروں کے آخر حملے کو جس سے یہ ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے روک نہ سکے منتشر اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ کشتوں کی انتہا نہ تھی جو گرفتار ہوئے تھے اون کی تعداد ہزاروں تھی۔ سلطان فتح کامل کے بعد وہاں کے قلعوں اور مورچوں کو تباہ اور منہدم کرتا ہوا دارالخلافہ واپس آیا۔

عبدالرحمن چونکہ عیسائیوں کے بدترین قسم کے مذہبی تعصب اور منافقت سے خوب واقف تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ جب تک ان کی قوت پورے طور سے ٹوٹ نہ جائے گی شرارت اور دغابازی سے باز نہ آئیں گے۔ اس نے اس جنگ کے بعد ہی اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر لڑائی کی نوبت آئے تو تا کامل تصفیہ لڑائی برابر جاری رکھے گا۔ لیکن عبدالرحمن ہنوز فوج کے ساز و سامان میں سرگرم تھا کہ خبر پہونچی کہ اردونی اور شاہ بنبلونہ نے پھر چند سرحدی قلعوں پر قبضہ کر لیا اور ملک و رعایا کو تباہ کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ ۳۱۱ھ م ۹۲۳ء میں ہوا۔ اطلاع اول کے بعد فوراً ہی دوسری خبر یہ آئی کہ یہ سنکر کہ سلطان بذات خود عازم جنگ ہے عیسائی فوج قلعوں کو خالی کر کے خائف و ہراسان اپنی اپنی سرحد کی طرف بھاگ گئی۔ باز ہم عبدالرحمن اپنے ارادہ سے نہیں ہٹا اور بعجلت تمام ان کے عقب میں بغیر کسی تعرض کے بنبلونہ کے پایۂ تخت تک چلا آیا۔ عیسائیوں کے خوف و ہراس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ بادشاہ مع فوج اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سلطان نے شہر میں داخل ہو کر شہر پناہ اور قلعوں کو منہدم کر دیا اس کے اقبال کو دیکھو کہ یہیں بنبلونہ میں اردونی والی لیون کے مرنے کی اور اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو جانے کی خبر پہونچی۔ یہ مہم یوں بغیر محنت و مشقت سر ہو گئی۔ سلطان کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا وہیں جشن شاہانہ منعقد ہوا اور سلطان و فوج دونوں شاداں و فرحاں دارالخلافہ کی طرف طرف روانہ ہوئے۔ یہاں رعایا نے اپنے بادشاہ اور فوج کا اس دھوم سے خیر مقدم کیا کہ عبدالرحمن نے قرطبہ پہونچکر جو دور کا تعلق مصلحتاً بغداد سے اس وقت تک چلا آتا تھا اوسکو منقطع کر دیا اور ان فتوحات

متواترہ کی یادگار میں اپنی عزیز رعایا کی دلی خواہش پر امیر المومنین اور الناصر لدین اللہ کے خطاب سے اپنے تاج وتخت کو رونق بخشی۔[1]

واقعات مذکورۂ بالا کے بعد سے عبدالرحمٰن کا یہ ہمیشہ دستور رہا کہ اگر کہیں بغاوت کی محض افواہ بھی سن لیتا تھا تو فوراً بذات خود مقام فساد پر پہونچ جایا کرتا تھا چنانچہ ۳۲۲ھ م ۹۳۳ء میں یلغار کرکے پمپلونہ پہونچا۔ وہاں کی شہزادی طوتہ نے بغاوت کا ارادہ کیا تھا لیکن خلیفہ کے پہونچتے ہی حاضر ہوکر عفو خطا کی خواستگار ہوئی۔ سلطان نے اس کی خطا کو معاف کیا اور اوسکی بیٹی غرسیہ کو اوس ملک کی حکومت بخشی اور خود البہ ہوتا ہوا دارالخلافہ واپس آیا مگر ۳۲۵ھ میں ملکہ پمپلونہ نے خلاف معاہدہ عمل کیا جس کی فوراً تلافی کردی گئی۔

عبدالرحمٰن ملک کے انصرام وانتظام میں مشغول تھا کہ ناگاہ خبر پہونچی کہ لیون میں خانہ جنگی ختم ہوگئی اور ردمیر ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ شخص نہایت دور اندیش اور شجیع تھا مگر اپنے پیش رؤوں کی طرح ملکہ ان سے سے چند متعصب اور عربوں کا دشمن تھا اسی اثنا میں احمد ابن اسحٰق کسی سنگین جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ یہ وزیر اور امیہ ابن اسحٰق صوبہ دار سرقسطہ کا بھائی تھا جب اس کے قتل کی خبر امیہ کو پہونچی اس نے پاس نمک اور قوم اور مذہب کو بالائے طاق رکھا اور ردمیر سے اپنے بادشاہ کے خلاف سازش کی خلیفہ فوراً فوج لیکر سرقسطہ آیا امیہ میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ سلطان کا سامنا کرتا سرقسطہ سے بھاگ کر ردمیر سے جا ملا اور اس پر عربوں کے فوجی راز ظاہر کردئے۔ عبدالرحمٰن بھی سیدھا جلیقیہ کے پایہ تخت سمورہ

[1] اس سے قبل اندلس کے بادشاہ امیر یا سلطان کہلاتے تھے اس ہی کے وقت سے یہ خلفائے اندلس کے نام سے مشہور ہوئے لہٰذا ہم نے بھی یہاں سے بجائے سلطان کے خلیفہ لکھا ہے۔ عبدالرحمٰن پہلا بادشاہ ہے کہ جس نے دینی اور دنیوی دونوں قسم کے اقتدارات کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور مساجد اندلس میں جہاں عبدالرحمٰن اول کے عہد سے خلفاء عباسیہ کا خطبہ بمصلحت پڑھا جاتا تھا وہ موقوف ہوا۔

تک چلا آیا اور شہر کا محاصرہ کرلیا اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ ادھر جس وقت ردمیر کو معلوم ہوا کہ خلیفہ بعزم جنگ سمورہ تک آگیا ہے یہ بھی دوچند فوج کے ساتھ بغرض مقابلہ آگے بڑھا۔

ماہ شوال ۳۲۷ھ م ۹۳۹ء میں جنگ الخندق شروع ہوئی شہر سمورہ اور اس کا قلعہ سات مستحکم اور بلند دیواروں سے گھرا ہوا تھا اور ہر دیوار کے بعد ایک نہایت عمیق اور پختہ خندق بنی ہوئی تھی پہلے جو کچھ لڑائیاں میدان میں ہوئیں اون میں عرب ہمیشہ کامیاب رہے لیکن سورج گہن کے تیسرے روز عیسائیوں نے بہت سخت حملہ کیا عرب ان کو پسپا کرتے ہوئے قلعہ کی دو دیواروں کے اندر گھس گئے مگر خندقوں کی وجہ سے فوج کی ترتیب و قاعدہ باقی نہیں رہا تیسری دیوار کے قریب عرب ہنوز سنبھلنے نہ پائے تھے کہ عیسائیوں نے ایک دفعہ مڑکر حملہ کیا اور اوس فوج نے جو دیواروں کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی چاروں طرف سے عربوں کو گھیر لیا خندق میں جو عرب آگئے تھے اون میں سے ایک نہ بچا بیان کیا جاتا ہے کہ قریب پچاس ہزار عرب کے خندقوں میں ڈوب گئے۔ اندلس میں اس وقت تک ایسا حادثہ سخت عربوں پر نہیں گزرا تھا جو پس ماندہ فوج اس آفت سے بچکر نہایت بے ترتیبی سے بھاگی تھی۔ اوس کا تعاقب اگر ردمیر کرتا تو اوس کا قتل اور غارت ہوجانا نہایت آسان امر تھا لیکن امیہ بن اسحق نے ردمیر کو اس خوف سے تعاقب سے روکا کہ مبادا عرب جھاڑیوں میں نہ چھپے ہوں اور پیچھے سے حملہ نہ کر بیٹھیں اگر یہ فتح مبدل بہ شکست نہ ہوئی تو جو بے حساب اسباب و دولت کہ عرب چھوڑ گئے ہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے گی۔ یہ مشورہ بھی امیہ کی خودغرضی پر مبنی تھا اس واسطے کہ باوجود کامیابی عیسائیوں میں مطلق مقابلہ کی سکت باقی نہ تھی اور عبدالرحمن کی قہر اور غضب آلود طبیعت سے یہ بخوبی واقف تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اس عظیم شکست اور نقصان کے بعد خلیفہ ایسا بدلہ لے گا کہ پھر شاید کوئی عیسائی اس ملک میں دکھائی دے۔ پس اس نے فوراً سلطان سے بہ عجز و الحاح عفو خطا کی درخواست کی۔ خطا بخش عذر نیوش سلطان نے درخواست کو منظور کرلیا اور اس سیاہ رو نمک حرام نے جس کی وجہ سے

ہزار ہا عرب شہید ہوئے تھے اپنے تئیں بادشاہ کے قدموں پر ڈالدیا۔ اس شکست اور قتل عام سے خلیفہ ایسا متاثر ہوا کہ پھر اس نے بذات خود فوج کشی نہیں کی لیکن ہر سال اپنے فوجی امیروں کو ردمیر کے مقابلہ کے لئے بھیجتا رہا جنہوں نے ایسا بدلہ عیسائیوں سے لیا کہ ردمیر کو عربوں کے مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان متواتر کامیابیوں کا اثر نہ صرف ردمیر پر ہوا بلکہ تمام عیسائی قوتیں قریب و دور کی اس قدر متاثر اور خائف ہوئیں کہ ہر بادشاہ نے سفیر عبدالرحمن کی دوستی اور رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے قرطبہ بھیجے چنانچہ ۳۳۶ھ م ۹۴۷ء میں قسطنطین شہنشاہ قسطنطنیہ نے بیش بہا تحائف بذریعہ سفیر بھیجے۔ خلیفہ نے سفیر کا نہایت اعزاز و احترام کیا۔ شہر کثرت آئینہ بندی اور آرایش سے مثل دولھن معلوم ہوتا تھا۔ تمام فوج۔ نئے سامان و اسلحہ سے آراستہ۔ قصر اور دربار کی آراستگی کی تعریف نہیں ہوسکتی تھی۔ تخت پر خلیفہ رونق افروز۔ گرد و پیش شہزادے اور والیان ملک اور ارکان سلطنت دست بستہ حاضر جب وقت سفیر اور اُس کے ساتھی سامنے پیش ہوئے تو رعب و داب شاہی اور دربار کی شان و شوکت دیکھکر دنگ ہوگئے اور سر جھکانے تخت کے قریب آکر اپنے بادشاہ کا نامہ پیش کیا۔ عبدالرحمن نے علمائے حاضر دربار کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شان و شوکت اور بزرگی اور خلفائے اندلس کی فتوحات بیان کریں لیکن حاضر دربار کے دلوں پر کچھ ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ ان مشہور علماء میں یکے بعد دیگرے ہر شخص نے تقریر شروع کی لیکن دو چار لفظوں سے زیادہ نہ کہہ سکے۔ خلیفہ نے ولیعہد الحکم کے اتالیق ابوعلی القالی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ حال ہی میں عراق سے اندلس آیا اور علم و فضل میں بے نظیر سمجھا جاتا تھا مگر اس کو بھی یارائے گویائی نہ ہوا۔ یہ حالت دیکھکر منذر ابن سعید اپنے مقام پر کھڑا ہوا۔ گو مثل علمائے دیگر کے اس کا علم و فضل اس قدر مشہور نہ تھا لیکن اس نے اس خوش اسلوبی اور نہایت شستہ تقریر میں خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور ایک ایسا پرجوش برجستہ قصیدہ پڑھا کہ اہل دربار کی زبانوں پر تعریف جاری ہوگئی۔ خلیفہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کو اسی وقت قاضی القضاۃ کے عہدے سے سرفراز کیا۔ اس دربار کے بعد عبدالرحمن نے

کئی روز تک سفیروں کی مہمانداری کی اور ہشام بن ہذیل کو اپنی جانب سے بصیغہ سفارت یونانی سفیر کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ لکھوا لے۔ ہشام دو سال کے بعد کامیاب واپس آیا اس کے بعد ذو تو بادشاہ سلاو نیز اور شاہان الماں[1] اور فرانس نے یکے بعد دیگرے سفیر عبد الرحمن کے پاس بھیجے۔ خلیفہ ان سب سے نہایت اخلاق و مروت کے ساتھ پیش آیا اور مناسب جوابات اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرما کر ان سب کو رخصت کیا۔

جب اردونی اور شاہ پنپلونہ وغیرہ نے دیکھا کہ دور کے بادشاہ عبد الرحمن سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا باعث فخر سمجھ کر اوس کی خوشامد کرنے میں تقدیم کر رہے ہیں امید امداد و شراکت سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ جب ان کو اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی ناچار اپنے سفیر دربار سلطانی میں روانہ کئے اور استدعا کی کہ "ہم لوگوں کا دلی منشا یہ ہے کہ ہم خلیفہ کے ظل عاطفت میں اپنی عمر بسر کریں جن ملکوں پر ہم اس وقت تک حکمراں ہیں اون کو ہم عطیۂ سلطانی تصور کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ سلطان ہم کو اپنا مطیع اور فرمان بردار سمجھکر جو فوجیں کہ ہمارے ملکوں کی طرف بھیجی گئی ہیں وہ واپس کر لیجائیں اور جس قسم کا معاہدہ منظور ہوگا وہ لکھدینے پر ہم بسر و چشم آمادہ ہیں"۔ یہاں سخت گیری کے ساتھ عفو خطا کا دریا بہ رہا تھا صرف عرض کرنیکی دیر تھی کہ خلیفہ نے بکمال مراحم خسروانہ درخواستوں کو قبول کیا اور فوجوں کی واپسی کا حکم دیا دوسری وجہ ان بادشاہوں کے مطیع اور منقاد ہونے کی بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان ہی دنوں میں اردونی ثالث کا انتقال ہوا تھا اور اوسکا بھائی شانجہ اوس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ یہ واقعہ سنہ ۳۴۶ھ م ۹۵۷ء میں ہوا۔ گو نزلیر حاکم قسطلہ جو اردونی کے مرنے کے قبل شانجہ کو اُس کے خلاف مدد دے رہا تھا اب ایک دفعہ شانجہ کو چھوڑ کر اردونی چہارم کا طرفدار بن گیا اور اوس لڑکے کو

[1] یعنی جرمن۔

جلیقیہ کے تخت کا مالک قرار دیا اس لڑکے نے باوجود مفلوج ہونے کے دست ظلم زیادتی دراز کر رکھا تھا اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شانجہ کو تخت چھوڑ کر اپنی نانی طوتہ ملکہ ارگونیہ کے پاس پناہ لینی پڑی۔ اردونی چہارم گوتر لیر کی مدد سے جلیقیہ کا حاکم بن بیٹھا۔ خلیفہ بھی اپنی تجربہ کار نظروں سے اس خانہ جنگی کا تماشا دیکھ رہا تھا اور یہ خوب جانتا تھا کہ ان ہی لوگوں کی درخواست پر اس کو دست اندازی کا موقع ملنے والا ہے چنانچہ شانجہ کی تباہ حالت کو دیکھ کر ملکہ سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنے زبردست معاون عبدالرحمٰن سے امداد کی درخواست کی۔ شانجہ کا موٹاپا اعتدال سے بڑھ گیا تھا یہاں تک کہ نشست و برخاست دشوار ہو گئی تھی چونکہ اوس زمانہ میں قرطبہ علم و فضل کا مرکز بنا ہوا تھا اور یہاں کے حکمائے حاذق دنیا میں مشہور اور اپنے علم و فضل میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے ملکہ نے ایک طبیب کی درخواست کی خلیفہ نے اپنے خاص طبیب کو شانجہ کے علاج کے لیے بھیجا لیکن صلح کی نسبت سلطان نے شرائط معاہدہ میں کسی قدر سختی کی مثلاً ایک شرط یہ تھی کہ چند قلعہ جو نہایت مضبوط اور مشہور تھے وہ خلیفہ کے حوالہ کر دئے جائیں۔ یہ شرط ایسی تھی کہ اس کا منظور کر لینا اور ریاست سے دست بردار ہو جانا یکساں تھا۔ ایسی سخت پریشانی کی حالت میں ملکہ اپنے بیٹے شاد نوار کے ساتھ عبدالرحمٰن کے پاس خاص دارالخلافہ آئی۔ یہ بہت ہی اخلاق سے پیش آیا اور اس کے حسب مراتب تواضع اور تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور بالآخر از راہ ترحم اوس کی درخواستوں کو منظور اور جو مدد اوس نے چاہی تھی بغیر کسی سخت شرط کے دینے کا وعدہ کیا۔

عبدالرحمٰن کے مدبرانہ طرز فرمان روائی اور اخلاق عام کا ایسا اثر ہوا کہ جملہ بادشاہان یورپ نے سلسلہ سفارت کا برابر جاری رکھا اور اتحاد باہمی اور بنائے دوستی کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر جتنی اسلامی تاریخیں کہ ہماری نظروں سے گزریں اون سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ شوق حکومت اور بغض و عناد نے مسلمانوں کے دلوں میں ایسی جڑیں پکڑ لی تھیں کہ جن سے ہر بادشاہ

اسلام کو کم وبیش نقصان پھونچا چنانچہ باوجود اس کے کہ مسلمان یہ جانتے تھے کہ ایسا رعایا پرور اور بیدار مغز بادشاہ جس نے ان کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو اپنی لیاقت اور جوانمردی سے سنبھال لیا اور جس نے اپنی سلطنت کو اس قدر وسیع کیا کہ عبدالرحمن اول کے دور کو لوگ بھول گئے نہ ہوا اور نہ ہوگا لیکن پھر بھی اس کی مخالفت اور اس کو نقصان پھونچانے میں کوئی پہلو اوٹھا نہ رکھا البتہ عوام الناس ہمیشہ اپنے بادشاہ کے طرفدار اور امرا کی مخالفت اور ارکان خاندان شاہی کی خانہ جنگی سے ہمیشہ بری اور متنفر رہے۔ سنہ ۳۳۹ھ مطابق سنہ ۹۵۰ء میں ایک فقیہ عبدالباری نامی کے ورغلانے سے خلیفہ کے چھوٹے لڑکے شہزادہ عبداللہ نے جو بوجہ پابندی صوم وصلوٰۃ الزاہد کے لقب سے مشہور تھا اپنے باپ اور بڑے بھائی الحکم دونوں کے قتل کی سازش کی مگر قبل اس کے کہ یہ لوگ اپنے ارادے کو پورا کریں اس واقعہ کی اطلاع عبدالرحمن کو پھونچی وہ روز عیدالضحیٰ کا تھا۔ خلیفہ نے جو کہ سختی اور نرمی دونوں میں مشہور تھا اوسی وقت عبداللہ کو گرفتار کرلیا اور عید ہی کے روز اوس کو قتل کر ڈالا عبدالباری کو جو اوس وقت قید میں تھا جب اس واقعہ کی خبر پھونچی تو اوس نے فوراً خودکشی کرلی۔

اندلس میں یہ جھگڑے ہو رہے تھے کہ افریقہ میں ایسے واقعے درپیش ہوئے کہ جن سے عبدالرحمن کو ایک عمدہ موقع اس ملک کی تسخیر کا ملا۔ اس یلغار افریقہ کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ خاندان بنی فاطمہ افریقہ کو فتح کرتے ہوئے اندلس کے قریب تک چلے آئے تھے اور چونکہ بنی فاطمہ اور بنی امیہ میں خاندانی مخالفت چلی آتی تھی سواحل افریقہ کا مخالفوں کے قبضہ میں چلا جانا سخت ناگوار گزرا۔ خلیفہ نے فوراً ایک بڑا جہاز ول کا سامان حرب سے آراستہ بنی ادریس اور بنی صالح کی مدد کے لئے بھیجا۔ افریقہ کی جنگ کا ذکر ہم کچھ اوپر بھی کر آئے ہیں اور یہ بتا آئے ہیں کہ اوس میں مذہبی نزاع پیدا کر کے عبدالرحمن نے کیا فائدہ اوٹھایا لیکن سلسلہ قایم رکھنے کی غرض سے اون واقعات کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جن کی ابتدا سنہ ۳۰۵ھ سے ہوئی۔ اس سنہ میں عبداللہ جس کا مذہب تشیعی تھا ملک افریقہ کے شرقی حصہ کو اپنے دائرہ

حکومت میں لایا اور اپنے امیر مصلح ابن حالبر کو یحییٰ ابن ادریس بادشاہ فاس کے مقابلے کے لئے بھیجا مصلح نے یحییٰ کو شکست دے کر شہر فاس کا محاصرہ کر لیا لیکن اوس وقت اس ملک پر پورا قبضہ نہ کر سکا ۳۰۹ھ میں اس امیر نے پھر فاس پر حملہ کیا اور یحییٰ ابن ادریس گرفتار و قتل ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد یحییٰ کے ایک رشتہ دار الحسن نامی نے فاس کو فتح کیا اور بادشاہ بن بیٹھا تھوڑے ہی روز میں موسیٰ ابن العافیہ نے جو من جانب شاہان بنی فاطمہ مغربی حصے کا گورنر تھا ۳۱۱ھ میں فاس کو فتح کیا اور الحسن کو قتل کر ڈالا ۳۳۱ھ میں خاندان بنی ادریس نے پھر اس ملک کو سوائے شہر فاس کے فتح کیا تھوڑے زمانے تک خاندان بنی ادریس نے کسی قدر بے فکری سے حکومت کی مگر ابوالعیش احمد کے عہد حکومت میں بنی فاطمہ نے اس پر اتنے حملے کئے کہ اس نے بحالت مجبوری عبدالرحمٰن سے مدد کی درخواست کی اس مدد دینے کے قبل قلعجات طنجہ و سوطا و غمال میں طلب کئے ابوالعیش نے ان قلعوں کے دینے سے انکار کیا خلیفہ نے فوراً جہازی بیڑے سواحل افریقہ کی طرف روانہ کئے۔ اور قلعوں پر بجبر قبضہ کر لیا جس کا اثر قرب و جوار کے رؤسا پر یہ ہوا کہ لوگ مع ابوالعیش کے قرطبہ آئے اور عبدالرحمٰن کو اپنا سرپرست اور بادشاہ تسلیم کیا۔ خاندان بنی صالح کے لوگ بھی اندلس میں داخل ہوئے اور اس ملک میں بود و باش اختیار کی۔ غرض کہ عبدالرحمٰن نے اوس تمام افریقہ کے حصے کو فتح کیا جو مغرب الاقصیٰ کے نام سے موسوم ہے۔

عبدالرحمٰن ثالث کی عمر اب قریب ستر برس کے پہونچی تھی جو کار نمایاں اس سے پنجاہ سالہ حکومت میں ظہور میں آئے ان کا مفصل ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں بیس برس کی عمر میں یہ اپنے موروثی تخت پر متمکن ہوا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ سوائے قرطبہ کے اور سب صوبے خود مختار ہو گئے تھے۔ اور خانہ جنگی کا بازار گرم تھا۔ قزاق اور راہزن تمام ملک میں بلا خوف و خطر رعایا کے جان و مال کو تباہ کر رہے تھے۔ اندلس کے جنوب کی جانب مغرب الاقصیٰ میں بنی فاطمہ حکومت کر رہے تھے اور اندلس داخل ہونے کا موقع ڈھونڈتے تھے۔ شمال کی جانب عیسائی اندلس کو لینے کی فکر میں تیاریاں کر رہے تھے۔ ایسی طوائف الملوکی کے زمانہ میں عبدالرحمٰن ثالث اپنے دادا

عبدالرحمٰن اعظم کے قایم کئے ہوئے تخت پر بیٹھا۔ اس کو تخت نشین ہوئے بیس سال بھی نہ گذرے تھے کہ ملک کے چاروں طرف سے امن وامان کی ہوا چلنے لگی سختی سیاست سے بدمعاشون کا نام ونشان تک نہ رہا۔ چونکہ امرائے عرب اور ارکان سلطنت اس زمانہ تلاطم میں موقع پاکر خودمختار بن بیٹھے تھے ان کی قوتوں کو توڑنے کی غرض سے اپنے غریب ملازمین کو انہیں کے مساوی خطابات اور جاگیریں عطاکیں عیسائیوں کی قوت کو اتنا توڑا کہ شاہنشاہ قسطنطنیہ اور بادشاہان فرانس واٹلی وجرمن نے نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ سفارتیں قرطبہ بھیجین اور خلیفہ اندلس سے اتحاد ودوستی پیدا کرنے کی کوشش کی یورپ اور افریقہ میں عبدالرحمٰن کی فراست اور سپہ سالاری ضرب المثل ہوگئی تھی اور اوس کی قدر دانی علم وفن نے ان مشہور لوگوں کو جمع کرلیا تھا جو دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

عبدالرحمٰن نے مختلف ذرائع آمدنی کے ایجاد کئے تھے۔ چوّن لاکھ اسّی ہزار دینار اصل مالگزاری داخل خزانہ عامرہ ہوتے تھے۔ علاوہ اسکے سات لاکھ پینتیس ہزار دینار مختلف ذرائع سے وصول ہوتے تھے۔ یہ تمام آمدنی ملک کی ملک اور رعایا ہی پر خرچ کی جاتی تھی علاوہ اس کے جو روپیہ کہ بطور خراج وجزیہ عیسائیوں اور یہودیوں سے وصول ہوتا تھا وہ خاص ذاتی خزانہ شاہی میں داخل کردیا جاتا تھا۔ اس آمدنی کی کوئی تعداد معین نہ تھی نہ کوئی باضابطہ حساب اس کا رکھا جاتا تھا۔ اس میں سے ایک ثلث فوج اور اعیان وملازمان سلطنت پر خرچ ہوتا تھا۔ ایک ثلث خاص سلطان کی جیب خاص کے لئے مقرر تھا۔ باقی کل رقم عمارات اور پلوں اور ملک کی سڑکوں پر خرچ کی جاتی تھی اس کے زمانہ حکومت میں شہر قرطبہ خوبصورتی اور ہر قسم کی آرائش میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا عبدالرحمٰن کو ہر طرح کی عمارت کا کمال شوق تھا جنکے آثار اس وقت تک اوس زمانہ کی بے نظیر صنعت وحرفت کو ظاہر کررہے ہیں۔ قرطبہ کی مشہور مسجد اور قصرالزہرا وہ عمارتیں ہیں جو دنیا میں حسن وخوبصورتی اور صنعت معماری میں بے مثل وبے عدیل ہیں

اس زمانہ جدید میں اگرچہ اہل یورپ ہر چیز میں معاذاللہ خدائی کا دعوی کرتے ہیں تاہم ان عمارات کو
عجوبہ روزگار سمجھتے ہیں مسجد کی تعمیر فی الحقیقت عبدالرحمن اعظم کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی اور ہشام نے
اس کو اختتام تک پہونچایا تھا لیکن ان کے بعد بھی ہر بادشاہ نے مسجد کے بڑہانے اور مشئین
کرنے میں دولت کی پروا نہیں کی۔ اس مسجد کا طول شرق سے غرب تک قریب قریب پانچسو فیٹ
کے تھا اور اوس کی خوشنما محرابین ایک ہزار چار سو سترہ سنگ مرمر کے ستونون پر قائم تھیں جن پر سنہرا
کام کیا ہوا تھا۔ محراب اس مسجد کی سات سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم اور اس قدر بلند
اور خوبصورت تھی کہ صرف اسی کے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے محراب کے
قریب ایک بلند ممبر خالص ہاتی دانت اور چھتیس ہزار مختلف رنگ اور وضع کی لکڑی کے ٹکڑوں سے
بنا اور ہر قسم کے جواہرات سے جڑا ہوا رکھا تھا۔ اس ممبر ہی کی قیمت (۳۵,۷۰۵) دینار[۱] تھی
اور سات برس میں تیار ہوا تھا عبدالرحمن ثالث نے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار ایکسو آٹھ
فٹ بلند تیار کرایا جس میں چڑھنے اوترنے کے دو زینے تھے اور ہر زینے میں ایکسو سات سیڑھیاں
تھیں اس مسجد میں دس ہزار جھاڑ روشنی کے چھوٹے بڑے جلا کرتے تھے جن میں سے تین سب
میں بڑے جھاڑ خالص چاندی کے اور باقی پیتل کے تھے۔ بڑے سے بڑے جھاڑ میں ایک ہزار
چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے اور ان تین چاندی کے جھاڑوں میں چھتیس سیر تیل جلا کرتا
تھا تین سو ملازم اور خدام اس مسجد پر متعین تھے۔ مسجد کے متعلق جو جدید تعمیر اس عہد میں کی گئی
اوس پر دو لاکھ ایکسٹھ ہزار پانچسو تیس دینار سرخ خرچ ہوئے تھے۔

عبدالرحمن نے علاوہ مسجد مذکور کے قرطبہ سے چار میل کے فاصلے پر جبل العروس کے پر فزا
دامن میں ایک رفیع الشان قصر تیار کیا اور اوسکو اپنی محبوبہ کنیز الزہرا کے نام سے موسوم کیا۔

[۱] فی دینار تقریباً عہ سکہ حیدرآباد دکن کے تھا جسٹس امیر علی نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں دینار کی قیمت ساڑھے نو شلنگ لکھی ہے۔

یہ اس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو قصر نہیں بلکہ مدینۃ الزہرہ کہتے تھے اور فی الحقیقت یہ ایک چھوٹا شہر تھا جس میں علاوہ شاہی مکانات اور متعدد باغات کے ہزاروں ملازمین اور فوج شاہی کے لئے علٰحدہ عمارتیں تیار کی گئی تھیں۔ اس محل کی وسعت کا صرف اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے حدود کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور مستحکم دروازے نصب تھے جس وقت یہ قصر ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سرخ کی لاگت سے تیار ہوا اور سلطان مع الزہرا کے اوس میں رونق افروز ہوا اور دونوں نے اوس مرغزار کو جھروکوں سے دیکھا سامنے قصر شاہی سنگ مرمر کی عمارات اور برجوں اور میناروں سے آراستہ مثل موتی کے دکھائی دیتا تھا اور اوس کی پشت پر ایک کوہ سیاہ سر بفلک کشیدہ اپنا لطف علٰحدہ دے رہا تھا۔ الزہرا نے جس وقت اس بے نظیر سماکو دیکھا قصر اور سیاہ پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا یا امیر المومنین یہ قصر مثل ایک معشوقۂ نازنین کے ہے جو بصد ناز و انداز اوس حبشی کے پہلو میں متمکن ہے۔ عبد الرحمٰن نے یہ جملہ سُن کر حکم دیا کہ یہ پہاڑ اسی وقت بیخ و بُن سے کھود ڈالا جائے یہ سُن کر امرائے دربار نے خلیفہ سے کہا کہ انسان کی کیا مجال کہ کوہ کو جنبش تک دے سکے اس کا اس مقام سے علٰحدہ کرنا اوسی خالق حقیقی کے دست قدرت میں ہے جس نے اس کو اور ہم کو پیدا کیا۔ اس تقریر سے عبد الرحمٰن بھی اپنے دل میں قایل ہوا اور یہ حکم دیا کہ اس کوہ کو فوراً صاف کر کے تہ سے چوٹی تک درختہائے میوہ دار مثل بادام اور انجیر وغیرہ کے نصب کیے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس حبشی نے سبز پوشاک زیب بدن کی۔ درختہائے میوہ دار نے اپنی خوشبو سے اس دشت کو معطر کر دیا۔

طول اس قصر کا تقریباً چار میل اور عرض قریب تین میل کے تھا ۳۲۵ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی اور پچیس سال میں ختم ہوئی۔ دس ہزار معمار اور مزدور اور قریب قریب چار ہزار اونٹ اور خچروں سے روزانہ اس کے بنانے میں کام لیا جاتا تھا۔ قصر چار ہزار تین سو سولہ برجوں اور ستونوں پر جو

اقسام کے پتھروں مثل سنگ مرمر وغیرہ کے بنے ہوئے تھے قائم تھا۔ ان ستونوں میں سے
بعض ستون بادشاہان یورپ مثل فرانس اور قسطنطنیہ وغیرہ نے تحفۃً عبدالرحمٰن کو بھیجے تھے
باقی خاص اندلس کے معادن کے تھے کچھ سنگ مرمر معمار عبداللہ اور حسن ابن محمد اور علی ابن جعفر
کی نگرانی اور ذریعہ سے افریقہ سے بھی منگایا گیا تھا ان ستونوں کی اندلس پھونچانے کی اجرت دس دینار
سرخ فی ستون مقرر کی گئی تھی۔ قصر میں دو فوارے نصب کئے گئے تھے۔ ایک جو سب سے
بڑا تھا بجرس کا تھا اور اُس پر اس قدر طلع کیا گیا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا اور اس پر نہایت
خوشنما انسانی صورتیں بنی ہوئی تھیں احمد ایونانی اور ربیع پادری اس فوارہ کو قسطنطنیہ سے لائے تھے
چھوٹا فوارہ سنگ سبز کا شام سے منگوایا گیا تھا۔ یہ اس قدر خوبصورت تھا کہ خلیفہ نے اس کو
قصر المونس میں نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔ بارہ پرند اور چرند جانوروں کی صورتیں مختلف جواہرات اور
سونے سے بنی ہوئی اس میں لگائی گئی تھیں اور ہر جانور کے منھ اور چونچ میں سے پانی کا فوارہ جاری
ہوتا تھا۔ اس فوارے میں کاریگر نے وہ دست کاری ظاہر کی تھی کہ جن اہل یورپ سیاحوں نے
اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بیان کرتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا تو ایک طرف خواب و خیال کو بھی
یہاں مجال دخل نہ تھی قصر کا ایک حصہ قصر الخلفا بھی قابل دید تھا اس کی چھت طلائی بے غش اور
سنگ مرمر سے جو ایسا صاف و شفاف تھا کہ دوسری طرف کی چیز مثل آئینہ کے نظر آتی تھی بنی ہوئی
اور باہر کی جانب سونے اور چاندی کے سفالوں سے سجی ہوئی تھی۔ اس کے وسط میں ایک خوبصورت
مرصع فوارہ نصب تھا جسکے سر پر وہ مشہور موتی جڑا تھا جس کو شہنشاہ یونان نے بطور تحفہ کے عبدالرحمٰن الناصر
کو بھیجا تھا۔ سوائے اس فوارہ کے قصر کے بیچ میں ایک فوارہ نما طشت پارہ سے لبریز رکھا تھا اور قصر کے گرد آٹھ نہایت
خوشنما ہاتھی دانت کے چوکھٹوں میں جڑے اور مختلف اقسام کی لکڑیوں کے مرصع دروازے سنگ مرمر اور بلوری
چوکھٹوں پر نصب تھے جس وقت یہ دروازے کھولدیئے جاتے اور آفتاب کی شعاع سے مکان روشن اور

منور ہوتا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اس کی چھت اور دیواروں کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ اس حالت میں اگر پارہ ہلا دیا جاتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام مکان جنبش میں ہے۔ جو لوگ اس راز سے واقف نہ تھے وہ مکان کو فی الحقیقت جنبش میں سمجھ کر بے حد خائف ہوتے تھے۔ اس قصر کے انتظام اور نگہبانی کے لئے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم اور تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام قوم نصاریٰ متعین تھے۔ اندر حرم سرا کے چھ ہزار عورتیں خدمت گزاری کے لئے حاضر رہا کرتی تھیں۔ حوضوں میں روزانہ بارہ ہزار روٹیاں علاوہ اور اشیاء کے مچھلیوں کے لئے ڈالی جاتی تھیں۔ غرض مدینۃ الزہرا[1] وہ محل شاہی نادر الوجود تھا جس کی تعریف سن کر دور سے تماشا دوست اور سیاحان جہان آتے تھے اور اس کی وسیع سنگ مرمر کی عمارات۔ دربار خاص و عام کی شان و شوکت اس کے باغات کا پُرفضا سماں جہاں ہزار ہا فوارے چھوٹتے ہوئے اور نہریں اور حوض بہتے پانی سے چھلکتے ہوئے۔ سایہ دار درخت نہروں پر سایہ فگن۔ شاخہائے میوہ دار میوہ کے بوجھ سے زمین تک جھکی ہوئیں دیکھ کر محو تماشا ہو جاتے تھے ہزار ہا لڑکے اور لڑکیاں خوش رو اور خوش وضع زرق برق لباس اور زیور میں ڈوبی ہوئیں خدمت کے لئے دست بستہ حاضر۔ افسران فوج تجربہ کار جنگ آزمودہ فن سپہ گری میں یکتائے زمانہ، امراء و ارکان دولت اور علماء وقت اپنی اپنی جگہ پر حاضر۔ یہ قصر کیا تھا خلافت اندلس کی شان و شوکت اور عظمت و بزرگی اور رعب داب کا مرکز تھا۔ عربوں نے اپنی صنعت و حرفت کو اس قصر پر ختم کر دیا تھا اور اس کو اپنی صنعت و حرفت اور دست کاری کی نمائش گاہ بنا دیا تھا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ عیسائیوں نے جو اس زمانہ میں وحشیوں سے بھی بدتر تھے اس عجوبہ روزگار عمارت کا نشان تک باقی نہ رکھا ان کے عناد اور حسد اور مذہبی تعصب نے مسجدوں کو شہید کیا۔ قبروں کو توڑا اور ہڈیاں جو باقی رہ گئیں تھیں انکو ہوا میں اُڑا دیا۔

[1] اس قصر کی مفصل کیفیت مندرجہ المقری کی نفح الطیب میں موجود ہے۔

عبدالرحمٰن الناصر کے انتقال کے بعد اس کے کاغذات میں ایک پرچہ اس ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس مضمون کا ملا کہ اپنے پچاس سالہ حکومت میں صرف چودہ دن مجھکو آرام اور خوشی کے نصیب ہوئے" خیال کرنا چاہیے کہ یہ کس قدر بلند خیال اور جفاکش بادشاہ تھا جس نے اپنی تمام عمر اور اپنا تمام وقت اپنی سلطنت کے انصرام اور اپنی عزیز رعایا کی خدمت میں صرف کیا۔ اپنے عیش و آرام بلکہ اپنی صحت کی پروا ان امور کے مقابلہ میں نہیں کی۔

عبدالرحمٰن کو دنیوی شان و شوکت کی نمائش پسند نہ تھی لیکن وسیع تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ بغیر اس کے مملکت کی عظمت و جبروت کا معاصرین اور اغیار شورہ پشت کے دلوں میں راسخ ہونا ممکن نہیں۔ جہاں بانی منحصر ہے دبدبہ اور رعب پر جسکا ایک لازمی جزو ظاہری شان و شوکت ہے پس اس نے قیام و استحکام سلطنت کی نیت سے امیر المومنین کا خطاب اختیار کیا تھا جس کے مستحق حقیقت میں خلفائے عباسیہ تھے۔ علم دوست اس قدر تھا کہ اس کے دربار میں وہ علمائے کامل اور حکمائے حاذق اور صناع روزگار جمع تھے جن کی بزرگ داشت یہ اپنا باعث فخر سمجھتا تھا چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ خلیفہ نے مکان بنانے کی غرض سے ایک مقام کو پسند کیا اور اوس کے خریدنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے وہ مقام یتیم بچوں کی ملک نکلا اور یہ بچے قاضی القضاۃ منذر البلوطی کی نگرانی میں تھے۔ قاضی مذکور علم فقہ اور حدیث کا مشہور عالم تھا اور عبدالرحمٰن بوجہ فضل و کمال اس کی دل سے تعظیم کرتا تھا۔ جس وقت قاضی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی اوس نے جائداد کے فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ یتیموں کی جائداد اوس وقت منتقل ہو سکتی ہے جب کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پوری ہو۔

(۱) یا تو کوئی سخت ضرورت لاحق ہو۔

(۲) یا جائداد کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

(۳) یا ایسی قیمت ملتی ہو کہ جس کے منظور کرنے میں یتیموں کا آیندہ فائدہ متصور ہو۔ فی الحال ان شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہیں ہے اور جو قیمت ملازمان شاہی نے اس جائداد کی تجویز کی ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ خلیفہ نے یہ دیکھا کہ قاضی بغیر قیمت بڑھائے باز نہ آئے گا اور قاضی کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خلیفہ اس مکان کو جبرًا نہ لے لے۔ اس نے فورًا حکم دیا کہ مکان منہدم کر دیا جائے بعدہ زمین دونی قیمت پر شاہی ملازمان کے ہاتھ فروخت کر دی۔

جب عبدالرحمن نے یہ سنا فورًا قاضی کو طلب کیا اور مکان کے گرا دینے کا سبب پوچھا۔ منذر البلوطی نے بلاخوف عرض کیا کہ "جس وقت میں نے مکان کے گرانے کا حکم دیا مجھے وہ واقعہ یاد آیا جہاں چند غریب آدمی ایک جہاز کے ذریعہ سے اپنی گزران کرتے تھے لیکن جہاز کو بہت ہی شکستہ حالت میں رکھتے تھے اس لئے کہ اوس ملک کے بادشاہ میں یہ بُری عادت تھی کہ جس کے پاس اچھا جہاز دیکھتا تھا جبرًا چھین لیتا تھا" یہ اشارہ قرآن شریف کی آیت کی طرف تھا۔ عبدالرحمن یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اوس روز سے قاضی کو اور زیادہ عزیز رکھنے لگا۔ منذر البلوطی کا انتقال ۳۵۵ھ میں ہوا۔ اس کی متعدد مشہور تصانیف علم فقہ اور دلائل فلاسفہ کے رد میں موجود ہیں۔ علاوہ اس کے فن عروض اور شعر و سخن میں کمال دستگاہ رکھتا تھا چنانچہ اکثر کتب تواریخ مثل الفتح اور حیّان قاضی مذکور کی تعریف سے بھری ہیں۔ علاوہ المنذر البلوطی اور جو علماء اور حکماء اس کے دربار کی زیب و زینت تھے اونکے نام نامی یہ ہیں احمد عبدالربی جس کا قصیدہ موسوم بہ عقد مشہور ہے۔ خلف ابن عباسی الظہروی اس کے دربار کا مشہور طبیب۔ عبداللہ ابن یونس المرادی۔ ابوبکر الزبیدی۔ محمد القشانی ابراہیم ابن الشہبانی۔ وزرائے سلطنت میں موسٰی ابن جدیر۔ عبدالملک ابن جہور۔ عبداللہ ابن العلی اور احمد عبدالملک ابن شہید یہ آخر الذکر وزیر اس وجہ سے زیادہ تر مشہور ہوا کہ اس نے عبدالرحمن کو لاکھوں روپیہ خرچ کر کے بیش بہا چیزیں دور دور سے منگا کر بطور تحفہ نذر گزرانی تھیں۔

ایک روز عبدالرحمٰن الناصر نے فصد لینے کی غرض سے اپنے طبیب کو طلب کیا۔ طبیب چاہتا تھا کہ نشتر لگائے دفعتاً ایک مینا اڑتی ہوئی مکان کے اندر آئی اور سونے کے گلدستہ پر جو قریب رکھا تھا بیٹھ گئی اور نہایت صاف الفاظ میں اس شعر کو اس خوش آوازی سے ادا کیا کہ سلطان پھڑک گیا[1]

أَيُّهَا الْفَاصِدُ رِفْقًا ۔۔۔ بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَا
إِنَّمَا تَفْصِدُ عِرْقًا ۔۔۔ فِيهِ مُحْيِي الْعَالَمِينَا

اور دریافت کیا کہ یہ مینا کس کی ہے۔ قبل اس کے حاضرین میں سے کوئی جواب دے مینا نے خود بیان کیا کہ "میں مرجانہ والدہ ولی عہد الحکم مستنصر باللہ کی مینا ہوں" عبدالرحمٰن یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوا اور بطور تحفہ اپنی بی بی مرجانہ کو بیس ہزار دینار سرخ دئے۔

امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۲ رمضان ۳۵۰ھ میں ۷۳ سال کی عمر میں اپنے قصر الزہرا میں انتقال کیا۔

[1] اے فصد کھولنے والے نرمی سے امیر المومنین کی فصد کھولنا اس لئے کہ جس رگ پر تو نشتر لگانا چاہتا ہے یہ رگ وہی ہے جو زندہ کرنے والا عالم کا ہے۔

باب ششم

الحکم ثانی کی تخت نشینی عیسائیوں سے محاربات۔ اردونی چہارم کا قرطبہ آنا۔ سفیروں کا قرطبہ آنا۔
قسطلہ کی شہزادی کا قرطبہ آنا۔ واقعات افریقہ۔ علم کا شوق۔ کتب خانہ۔ ذاتی حالات اور انتقال۔

امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصرلدین اللہ کے انتقال کے دو روز بعد بتاریخ ۵ رمضان المبارک سنہ ۳۵۰ ھ م سنہ ۹۶۱ ء الحکم ثانی اپنے موروثی تخت خلافت پر جلوس فرما ہوا اور بروز جشن عام تمام فوج زرق برق لباس اور نئے سامان جنگ سے آراستہ۔ اس کے خاص رسالہ سونے اور چاندی کے زرہ بکتر پہنے اور ہتھیار جواہر نگار جسم پر لگائے ہوئے موجود۔ یہ بھی سما قابل دید تھا۔ بعد معائنہ فوج الحکم نے دربار عام کیا۔ دونوں طرف امرائے سلطنت اور ارکان دولت حسب مراتب جواہر نگار کرسیوں پر متمکن۔ پشت بر ملازمان خاص دریائے جواہر میں غرق دست بستہ حاضر۔ خلیفہ کے بھائی ابو مروان عبداللہ الاصبغی اور عبدالعزیز جو دربار میں ایک روز قبل سے حاضر نہیں ہوئے تھے ان کو بذریعہ وزیر جعفر ابن عثمان اور موسیٰ ابن احمد طلب کیا اور حکم دیا کہ یہ اگر حاضری سے انکار کریں تو جبراً حاضر کئے جائیں۔ چنانچہ حسب الحکم یہ شہزادے بھی تخت سلطانی کے جس پر سونے کا چتر سایہ فگن تھا چپ و راست موجود تھے۔ قصر شاہی کے دروازہ سے لے کر دربار تک دونوں طرف حبشیوں کا رسالہ اور سلطان کی خاص فوج ننگی تلواریں لئے ہوئے صف بستہ کھڑی تھی۔ باہر سڑکوں پر بھی دونوں جانب فوج با ساز و سامان حاضر تھی۔ الغرض الحکم کے تخت پر جلوس فرماتے ہی پہلے شاہزادے تخت کے سامنے بڑھے اور خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اطاعت و فرماں برداری کا
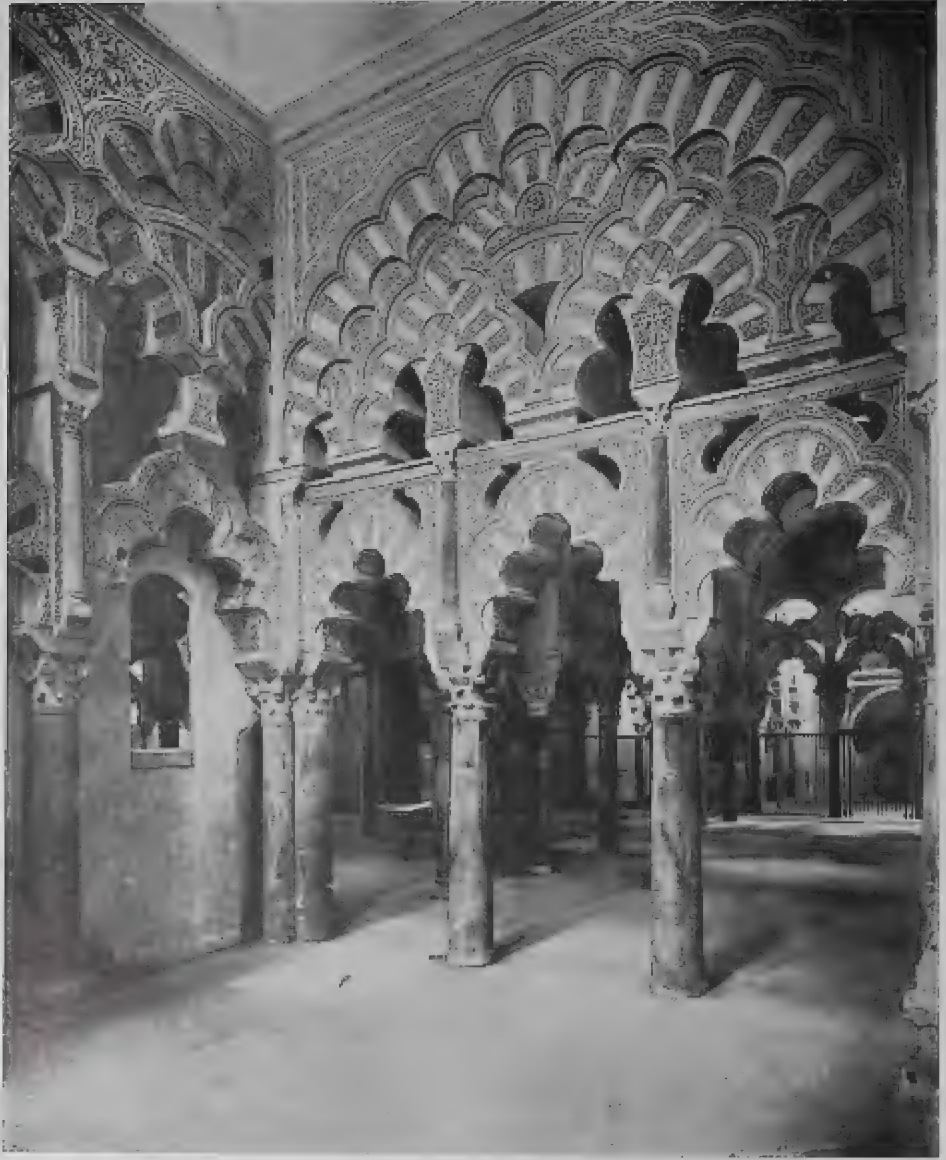
جامع قرطبہ کی محراب
(قرطبہ)

حلف کیا ان کے بعد امرائے مملکت حسب مراتب آگے آتے اور بیعت[1] کی رسوم ادا کرتے گئے پھر خاص فوج سلطانی نے جاں نثاری اور خیر خواہی کا حلف کیا۔ عوام الناس کے لئے عیسیٰ ابن فطیس دوسرے مکان میں حلف لینے کے لئے حاضر تھا۔ ان مراسم کے ادا ہونے کے بعد دربار برخاست ہوا۔ سوائے شہزادوں اور وزیروں کے اور سب کو جانے کی اجازت دی گئی۔ شہزادوں کو قصر الزہرا میں رہنے کا حکم ہوا۔ الحکم نے اپنے باپ کے وقت کے وزیروں کو اپنی خدمتوں پر بحال رکھا اور جعفر الصقلبی کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ اس امیر نے ایک رسالہ سو فرانسیسی سواروں کا مسلح اور تین سو بیس مختلف اقسام کے زرہ بکتر۔ تین سو خود فولادی اور پچاس خود چوبی۔ تین سو یورپ کی بنی ہوئی تلواریں۔ ایک سو سلطانیہ سپر اور دس زرہ بکتر خالص چاندی کی جن پر طلائی کام کیا ہوا تھا بطور تحفہ پیش کئے۔

سرحدی عیسائی بادشاہوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی خلیفہ انتقال کرتا تھا تو یہ ضرور نئے خلیفہ کے اوائل زمانہ میں سرکشی کرتے تھے اور اگر افسون سازش چل جاتا تھا تو اندلس پر حملہ بھی کر بیٹھتے تھے چنانچہ اس دور کے آغاز میں بھی الجلالقہ نے سرحد میں داخل ہو کر مسلمانوں کو تکلیف دینی شروع کی اگر الحکم ان کی تنبیہ و تادیب کے لئے فوراً فوج نہ بھیجتا تو معلوم نہیں کہ اسکا انجام کیا ہوتا جس وقت خلیفہ کو سرحدی واقعہ کی اطلاع ہوئی یہ بذات خود فوج کثیر لے کر جلیقیہ کی طرف روانہ اور فرڈلند بن غند شلب کے قلعہ شنت اشتبین کو فتح اور منہدم کر کے مظفر و منصور قرطبہ واپس آیا۔ لیکن الجلالقہ نے اس قدر تنبیہ کی پروانہ کی اور بغاوت کو برابر جاری رکھا۔ الحکم نے اپنے پروردہ امیر

[1] المقری رسم بیعت کا رواج شام اور بغداد میں بھی تھا گو خلیفہ اپنے حین حیات اپنا جانشین نامزد کر دیتا تھا لیکن امرا اور رعایا کی منظوری لازمی تھی لہذا رسم بیعت سلطنت کے قواعد میں جزو اعظم سمجھی جاتی تھی ارکان خاندان شاہی و امرائے سلطنت خود یکے بعد دیگرے اپنا ہاتھ سلطان کے ہاتھ میں رکھ کر اطاعت و جاں نثاری کا حلف کرتے تھے اور فوج کی بیعت بذریعہ امرا ہوتی تھی۔

غالب کو فوج دے کر روانہ کیا۔ جس وقت امیر غالب شہر سالم کے قریب پہونچا تو اس کو معلوم ہوا کہ عیسائی فوج بہ نسبت عربوں کے تعداد میں کہیں زیادہ ہے۔ مگر غالب توکل علی اللہ بغیر امداد طلب کیے ہوئے فوراً حملہ آور ہوا اور سخت معرکہ آرائی کے بعد تعاقب کنان فردلند کی ریاست کے بڑے حصہ کو تاراج کرتا ہوا قرطبہ واپس آیا۔ ہنوز اس مہم کا تصفیہ نہ ہونے پایا تھا کہ شانجہ ابن ردمیر بادشاہ لیون نے نہ فقط خود معاہدوں کے خلاف ورزی کا مرتکب ہوا بلکہ قرب وجوار کی دیگر عیسائی ریاستوں کو بھی نقض عہد پر آمادہ کیا۔ الحکم کو جب اس سازش کی اطلاع ہوئی یعلی بن محمد التجیبی حاکم سرقسطہ کو اس نقض عہد کے انسداد کا حکم دیا۔ غاشیہ بادشاہ جلیقیہ سے امداد کا خواستگار ہوا۔ بادشاہ مذکور مع اپنی فوج و خزانہ کے شانجہ پاس آیا اور دونوں مل کر عربوں کے مقابلہ کی غرض سے آگے بڑھے۔ لیکن شہر قورینہ کے قریب امیر التجیبی نے اس متحدہ فوج کو ایک ہی مقابلہ میں منتشر کر دیا۔ اسی اثنا میں برشلونہ اور قسطلہ سے بغاوت کی خبر پہونچی خلیفہ نے امیر التجیبی کو اہل برشلونہ اور ہذیل ابن ہاشم اور غالب کو الفونس رئیس قسطلہ کے مقابلہ کے واسطے مقرر کیا ان امرا نے اپنے اپنے فرائض منصبی کو نہایت حسن وخوبی سے انجام دیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں بھی عربوں کو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں اور بیرونی اور اندرونی عیسائی رؤسا کی قرار واقعی سرکوبی ہوتی رہی لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ مثل اس کے باپ اور دادا کے الحکم کو بھی عیسائیوں نے چین لینے نہیں دیا اور جب موقع ملا سرحد پر فساد برپا کرتے رہے۔ البتہ فرانس کے مہمات میں عرب خود ہی پیش قدمی کرتے تھے۔ ایک اصول کہ جس پر ان روزمرہ جھگڑوں سے نجات اور ان کی حکومت کے استحکام اور بقا کا تمام تر مدار تھا عرب نہایت سختی سے پابند تھے اور وہ اصول یہ تھا کہ مسلمان اس ملک میں اس کثرت سے بسائے جائیں کہ تعداد میں عیسائیوں پر غالب آجائیں۔ ۳۵۴ھ ہجری سے پھر سلسلۂ

جنگ شروع ہوا۔ امیر غالب نے البشکنس اور اوس کے صدر مقام قلمریہ کو اور قائد وشقہ[١] نے شہر قلوبیہ[٢] پر قبضہ کر کے ان دونوں ملکوں کو مسلمانوں کی آبادی سے معمور کر دیا۔ اس کے بعد امیر غالب ہم البتہ[٣] پر مامور کیا گیا۔ اس کے ساتھ دو مشہور جنگ آزمودہ امیر یعلیٰ بن محمد التجیبی اور قاسم ابن مطرف ذی النون بھی شریک تھے۔ ان تینوں امیروں نے اس ملک کو فتح کیا اور قلعہ عرماج[٤] کی جس کو نصاریٰ نے منہدم کر ڈالا تھا مکرر تعمیر کی اوسی سال یعنی ۳۵۵ھ میں مجوسیوں[٥] کے جہاز سواحل اندلس پر نمودار ہوئے اور شہر لشبونہ[٦] کے قریب اوتر کر گرد و نواح کے مقامات کو تباہ و تاراج کرنا شروع کیا لیکن وہیں کی متعینہ فوج نے بغیر مزید امداد طلب کئے ان کو اپنے حدود سے خارج کر دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع جب الحکم کو شہر قرطبہ میں پہونچی یہ مع فوج کثیر بذات خود لشبونہ آیا۔ یہاں پہونچکر اس نے پہلے سواحل کے استحکام اور مضبوطی کا بندوبست کیا اور متعدد قلعے لب دریا قائم کئے پھر اپنے قائد البحر عبد الرحمن رماحس کو حکم دیا کہ ایک بیڑا جنگی جہازوں کا لے کر مجوسیوں کا تعاقب کرے اگر مل جائیں تو اون کو زندہ نہ چھوڑے لیکن پھر ان کا پتہ نہ ملا صرف اس قدر معلوم ہوا کہ جن مختلف مقامات پر مجوسیوں نے جہازوں سے اوترنے کا قصد کیا تھا وہاں کی رعایا نے مار پیٹ کر ان کو ایسا بھگایا کہ پھر یہ لوگ کہیں نظر نہ آئے لشبونہ سے واپسی کے بعد الحکم کو قرطبہ میں خبر پہونچی کہ اردون[٧] بن اذفونش بغرض انقیاد و فرمانبرداری حاضر ہوا چاہتا ہے۔ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ خلیفہ عبد الرحمن الناصر نے اردون کو غاصب ریاست قرار دیکر شانجہ بن ردمیر کو سپرد جلیقیہ کی حکومت کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ خلیفہ مذکور کے مقابلے

---

[١] انگریزی میں ہویزکا کہتے ہیں [٢] سیور رومی اپنی تاریخ اندلس جلد ۴ باب ۲ میں لکھتا ہے کہ یہ قلعہ ہویزکا کے قریب تھا مگر اس مقام کا انگریزی نام نہیں معلوم ہوا۔ [٣] انگریزی میں الاوا کہتے ہیں۔ [٤] اسکوسان اسٹیوان ڈی گومار کہتے ہیں۔ عرب اس کو عرماج اور شنت اشتبین دونوں کہتے ہیں۔ [٥] انگریزی میں ان کو نارمنز کہتے ہیں۔ [٦] لسبن یہ اب پایۂ تخت ریاست پرتگال کا ہے [٧] جلیقیہ کا حکمران۔

میں اردون نے اپنے خسر فرولند بن غند شلب قومس قسطلہ سے مدد چاہی تھی الحکم نے بھی شانجہ بن ردمیر کی سرپرستی اور سابقہ معاہدوں کو قایم رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔اردون جس وقت اس خبر سے مطلع ہوا بحالت پریشانی صرف بیس مصاحبوں کے ساتھ بغرض اظہار عقیدت و ارادت مندی دارالخلافہ کا عازم ہوا۔چونکہ ان کے سرحد اندلس میں داخل ہونے کے اغراض کی اطلاع کسی کو نہ تھی اس لیے جب یہ لوگ مدینہ سالم کے قریب پھونچے امیر غالب الناصری نے ان لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکا اور بغیر اجازت حدود ممالک محروسہ میں اس طرح بغیر اطلاع داخل ہونے کی وجہ دریافت کی اُردون نے جس وقت امیر غالب کو بذات خود آتے ہوئے دیکھا مع اپنے ہمراہیوں کے گھوڑے پر سے اوتر پڑا اور امیر کے ہاتھ کو بوسہ دے کر کہا کہ "میں اپنے تئیں امیر المومنین کا ایک ادنی غلام سمجھتا ہوں اس لئے میں نے باضابطہ اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی اور اب میری دلی خواہش و تمنا یہ ہے کہ مجھکو اپنے خلیفہ کی دولت قدم بوسی حاصل ہو" مگر امیر غالب نے بغیر حکم ان کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی اور الحکم کو اس واقعہ کی مفصل اطلاع کی سلطان نے اردون کی درخواست کو منظور کیا اور کچھ فوج بغرض استقبال روانہ کی جس وقت اردون قریب دارالخلافہ پھونچا الحکم نے امیر ہشام المصحفی کو مع فوج اردون کو شہر میں لانے کے لئے بھیجا۔امرا فوج کی شان و شوکت اور فوج کی کثرت و آراستگی ہی کو دیکھ اردون اور اس کے ہمراہیوں کے حواس باختہ ہو گئے۔نظر حیرت و استعجاب سے یہ اس تماشہ کو دیکھتا تھا اور بسبب خوف کے ہر امیر کے سامنے گھوڑے سے اوتر کر اوس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا۔غرض جس وقت یہ قصر الزہرا کے باب الجنان کے سامنے پھونچا تو اس نے ایک امیر سے پوچھا کہ خلیفہ عبدالرحمن الناصرلدین اللہ کا مزار کس جگہ ہے۔جب روضہ بتایا گیا تو یہ فوراً گھوڑے پر سے اوتر پڑا۔اور ٹوپی کو ہاتھ میں لئے گھٹنوں کے بل قبر کے قریب جاکر بہت دیر تک سرنگون رہا اور پھر قصر الناعوارة کی طرف چلا۔

الحکم نے اپنے ملک وسلطنت کی عظمت وبزرگی کا سکہ ان عیسائیوں کے دلوں پر جمانے کی غرض سے ایک عالی شان دربار کیا جس کو اس نے بتوجہ خاص نادر وبیش قیمت سامان واسباب سے آراستہ کیا تھا انعقاد کا حکم دیا بروز شنبہ[1] الحکم نے اردون کو باریابی کی اجازت دی اوس روز تمام فوج لباس فاخرہ سے آراستہ راستہ کے دونوں جانب صف بستہ ایستادہ قصر شاہی میں خلیفہ تخت طلا پر جو بیش بہا جواہرات سے مرصع تھا بصد شان وشوکت رونق افروز اور سر پر چتر گوہر نگار سایہ فگن۔ سریر خلافت کے چپ وراست شہزادے بکمال ادب کھڑے علما[2] عصر وامرا سلطنت وارکان دولت اپنی اپنی جگہ پر حاضر علما جو اوس دربار میں حاضر تھے اون میں سب سے پہلے نظر منذر بن سعید البلوطی جو علوم فقہ وحدیث میں مشہور زمانہ اور الناصر کے زمانہ سے قاضی القضاۃ کے عہدے کو زیب دیتا تھا پڑتی تھی۔ خلیفہ کے تخت پر بیٹھنے کے کچھ دیر بعد اردون محمد بن القاسم بن طملس کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ قرطبہ کے معزز عیسائی اور اون کا قاضی مع دیگر افسر شل ولید بن خیرون اور عبداللہ بن قاسم المطران شرف باریابی سے سرفراز ہوئے جس وقت اردون قصر شاہی میں داخل ہوا اوس نے دیکھا کہ دو طرفہ فوج مسلح نہایت ہی مہذب باقاعدہ ایستادہ ہے۔ کثرت فوج کو دیکھکر حیران رہگیا اردون اس عجیب سماں کے مشاہدہ سے محو حیرت بنا ہوا اور ہر بار صلیب[3] کا نقشہ اشارے سے اپنے سینے پر بناتا ہوا باب القبہ تک پہونچا جہاں چند معزز اشخاص اسکے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ جب گھوڑوں پر سے اوترے اور پیادہ پا روانہ ہوئے لیکن اردون اور اسکے ساتھیوں کو محمد بن طملس نے اپنے ہمراہ گھوڑوں پر سوار رکھا دار الجندل کے قریب پہونچکر یہ دونوں گھوڑوں پر سے اوترے اور قصر میں داخل

---

[1] المقری نے سنہ اور تاریخ نہیں دی۔ غالباً یہ واقعہ سنہ ۳۶۳ھ کا ہے۔ [2] دربار میں علما کا درجہ امرا وارکان دولت سے پہلے تھا۔ [3] عیسائیوں کا ایک فرقہ جن کو رومن کیتھلک کہتے ہیں برکت سمجھکر اور بعض وقت حالت استعجاب میں اپنے سینوں پر اشارہ سے صلیب کی شکل بنا لیتے ہیں۔

ہوئے اور ایک چبوترے پر کہ جس پر کارچوبی فرش بچھا ہوا تھا تا انتظار حکم خلیفہ عیسائی بٹھا دئے گئے
چند لحظوں کے بعد اردون کو اندر آنے کا حکم ہوا یہ مع اپنے ہمراہیوں کے اوس مقام کے قریب
پہونچا جہاں الحکم تخت پر بیٹھا تھا اس مکان کی شان و شوکت کو دیکھ کر ایسا متحیر ہوا کہ سر پر سے
ٹوپی اوتار لی اور کچھ دیر تک سر برہنہ کھڑا رہا۔ ملازمین نے اس کو آگے بڑھنے کے لئے اشارہ کیا۔
جب یہ قریب تخت کے پہونچا اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر نہایت ہی ادب سے زمین کو
بوسہ دیا اور پھر آگے بڑھ کر اوسی طرح زمین کو بوسے دیتا ہوا اوس مقام پر پہونچا کہ جو اس کے لئے مقرر
کیا گیا تھا یہاں سے اوس نے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اسی طرح پیچھے ہٹتا ہوا سنہری کرسی پر جا بیٹھا
ملازمین کے اشارے کے موافق اس کے ہمراہیوں نے بھی یکے بعد دیگرے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ
دیا اور اسی طرح پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے بادشاہ اردون کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔ رعب سلطانی
اور داب شاہی کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے ان کی کچھ کھلی کچھ بند ٹمٹماتی آنکھوں سے
معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔ اردون نے کئی بار ولید ابن خیرون کے اشارے
پر بولنے کی کوشش کی لیکن ایک حرف بھی اس کی زبان سے نہ نکلا۔ الحکم اس کی یہ حالت
دیکھ کر کچھ دیر خاموش رہا تاکہ اس کو اپنے ہوش و حواس درست کرنے کا موقع ملے۔ بعد ازاں
خلیفہ نے اردون کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "اے اردون ہم تیرے یہاں آنے سے
بہت خوش ہوئے اور امید کرتے ہیں کہ تیری خواہشات پوری ہوں گی ہماری اس قدر عنایت و
الطاف خسروانہ سے جن کی تجھے امید بھی نہ ہو گی تجھ پر ثابت ہو گیا ہو گا کہ ہم تیرے سچے دوست
ہیں اور نیک رائے اور مشورہ دینے کے لئے ہر وقت موجود ہیں"۔ جب خلیفہ کی اس تقریر کا ترجمہ
ولید بن خیرون قاید نصاریٰ نے اردون کو سنایا قریب تھا کہ فرط خوشی سے شادی مرگ ہو جائے
اس نے فوراً کرسی سے اوٹھ کر تخت کے سامنے نہایت ادب سے زمین کو بوسہ دیا اور عجز و انکسار

کے ساتھ عرض کیا کہ" اے سردار میرے میں امیر المومنین کا ایک ادنیٰ غلام ہوں جس کی زیارت جمال اور نیز جو ظلم و تعدی کہ مجھ پر گزرا ہے اپنے مالک کے گوش گزار کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں خوشا نصیب میرے اگر امیر المومنین میری اس درخواست کو قبول فرمائیں اور مجھ کو زمرۂ غلامان شاہی میں شریک کر کے عزت بخشیں میں جائز درخواستیں لے کر صدق دل سے حاضر ہوا ہوں"۔ الحکم نے جواب دیا کہ "ہم تجھکو اپنے خیر خواہان دولت میں شمار کرتے ہیں اور ہم بخوشی تمام تیری ان درخواستوں کو منظور کرتے ہیں جس سے تیری عزت و آبرو تیرے ہم عصر و ہم پلہ رؤسائے نصاریٰ میں زیادہ ہو بیان کر کہ وہ درخواستیں کیا ہیں" اس جواب کا ترجمہ شاہ اردون نے سُن کر پھر زمین کو بوسہ دیا اور دیر تک اسی طرح سربسجود پڑا رہا۔ پھر عرض پرداز ہوا کہ" یا امیر المومنین اوس واقعہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ جب میرے چچازاد بھائی شانجہ نے اسی شہر دارالخلافہ میں حاضر ہو کر خلیفہ الناصر لدین اللہ کو اپنا بادشاہ اور اپنا سرپرست گردانا تھا اور اوس زبردست معاون نے فوراً مثل مشہور خلفائے سابق کے شانجہ کو بے یار و مددگار دیکھ کر اس کی مدد کی تھی لیکن شانجہ نے اپنی خواہش سے نہیں بلکہ بوجہ مجبوری امیر المومنین کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کی تھی۔ یہ واقعہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اوس کی رعایا نے اوس کی طرز حکومت اور جابرانہ برتاؤ سے بددل و متنفر ہو کر مجھ کو اپنا بادشاہ بنایا خدا گواہ ہے کہ نہ مجھ کو تخت و تاج کی خواہش تھی اور نہ میں نے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن جب میری رعایا نے بتضرع و زاری مجھکو مجبور کیا تو مجھ کو بھی اُن کی حالت زار پر رحم آیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد جنگ شانجہ کو دارالخلافہ میں پناہ لینی پڑی لیکن سلطان عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ نے اس کو ریاست واپس دلا دی اور میری سچی خیر خواہی اور فرمانبرداری پر لحاظ نہیں فرمایا میں نے بھی بخوشی تمام خلیفہ کے فیصلہ کو منظور کر لیا اس لئے کہ میں اوس کو مثل تیرے اپنا بادشاہ سمجھتا تھا۔ شانجہ بوجہ مجبوری اپنی رعایا کو اپنی حکومت سے ناراض

اور اپنے اخراج پر آمادہ پاکر یہاں آیا تھا اگر میں اپنی خواہش دلی و رضائے قلبی سے حاضر ہوا ہوں۔ نہ تو رعایا مجھ سے ناراض اور نہ اخراج کا مجھکو خوف ہے میرے آنے کا منشا یہ ہے کہ میں اپنے کو مع رعایا اور ملک تیرے سپرد کردوں امید ہے کہ امیرالمومنین ہم کو اپنے ظل عاطفت میں رکھنا منظور فرمائیں گے۔" الحکم نے جواب دیا کہ "ہم نے تیری اس تقریر کو غور سے سنا اور تیرے منشا و مطلب کو خوب سمجھے اس میں شک نہیں کہ میرے باپ کے زمانے میں شانجہ نے یہاں آکر اطاعت و فرمانبرداری قبول کی تھی لیکن یہ کوئی وجہ نہیں ہو کہ ہم فیصلہ سابق کو انصاف و معدلت کے مقابلہ میں بحال رکھیں اگر تیرے حقوق بہ نسبت شانجہ کے ہم کو مرجح معلوم ہوں گے تو ہم ضرور تیری مدد کریں گے اور تیرے ملک کو واپس دلادیں گے اور بذریعہ اپنی سند شاہی کے تجھ کو اوس ریاست کا حاکم مقرر کریں گے۔" یہ مژدۂ جان فزا سُن کر اردون نے فرط خوشی میں نہایت ادب کے ساتھ زمین کو بوسہ دیا اور پھر دست بستہ اوس ہی جگہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ خلیفہ نے دربار کے برخاست کا اشارہ کیا اردون ملازمین کے اشارہ سے اوسی طرح پیچھے ہٹتا ہوا دربار کے باہر اوس جگہ آیا جہاں خواجہ سرا وغیرہ اس کو دوسرے مکان میں لیجانے کے لئے حاضر تھے۔ یہ لوگ اس کو قصر کے اوس مغربی حصہ کی طرف لے گئے جہاں سے یہ سبز و شاداب باغوں کا تماشا دیکھ سکتا تھا۔ اس کے اور اس کے ہمراہیوں کے چہروں سے ظاہر تھا کہ اس نادر اور خوبصورت اور مشیّن قصر نے اور دربار کی شان و شوکت نے جس سے اس عظیم الشان سلطنت کا عظمت و جلال ظاہر ہوتا تھا۔ ان کے دلوں پر کس قدر اثر کیا ہے۔ قبل اس کے کہ اردون بالاخانہ پر پہونچتا یہ ایک مقام سے گزرا جہاں ایک تخت شاہی جس پر جواہر نگار غلاف پڑا ہوا تھا۔ اردون نے خالی تخت کے سامنے جاکر زمین کو بوسہ دیا اور دیر تک مودب اس طرح کھڑا رہا جیسے کہ خلیفہ خود اس تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے بعد جب یہ اپنی قیامگاہ پر آیا تو حاجب جعفر ابن مصحفی نے اس کو کامیابی کی مبارکباد دی اور سلطان کی جانب سے ایک خلعت سکلف مع ایک جواہر نگار کمر بند کے عطا کیا جس کو دیکھ کر ان وحشی سرشتوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

اوس کے ساتھیوں کو بھی خلعت ہائے فاخرہ سے سرفراز کیا الحکم نے اردون کی چرب زبانی اور خوشامد آمیز تقریر پر بھروسہ نہیں کیا اور اس کے بیٹے غرسیہ کو یرغمال میں لیا تاکہ جو وعدے کہ اس نے کئے تھے اون کی تعمیل و تکمیل میں پہلو تہی نکرنے پائے۔

ادہر تو اردون خوش و خرم اپنے ملک روانہ ہوا اور ادھر شانجہ بن ردمیر کو یہ خبر وحشت اثر پھونچی کہ خلیفہ نے اس کے مخالف سے صلح کر لی ہے۔ حالتِ یاس و نومیدی میں اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ سب کی یہی رائے ہوئی کہ اس وقت عربوں کی مخالفت خلاف دانش ہے بہتر یہی ہے کہ شانجہ بھی اپنے سر کو الحکم کے قدموں پر رکھدے اور وہ وعدے کہ جو عبدالرحمن الناصر لدین اللہ نے اس کے ساتھ کئے تھے یاد دلا دے ممکن ہے کہ خلیفہ اس کی درخواست منظور کرلے چنانچہ شانجہ نے اپنی اور جلیقیہ اور سمورہ کے تومیسن کی جانب سے ایک عریضہ امیرالمومنین کی خدمت میں بایں مضمون روانہ کیا کہ "ہم لوگ خیر خواہان دولت بنی اُمیّہ ہیں اور امیرالمومنین کو اپنا بادشاہ اور سرپرست سمجھتے ہیں مثل خلفائے سابق کے ہم کو خلیفہ سے یہی امید ہے کہ ہم موروثی خیر خواہوں کو تا دمِ مرگ مدد ملتی رہے گی"۔ اس درخواست کو الحکم نے اس شرط سے منظور کیا کہ تمام سرحدی قلعہ منہدم کر دئے جائیں اور اس امر کی احتیاط کی جائے کہ بدمعاش عیسائی ممالک محروسہ میں داخل ہو کر مسلمانوں کو پریشان نہ کرنے پائیں۔ شانجہ نے اس شرط کو قبول ہی نہیں کیا بلکہ حکم کی فوراً تعمیل کر دی۔

ان واقعات کے بعد برشلونہ اور طرکونہ و دیگر ممالک کے بادشاہوں نے بھی سابق کے معاہدوں کی تجدید کی درخواست کی اور بیش بہا تحائف خلیفہ کی خدمت میں روانہ کئے۔ الحکم نے جواب دیا کہ یہہ درخواستیں ہم اوسی وقت منظور کریں گے کہ جب تم لوگ مثل دوسرے بادشاہوں کے حسب ذیل شروط قبول و منظور کرو گے۔

(۱) ممالک محروسہ کی سرحد کے قریب جتنے قلعہ قائم کئے گئے ہیں منہدم کر دیئے جائیں۔

(۲) عیسائی ہماری سرحد میں داخل ہو کر مسلمانوں کو پریشان نہ کرنے پائیں۔

(۳) اگر کوئی عیسائی بادشاہ ہمارے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو تو اوس کی مدد نہ کریں۔

(۴) اگر کوئی عیسائی ہم سے جنگ کا قصد کرے تو اوس کو اپنے ارادہ سے باز رکھیں۔

ان عیسائیوں میں اتنی کہاں ہمت تھی کہ وہ ان شرائط پر کسی قسم کا اعتراض کرتے شرائط کو بمنزلہ حکم کے مان کر فوراً منظور کر لیا۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی غرسیہ بن شانجہ والی البشکنس نے بھی اپنے مذہبی علماء اور رئوسین کو بھیجکر آیندہ اطاعت و فرمانبرداری کا وعدہ کیا۔ باوجود بغاوت سابقہ خلیفہ نے اس کی خطاؤں کو معاف اور اس کی درخواست اور تحائف کو منظور کیا القومس لذریق ابن بلاشک کی ماں بھی قرطبہ بغرض ملاقات آئی الحکم نے اسکی بہت کچھ خاطر و مدارات کی اور اس کی خواہشوں کو پورا کیا غرض قریب و بعید کا کوئی عیسائی بادشاہ ایسا نہ تھا جس نے خلیفہ اندلس کے ساتھ مراسم دوستی اور اتحاد قایم کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

یہاں تو یہ واقعات پیش تھے لیکن افریقہ کی حالت دگرگوں ہوتی جاتی تھی۔ یہ ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں کہ ابو عیش کی وفات کے بعد الحسن ابن اکنون اوس کا بھائی یہاں کے تخت پر بیٹھا تھا۔ یہ بنی امیہ کا مطیع اور خیر خواہ بنا رہا یہاں تک کہ خلفائے اندلس کا خطبہ بھی اپنے ملک میں جاری کیا تھا۔ اوسی زمانہ میں بلکین بن زیری ابن مناد ایک شریر امیر نے فوج کثیر کے ساتھ مغرب الاقصیٰ پر حملہ کیا اور ایک بہت بڑے حصۂ ملک کو اپنے قبضہ میں کر لیا لیکن بنی امیہ کی حکومت کو چنداں ضرر نہیں پہونچا اور نہ اس ملک کی حالت میں زیادہ تغیر و تبدل واقع ہوا مگر جب معز ابن اسمٰعیل تخت بنی فاطمہ پر متمکن ہوا اور اس نے سنا کہ مغرب الاقصیٰ میں بنی امیہ کی قوت روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے اس نے امیر جوہر کو یورش کا حکم دیا۔ اوس وقت شہر طنجہ میں منجانب بنی امیہ یعلی ابن محمد حاکم مقرر تھا۔

امیر جوہر کی یورش کی خبر سُن کر یہہ امیر بھی اوس کے مقابلے کی غرض سے آگے بڑھا عین میدان جنگ میں جب امیر یعلی ابن محمد نے دیکھا کہ کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں اور فوج کو شکست مل چکی ہے اس نے تنہا فوج دشمن پر مردانہ وار حملہ کیا اور شہید ہوا۔ اس کامیابی کے بعد امیر جوہر نے شہر فاس کو فتح کیا اور حاکم شہر کو قتل کر کے ملک کو تاراج کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ جس وقت اس حادثۂ عظیم کی اطلاع قرطبہ پھونچی مسلمانون کو بے انتہا رنج ہوا الحکم نے فوراً امیر غالب کو اس حکم کے ساتھ مع فوج روانہ کیا کہ بغیر ملک فتح کئے اندلس واپس نہ آئے۔ امیر غالب ۳۶۲ھ میں جب افریقیہ پھونچا اس نے سنا کہ الحسن ابن کنون قلعہ حجر النصر میں موجود ہے یہ پہلے وہیں آیا اور قلعہ کو فتح اور الحسن کو گرفتار کر کے شہر فاس کی طرف متوجہ ہوا جس کو باسانی فتح کر لیا۔ غرض ایک سال کے عرصہ میں اس نے تمام ملک پر بنی اُمیّہ کی حکومت قایم کر دی اور سوطا ہوتا ہوا ۳۶۳ھ میں مع قیدیوں کے اندلس واپس آیا۔ الحکم کی اوس وقت مسرت کا کیا پوچھنا تھا جس وقت یہہ امیر قریب دار الخلافہ کے پھونچا خلیفہ نے امرار سلطنت کو مع فوج اس کے استقبال کے لئے بھیجا اور شہر کے دروازہ کے باہر بذات خود اپنے لائق افسر فوج کو لینے گیا۔ خلیفہ مع وزرا اور ارکان دولت کے سر سے پا تک مسلح سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ امیر غالب سرنگ گھوڑے پر سوار زرہ بکتر فولادی پہنے ہوئے سامنے سے نمودار ہوا۔ امیر کے دست راست کی جانب الحسن تھا۔ جس وقت ان دونوں نے امیر المؤمنین کو بغرض استقبال آتے دیکھا گھوڑوں پر سے اوتر پڑے اور خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ الحکم خندہ پیشانی کے ساتھ الحسن سے ملا۔ بلکہ اوسی وقت اوس کی اور اوس کے ساتھ تمام قیدیوں کی خطاؤں کو معاف اور اون کو انعام و خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا

الحکم علم و کمال کا عاشق اور صاحب علم و فن کو بدل عزیز رکھتا تھا اہل کمال بھی دور دور سے اس کی بیدار مغزی اور قدر دانی کی تعریف سن کر اندلس میں اقامت اختیار کرنے کی غرض سے آتے اور ملازم ہو جاتے تھے۔ چنانچہ قلیل عرصہ میں اس کا دربار مشہور علمائے وقت اور کملائے عصر سے

معمور ہوگیا۔ یہاں ہم اس کے دربار کے چند مشہور علماء کا بہت مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں۔

ابو علی القالی بغدادی جو عبدالرحمٰن کے زمانہ حکومت میں اندلس آیا تھا نہایت نامی عالم تھا الحکم اس کو اپنے پاس سے ایک دم بھی جدا نہ کرتا تھا اس کی صحبت سے جو کچھ فیض اس کو پہونچا تھا اوس پر فخر و ناز کرتا تھا۔ کتاب الامالی اس کی معروف تصنیف ہے۔

ابوبکر الازرق خاندان سلمہ بن خلیفہ عبدالملک ابن مروان سے اور اپنے زمانے میں سر برآوردہ عالم تھا۔ ۳۴۳ھ میں قاہرہ سے افریقہ آیا۔ جب یہ قیروان پہونچا اہل تشیعہ نے جو کہ وہاں حکمران تھے اس کو بجبر مذہب بدلنے پر مجبور کیا۔ جب اس نے صاف انکار کیا تو یہ مہدیہ کے تاریک جیل خانہ میں قید کر دیا گیا جہاں روزانہ روحی اور جسمانی ہر طرح کی تکلیف اس کو پہونچائی جاتی تھی لیکن جب شیعوں نے اس کو اپنے مذہب پر مضبوط اور ثابت قدم پایا تو ناچار رہا کر دیا۔ بعد رہائی یہ ۳۴۹ھ میں اندلس آیا اور دار الخلافہ قرطبہ میں قیام پذیر ہوا الحکم نے اس کے علم و کمال کی شہرت سن کر اس کو اپنے علمائے دربار میں جگہ دی۔ ابوبکر ۳۲۹ھ میں بمقام قاہرہ پیدا ہوا اور ماہ ذیقعدہ ۳۸۵ھ میں قرطبہ میں انتقال کیا۔

ظفر البغدادی اپنے زمانہ کا مشہور نام برآوردہ خوشنویس تھا۔ بغداد سے قرطبہ آیا اور اس ہی کو اپنا وطن بنایا گو اس وقت الحکم کے دربار میں عمدہ سے عمدہ خوشنویس مثل القیاس ابن عمر الصیقل اور یوسف البلوطی وغیرہ موجود تھے لیکن ظفر کا خط خلیفہ کو اس قدر پسند آیا کہ یہ نوکر رکھ لیا گیا اور کتابوں کے لکھنے اور نقل کرنے کا کام اس کے سپرد ہوا۔

اسمٰعیل ابن عبدالرحمٰن ابن علی القریشی کا سلسلہ عبد ابن زمع سوادہ ام المومنین کے بھائی سے ملتا تھا قاہرہ سے اندلس آیا اور شہر اشبیلیہ میں سکونت اختیار کی الحکم نے اس عالم اور مصنف کی بھی بہت قدر کی اور اپنے دربار میں شریک کیا۔

گو اندلس کے خلفائے سابق بھی اکثر علم و فن کے بہت قدر دان اور ماہر گزرے لیکن الحکم کو

علم ادب اور فلسفہ[1] سے ایک خاص مناسبت اور دلچسپی تھی۔ باوجودیکہ اوس زمانہ کے مشہور علماء کو اس نے
اپنے گرد جمع کیا تھا لیکن اس کا بھی پایۂ علم اون سے کچھ کم نہ تھا۔ اس نے اندلس کو معدن ہر قسم کے
علم وکمال کا بنا رکھا تھا کوئی کتاب کسی علم میں ایسی نہ تھی جو اندلس میں نہ ملتی ہو خلیفہ بے دریغ روپیہ خرچ
کر کے مصنفین سے کتابیں خرید کرتا تھا اور اپنے ملک میں مشتہر کراتا تھا گو وہ مصنف مشرق الاقصیٰ کا
رہنے والا کیوں نہ ہو لیکن اوس کی تصنیف پہلے اندلس ہی میں شائع ہوتی تھی اور یہیں سے دیگر ممالک
میں اشاعت پاتی تھی۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی کو اصفہان اور ابوبکر المالکی کو جس نے ابن عبدالحکم
کی مشہور کتاب المختصر کی شرح لکھی تھی ایک ایک ہزار دینار سُرخ بھیجکر اون کی تصانیف منگا بھیجیں۔
سب سے پہلے یہ کتابیں اندلس میں شائع کی گئیں۔ مذکورہ بالا مثالیں ہم نے بطور نظیر کے دی ہیں
ورنہ کوئی مصنف شرق اور غرب میں ایسا نہ تھا جس کو زر کثیر بھیجکر سلطان نے ازراہ قدردانی بلانہ
بھیجا ہو یا اوس کی کتاب خرید کر اندلس میں شائع نہ کی ہو اس کے کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں نفیس
اور عمدہ جلدوں سے آراستہ موجود تھیں جن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے میں چھ
مہینہ صرف ہوتے تھے اس کتب خانہ کے ساتھ اگر کوئی کتب خانہ ٹکر کھاتا تھا وہ خاندان عباسیہ کے
سلطان الناصر ابن مستضئ باللہ کا کتب خانہ تھا جس کو ہلاکو خان نے تاراج کیا اور اندلس کا کتب خانہ
اہل بربر کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ کتب خانہ مختلف فنون پر منقسم تھا ہر فن کی کتب کا انتظام اُن ہی لوگوں
کے سپرد تھا جو اوس فن میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ قاسم ابن اصبغ اور احمد ابن دحیم اور محمد ابن عبدالسلام
اور زکریا ابن خطاب اور ثابت ابن قاسم کہ علاوہ نگرانی کتب خانہ خلیفہ کی اُستادی کا بھی شرف حاصل تھا۔
الحکم خود علم تاریخ اور علم الرجال اور معدنیات میں کامل دستگاہ رکھتا اور ان علوم میں یہ اعلیٰ
درجہ کا مصنف مانا جاتا تھا اس کے شوق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں کوئی

---

[1] علوم فلسفہ نے الحکم کے زمانہ میں اندلس میں اشاعت پائی۔

ایسی کتاب نہ تھی جس پر اس کے خاص قلم کا حاشیہ نہ ہو۔ علاوہ علمائے مذکورہ بالا کے ابو عبداللہ محمد ابن عبدون العذری اس کا ایک خاص طبیب تھا جس نے ایک مدت دراز تک مصر میں بکر اس فن کو حاصل کیا اور ایسا نامی ہوا کہ دور دور سے لوگ بغرض علاج اس کے پاس آتے تھے۔ ابو عبداللہ محمد ابن مفرج نے علم فقہ اور حدیث میں نام پیدا کیا تھا۔ ابن مغیث اور احمد ابن عبدالملک اور ابن ہشام القومی اور یوسف ابن ہارون اور ابوالولید یونس اور احمد ابن سعید ابن ابراہیم الہمدانی شعر و سخن کی خدائی کا دعویٰ کرتے تھے۔ محمد ابن یوسف التاریخی نے جو الورق یعنی کاغذ فروش کے لقب سے بھی مشہور ہے الحکم کے حکم سے ایک صحیح تاریخ ملک افریقہ کی مع جغرافیہ لکھی تھی عیسیٰ ابن محمد ابوالاصبغ اور ابو عمر احمد ابن فرج اور یعیش ابن سعید ابن محمد ابو عثمان۔ اندلس کے نامی مورخ تھے ان علما اور مصنفین کی تصانیف سے الحکم کا کتب خانہ مزین تھا۔

الحکم ثانی المستنصر باللہ نہایت ہی رحم دل اور منصف مزاج بادشاہ تھا یہ آخر زمانہ میں کتب بینی اور تالیف و تصنیف کی طرف اس قدر مشغول بلکہ محو ہوا کہ انصرام سلطنت اپنے وزرا اور ارکان دولت پر چھوڑ دیا تھا یہ لوگ حکومت کے شائق خلیفہ کو بالکل بے فکر اور دوسرے اشغال میں مصروف دیکھکر جو جی چاہتا تھا کر بیٹھتے تھے۔ آپس کے بغض و حسد نے اہم معاملات کی طرف مثلاً سرحدی انتظام اور نصاریٰ کی بغاوت کی نگہبانی سے بالکل بے خبر کر رکھا تھا۔ چونکہ عبدالرحمن ثالث نے اپنے زمانۂ حکومت میں وہ رعب عیسائیوں کے دلوں پر جمایا تھا جس کا اثر قلیل زمانے میں زائل نہیں ہو سکتا تھا اسی وجہ سے الحکم کے عہد حکومت میں کوئی ایسا نقص واقع نہیں ہوا جس کا اثر فی الفور ظاہر ہو جاتا لیکن اس کے بعد ان افسوسناک واقعات کا سلسلہ شروع ہوا جس سے یہ عظیم الشان سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔

الحکم نہایت پابند مذہب اور متشرع آدمی تھا نماز جمعہ ہمیشہ مسجد قرطبہ میں اپنی رعایا کے

ساتھ پڑھا کرتا تھا اور علما، اور حکام عدالت کو تاکیدی حکم دے رکھا تھا کہ اس کے قلمرو میں کسی فرد بشر سے کوئی فعل خلاف شرع سرزد نہ ہونے پائے۔ بالخصوص شراب پینے والوں اور شراب فروشوں کے لئے سنگین سزائیں مقرر کی گئیں تھیں۔ کروروہا روپئے مدارس اور مساجد پر خرچ کیا گیا تھا۔ حمام اور سرائیں اور آبدار خانے اور تجارت گاہیں تمام ممالک محروسہ میں بخرچ سرکاری قایم کی گئیں تھیں۔ رحم دل اس قدر تھا کہ اکثر عدول حکمی سے چشم پوشی کرجاتا تھا چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابوابراہیم نامی فقیہ اپنے مکان کے قریب کی مسجد ابوعثمان میں جس کا یہ امام بھی تھا وعظ بیان کر رہا تھا علما، اور طلبا، ہزارہا آدمی جمع تھے۔ ابوالقاسم ابن مفرج کا بیان ہے کہ" باوجودیکہ مجھ کو ابوابراہیم کے خیالات سے بہت کچھ اختلاف تھا لیکن اوس روز اتفاقاً میں بھی شریک مجلس وعظ تھا۔ ہم لوگ باادب خاموش بیٹھے ہوئے سن رہے تھے کہ اتنے میں سلطانی خواجہ سرا مسجد میں آیا اور ابوابراہیم سے نہایت ادب سے سلام کے بعد کہا کہ امیرالمومنین نے تجھ کو اسی وقت حاضر ہونے کا حکم دیا ہے اور باہر تیرا انتظار کر رہا ہے اس واعظ نے جواب دیا کہ میں ضرور امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کرتا لیکن تو خود دیکھتا ہے کہ میں خانۂ خدا میں اپنے معبود برحق کے کام میں مشغول ہوں جب تک کہ میں یہاں سے فراغت حاصل نہ کرونگا دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا تو یہی جا کر امیرالمومنین کی خدمت میں عرض کردے" یہ کہکر ابراہیم نے پھر وعظ شروع کر دیا۔ خواجہ سرا نہایت متعجب ہوا اور ڈرتے ڈرتے خلیفہ کو یہ جواب پہونچایا۔ اور پھر مسجد میں آکر ابوابراہیم سے کہا کہ امیرالمومنین نے بعد سلام یہ کہلا بھیجا ہے کہ "میں یہ سُن کر بہت خوش ہوا کہ تو خدا کے کام میں بدل مصروف ہے۔ بعد ختم وعظ دربار میں حاضر ہو" ابوابراہیم نے جواب دیا کہ" بوجہ کبرسنی نہ میں پیدل چلنے کی طاقت رکھتا ہوں اور نہ گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہوں۔ باب السدۃ تک آنا محال ہے لیکن باب الصنع اس مسجد سے قریب ہے اگر امیرالمومنین

لہ عبدالرحمٰن ثالث نے باوجود بیدریغ داد و دہش اور رفاہ عام کے کاموں پر روپیہ صرف کرنے کے بوقت انتقال دو کرور دینار سرخ خزانہ میں چھوڑے تھے (فی دینار سرخ تقریباً تیرہ روپیہ سکۂ حیدرآباد دکن کا ہوگا) (ہسٹری آف دی عرب مصنفہ نکلسن صفحہ ۱۴۱ طبع ۱۹۰۷ء

براہ ِکرم خسروانہ اس کے کھولنے کا حکم دیں تو میں بلا تکلیف جسمانی دربار میں حاضر ہو سکتا ہوں"۔ خواجہ سرا نے یہ جواب بھی خلیفہ کو پہونچایا اور آ کر کہا کہ امیر المومنین نے تیرے حسب استدعا اسی دروازے کے کھولنے کا حکم دیا ہے۔ یہ کہکر خواجہ سرا وہاں بیٹھ گیا ابوابراہیم نے باطمینان تمام اپنے وقت مقررہ پہ وعظ کو ختم کیا اور خواجہ سرا کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا اور پھر اسی دروازے سے اپنے گھر واپس آیا۔ ابوالقاسم اسی سلسلے میں مقرر ہے کہ باب الصنع کو جو ہمیشہ بند رہتا تھا اور خاص خاص موقعوں پر کھولا جاتا تھا اسی شب کو کھلا دیکھا تھا جہاں شاہی ملازمین ابوابراہیم کے انتظار میں کھڑے تھے۔ الحکم ثانی المستنصر باللہ سنہ ۳۰۲ھ میں پیدا ہوا اور سنہ ۳۶۲ھ م سنہ ۹۷۶ء میں ترسٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

ہشام ثانی کی تخت نشینی۔ المغیرہ کا قتل جعفر ابن عثمان المصحفی المنصور اور اوس کی سازشیں۔ اسکا انتظام مملکت۔ نصاریٰ کے ساتھ جنگ۔ زہری ابن نہاد ہشام اور علم و فن عبدالملک ابن منصور۔ عبدالرحمٰن بن المنصور۔

الحکم نے انتقال سے قبل اپنی جانشینی کے لیئے ہشام کا انتخاب کیا تھا جس کی عمر اس کے انتقال کے وقت تقریباً گیارہ برس کی تھی خلیفہ کی مدت سے دلی خواہش یہی تھی کہ ہشام اس کے بعد تخت و تاج کا وارث سمجھا جائے لیکن اس کی کم سنی اور ناتجربہ کاری کے باعث اس پر ایک طرح کی مایوسی چھا گئی تھی۔ بعد غور و تامل الحکم نے اپنے انتقال سے چند ماہ قبل اپنے تمام امرائے دولت اور ارکان سلطنت کو جمع کیا اور ان سب سے حلفی وعدہ کیا کہ بعد اسکے یہ لوگ ہشام کی اطاعت و فرماں برداری سے منحرف نہ ہوں حلف نامہ پر ان سبکی دستخطیں لے کر حاجب المصحفی اور معتمد سلطنت محمد بن ابی عامر کو اپنی زوجہ سلطانہ صبح کی نگرانی میں جو نہایت لائق اور سمجھدار عورت تھی ہشام کا اتالیق مقرر کیا پس الحکم کی اس نصیحت کے موافق ہشام ثانی المؤید باللہ ۳۶۶ھ مطابق ۹۷۶ء میں اپنے موروثی تخت پر بیٹھا لیکن جس وقت الحکم جان بحق تسلیم ہوا بعض ملازمین اور امرا نے ہشام کے خلاف اور اوس کے چچا المغیرہ کی تائید میں سازش شروع کی۔ چنانچہ ادہر تو خلیفہ کا دم نکلا اور ادہر دو خواجہ سراؤں نے جن کے نام فایق اور جوذر تھے آپس میں یہ اتفاق کیا کہ اگر یہ کم عمر لڑکا تخت نشین ہوا تو جعفر المصحفی ہمارے

ارادوں کو کبھی پورا نہیں ہونے دے گا بلکہ ہم کو بے کار کردے گا۔ مناسب یہی ہے کہ ہشام کے چچا المغیرہ کو تخت پر بٹھا دو اور المصحفی کو موقع پاکر قتل کر ڈالو"۔ جوذر نے المغیرہ کے انتخاب سے تو پوری خوشنودی ظاہر کی لیکن المصحفی کے متعلق بیان کیا کہ محسن دیرینہ کا قتل مناسب نہیں۔ فایق نے جواب دیا کہ سوائے اس کے اور کوئی چارا نہیں کہ المصحفی مار ڈالا جائے۔ بعد اس کے ان دونوں نے جعفر المصحفی کو الحکم کے انتقال کی اطلاع کی اور المغیرہ کو تخت پر بٹھانے کی رائے دی۔ جعفر ایک جہاں دیدہ اور مدبر آدمی تھا۔ ان خواجہ سراؤں کے اصل مطلب پر فوراً جا پہونچا اور یہ جواب دیا کہ "ایسے وقت نازک میں جو تمھاری رائے مصلحت اندیش ہو اوس پر کاربند ہو چونکہ تم لوگ بحیثیت معتمد خانگی بہت کچھ وقعت اور قوت رکھتے ہو اور میرا کام یہ ہے کہ تمھارے حسب منشا کام کروں"۔ یہ کہکر المصحفی قصر شاہی سے باہر آیا اور تمام فوج اور افسران فوج کو اسی حادثہ عظیم کی اطلاع کی۔ فایق اور جوذر کی سازش سے سب کو آگاہ کیا اور کہا کہ "اگر ہم اپنے آقائے مرحوم کے وارث حقیقی کو اوس حق سے محروم کریں گے تو دین و دنیا دونوں میں سوائے بدنامی اور رسوائی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ امرا اور ارکان دولت پہلے ہی ہشام کی اطاعت کا حلف لے چکے تھے المصحفی نے ان ہی کی مشورہ سے فوراً المغیرہ کے مکان پر محمد ابن ابی عامر[1] کو ایک دستہ فوج کے ساتھ بھیجا اور یہ حکم دیا کہ اس کو فوراً قتل کر ڈالے۔ جب ابی عامر نے المغیرہ کو خلیفہ کے انتقال اور ہشام کی تخت نشینی کی خبر پہونچائی تو اوس کو ان واقعات سے بے خبر پایا۔ المغیرہ دفعتاً خلیفہ کے انتقال کی خبر سن کر سخت پریشان ہوا اور جواب دیا کہ میں اپنے نئے آقا کی بجا آوری احکام اور خیر خواہی کے لئے حاضر ہوں۔ اس خلاف امید خیر خواہانہ جواب سے ابی عامر بہت

---

[1] محمد ابن ابی عامر کا سلسلہ نسب عبدالملک المعافری سے ملتا ہے جو طارق کے ہمراہ اندلس کے فتح کرنے میں شریک تھا ابن ابی عامر کا لقب المنصور تھا۔ اس کا باپ عبداللہ فقیہ اور محدث تھا لیکن ابی عامر کے عروج تک اسکی حسب و نسب سے کوئی واقف نہ رہا تھا۔ اسکی ترقی سلطانہ صبح کی وجہ سے ہوئی جس کا یہ عرصہ تک خانگی ملازم رہا۔ (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

متفکر ہوا اور المصحفی کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ جواب یہ آیا کہ "فوراً قتل کر ڈالو اور اگر تم کو اس حکم کی تعمیل میں کچھ عذر ہے تو میں دوسرے کو روانہ کرتا ہوں" چنانچہ المغیرہ مار ڈالا گیا۔

المغیرہ کے قتل کے بعد ابی عامر نے ہشام کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کی اور جب دیکھا کہ المصحفی اور امیر غالب جیسے وزرا اور امرائے باوقعت کے مقابلے میں اپنے دلی مقصد کو پہونچنا غیر ممکن ہے تو اس نے احسانات سابقہ کو بالائے طاق رکھا اور امرا اور وزرائے دولت میں باہمی دشمنی پیدا کر کے سب کو معطل و بے کار کر دیا اور خود سلطنت کا مختار بن بیٹھا ابن ابی عامر کی سازش کا واقعہ ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔

جس وقت ہشام تخت پر بیٹھا جعفر المصحفی نے تمام انتظام ملک کو اپنے ذمہ لیا اور تمام غیر ضروری شان و شوکت کو چھوڑ کر اپنے ملک و مالک کی خیر خواہی میں مصروف ہوا لیکن محمد ابن ابی عامر کبھی کسی معاملے میں اس کی سختی دیکھتا تھا تو خفیہ طور پر المصحفی کو نہایت خود غرض اور ظالم ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ چونکہ عوام الناس کو بھی اس کی خود غرضانہ فیاضی نے اس کا خیر خواہ اور طرفدار بنا دیا تھا اس لئے وہ لوگ بھی اس کا ساتھ دیتے تھے۔ ان واقعات سے بے خبر المصحفی اس کو فی الحقیقت اپنا سچا دوست اور خیر خواہ سمجھتا تھا۔ گو ابن عامر بھی بظاہر اس وزیر کو اپنا سرپرست و محسن بنائے ہوئے تھا لیکن یہ خوب جانتا تھا کہ المصحفی کی نظروں میں اسکی کچھ وقعت نہیں ہے پس اس نے ملکہ صبح کو اپنی فطنت اور چالاکی سے ایسا راضی کیا کہ ملکہ نے ایک حکم بایں مضمون المصحفی کو بھیجا کہ آئندہ سے تمام اہم معاملات ریاست میں ابن عامر کو بھی شریک کیا جائے المصحفی نے خالی الذہن

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۶) اس نے خالص چاندی کا ایک مکان کا نقشہ سلطانہ کو بطور نذر دیا جس کے صلہ میں سلطانہ نے الحکم سے اس کی اس قدر تعریف اور سفارش کی کہ الحکم نے ایک روز اہل دربار سے کہا کہ "اس لڑکے نے تحفے دے کر ہمارے سب محلوں کو اپنا سرپرست اور معاون بنالیا ہے" غرض بالآخر ابی عامر ولی عہد ہشام کا اتالیق مقرر ہوا۔ المقری کا قول ہے کہ یہ نہایت خود غرض اور سفاک شخص تھا۔

اس حکم کی فوراً تعمیل کی بلکہ اوس روز سے ابن عامر کو اور زیادہ عزیز رکھنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے
المصحفی کے ذریعہ سے فوج صقالب کو جو ہمیشہ محل شاہی پر متعین رہا کرتی تھی برخاست کرادیا اور اون افسر اور
ملازموں کو جو اس کی ترقی کے حائل ہوتے تھے تھوڑوں کو خارج البلد اور باقی کو قتل کرواڈالا اور بجائے
اون کے اپنے خیرخواہ اور معتمد اشخاص کا تقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے المصحفی اور امیر غالب میں مخالفت
پیدا کرنے کی کوشش کی۔ غالب ایک سیدھا سادہ سپاہی تھا بہت جلد اس کے پھندوں میں
پھنس گیا اور یہہ باور کرکے کہ المصحفی کو مجھ جیسے ہم سر مقابل کا رہنا پسند نہیں وزیر اعظم کی عدول
حکمی کرنے لگا المصحفی نے غالب کے طرزعمل کی شکایت مجلس امرا سے کی سب کی یہی رائے ہوئی
کہ کسی امر کی ناسمجھی سے جو نزاع پیدا ہوئی ہے اوس کی صفائی کرلینی جائے۔ محمد ابن ابی عامر کو یہہ
خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان دونوں میں فی الحقیقت صلح نہ ہو جائے اس نے غالب سے ملنے کی
کوشش کی اتفاقاً امیر غالب کسی سرحدی نزاع کے تصفیہ کی غرض سے اپنی فوج کے ساتھ گیا ہوا
تھا ابن ابی عامر بھی اجازت حاصل کرکے عیسائیوں کے انسداد کے لئے قرطبہ سے روانہ ہوا
ان مہمات کے تصفیہ کے بعد یہہ دونوں راستے میں ایک دوسرے سے ملے اور آپس میں یہہ عہد و پیمان
ہوا کہ جعفر المصحفی جہاں تک جلد ممکن ہو خدمت سے معزول کردیا جائے۔ اس سازشی ملاقات کے
چند روز بعد ابن ابی عامر نہایت شان و شوکت کے ساتھ قرطبہ میں داخل ہوا میدان جنگ کی
کامیابی نے عوام الناس کی نظروں میں اس کی وقعت کو دوبالا کردیا۔ رفتہ رفتہ اس گہری سازش
اور نیز سلطانہ صبح کی روزمرہ تقاضوں سے متاثر ہوکر ہشام نے المصحفی کو خدمت سے معزول اور محمد ابن عامر کو
اس کی جگہ مقرر کیا اور ایک بیش بہا خلعت اپنے ہاتھ سے اس کو پہنایا۔ لیکن یہہ بھی واقعہ ہے کہ
وزیر اعظم کی معزولی کے بعد اس خدمت کو اس نے ایسی لیاقت و خوش اسلوبی سے انجام دیا
کہ المصحفی کا علحدہ ہونا باستثنائے چند خیرخواہان ریاست کسی کو ناگوار نہیں گزرا۔ اب المصحفی اپنے

خواب غفلت سے چونکا اور جب دیکھا کہ محمد ابن عامر میری بربادی پر آمادہ ہے اس نے امیر غالب کو اس کی سازشوں سے مطلع کیا اور بغرض صلح یہ درخواست کی کہ غالب اپنی لڑکی کی شادی اس کے لڑکے عثمان کے ساتھ کر دے ابن عامر کو یہ کب منظور تھا کہ ان اولوالعزم امیروں میں دوبارہ سلسلہ اتحاد و محبت کا قایم ہو۔ اس نے دونوں کو باہمی مصالحت پر مستعد پا کر فوراً ایک خط امیر غالب کو اس مضمون کا لکھا کہ المصحفی دہوکہ دیکر محض اپنے ذاتی اغراض کے لئے تجھکو میرا مخالف بنانا چاہتا ہے۔ چونکہ تمام امرا اور حکام اسکی افسون سازش سے رام ہو چکے تھے اس نے غالب کے بعض خاص رشتہ داروں سے اپنے اس خط کی تصدیق بھی کرا دی جس کا اثر اس سادہ لوح سپاہی پر ایسا ہوا کہ اس نے المصحفی کے پیام کو نامنظور کر دیا اور اپنی لڑکی کی شادی خود ابن ابی عامر سے کر دی محرم ۳۶۷ھ میں نسبت ہوئی اور شب و روز کو نہایت ہی شان و شوکت سے نکاح کیا گیا۔ اس شادی میں خود ہشام شریک تھا۔

برنیہم المصحفی ایسا غیر معمولی آدمی تھا کہ اگر کچھ بھی یہ اپنے اثر سے کام لیتا تو ابن ابی عامر کا افسون سازش کبھی کارگر نہ ہوتا لیکن یا تو بوجہ پیرانہ سالی یا اپنے غیر معمولی اثر کے زعم میں یہ ایسا غافل رہا کہ نہ صرف خدمت وزارت سے معزول ہوا بلکہ اس کے دیگر قدیم اقتدارات بھی سلب کر لئے گئے ہنوز بھی محمد ابن ابی عامر کو اپنے محسن قدیم اور ایسے سچے خیر خواہ ریاست پر رحم نہ آیا اور المصحفی کے تنزل ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نوعمر سلطان کو اوس کے دوستوں اور رشتہ داروں بلکہ بچوں تک سے بدظن کر دیا اور حکم دیا کہ جو کچھ سرکاری روپیہ ان لوگوں کے ہاتھ سے اوٹھا ہے اس کا کامل حساب پیش کریں اور بہانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس قدر جرمانے ان پر کئے کہ فاقہ کشی کی نوبت پہونچ گئی المصحفی کا مکان جو قصر شاہی کے بعد قرطبہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا جبراً ضبط کر لیا اور جب موقع ملا المصحفی کو علاوہ روحانی صدمہ عظیم کے جسمانی تکلیف مثل قید وغیرہ دیتا رہا۔ بالآخر الزہرا کے قید خانہ میں

قید کردیا۔ بعض ناقل ہیں کہ یہ زہر سے مارڈالا گیا اور اوسکے قریب کے رشتہ داروں اور چند دوستوں نے اسکی نعش کو قید خانہ سے لے جاکر کسی گمنام مقام میں دفن کردیا۔ جائے عبرت ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب کبھی جعفر ابن عثمان المصحفی مسجد یا مکان سے باہر نکلا کرتا تھا لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ راستے پر چلنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ ایسے مواقع پر ہر حاجتمند کو عرضی دینے کا حکم تھا بالکہ ملازموں کو یہہ تاکید تھی کہ ایسے شخص کو بلا تامل ہمارے سامنے پیش کردیا کریں۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ اس کے جنازہ کے ساتھ دو چار آدمیوں کے سوائے کوئی موجود نہ تھا۔ اپنے آخر زمانہ میں المصحفی یہہ کہا کرتا تھا کہ جو کچھ مجھ پر گزرا یا جو اب گزر رہا ہے یہہ سب میرے اعمال کی پاداش ہے میں نے اپنے زمانہ عروج میں ایک شخص کے ساتھ بے حد سختی کی تھی بلکہ اوس کو قید کردیا تھا اوس نے میرے سامنے یہہ بدعا کی تھی کہ جن لوگوں نے مجھ کو اس درجہ تک پہونچایا اونکو بھی یہی حالت خدا نصیب کرے یہہ سن کر میرے دل میں خدا کے خوف نے اثر کیا اور میں نے فوراً اوس کو رہا کردیا لیکن معلوم یہہ ہوتا ہے کہ وہ شخص بے گناہ تھا خدائے تعالی نے اوس کا معاوضہ مجھ کو دنیا میں عطا فرمایا امید ہے کہ آخرت میں اس کی بازپرس سے معاف کیا جاؤں"۔ المنصور کے ایک کاتب کا یہہ بیان ہے کہ ایک دفعہ ابن ابی عامر نے عمداً المصحفی اور اوس کے بیٹے عثمان کو ذلیل کرنیکی نیت سے جبراً اپنی فوج کے ساتھ رکھا اور اس قدر سختی کی کہ ایک روز حالت اضطراب میں یہ اشعار المصحفی کی زبانپر جاری ہوئے۔

تَعَاطَيْتُ صَرْفَ الْحَادِثَاتِ فَلَمْ أَزَلْ ۔۔۔ أَرَاهَا تُوَفِّي عِنْدَ مَوْعِدِهَا الْحُرَّا
فَلِلّٰهِ أَيَّامٌ مَضَتْ بِسَبِيلِهَا ۔۔۔ فَإِنِّي لَا أَنْسَى لَهَا أَبَدًا ذِكْرَا
تَجَافَتْ بِهَا عَنَّا الْحَوَادِثُ بُرْهَةً ۔۔۔ وَلَا نَظَرَتْ مِنْهَا حَوَادِثُهُ شَزْرَا
لَيَالِي مَا يَدْرِ الزَّمَانُ مَكَانَهَا ۔۔۔ وَأَبْدَتْ لَنَا مِنْهَا الطَّلَاقَةَ وَالْبِشْرَا
وَمَا هٰذِهِ الْأَيَّامُ إِلَّا سَحَائِبٌ ۔۔۔ عَلَى كُلِّ أَرْضٍ تُمْطِرُ الْخَيْرَ وَالشَّرَّا

۱؎ ملاحظہ ہو نوٹ صفحہ آیندہ۔

الغرض جعفر ابن عثمان المصحفی کے انتقال کے بعد محمد ابن ابی عامر نے دیکھا کہ اب سوائے امیر غالب کے اور کوئی حریف مقابل باقی نہیں رہا۔ اس نے اوسی وقت غالب کی بربادی اور تباہی کی تدابیر سوچنی شروع کردیں اور موقع کا منتظر رہا۔

ایک مرتبہ کسی سرحدی مہم پر یہ دونوں امیر ساتھ تھے ایک قلعہ پر دونوں دشمن کی فوج کی حالت دریافت کرنے کی غرض سے چڑھے۔ ان کی رائے میں اختلاف واقع ہوا غالب چونکہ ابن ابی عامر کی خود غرضیوں اور سازشوں سے بخوبی واقف تھا غصے کو نہ روک سکا اور المنصور سے کہا کہ "اے شیطان تو شاہی خاندان کو تباہ اور ان قلعجات کو منہدم کرکے خود بادشاد بنا چاہتا ہے" یہ کہکر امیر غالب نے ایک وار تلوار کا اوس پر کیا اگر افسران فوج حائل نہ ہوتے تو ضرور ابن ابی عامر کا کام تمام ہوجاتا تاہم ایک شدید زخم اس کے سر پر آیا اور قریب تھا کہ یہ قلعے کی دیوار سے نیچے جا رہے لیکن اس کی خوش قسمتی سے کسی چیز نے اس کو گرنے سے روکا اور افسران فوج اس کو اوٹھا کر اس کے خیمے میں لے گئے غالب اوسی حالت غصہ میں انصاف سلطانی سے مایوس سیدھا عیسائیوں کے لشکر میں چلا گیا اور اُن کا شریک ہوکر ابن ابی عامر پر حملہ آور ہوا مگر غالب نے اس جنگ میں نہ صرف شکست پائی بلکہ مارا گیا۔

محمد ابن ابی عامر جب ان تمام امراے جلیل القدر کو قتل اور تباہ کرچکا میدان کو بالکل خالی پاکر اقتدارات شاہی کے غصب کرنے کی فکر و کوشش شروع کی اور نہایت جرأت اور

نوٹ صفحۂ ادبیہ میں اس حوادث روزگار کے ساتھ دادستد کی وشابت رہا درحالیکہ میں دیکھ رہا تھا کہ حوادث روزگار اپنی وعدہ پر گاہ پر درگم ساتھ وفا کرتے تھے۔ پس اللہ ہی کے لئے وہ دن ہیں جو اون حوادث کے راستہ میں گزر گئے ہیں کبھی اون کا ذکر نہیں بھولتا کچھ قلیل عرصہ تک حوادث ہم سے چھپے رہے ورنہ ہم کو حوادث نے ٹیڑھی نگاہ سے دیکھا اس لئے کہ وہ راتیں ایسی تھیں کہ اون کا مقام زمانہ نہیں جانتا تھا کشادہ روئی اور بشارت ہمارے لئے اون وقتوں میں تھی۔ اور یہ دن بمنزلہ اون ابر دن کے ہیں جو منزہ ہیں کہ بھلائی اور نیکی کو برساتے ہیں۔

اطمینان سے سلطان کے احکام کی نافرمانی کرنے لگا حتی کہ خلیفہ کے خانگی ملازموں تک کو برطرف اور ان کی جگہ خاص اپنے معتبر لوگوں کو مامور کیا۔ اس اثنا میں اس کو یہ خبر پہونچی کہ ملکہ صبح نے بشرکت دیگر عورتوں کے ان خزائن شاہی کو جو خاص محل میں رہا کرتے تھے قرطبہ سے باہر بھیج دیا ہے۔ اور بجائے روپیہ اور جواہر کے صندوق معمولی چیزوں سے بھر کر اوسی طرح مقفل کر دئے ہیں۔ ابن ابی عامر نے ملازمین شاہی کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ "امیر المومنین روپیہ کا محل میں جمع رکھنا پسند نہیں کرتے علاوہ بریں چونکہ اس کا وقت زیادہ تر روزہ و نماز میں گزرتا ہے خزانے کی نگرانی نہیں ہو سکتی پس مجھ کو یہ ہدایت کی ہے کہ روپیہ و جواہر وغیرہ اپنی نگرانی میں رکھوں"۔ کسی کو مجال اس حکم کی سرتابی کی نہیں ہوئی چنانچہ نہ صرف ستاون لاکھ دینار سرخ موجودہ خزانہ محلات اس کے خاص قلعہ نما مکان میں جو اس نے خود قرطبہ کے باہر بنایا تھا منتقل کئے گئے بلکہ اپنی محسن ملکہ صبح سے جس نے اسے خاک سے پاک کیا تھا وہ روپیہ تمام و کمال جو اس نے شاہی خزانہ سے لیا تھا اور جو ہنوز محل ہی میں رکھا تھا جبراً وصول کر لیا۔ اس نے اپنی ظاہری اطاعت و فرماں برداری سے نوجوان خلیفہ کے دل پر ایسا قبضہ کیا تھا کہ اوس کے خلاف کسی شکایت کا خلیفہ پر مطلق اثر نہ ہوتا تھا بلکہ ہشام اس کو ایک مرد با خدا صاف باطن اور ملک و مالک کا سچا خیر خواہ باور کرتا رہا۔ رفتہ رفتہ محمد ابن ابی عامر کی جرأت اس درجہ بڑھی کہ اب اس نے فوج پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے اس نے افسران سابق کو معزول اور بجائے اون کے اپنے خیر خواہوں کو مامور کیا اور پھر با طمینان تمام سب فوج اہل بربر اور زناتہ سے بھر دی۔ فوج کا مطیع ہونا کیا تھا کہ تمام ملک اس کے قبضہ تصرف میں آ گیا۔ چونکہ تمام امرائے عرب مرعوب ہو ہی چکے تھے اس نے اپنے کو بالکل خود مختار پا کر ہشام کو محل میں نظر بند کر دیا اور خود خلیفہ کے نام سے حکومت کرنے لگا اور یہ حکم نافذ کیا کہ آیندہ سے سب اس کو الحاجب اور المنصور کے القاب سے خطاب کیا کریں۔ اس نے بغرض حفاظت اپنا قیام قلعہ الزاہرہ میں اختیار کیا اور تمام دفاتر

خزائن وحکام کو اس ہی قلعہ میں رہنے کا حکم دیا۔ الغرض تدریج ابن عامر کو ایسی ثروت و قوت
حاصل ہوئی کہ ممالک محروسہ کی تمام مساجد میں بعد خلیفہ کے اس کا نام بھی خطبہ میں پڑھا جاتا تھا
نوبت یہاں تک پہونچی کہ المنصور نے لباس شاہنشاہی علانیہ پہننا شروع کیا۔ سکہ پر بھی خلیفہ کے
نام کی جگہہ المنصور دکھائی دینے لگا۔ بوقت جنگ فوج کو یہہ بذات خود لڑاتا تھا۔ مشہور ہے کہ
چھپن^۵۶ بار یہہ لڑا اور ہمیشہ کامیاب رہا۔ مخبروں کو افریقہ بھیجکر وہاں کے قبیلوں اور رئیسوں میں نزاع
کی بنا ڈالی اور پھر فوج بھیجکر مغربی افریقہ کو اپنے دائرہ حکومت میں لایا۔ اپنے بیٹے عبدالملک کو افریقہ
زیری ابن عطیہ حاکم فاس کی تنبیہ کے لئے صرف اتنی بات پر بھیجا کہ زیری نے چند ناسزا الفاظ اسکی
شان میں استعمال کئے تھے اور اپنے بادشاہ ہشام کو قید کرنے کی نسبت ملامت کی تھی ابن ابی عامر
کی فتوحات کے واقعات ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

خلیفہ الحکم کے انتقال کے پانچ یا چھہ سال کے بعد امرائے عرب کو خانہ جنگی میں مصروف
پاکر عیسائیوں نے اندلس پر حملہ کیا۔ المصحفی کو سازشوں نے پریشان کر رکھا تھا اس یورش کا فوراً
انسداد نہ کرسکا جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ عیسائی نہایت جرأت کے ساتھ بلا مزاحمت قرطبہ کے قریب
آپہونچے۔ جب اطراف واکناف سے عیسائیوں کے ظلم و زیادتی کی شکایتیں متواتر پہونچیں تو
اس نے فوج بھیجنے کے عوض صرف یہہ حکم دیا کہ دریائے ٹیگس کا پل گرا دیا جائے۔ المصحفی کے
اس تساہل سے ابن عامر نے پورہ فائدہ اوٹھایا۔ اوس نے غل مچایا کہ جب فوج کثیر جنگ کے
لئے تیار اور خزانے معمور ہیں تو پھر کیوں نہیں عیسائیوں کو کافی سزا دی جاتی۔ المصحفی نے جب دیکھا
کہ سب کو ابن ابی عامر کی رائے سے اتفاق ہے مجبوراً اپنے دشمن کی سرکردگی میں فوج عیسائیوں
کے مقابلہ کے واسطے روانہ کی۔ ابن ابی عامر کی دلی خواہش بھی یہی تھی یہہ اوسی وقت ایک لاکھ دینار
لے کر روانہ ہوا۔ اس نے (۵۲ بار) سرزمین عیسائیوں کو سرحد کے باہر کر دیا اور بہت کچھ مال غنیمت

لیکر واپس آیا۔ المنصور ۳۷۲ھ مطابق ۹۸۲ء میں یلغار کرکے جلیقیہ پہونچا اور وہاں کے مشہور شہروں مثل لیون وغیرہ کو لوٹنا چاہا لیکن جب اسکو معلوم ہوا کہ عیسائی اسکے آنیکی خبر پاکر ان شہروں سے تمام مال و اسباب لیکر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوگئے ہیں المنصور کسی شہر میں داخل نہیں ہوا بلکہ جن مقامات سے پھر گزرا انکو تاراج کرتا ہوا قرطبہ آیا لیکن دوسرے ہی سال پھر آکر لیون پر قبضہ کیا اور قلعوں کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ المنصور ۳۷۴ھ م ۹۸۵ء میں بعد اعلان جہاد جیان۔ البیرۃ۔ بسطہ اور تدمیر[1] ہوتا ہوا البلنسیہ آیا اور یہاں چند روز فوج کو آرام دیکر بادشاہ بُریل کے ملک میں داخل ہوا جس کو اس نے شہر برشلونہ کے قریب شکست فاش دی اور بتاریخ ۱۵ صفر اپنے جھنڈے کو اس قلعہ پر نصب کیا۔ اس مرتبہ بھی نامی مورخین و مصنفین و شعراء اس کے ساتھ تھے جنھوں نے اس کی اور اس کی فتوحات کی تعریف میں دفتر کے دفتر سیاہ کردئے تھے۔ ایک مشہور مورخ نے جو اس جنگ میں المنصور کے ساتھ تھا ان لوگوں کے نام کی فہرست بھی دی ہے جس سے اس امر کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کے عہد حکومت میں کیسے کیسے عالم موجود تھے۔ ہم چند لوگوں کے نام اس مقام پر درج کرتے ہیں۔ ابو عبداللہ ابن حسن۔ ابوالقاسم ابن الحسین ابن الولید جو زیادہ تر ابن العارف کے نام سے مشہور ہے۔ ابن شہید عبدالرحمن ابن احمد ابوالاعلی سعید ابن الحسن اللغوی جس کی مشہور تصنیف فصوص موجود ہے۔ ابوبکر زیادۃ اللہ ابن علی ابن حسن التمیمی۔ عمر ابن النجم البغدادی۔ ابوالحسن علی ابن محمد القریشی العباسی۔ عبدالعزیز ابن الخطیب المحدود۔ موسیٰ ابن طالب۔ مروان ابن عبدالرحمن۔ یحییٰ ابن ہذیل ابن عبدالملک۔ سعد ابن محمد علی النکاس البغدادی۔ ابوبکر یحییٰ ابن اُمیّہ ابن وہب۔ محمد ابن اسمٰعیل الزبیدی جس کی کتاب مختصر فی اللغت اور کتاب العین کا خلاصہ جو خلیل ابن احمد کے نام سے

---

[1] اس کو انگریزی میں بازا کہتے ہیں۔ [2] تدمیر اندلس کے ایک صوبہ کا نام تھا جو قرطبہ کے مشرق کی جانب واقع تھا اوائل زمانہ میں اس صوبہ کے حاکم کا نام بھی تدمیر تھا جس کو طارق ابن زیاد اور پھر عبدالعزیز ابن موسیٰ ابن نصیر نے شکست دی تھی۔

مشہور ہے اور مختلف کتابیں صرف ونحو اور تاریخ میں موجود ہیں محمد ابن عبد الباصر۔ احمد ابن عبد الملک ابن شہید جو علاوہ مصنف ہونے کے وزیر بھی رہ چکا تھا۔ محمد ابن حسن القریشی۔ طاہر ابن محمد جو مشہور ریاضی دان تھا۔ ابن امیہ ابن غالب۔

۳۷۵ھ میں المنصور نے اپنے چچازاد بھائی ابو الحکم عمر کو فوج دے کر الحسن ابن کنون ادریسی کی تنبیہ کے لئے بھیجا۔ اس نے شہر بصرہ[1] پر قبضہ اور الحسن کو مع فوج محصور کر کے صلح پر مجبور کیا بعد صلح خلاف معاہدہ اس کو گرفتار کر لیا اور حسب الحکم المنصور اس کو قتل کر کے اس کے سر کو قرطبہ بھیجا۔

۳۸۱ھ مطابق ۹۹۱ء میں زیری ابن عطیہ المغربی نے جو اہل زناتہ کا حاکم تھا جس کا ذکر اوپر مجملاً ہو چکا ہے ایک سفارت مع تحائف کے جن میں دو سو گھوڑے، پچاس اونٹ نہایت تیز رفتار، ایک ہزار سپر گینڈے کے چمڑے کی تیر و کمان زراب کی بنی ہوئیں اور بہت سے نادر جانور مثل گینڈے اور ہاتھی اور شیر اور ایک ہزار تھیلے خرمے کے اور نادر افریقہ کی اشیاء شریک تھیں بھیجی۔ اس سفارت کے روانہ کرنے سے اصل غرض یہ تھی کہ زیری سے جو عظیم الشان فتوحات عمل میں آئے ہیں اور جو نیا ملک اس نے خلیفہ کے نام سے فتح کیا ہے اوس سے المنصور مطلع کر دیا جائے۔ جس وقت دار الخلافہ میں یہ واقعات عام طور پر ظاہر کئے گئے تمام شہر نے خوشی منائی اور المنصور نے سفیروں کو خلعت اور تحفے دے کر مع فرمان منجانب خلیفہ ہشام واپس کیا۔ اس فرمان کے ذریعہ سے زیری اس تمام ملک مفتوحہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

اس واقعہ کے دوسرے سال یعنی ۳۸۲ھ میں زیری ابن عطیہ نے بذات خود قرطبہ آکر المنصور سے ملاقات کی اور خلیفہ کے لئے پہلے سے بھی زیادہ بیش بہا اور نادر تحفے ساتھ لایا۔ اس کے ہمراہ تین سو حبشی سوار اور اسی قدر پیادے تھے۔ المنصور نے بھی بہت ہی دھوم سے اس کا

[1] اس نام کا شہر غرب میں کوئی ہوگا جس کا پتہ ہم کو نہیں ملا۔

استقبال کیا اور جلد وہیں الیسی حُسن خدمات سے کے اس کو وزیر سلطنت مقرر کر کے جعفر المصحفی کا مکان اس کی سکونت کے واسطے تجویز کیا۔ زیری ابھی قرطبہ ہی میں تھا کہ اس کو خبر پہونچی کہ ابن لعلی الیفرنی نے اس کی عدم موجودگی میں موقع پاکر فاس پر قبضہ کر لیا ہے۔ زیری فوراً افریقہ واپس آیا اور کئی لڑائیوں کے بعد جب ابن لعلی قتل ہوا تو ۳۸۳ھ میں فاس پر دوبارہ قابض ہوا۔

عرب مورخین نے جہاں ابن ابی عامر المنصور کی ملک داری اور فتوحات کی تعریف کی ہے اس کی نمک حرامی۔ خود غرضی۔ اور ظلم پر اظہار نفرت میں بھی تامل نہیں کیا۔ اگر اندلس میں بسبب قرب کسی میں جرأت گویائی باقی نہ رہی تھی تو افریقہ والوں کی آواز ملامت و نفرین اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھی۔ پس جیسا جیسا زیری ابن عطیہ کو المنصور کا مکر و زور معلوم ہوتا گیا اوسی قدر زیری کو اس سے نفرت ہوتی گئی لیکن اصل نزاع ان دونوں میں اوسی روز سے شروع ہوئی جبکہ زیری نے نہ صرف علانیہ المنصور کی جابرانہ طرز حکومت اور اوس بیہودہ برتاؤ کی جو اس نے اپنے بادشاہ کے ساتھ رکھا تھا نہایت ہی بُرے الفاظ میں مذمت کی بلکہ اس کے مقابلہ میں جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ المنصور نے اسکو منحرف پاکر ایک صقلبی افسر کو مع فوج افریقہ روانہ کیا۔ یہ افسر طنجہ سے فاس کی طرف روانہ ہوا۔ زیری نے بھی اپنی فوج زناتہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور اس کو پسپا کرتا ہوا طنجہ میں محصور کر دیا۔ المنصور کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی اس نے فوراً اپنے بیٹے عبد الملک کو مدد کیلئے بھیجا عبد الملک نے زیری کو بتاریخ ۱۵ ر رمضان ۳۸۶ھ م ۹۹۶ء کامل شکست دیکر فاس پر قبضہ کر لیا اور اہل زناتہ ہی کے ایک امیر کو اس شہر اور ملک کا افسر مقرر کیا۔ مگر زیری اس ناکامی کے بعد بھی المنصور کا مقابلہ کرتا رہا اور ہشام کا سچا خیر خواہ بنا رہا۔ زیری زاب اور تلمسان پر قبضہ کر کے آگے بڑھ رہا تھا کہ ۳۹۱ھ مطابق ۱۰۰۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے لڑکے المعز نے جب اپنے میں مقابلے کی قوت نہ دیکھی المنصور سے صلح کر لی المنصور نے بھی بمصلحت اس کے

باپ کی خطاؤں سے درگزر ہو کر اس کو منجانب خلیفہ افریقہ کا حاکم تسلیم کر لیا۔

جس زمانے میں کہ مغربی افریقہ میں جنگ جدال کا بازار گرم تھا المنصور عیسائیوں پر بھی متواتر فتح پا رہا تھا ۳۷۵ھ سے اس نے باغیوں کو اس قدر برباد اور تباہ کر رکھا تھا کہ ان لوگوں میں بغاوت کی قوت باقی نہ رہی تھی باز ہم المنصور ہر سال ایک دو بار فوج کشی اسی غرض سے کرتا رہا کہ اسلام کا رعب ان کے دلوں پر قایم رہے اسی قصد سے المنصور بتاریخ ۲۳ جمادی الآخر ۳۸۷ھ یورش کرتا ہوا شنت[1] یاقوہ کی طرف آیا۔ اس شہر کو عیسائیوں کا کعبہ سمجھنا چاہئے اس لئے کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ کے حوارین میں سے ایک کی قبر تھی جس کی زیارت کی غرض سے نہ صرف اندلس بلکہ دور دور سے عیسائی آیا کرتے تھے المنصور نے شہر سمورہ میں جسکو جلیقیہ کا پایہ تخت سمجھنا چاہئے چند روز قیام کیا اور یہاں کے قومسین یعنی امرا کو مع فوج ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ ان عیسائیوں نے طوعاً و کرہاً اس حکم کی تعمیل کی اور فوج اسلام کے ساتھ علاقہ شنتیاقوہ میں داخل ہوئے۔ المنصور نے یلغار کے قبل ہی حکم دیا تھا کہ بیڑا جنگی جہازوں کا مع فوج بندر قصر ابی دانس میں تیار رہے جس وقت المنصور دریائے ڈیورو کے قریب پہونچا یہ بیڑا بھی حسن اتفاق سے اوس ہی روز اس دریا میں داخل ہوا اور جہازوں کے ذریعہ سے المنصور مع فوج دوسرے کنارے پر اوترا چونکہ رسد اور فوج کے آرام و آسایش کا پورا سامان مہیا ہو چکا تھا فوج شہر مذکور کی طرف روانہ ہوئی اور مختلف دریاؤں اور جنگلوں کو طے کرتی اور فرتارش سے جو لطافت و آب و ہوا اور کسانوں کی محنت سے ایک بوستان جنت نشاں بنا ہوا تھا گزرتی ہوئی ایک نہایت ہی پُرفضا کہسار میں داخل ہوئی۔ اس راستہ کو دونوں طرف کے بلند اور تنگ پہاڑوں نے اس قدر دشوار گزار بنا دیا تھا کہ جو لوگ دلیل راہ تھے وہ بھی اس کے طے کرنے میں بہت حیران پریشان ہوئے لیکن المنصور اس قسم کی دشواریوں کی کب پروا کرتا تھا اس نے فوج کو حکم دیا کہ تبروں کے ذریعہ سے راستہ کشادہ کر دیا جائے چنانچہ بہت ہی مشکلوں سے راستہ صاف اور کشادہ ہوا۔ اس کوہ کنی اور محنت شاقہ کا نعم البدل مسلمانوں کو یہ ملا کہ جس وقت عرب کہسار سے باہر نکلے اور دریائے منوہ[2] کو عبور کر کے دوسری طرف پہونچے تو ان کو ایک طرف مرغزار ایسا نظر آیا جہاں کی خوشگوار

[1] اس کو انگریزی میں سینٹیاگو کہتے ہیں۔ [2] اس کو انگریزی میں منیو کہتے ہیں۔

اور فرحت بخش ہوا اور نضرہائے شیریں نے ان کے دل و دماغ کو تر و تازہ کر دیا اور کسافت راہ مبدل براحت ہو گئی یہاں سے المنصور سید حا دیر قسان آیا۔ یہاں پر ایک بہت قدیم عیسائیوں کی عبادتگاہ بنی ہوئی تھی دیر قسان[1] سے بلنسوا جو لب دریائے شور واقع تھا ہوتا اور شنت بلائی کے قلعہ کو منہدم اور وہاں سے غنیمت حاصل کرتا ہوا ایک جزیرے کے قریب پہونچا جس میں اطراف و اکناف کے باشندے عربوں کی دہشت سے پناہ گزیں ہوئے تھے۔ المنصور نے ان سب عیسائیوں کو گرفتار کیا اور وہاں سے بجانب کوہ مرسیہ[2] آیا اور دریائے الہ سے پار ہوتا ہوا ایک قدیم گرجا کے قریب پہونچا شنت یاقوہ کے بعد عیسائی اس مقام کو نہایت ہی متبرک سمجھتے تھے اور یہاں بھی دور دور سے حتیٰ کہ ملک حبش سے عیسائی بغرض زیارت آیا کرتے تھے اس مقام کو عربوں نے بالکل زمین دوز کر دیا اور یہاں سے روانہ ہو کر بتاریخ ۲ شعبان چہارشنبہ کے روز خاص شہر شنت یاقوہ پہونچے تو دیکھا کہ شہر پناہ کے دروازے کھلے ہیں اور کسی فرد بشر کا نشان تک نہیں تاہم اس شہر کے مشہور عمارات اور معبد کو تاراج اور جو کچھ مال باقی رہ گیا تھا اوس پر المنصور نے قبضہ کیا اور اطراف و اکناف کے شاداب اور مزروعہ مقامات کو تباہ و برباد کرتا ہوا ایسے مقامات میں سے ہوتا ہوا جہاں اس کے قبل کوئی مسلمان نہیں آیا تھا ان قومسون کے ملک میں جو کہ اس کے ہمراہ رکاب تھے داخل ہوا ان بدنصیب قومسون نے اپنی آنکھوں سے اپنے متبرک اور مشہور عبادت خانوں کو نہ صرف مٹتے دیکھا بلکہ اکثر اوقات ان کے مٹانے میں خود بھی جبراً شریک ہوئے۔ یہاں آکر عربوں نے لوٹ سے دست کشی کی اور ان مقامات سے گزرتے ہوئے قلعہ بلیقیہ آئے یہاں پر المنصور نے دربار عام کیا اور اون قومسوں اور فوجی عیسائیوں کو جو اس کے اس اڑتالیسویں[3] یلغار میں شریک تھے خلعت تقسیم کر کے اپنے اپنے ملکوں کو واپس جانے کی اجازت دی اس مقام سے المنصور نے اپنی فتوحات سے اہل قرطبہ کو مطلع کیا۔ دار الخلافہ کا اوس وقت جوش مسرت اور وفور نشاط احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ جب المنصور مع اپنی فوج کے دار الخلافہ میں داخل ہوا تو تمام مسجدوں میں شکریہ کی نمازیں پڑھی گئیں اور بہت کچھ روپیہ خیرات کیا گیا۔

جس حالت میں کہ ہشام کو المنصور نے رکھا تھا اوس کا کچھ ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں قصر کی چار دیواری کے

[1] اس کو انگریزی میں شنت کا سمو کہتے ہیں۔ [2] اس کو انگریزی میں مورازو کہتے ہیں یہ مقام دیگو کے قریب واقع ہے۔
[3] جملہ چھپن لڑائیاں لڑا تھا۔

اندر پوری آزادی خلیفہ کو حاصل تھی مگر باہر نکلنے کی بلکہ کسی جھروکے سے مُنھ تک نکالنے کی سخت ممانعت تھی جس کی نگرانی کے لئے المنصور نے اپنے خاص لوگوں کو مقرر کیا تھا۔ جب کبھی المنصور مجبوراً ہشام کو کسی باغ کے جانے کی اجازت دیتا تھا تو اس کے چہرہ پر نقاب ڈال دی جاتی تھی اور وہ راستہ جدھر سے خلیفہ گزرتا تھا واپسی کے وقت تک رعایا کی آمد و رفت کے لئے بند کر دیا جاتا تھا اور جب کبھی المنصور کو قرطبہ سے باہر جانے کی ضرورت ہوتی تھی تو سلطان کی حفاظت و نگرانی کے لئے بہت سخت انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کے آخر زمانے میں جب رعایا اپنے خواب غفلت سے چونکی تو ہر طرف سے شکایتوں کے آوازے بلند ہونے لگے اور یہ خبر مشتہر ہوئی کہ خلیفہ کو اس وزیر نے مار ڈالا ہے۔ رعایا کو برہم دیکھ کر المنصور بہت ڈرا اور ہشام کو اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے تمام شہر میں گشت کی خلیفہ کے دیکھنے کے لئے دور دور سے رعایا جمع ہو گئی تھی۔ ہشام لباس شاہانہ پہنے اور تمام نشانات خلافت کے لگائے گھوڑے پر سوار المنصور عصائے وزارت ہاتھ میں لئے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے چل رہا تھا۔ اپنے خلیفہ کو جب رعایا نے بچشم خود دیکھا تو ان کے دلوں کو اطمینان ہوا اور جو کچھ شکوک المنصور کی نسبت پیدا ہوئے تھے وہ رفع دفع ہو گئے۔ المنصور نے علاوہ امرائے جلیل القدر مثل المصحفی اور غالب کے تمام ارکان خاندان شاہی کو ہشام سے جدا کرنے کی غرض سے کسی نہ کسی بہانے پر ان کو قرطبہ سے باہر بھیج دیا تھا چنانچہ بنی امیہ کے اس قابل رحم حالت کو ایک شاعر نے یوں نظم کیا ہے۔[1]

أَبَنِي أُمَيَّةَ أَيْنَ أَقْمَارُ الدُّجَى ۔۔۔ مِنْكُمْ وَأَيْنَ نُجُومُهَا وَالْكَوْكَبُ

غَابَتْ أُسُودُ مِنْكُمْ عَنْ غَابِهَا ۔۔۔ فَلِذَاكَ حَازَ الْمُلْكَ هٰذَا التَّغْلِبُ

ماہِ صفر ۳۹۲ھ مطابق ۱۰۰۲ء میں المنصور نے اپنی اخیر (۵۲) یلغار کا ارادہ کیا اور فوج کو مختلف مقامات مثل افریقہ وغیرہ سے فراہم کر کے دریائے ڈویرو سے اوتر کر قسطلہ کی سرحد میں داخل ہوا۔

[1] اے بنی امیہ وہ لوگ تمہارے جو مثل چاند کے تھے کہاں ہیں اور وہ لوگ جو مثل ستاروں کے تھے کہاں ہیں کیونکہ تمہارے لوگ جو شیر تھے اپنے نیستانوں سے غایب ہو گئے اس لئے اس ملک پر اس تغلب کا قبضہ ہو گیا۔

اس ملک کا توس اپنے قلعہ کے قریب مع فوج خیمہ زن تھا اور اس کی مدد کے لئے اطراف و جوانب کے تمام عیسائی حاکم اپنی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھے۔ اس مقام پر ایک جنگ عظیم واقع ہوئی جس کے متعلق عیسائی مورخین قدیم نے بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے مگر اس جنگ کا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو کامل فتح حاصل ہوئی۔ اس فتح کے بعد المنصور ایک ایسے سخت مرض میں مبتلا ہوا کہ جس سے پھر جانبر نہ ہوا۔ اپنے اخیر زمانے میں جب اس کو اپنی زندگی سے ایک طرح کی مایوسی ہو گئی تھی سلطنت کی آیندہ ترقی اور ریاست کے قیام و استحکام کی نسبت اسکو فکر و تردد رہا کرتا تھا اگر اس غیر معمولی آدمی کے حالات اور واقعات بنظر سرسری دیکھے جائیں تو اس سے زیادہ خود غرض اور بدخواہ سلطنت کوئی نہ ملے گا لیکن اگر اوس زمانے کی تاریخ کو کوئی شخص بنظر حقیقت دیکھے اور جو رائے کہ مختلف مورخین نے اس کی نسبت قایم کی ہے اوس پر کامل غور کرے تو ہر انصاف پسند آدمی کو یہ ماننا پڑے گا کہ محمد ابن ابی عامر ایک سچا خیر خواہ اپنے ملک کا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے اپنے بادشاہ کو بالکل بے دست و پا کر رکھا تھا اور نہ اس میں شک ہے کہ اس نے اپنے مربی و سرپرست مثل جعفر ابن عثمان المصحفی اور غالب جیسے امرائے جلیل القدر اور خیر خواہان سلطنت اندلس کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل و تباہ کیا بلکہ ان لوگوں کے خاندانوں کے نام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا لیکن باوجود نمک حرامی اور محسن کشی جب ہم اس کے زمانے کی حکومت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے قابل یادگار کارناموں سے اعتراف کرنا پڑتا ہے اگر اس کو دنیا میں کوئی فکر تھی تو وہ یہ تھی کہ اس سلطنت کے قیام و استحکام میں کوئی فرق نہ آنے پائے اور اگر اس کی کوئی آرزو تھی تو یہی تھی کہ "میں بقول آلہی علم و فن اور سلطنت کی عظمت و بزرگی کو اس قدر ترقی دوں کہ میرے بعد اس کو کوئی آفت نہ پہونچے اور تمام دنیا خلیفہ اندلس کے نام سے لرزتی رہے" ہشام ثانی کے عہد اور المنصور کے زمانہ وزارت میں جس قدر علم و فن کو عروج حاصل ہوا اس کی نظیر زمانہ گزشتہ کی

تاریخ میں بہت کم ملے گی۔ المنصور کی کوشش یہ تھی کہ علم کا شوق عام طور پر پیدا کیا جائے۔ ان خیالات کا اثر امیر اور غریب سب پر ایسا پڑا کہ اہل ضغلب بھی جو زیادہ تر فوجی اور محض جاہل اور ادنیٰ ملازمین محلات شاہی کے زمرہ میں شمار کئے جاتے تھے حصول علم کی طرف ایسے رجوع ہوئے اور ایسی شہرت پائی کہ یہ بھی مجلس علما میں شریک کر لئے گئے۔ عبادۃ[1] ابن ماء السما اور حبیب الصقلبی[2] اس نہج کے عالم گزرے ہیں جن کی کتابیں اس وقت تک موجود ہیں۔

المنصور نے ابو علی سعید ابن الحسن ابن عیسیٰ اللغوی کو بغداد سے تعریف سن کر بلایا تھا لیکن جس وقت ابو علی قرطبہ پہنچا تو کچھ تو دوسرے علما کی شکایت سے جن کو ایک نئے شخص کا آنا بہت ناگوار گزرا تھا اور کچھ اس وجہ سے اسکو اس قدر ذی علم جیسی کہ تعریف سنی گئی تھی نہیں پایا المنصور نے ابتدا میں اس کی طرف زیادہ التفات نہیں کیا۔ دوسروں نے موقع پا کر ابو علی کو نالایق ثابت کرنا چاہا مگر یہ ایسا سمجھدار اور حاضر جواب آدمی تھا کہ اس کی ظرافت اور بذلہ گوئی نے المنصور کو اسکی طرف پھر متوجہ کر لیا۔ البتہ دیگر علما کے دربار سے بدستور رد و قدح جاری رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ بغیر اظہار لیاقت کامیابی دشوار ہے اس نے ایک روز المنصور سے درخواست کی کہ مجھکو اگر اجازت ہو تو تیرے ذاتی اور خاندانی حالات کی نسبت ایک ایسی کتاب تیار کر دوں جو کتاب النوادر[3] سے بہتر ہو۔ چنانچہ اس نے ایک کتاب لکھی اور اوس کا نام فصوص رکھا۔ اس کے تمام ہم عصر علما اس کتاب کی اشاعت کے منتظر تھے۔ اس کے شایع ہوتے ہی اس پر حملے ہونے لگے

---

[1] اس کی کتاب تذکرۃ الشعراء موجود ہے [2] اسکی کتاب الاستظہار والمغالبہ علی من انکر فضائل الصقالبہ مشہور اور موجود ہے اس حیثیت کے لوگوں میں المغیرہ ابن حزم اور ابو الولید اور ابن الدباغ اور یوسف ابن عبد البار کے نام بھی اس زمانہ کی فہرست علما میں نظر آتے ہیں ان سب نے اپنے اپنے زمانہ کی تاریخ لکھی ہے۔ [3] یہ کتاب عبد الرحمٰن الناصر کے زمانہ سلطنت میں ملک الشعرا ابو علی القالی نے تصنیف کی تھی اس میں خاندان بنی اُمیہ کے حالات و واقعات مندرج تھے۔

اور یہ ثابت کرنے کی کوشش ہوئی کہ نہ صرف یہ کتاب جھوٹ اور مبالغہ سے بھری ہوئی ہے بلکہ یہ
شخص خود بڑا جھوٹا اور دغاباز ہے۔ اس کے اشعار بھی جو قابل تعریف ہیں وہ سب سرقہ ہیں۔ اپنے اس
بیان کی تصدیق میں ان علماء نے محض سادہ کاغذ کی ایک کتاب تیار کی اور اوس کا نام کتاب النکت
اور اوس کے مصنف کا نام ابوالغوث جلد کے باہر لکھ کر کتاب کو ایک ایسی جگہ رکھا کہ جہاں سے سعید
ہمیشہ گزرا کرتا تھا جسوقت یہ وہاں آیا المنصور نے کتاب کو اس خیال سے اوٹھالیا کہ کہیں اس کو کھول کر
نہ دیکھ لے اور صرف کتاب اور مصنف کا نام بتا کر پوچھا کہ "یہ کتاب بھی تیری نظر سے کبھی گزری ہے
یا نہیں سعید نے بلاتامل جواب دیا کہ" ہاں اس کتاب کو میں نے ایک شیخ کے ساتھ پڑھا تھا چونکہ
اس کو پڑھے ہوئے ایک زمانہ ہوتا ہے مجھکو اس کا پورا مضمون یاد نہیں رہا صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ
اس میں مختلف اور نہایت مختصر واقعات درج ہیں" المنصور یہہ سن کر نہایت برہم ہوا اور یہہ کہا
کہ "میں نے تجھ سے زیادہ جھوٹا اور دغاباز آدمی دنیا میں نہیں دیکھا" اپنے سامنے سے نکلوا دیا۔ وہ لوگ
جو اس کی ذلت کے بانی تھے ان میں سے ایک نے یہہ شعر کہا۔

قَدْ غَاصَ فِی الْبَحْرِ کِتَابُ الْفُصُوْص		وَھٰکَذَا کُلُّ ثَقِیْلٍ یَغُوْص	

جس کا جواب ابوعلی سعید نے نظم میں یوں دیا۔

عَادَ اِلٰی مَعْدِنِہٖ اِنَّمَا		تُوْجَدُ فِیْ قَعْرِ الْبُحُوْرِ الْفُصُوْص	

ابوعلی سعید گو ایک خود غرض اور حیلہ ساز آدمی تھا تاہم بعض وقت اس کے قلم سے ایسا چٹکتا
ہوا اور پر مضمون شعر نکل جاتا تھا کہ جسے دیکھکر شعرا کے وقت دنگ ہو جاتے۔ ایک روز یہہ اپنے چند
دوستوں کے ساتھ مے کشی میں مشغول تھا کہ ان میں سے ایک نے قطرہ شراب کا لب جام لگا ہوا

لہ کتاب فصوص دریا میں ڈوب گئی اور اسی طرح جو چیز بوجھل ہو گی وہ تہ میں بیٹھے گی۔

لہ پلٹ گئے اپنے معدن کی طرف کیونکہ سمندروں کی تہ میں نگینے پائے جاتے ہیں۔

دیکھ کر نظم کرنے کی خواہش کی سعید نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا؎

كَأَنَّ رِيحَ الرَّوْضِ لَمَّا أَتَتْ ۔۔۔ فَتَّتْ عَلَيْنَا مِسْكَ عَطَّارِ

كَأَنَّمَا أَبْرِيقُنَا طَائِرٌ ۔۔۔ يَحْمِلُ يَاقُوتًا بِمِنْقَارِ

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے المنصور کو گلاب کا پھول غیر موسمی لاکر دیا اتفاقاً سعید

بھی اس وقت موجود تھا اس نے فوراً یہ شعر پڑھا؎

أَتَتْكَ بُوعَامِرٍ وَرْدَةً ۔۔۔ يُذَكِّرُكَ الْمِسْكُ أَنْفَاسَهَا

كَعَذْرَاءَ أَبْصَرَهَا مُبْصِرٌ ۔۔۔ فَغَطَّتْ بِأَكْمَامِهَا رَأْسَهَا

المنصور ایسے نادر اور برجستہ کلام سے نہایت محظوظ ہوا لیکن ابن العارف نے المنصور سے

کہا کہ یہ اشعار سعید کے نہیں بلکہ ایک بغدادی شاعر کے ہیں جو قاہرہ میں رہتا ہے اوس نے اپنے

قلم سے میری ایک کتاب میں لکھدیے ہیں المنصور نے اوس کتاب کے لانے کا حکم دیا ابن العارف

فوراً ایک شاعر ابن بدر نامی سے یہ اشعار نظم کرالایا جن میں سعید کے شعر بھی درج ہیں؎

عَشَوْتُ إِلَى قَصْرِ عَبَّاسَةٍ ۔۔۔ وَقَدْ جَدَّلَ النَّوْمُ حُرَّاسَهَا

فَأَلْفَيْتُهَا وَهِيَ فِي خِدْرِهَا ۔۔۔ وَقَدْ صَرَعَ السُّكْرُ أُنَاسَهَا

لہ جبکہ باغ میں ہوا آئی تو اوس نے ہم پر عطار کے ریزہ ہائے مشک کو چھڑکا۔ ہمارا جام شراب اوس پرند کی شکل ہو کہ جسکی منقار میں دانہ یاقوت ہو۔ ؎۲ تم کو ابو عامر نے جو گلاب کا پھول دیا ہو اوسکی خوشبو تم کو مشک یاد دلا رہی ہو۔ یہ پھول اوس کنواری لڑکی کے مشابہ ہے کہ جب اوسکو کسی نے دیکھا تو اپنے سر کو آستینوں سے چھپا لیا۔ ؎۳ قصر عباسہ کی طرف میں شب میں پہونچا وہاں کے پاسبانوں کو نیند نے خواب غفلت میں لٹا دیا تھا میں نے عباسہ سے ملاقات کی جبکہ وہ اپنے خیمہ میں تھی اور نشہ نے اوس کے ہم نشینوں پر غلبہ کر لیا تھا۔ پس عباسہ نے کہا کہ کیا تو میرے عالم بیداری میں آگیا ہے میں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر اوس نے اپنے ہاتھ سے پیالہ پھینک دیا اور اپنا ہاتھ گلاب کی طرف دراز کیا جو اعلیٰ درجہ کا خوشبودار تھا۔ بقیہ صفحہ آئندہ

فَقَالَتْ اَسَادِي عَلٰى هَجْعَةٍ — فَقُلْتُ بَلٰى فَرَمَتْ كَاْسَهَا

وَمَدَّتْ يَدَيْهَا اِلٰى وَرْدَةٍ — يُحَاكِي لَكَ الطِّيْبُ اَنْفَاسَهَا

اَتَتْكَ اَبُوْعَامِرٍ وَرْدَةً — يُذَكِّرُكَ الْمِسْكُ اَنْفَاسَهَا

كَعَذْرَاءَ اَبْصَرَهَا مُبْصِرٌ — فَغَطَّتْ بِاَكْمَامِهَا رَاْسَهَا

وَقَالَتْ خِفِ اللّٰهَ لَا تَفْضَحَنْ — فِيْ اِبْنَةِ عَمِّكَ عَبَّاسَهَا

فَوَلَّيْتُ مِنْهَا عَلٰى غَفْلَةٍ — وَلَا خُنْتُ نَاسِيْ وَلَا نَاسَهَا

ابن العارف نے یہ اشعار ایک مصر کی لکھی ہوئی کتاب میں چسپاں کرکے المنصور کے سامنے پیش کیے المنصور نے دوسرے روز ایک نہایت عمدہ کشتی مختلف چیزوں سے سجی ہوئی اپنے سامنے رکھی اور سعید سے کہا کہ آج تیری لیاقت اور سچائی کا امتحان ہم کو منظور ہے اسی وقت فی البدیہ کشتی کی تعریف میں کچھ اشعار کہہ سعید نے فوراً یہ قصیدہ نظم کیا اور پڑھا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۳) ابو عامر جو میرے پاس گلاب لایا ہو اوسکی خوشبو مشک کو یاد دلاتی ہے اور وہ مثال اوس کنواری لڑکی کے ہے کہ جب کسی نے اوسے دیکھا تو اوس نے آستینوں سے اپنا سر چھپا لیا پھر اوسنے کہا کہ اللہ سے ڈر اور اوس لڑکی کو رسوا نہ کر عباس تیرا چچا تیرا ہے پس میں اوسکی غفلت میں پلٹ گیا اور نہ میں نے اپنے لوگوں سے خیانت کی اور نہ اوسکے لوگوں سے۔ اے ابو عامر تیری بخشش کے مقابلہ میں ابر بارندہ بھی نہیں ہے اور سوائے اوس شخص کے کہ جس نے تجھ سے دشمنی کی روئے زمین پر کوئی خائف و ترساں نہیں ہے ہر ایک نادر اور عمدہ چیز کو زمانہ تیرے پاس پیش کرتا ہے اور عجب تر شے جو تیرے لئے زمانہ کو ملتی ہے وہ تیرا واصف و مداح ہے ٭ اور بہت سی کلیاں ہیں جنھیں ابر باراں نے سنوارا اور بنایا ہے کہ دونوں کناروں پر اوس کے عنبر ذام پارچہ سبز اور ریزہ ہائے آویزاں ہیں ٭ اور جبکہ حسن اوس کا کامل ہوا اور انتہا کو پہونچا تو کنیزان حسین نے انواع لہو لعب سے اوس کا مقابلہ کیا ٭ وہ کنیزیں مثل اون آہووں کے ہیں جو آرام سے اپنے مسکنوں میں ہیں اور اونپر اون کے مسکنوں کی چھتیں گھمائے یاسمن سے سایہ فگن ہیں اور عجب تر یہ ہے کہ وہ کنیزیں نظارہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۱۶۵)

مسجد الحمراء کی محراب

(جامع حمراء۔ غرناطة)

قصیدہ

أبا عامر هل غير جدواك واكف — وهل غير من عاداك في الأرض خائف

يسوق إليك الدهر كل غريبة — وأعجب ما يلقاه عندك واصف

وشائع نور صاغها هامر الحيا — على حافتيها عبقر ورفارف

ولما تناهى الحسن فيها تقابلت — عليها بأنواع الملاهي الوصائف

كمثل الظباء المستكنة كنسا — تظللها بالياسمين السقائف

وأعجب منها أنهن نواظر — إلى بركة ضمت إليها الطرائف

حصاها اللآلي سابح في عبابها — من الرقش مسموم اللعابين راجف

ترى ما تراه العين في جنباتها — من الوحش حتى بينهن السلاحف

المنصور برجستہ اور عمدہ کلام سن کر بہت مسرور ہوا اور اس کو ایک ہزار دینار سرخ مع خلعت فاخرہ عطا اور تیس دینار اپنی جیب خاص سے ماہانہ بطور وظیفہ جاری کیے۔

ایک روز سعید نے ایک ہرن مع ایک قصیدے کے جس کے چند اشعار ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں المنصور کو تحفۃً بھیجا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کر رہی ہیں اور اس حوض دکھن ہو کہ مقصود اس حوض سے وہی کشتی ہوا کی طرف جسے عجائب روزگار نے گھیر لیا ہے اور سنگریزے اس کے موتی ہیں اور اس کے منظر آب میں وہ سانپ جن کے دونوں لعاب زہریلے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ تیر رہے ہیں۔ (مقصود اس تشبیہ سے زلف کنیزان مذکور ہیں)

قصیدہ

[1] یَاحِرْزَ کُلِّ مُخَوَّفٍ وَ اَمَانَ کُلِّ مُشَرَّدٍ وَ مُعِزَّ کُلِّ مُذَلَّلِ
یَاسِلْکَ کُلِّ فَضِیْلَۃٍ وَنِظَامَ کُلِّ جَزِیْلَۃٍ وَثَرَاءَ کُلِّ مُعَیَّلِ
عَبْدٌ جَذَبْتَ بِضَبْعِہٖ وَرَفَعْتَ مِنْ مِقْدَارِہٖ اَھْدٰی اِلَیْکَ بِاَیِّلٍ
سُمِّیَّۃٌ غَرْسِیَّۃٌ وَبُغَیَّۃٌ لِیَصِحَّ فِیْہِ تَمَائُلِیْ وَ تَفَاؤُلِیْ

حسن اتفاق سے جس روز یہ قصیدہ جس میں غرسیہ کا بھی ذکر تھا پیش ہوا اوسی روز عرب قومس قسطلہ کو جس کا نام غرسیہ تھا اور جو اتفاقاً شکار کھیلنے نکلا تھا گرفتہ وبستہ دربار میں حاضر لائے المنصور اس نادر واقعہ سے بہت محظوظ ہوا اور سعید کو پہلے سے بھی زیادہ عزیز رکھنے لگا۔

المنصور کی یہ نہایت دوراندیشانہ مصلحت تھی کہ اس نے عدالتی احکام میں کبھی بلا وجہ معقول دخل نہیں دیا اور نہ ایسے معاملات میں کبھی سعی وسفارش پر عمل کیا چنانچہ ایک روز المنصور نے فصد لینے کی غرض سے اپنے جرّاح محمد نامی کو طلب کیا معلوم ہوا کہ وہ کسی الزام میں قاضی کے حکم سے قید کر دیا گیا ہے۔ المنصور نے جرّاح کو قید خانے سے بلوایا اور فصد لینے کے بعد جب اس جرّاح

[1] اے تعویذ ہر خائف کے اور امان ہر گریختہ کے اور عزت بخش ہر خوار و پریشان کے ❊ اے سلک ہر فضیلت کے اور نظام ہر بخشش کے اور دولت وثروت ہر عیالدار کے ❊ جس بندہ کا تو نے بازو تھام کر اپنی جانب کھینچا اور جس کو اندازہ سے تو نے بلند کیا اوس نے تیری خدمت میں ہدیۃً ایک حقیر پیش کیا ہے یعنی ہر خوار غرسیہ (جس کی پیدائش کے وقت بال جسم پر ہنوز باقی ہوں) اور بغیۃ ہے (عنوان شباب میں جو مادہ خواہش زنی کرے) تاکہ میرا میلان اور میری گفتگو اوس کے بارے میں صحیح ہو۔ یہاں اتفاق وقت سے اوس گرفتار شدہ کا نام بھی غرسیہ تھا جس کا ذکر متن میں ہے۔۔

نے اپنی رہائی کی درخواست کی تو جواب دیا کہ میں عدالت کے احکام میں بشرطیکہ وہ صحیح اور منصفانہ ہوں ہرگز دخل نہیں دیتا۔ یہ لکھکر جرّاح کو جیل خانہ واپس بھیج دیا۔

المنصور امرا اور رعایا سب کے حالات خفیہ طور پر دریافت کیا کرتا تھا بالخصوص عیسائیوں کی نگرانی اور اون کی سازشوں نے اس پر دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی تھی تمام شب اسی فکر و اندیشہ میں بسر ہوتی تھی۔ ایک بار کسی امیر نے شب کو آرام لینے کی نسبت اصرار کیا المنصور نے جواب دیا کہ رعایا کی استراحت و آرام۔ ملک کا امن و امان میری بیداری پر موقوف ہے۔ یہ کہکر المنصور نے ایک سوار کو حکم دیا کہ شہر پناہ کے دروازہ پر کھڑا ہو اور علی الصباح جو شخص پہلے باہر نکلے اوس کو میرے پاس حاضر کر۔ چنانچہ صبح کو ایک نہایت معمر عیسائی گدھے کو ہکاتا ہوا شہر کے باہر نکلا سوار نے بڈھے کے اس بیان پر کہ میں لکڑی لانے کے واسطے جنگل جا رہا ہوں اور نیز اس خیال سے کہ ایک ضعیف از کار رفتہ کا لے جانا بے سود ہے معترض نہ ہوا مگر المنصور کی عدول حکمی کی دہشت نے سوار کو ایسا بے چین کیا کہ وہ اوس بڈھے کے پیچھے دوڑا اور کشاں کشاں اوس کو دربار میں لے آیا۔ المنصور نے اس بڈھے کی جامہ تلاشی کا حکم دیا۔ جب اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی تو گدھے پر جو ایک چمڑا پڑا ہوا تھا دیکھا گیا۔ بہت کچھ تلاش کے بعد اس چمڑے میں سے ایک خط نکلا جس میں شہر کے عیسائیوں نے اپنے ہم مذہب رئیسوں کو یہاں کے واقعات سے مطلع کر کے عربوں پر فوج کشی کی رائے دی تھی المنصور نے ان باغیوں کو فوراً گرفتار کر لیا۔

ابن ابی عامر کے عہد میں اس قدر رعب عربوں کا عیسائیوں پر چھایا تھا کہ وہ عیسائی صرف اس کے رایت لشکر کو دور سے دیکھ کر شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپتے تھے۔ ایک دفعہ جب عرب جنگ کے بعد اپنے ملک کو واپس ہو رہے تھے ایک علم ان کا مقام مفتوحہ کے قریب کسی بلند ٹیلہ پر گڑا رہ گیا۔ باوجودیکہ تمام فوج کوسوں دور نکل گئی تھی لیکن پھریرے کو ہوا میں لہلہاتا دیکھ کر کئی

روز تک دروازے شہر کے بند رہے اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ شہر سے باہر نکل کر اس واقعہ کو دریافت کرتا۔ میدان جنگ میں المنصور کا نام سن کر عیسائی افسر اور فوج سب پر ایسی دہشت غالب آ جاتی تھی کہ آغاز جنگ کے قبل ہی یہ اپنی کامیابی سے بالکل ناامید ہو جاتے تھے۔ بعض وقت جب اس کو عیسائی گھیر لیتے تھے اور ظاہراً رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اوس وقت بھی اوس کی ہمت مردانہ سے وہ کارنمائیاں ظہور میں آتے تھے کہ جس کے دوست دشمن دونوں معترف ہیں۔ چنانچہ المنصور ایک بار عیسائیوں سے لڑتا ہوا ایک نہایت تنگ و تاریک راستے سے جو دو سر بفلک کشیدہ پہاڑوں کے بیچ میں واقع تھا گزر کر دشمن کے ملک میں داخل ہوا۔ اثنائے تعاقب میں اس نے دیکھا کہ عرب اپنی سرحد سے بہت دور نکل آئے ہیں اور عیسائی جنگ سے برابر گریز کر رہے ہیں رسد اور امداد کا پہونچنا دشوار ہو رہا ہے اس نے فوراً فوج کو واپسی کا حکم دیا لیکن جس وقت عرب درہ مذکور کے قریب پہونچے عیسائیوں کو دونوں طرف پہاڑوں پر مورچہ بند پایا۔ المنصور دل میں اپنی اس غفلت پر نادم تھا اس نے تشویش کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور بکمال استقلال اپنی لشکرگاہ سابقہ پر واپس آ کر حکم دیا کہ "اطراف کے تمام مقامات پر قبضہ کر لیا جائے اور فوج کے واسطے یہیں مکانات تیار ہوں جب تک ہم یہاں قیام کریں سوائے عورتوں اور بچوں کے جو عیسائی نظر آئے اوسکو فوراً قتل کر کے لاش اس درہ کے سامنے ڈال دیا کریں۔" غرض چند ہی روز میں ایک انبار عظیم ان نعشوں کا عیسائیوں کے سامنے جمع ہو گیا۔ عیسائی اپنے ملک و قوم کو اس طرح تباہ ہوتے دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور المنصور کو کہلا بھیجا کہ "اگر جو عورتیں اور بچے مقید ہیں رہا کر دئے جائیں اور مال غنیمت واپس کر دیا جائے تو ہم تجھ کو اور تیری فوج کو بلا تعرض درہ کوہ سے گزرنے دیں گے۔" المنصور نے یہ جواب دیا کہ "میری فوج فی الحال اس ملک سے جانا نہیں چاہتی یہاں پر سب قسم کا بندوبست اپنے آرام و آسایش کے لئے کر لیا ہے اور اگر ہم اس وقت واپس گئے بھی تو سال آیندہ

موسم بہار میں ہم کو پھر یہاں آنا ہوگا اس آمد ورفت کی تکلیف گوارا کرنے کی عوض ہمارا یہیں رہنا مناسب ہے۔ اب بغیر کامل فتح ہمارا قدم پیچھے نہ ہٹے گا۔ عیسائی اس کے کمال استقلال اور علو ہمت کو دیکھ کر بہت ڈرے اور نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اپنی عفو خطا کی درخواست کی المنصور خود اپنی رہائی کی فکر میں تھا آخر کار اس نے اس شرط پر کہ (۱) عیسائی فوج فوراً منتشر کر دی جائے (۲) عیسائی فوج عرب کی باربرداری اور رسد کا ایسا انتظام کریں کہ قرطبہ تک عربوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو (۳) خود عیسائی افسر اور امرا اپنے ہاتھوں سے لاشوں کو راستہ سے الگ کریں۔

اُن کی خطاؤں کو معاف کیا۔

ایک مورخ نے اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ "اس سے زیادہ دشمنانِ اسلام کی کیا توہین ہوگی اور اس سے زیادہ خدائے تعالیٰ کا کیا قہر ان مغروروں پر نازل ہوسکتا تھا کہ اپنے مقتولوں کی نعشیں ان کو اوٹھانی پڑیں" عیسائیوں نے ان تمام شرائط کو پورا کر دیا اور عرب بلا تعرض درہ کوہ سے گزر کر اپنے ملک واپس آگئے۔

اگر ہم المنصور کی یلغاروں اور عیسائیوں کے ساتھ جس قدر کہ محاربات اس کے زمانے میں واقع ہوئے ان سے قطع نظر کریں اور صرف سلطنت کی اندرونی حالت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی حکومت کے استحکام کے ساتھ ملک میں امن اور رعایا کو فارغ البالی حاصل ہوتی گئی لیکن ابتدائی واقعات ہمیشہ اس کی ہردل عزیزی میں حائل رہے۔ چنانچہ لوگ اگر کوئی اچھا کام بھی کرتے تھے تو دیکھ لیتے تھے کہ کہیں المنصور کے خلاف طبع نہ ہو۔ ملازمین سلطنت کی کیا مجال تھی کہ ان سے کسی قسم کی بے ضابطگی عمداً یا سہواً سرزد ہو جاتی۔ سب سے زیادہ جس کو اپنی فوج کی آراستگی کا خیال تھا ادنیٰ سے ادنیٰ خلاف ورزی کی باداش میں اہل فوج کو نہایت ہی

سنگین سزائیں بلکہ اکثر سزائے قتل دی جاتی تھی۔ المنصور کے زمانہ میں فوج کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ ایک روز یہ اپنی فوج کا معائنہ کر رہا تھا اور رسالے اور پلٹنیں نہایت ہی باقاعدہ اور باترتیب بالکل خاموش اس کے سامنے سے گزر رہی تھیں۔ اس کا حکم تھا کہ ایسے موقعوں پر گھوڑے کی آواز بھی کان تک نہ پہونچے اتفاقاً کسی سپاہی کی تلوار کی جھلک نظر آئی۔ اس بدقسمت نے خلاف قاعدہ بلا اجازت اپنے افسر کے تلوار میان سے نکال لی تھی المنصور نے اوس کو اپنے سامنے طلب کیا اور صرف اتنی سی غفلت پر اوس کے قتل کا حکم دیا۔[۱]

المنصور کو تعمیر مکانات کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ حکومت میں جو عمارتیں بنائی گئی تھیں وہ بھی کچھ کم مشہور نہیں ہیں۔ مسجد قرطبہ کو جس کی نسبت ہم بہت کچھ تحریر کر چکے ہیں اس کے زمانے میں وسعت دی گئی اور دار الخلافہ سے کچھ فاصلے پر ۳۶۸ھ میں قلعہ الزاہرہ تعمیر کیا گیا جو رفتہ رفتہ اس کے زمانہ عروج میں ایک خاصہ شہر بن گیا تھا۔ عمدہ اور نفیس مکانات جن کے سنہرے گنبد مثل آفتاب منور تھے اور پرفضا سیر گاہوں اور خوشنما بازاروں سے مزین تھا دریائے وادی الکبیر کا پل ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سرخ کے صرف سے ۳۷۹ھ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ علاوہ ان کے اور بہت سی عمارتیں اندلس اور افریقہ میں اس کے زمانے میں تیار ہوئے۔ المنصور راسخ الاعتقاد پابند شرع اور بقول المقری قرآن اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا جس وقت یہ اپنی آخری جنگ سے لیون کو فتح کر کے واپس ہو رہا تھا شہر سالم میں ماہ رمضان ۳۹۲ھ مطابق ۱۰۰۲ء میں اس نے انتقال کیا۔

جب المنصور کے انتقال کی خبر عام طور پر معلوم ہوئی تو صرف اوس کے مخالفین ہی نہیں بلکہ تمام رعایا اپنے خلیفہ کی رہائی کے خیال سے ایسی خوش تھی کہ قصر الزہرا کے نعرہ ہائے شادمانی

[۱] المقری۔ نفح الطیب۔

سے تمام دارالخلافہ گونج رہا تھا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کا یہی خیال تھا کہ اپنے جابر وزیر کے مرنے سے خلیفہ بہت خوش ہوگا لیکن زمانہ دراز کی بے کاری نے ہشام کو اس قدر آرام طلب اور عیش پسند کر دیا تھا کہ جب اسکو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو بجائے خوشی کے آثار رنج و فکر کے اس کے چہرے سے نمودار ہوئے اور عبدالملک بن المنصور کے آنے تک یہ بالکل ساکت رہا۔ جب عبدالملک مدینہ سالم سے اپنے باپ کو دفن کر کے قرطبہ آیا ہشام نے اپنے ہاتھ سے اس کو خلعت پہنایا اور المنصور کی جگہ اس کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ ظاہر ہے کہ اس خلاف توقع تقرر سے عام طور پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ ہشام کے تمام ہی خواہان نے بحالت مایوسی اس کی تائید سے دست کشی اختیار کر لی۔ ادھر عبدالملک نے تالیف قلوب کا جال بچھایا۔ چنانچہ اپنے باپ کے خیر خواہوں کو بدستور اونکی خدمتوں پر قائم رکھا۔ ۳۹۳ھ میں مصلحتاً المعز بن زیری بن عطیہ اوس کے حسب استدعا بذریعہ فرمان شاہی مغرب الاقصیٰ کا مستقل حاکم مقرر کیا اور مثل اپنے باپ کے ہر سال عیسائیوں پر فوج کشی کرتا رہا۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ اس نے اپنے زمانۂ حکومت میں آٹھ بار فوج کشی کی اور ہر بار کامیاب رہا۔ ۳۹۴ھ م ۱۰۰۳ء میں بادشاہ جلیقیہ کو شکست عظیم دیکر اوسکے پایۂ تخت لیون کو تاراج کیا جسکے صلہ میں سلطان نے اسکو سیف الدولہ اور المظفر کا خطاب عطا کیا۔ عبدالملک نے تقریباً سات سال کی حکومت کے بعد ماہ محرم ۳۹۹ھ م ۱۰۰۸ء میں انتقال کیا۔

عبدالملک کے بعد اس کا بھائی عبدالرحمٰن بن المنصور حاجب مقرر ہوا اور مثل اپنے باپ اور بھائی کے بلا مزاحمت حکومت کرتا رہا۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ المنصور نے اپنے زمانہ حکومت میں قدیم امرائے عرب کی قوت کو اس قدر توڑا تھا کہ زمانہ دراز تک کوئی اس کے خاندان کا مقابلہ نہ کرسکا۔ عبدالرحمٰن نے اپنے تقرر کے چند ہی روز بعد المامون یا جیسا کہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ الناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا اور تمام لوازمات اور اقتدارات شاہی کو کام میں لانے لگا۔ المنصور نے گو فی الحقیقت بادشاہی کی تھی لیکن ہمیشہ اپنے کو ہشام کا وزیر ظاہر اور احکام و فرمان

شاہی خلیفہ ہی کے نام سے جاری و نافذ کرتا تھا لیکن عبدالرحمن نے اس ظاہری تابعداری اور خیرخواہی کو بھی بالائے طاق رکھا موجودہ امرا کے دربار چونکہ سب اسی خاندان کے ساختہ و پرداختہ تھے ہر حالت میں اسی کے طرفدار و معاون بنے رہے۔ علاوہ برین عامہ خلائق بھی اب ہشام سے مایوس اور ابن طرز حکومت کی عادی ہو گئی تھی کسی نے ان باتوں پر اعتراض نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ عبدالرحمن کے دل میں تاج اور تخت کی ہوس پیدا ہوئی۔ اس نے ایک فرمان ابوحفص ابن برد سے تیار کرا کر اوس کی ایک نقل خود سلطان سے جبراً کرائی اور اس حکم سلطانی کا اعلان تمام ممالک محروسہ میں کیا گیا۔ یہ فرمان جو کہ ایک معاہدہ کی شکل میں تھا حسب ذیل ہے۔

"امیر المومنین ہشام المؤید باللہ بہ ثبت دستخط اپنی عزیز رعایا سے بحلف یہ وعدہ کرتا ہے کہ جو کچھ کہ اس فرمان میں درج ہے اوس کی پوری پوری پابندی کرے گا۔ بعد بہت غور اور تامل اور اون عنایات اور بخشش ہاے ایزدی کو پیش نظر رکھکر جو خداے تعالیٰ نے بمقتضائے کرم اور فضل خلیفہ ہشام بن خلیفہ الحکم المستنصر باللہ بن خلیفہ عبدالرحمن الناصر لدین اللہ کو عطا فرمائی ہیں اور اوس کو عامہ خلائق کا امام اور امیر المومنین گردانا ہے یہ خوف عظیم امیر المومنین کے دل میں پیدا ہوا کہ اگر میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں قاصر رہا اور اپنی عزیز رعایا اور ملک کا جنکو خداے تعالیٰ نے بطور ودیعت میرے سپرد کیا ہے بغیر معقول انتظام کئے بے یار اور مددگار اور بغیر ایسے سرپرست کے سپرد کئے جو سچا خیرخواہ ملک و رعایا کا ہو اس جہان فانی سے کوچ کر گیا اوسوقت منتقم حقیقی کو کیا جواب دیا جائے گا پس خلیفہ نے مصمم قصد کر لیا ہے کہ خاندان قریش یا اون عربوں میں سے جنہوں نے اس ملک کو اپنا وطن گردانا ہے کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین اور وارث ملک اور قوم کا نگہبان مقرر کرے جو قوم کا سچا ہمدرد اور دلی بہی خواہ ہو اور جو سچے عقائد کے ساتھ اپنے مذہب کا پورا پابند ہو جس کا آئینہ قلب زنگ خودغرضی اور خودستائی اور مردم آزاری کی ضلالت سے صاف اور روشن ہو

جو معدلت گستری اور رعایا پروری اور راست بازی میں مشہور عالم ہو۔ غرض وہ ایسا آدمی ہو جو ہمیشہ
اپنے خدا و رسول سے ڈرتا رہے اور اون کے احکام سے سر مو انحراف نہ کرے اور جس سے خدا و
رسول اور عامہ خلائق خوش رہیں۔ بعد جستجوئے بسیار میں نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا ہے
جس میں یہ تمام صفات موجود ہیں اس کا نام المطرف عبد الرحمن بن المنصور ابن محمد ابن ابی عامر ہے
یہ شخص ایک خاندان عالی شان کا رکن اعظم ہے اور بلحاظ لیاقت اور متانت اور سنجیدگی اور دیگر
صفات حمیدہ اس قابل ہے کہ میرے بعد خلافت اندلس کو انجام دے اس کا نادر العصر اور اس
میں ان تمام باتوں کا جمع ہونا جو کہ بادشاہوں میں لازمی اور ضروری ہیں جن کے باعث اوس کو
اپنے ہمعصروں پر ہر طرح فوق حاصل ہے کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ اس لئے کہ یہ شخص المنصور کا
بیٹا اور المظفر کا بھائی ہے۔ ایک دوسری وجہ اسی شخص کو منتخب اور دوسروں پر ترجیح دینے کی یہ
ہوئی کہ جب امیر المومنین نے علم نجوم سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ خلیفہ کے بعد ایک شخص بنی قحطان
سے تخت خلافت کو زینت دے گا جس کی تصدیق عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص اور ابو ہریرہ
کی اس تحریر سے ہوتی ہے کہ ایک روز رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ ایک وقت وہ آنے والا ہے
کہ بنی قحطان کا ایک شخص آدمیوں کو اپنے سامنے لکڑی سے ہکائے گا۔ چونکہ اس آدمی میں تمام
خوبیاں جس سے انسان بنتا ہے موجود ہیں اور چونکہ کوئی اس کا ہمسر نظر نہیں آتا لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا
ہے کہ یہ وہی آدمی ہے۔ پس میں اپنی خاص خواہش اور رغبت سے اور گواہوں کے سامنے
خدا اور رسول اور چار خلفاء راشدین کو اپنے اس فعل کا گواہ گردان کر اپنے زمانہ زندگی میں المامون
عبد الرحمن بن المنصور کو سلطنت کا انتظام سپرد کرتا ہوں اور بعد میرے انتقال کے یہی تخت و تاج کا
وارث ہوگا المامون عبد الرحمن بن المنصور جو اس وقت حاضر ہے اس کو قبول کر کے وعدہ کرتا ہے کہ
اپنے کار مفوضہ کے انجام دینے میں ہمہ تن مصروف رہے گا۔[1]

[1] المقری۔

یہ فرمان جس کو سند ولی عہدی کہنا چاہئے ماہ ربیع الاول ۳۹۹ھ مطابق ۱۰۰۸ء میں دربار عام میں بہ حاضری وزرائے سلطنت اور اعیان دولت پڑھا گیا اور حاضرین دربار کی اس پر دستخطیں لی گئیں اور عبدالرحمن ولی عہد تسلیم ہوا۔

الغرض جب عبدالرحمن کی امیدیں پوری ہوئیں اور اس کی ولی عہدی کا اعلان مسجد قرطبہ کے ممبر سے کیا گیا تو اس نے نہایت اطمینان اور استقلال کے ساتھ اپنے خیالات کے موافق سلطنت کا انتظام شروع کیا لیکن اس کی سختی کے باعث عروج کے ساتھ ہی آثار انحطاط اور بد اقبالی کے نمودار ہونے لگے اون امرائے عرب کو جواب تک اس شہاب ثاقب کی تیز رفتاری اور غیر معمولی روشنی سے متحیر اور بے حس وحرکت ایک سکتے کے عالم میں پڑے تھے جب اس کے ناقابل برداشت نظام نے بیدار کیا تو ان کو محسوس ہوا کہ ایک شخص جس کا باپ ان کی خوشامد اور کفش برداری کو اپنا کمال فخر سمجھتا تھا اس کے دل میں اب اس عظیم الشان سلطنت کے تاج و تخت کی آرزو پیدا ہوئی بلکہ اس نے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کرلی ہے سب اس کی مخالفت پر آمادہ ہوئے ان کی خوبی بخت سے چند ہی روز میں اون کو عمدہ موقع حصول مقصد کا ملا یعنی اسی اثنا میں عبدالرحمن نے مثل اپنے باپ کے عیسائیوں سے جنگ کا قصد کیا اور فوج لے کر بذات خود قرطبہ سے جلیقیہ کی طرف روانہ ہوا۔ امرائے عرب نے رعایا کو مختلف تدبیروں سے اس جدید انتظام سے ناخوش اور برداشتہ خاطر کر ہی دیا تھا اس کی عدم موجودگی میں افسر فوج کو جس کے سپرد عبدالرحمن نے دارالخلافہ کا انتظام کیا تھا قتل کر ڈالا اور خلیفہ کو معزول کر کے خلیفہ عبدالرحمن الناصر لدین اللہ کے دوسرے بچوں میں سے محمد بن ہشام بن عبدالجبار کو ہشام کی جگہہ تخت خلافت پر بٹھا دیا اور قلعہ الزاہرہ[1] کو بھی منہدم کر ڈالا۔

---

[1] یہ قلعہ ابن ابی عامر نے قصر الزہرا کے مقابلہ میں تعمیر کیا تھا۔

طوایف الملوکی۔ محمد ابن الجبار المہدی۔ سلیمان۔ سلطان ہشام کا دوبارہ تخت پر بیٹھنا۔ اہل بربر کی بغاوت قتل عام۔ خلیفہ ہشام کا قتل۔

محمد المہدی باللہ کے مختصر حالات یہ ہیں کہ اس کے باپ ہشام ابن عبدالجبار نے عبدالملک ابن المنصور کے زمانہ حکومت میں تخت پر بیٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن بہت جلد عبدالملک کو اس کے ارادے کی اطلاع ہو گئی اور اوس نے ۳۹۷ھ مطابق ۱۰۰۶ء میں اس کو قتل کروا ڈالا۔ اوس کے قتل کے بعد محمد ابن ہشام کا جو کہ صاحب ہمت و جرأت آدمی تھا یہ قصد ہوا کہ اپنے باپ کے شروع کئے ہوئے کام کی تکمیل کرے لیکن عبدالملک کی ہوشیاری اور حسن انتظام نے اسکو اوس قصد سے باز رکھا۔ جب عبدالرحمن اپنے بھائی کی جگہ وزیر مقرر ہوا اور بجبر خلیفہ کو معطل کر کے اپنی ولیعہدی کا اعلان کیا۔ محمد ابن ہشام نے عامہ خلائق کو اس بات سے بے انتہا ناراض اور عبدالرحمن کی عدم موجودگی میں میدان خالی پاکر اس کے خلاف میں سازش شروع کر دی جس کی ابتدا حسن ابن یحییٰ اور ایک شخص مطرف نامی کی تائید سے ہوئی۔

عبدالرحمن نے قرطبہ چھوڑنے کے قبل احمد ابن حزم اور عبداللہ ابن عمرو کو جن کی خیر خواہی اور ہوشیاری پر اس کو پورا بھروسہ تھا دارالخلافہ کا حاکم مقرر کیا۔ چونکہ اس کو پورے طور پر یقین تھا کہ اب میرے مقابلہ میں کوئی شخص سر شورش نہیں اوٹھا سکتا لہٰذا دارالخلافہ میں زیادہ فوج چھوڑنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی۔ اس سہل انگاری کا یہ ثمر ملا کہ اس کے جاتے ہی اس کے مخالفین درپے اس کی بربادی کے

ہوگئے محمد ابن ہشام عبد الجبار کے ہم رازوں میں سے کسی کی غلطی سے قبل از وقت تمام شہر میں یہ
یہ افواہ پھیل پڑی کہ ایک زبردست شخص ابن ابی عامر سے عنقریب حکومت چھینا چاہتا ہے" ابن عمر نے
جب اس خبر وحشت اثر کو سنا تو فوراً شہر میں اس گمنام شخص کے گرفتار کرنے کی غرض سے جاسوس
مقرر اور مشتبہ اشخاص کی نگرانی کے لئے سخت احکام جاری کئے۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک
باغیوں کو اپنا کام ملتوی کرنا پڑا لیکن تھوڑے روز بعد موقع پاکر بتاریخ ۱۵ ر جمادی الآخر روز دوشنبہ ۳۹۹ھ
مطابق ۱۰۰۹ء محمد ابن عبد الجبار نے اپنے ہمرازوں میں سے تیس آدمیوں کو جن کی جرأت اور خیر خواہی
پر اس کو پورا اطمینان تھا یہ حکم دیا کہ پُل کے دروازہ سے قرطبہ میں داخل ہوں اور فصیل پر جہاں شام
کو لوگ بطور تفریح جمع ہوا کرتے ہیں مثل تماشائیوں کے کھڑے ہوں اور حکم کے منتظر رہیں۔ اون کی روانگی
کے بعد محمد ابن عبد الجبار خود ایک خچر پر سوار ہوا اور تنہا اوس دروازہ پر آیا جس کی فصیل پر یہ لوگ حکم کے
منتظر کھڑے تھے چشم زدن میں تمام شرکار جمع ہوگئے۔ یہاں سے دربانوں کو یا اور جو کوئی ان کا سد راہ
ہوا قتل کرتے ہوئے سب ابن عمر کے گھر پر حملہ آور ہوئے جہاں یہ دو عورتوں کے ساتھ مے کشی میں
مشغول تھا۔ محمد ابن عبد الجبار خود خواب گاہ میں گھس آیا اور ابن عمر کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور پھر
قصر شاہی کی طرف متوجہ ہوا یہاں حاکم شہر کے قتل کی پہلے ہی خبر پہونچ چکی تھی دروازے قصر کے
بند کرکے ہر جگہ فوج متعین کردی گئی تھی لیکن فوج اتنی نہ تھی کہ تمام شہر والوں کا مقابلہ کرتی نتیجہ یہ
یہ ہوا کہ باغی باب السباع اور باب الجنا کی دیوار کو توڑتے اور فوج کو شکست دیتے ہوئے قصر میں
داخل ہوگئے محمد ابن عبد الجبار بھی اوسی وقت باب السدۃ کی طرف سے ان کی مدد کے لئے پہونچا۔
باوجودیکہ قلعہ الزاہرہ[1] میں اعلیٰ عہدہ دار اور افسران فوج مثل ابو عمر ابن حزم اور عبد اللہ ابن سلامۃ وغیرہم
مع فوج موجود تھے لیکن ان پر خوف اس درجہ طاری تھا کہ یہ سب صرف قلعے کے دروازے بند کرکے رات بھر

[1] اس قلعہ کو بالس بھی کہتے ہیں۔

مسلح یورش کی انتظاری میں بیٹھے رہے۔ جب خلیفہ ہشام کو المہدی کے قصر میں گھس آنے کی خبر ہوئی تو اس نے کہلا بھیجا" کہ اگر تو میری ہلاکت سے درگزر کرے تو میں سلطنت سے دست بردار ہوجاتا ہوں" المہدی نے جواب دیا کہ "خدا میری نیت سے واقف ہے کہ میں اپنے خاندان کا دشمن نہیں اور نہ میں اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے قتل کا قصد رکھتا ہوں ہشام اگر اس ملک کی حکومت سے کنارہ کش ہو تو میں اوس کے ساتھ وہی برتاؤ کروں گا جو اوس کے لائق اور سزاوار ہوگا" اس کے بعد اس نے علماء اور امراء اور رعایا کے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کیا اور ایک فرمان تیار کرایا جس کا مضمون یہ تھا کہ "ہشام سلطنت سے دست بردار اور محمدؒ ابن ہشام ابن الجبار المہدی اُسکی جگہ تخت نشین ہوا" اس دستاویز پر تمام حاضرین دربار نے اپنے دستخط کیے۔

بروز چہارشنبہ علی الصباح سلطان محمدؒ اول المہدی نے مستقل طور پر دارالخلافہ کا انتظام شروع کیا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے ایک چچازاد بھائی محمدؒ ابن المغیرہ کو حاجب اور دوسرے امیہ ابن الحاف کو صاحب المدینہ یعنی حاکم قرطبہ مقرر کیا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ فوراً جدید فوج کی بھرتی بلا لحاظ قوم اور پیشہ شروع کردی جائے۔ اس کی فیاضی کی خبر سُن کر اتنے لوگ بخواہش دلی جمع ہوئے کہ قلیل عرصہ میں عمدہ فوج تیار ہوگئی۔ اس انتظام کے بعد المہدی نے اپنے حاجب کو الزاہرہ کی تسخیر کا حکم دیا۔ دارالخلافہ پر قبضہ کرلینے کے بعد اہل بالش[۵۲] ایسے مایوس و پست ہمت ہوئے کہ بغیر لڑے دروازے فوراً کھول دئے۔ محمدؒ ابن المغیرہ قلعہ میں داخل ہوا۔ باوجودیکہ وہاں کی رعایا نے کسی قسم کی مخالفت نہیں کی تھی تاہم چند روز تک لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ عامہ خلائق اور شاہی مکانات اور امراء کے باغ وغیرہ سے نہ صرف مال و متاع ہی لیا بلکہ مکانات کو اس قدر شکستہ و برباد کیا کہ یہ قلعہ چند ہی روز میں خرابہ ہوگیا[۵۳]۔ مگر المغیرہ نے اس غارت گری اور تباہی پر بھی اکتفا نہ کیا اور بتاریخ ۱۹ جمادی الآخر ۳۹۹ھ

[۵۲] یہ دوسرا نام قلعہ الزاہرہ کا ہے جس میں ابوعمر ابن حزم وغیرہ قلعہ بند تھے۔
[۵۳] المقری رقمطراز ہے کہ اس لوٹ سے ستر لاکھ دینار اور اکیس لاکھ روپیہ خاص حاجب محمدؒ بن المغیرہ کے حصہ میں آیا تھا۔

قلعہ میں آگ لگاکر اوس کو بالکل نیست ونابود کر دیا۔ اوس ہی روز محمد المہدی جشن شاہانہ کے ساتھ
تخت خلافت پر متمکن ہوا مسجد قرطبہ میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس خطبہ میں عبدالرحمٰن بن المنصور
کی بہت کچھ مذمت کی گئی ختم خطبہ کے بعد عامہ خلایق کی اطلاع کے واسطے ایک فرمان جو مشتمل باین مضمون
تھا کہ بجائے ہشام المہدی فرماں روائے اندلس ہوا صادر ہوا اور ہشام کی نسبت جو محل کے ایک
حصّہ میں قید تھا مصلحتاً یہ مشہور کیا کہ خلیفہ فوت ہو گیا۔ بتاریخ ۲۵ جمادی الآخر ۳۹۹ھ م ۱۰۰۹ء
المہدی نے مسجد قرطبہ میں بذات خود جاکر عامہ خلائق کے ساتھ نماز پڑھی اور امام نے منبر پر کھڑے
ہو کر حاضرین سے باآواز بلند کہا کہ "امیر المومنین کا یہ حکم ہے کہ میری غریز رعایا مجھکو عبدالرحمٰن اور اوس کے
ساتھیوں کے استیصال میں مدد دے" اس حکم کے مشہور ہوتے ہی دور دور سے لوگ جو عبدالرحمٰن کے
خاندان سے ناراں تھے قرطبہ میں جمع ہوئے اور فوج میں شریک کرلئے گئے۔ اسی ہی فوج کو
حکم ہوا کہ قرطبہ کے باہر میدان سرادق میں خلیفہ کے خیمے کے گرد اقامت پذیر ہو۔

ادہر دارالخلافہ میں یہ واقعات پیش تھے اور اودہر عبدالرحمٰن ابن المنصور ان معاملات سے
سے بالکل بے خبر کمال اطمینان اور خوشی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا لیکن جب یہ مع فوج شہر
طلیطلہ میں داخل ہوا تو اس کو یہ خبر وحشت اثر پہونچی کہ قرطبہ پر مخالفین کا قبضہ ہو گیا ہے فوج اور ملازمین بلکہ
اس کے تمام رفقا جن پر اس کو کمال اطمینان اور بھروسہ تھا باغیوں کے شریک ہو گئے اور روز بروز
المہدی کی قوت اور حکومت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ فوراً طلیطلہ سے قلعات واپس آیا اور فوج اور جو امرا
اس کے ساتھ تھے ان سب سے خیر خواہی کا عہد مواثیق لینا چاہا مگر فوج نے حلف اوٹھانے سے قطعی
انکار کیا اور صاف جواب دیا کہ ہم ایک بار حلفاً اقرار کر چکے ہیں وہی کافی ہے۔ اس جواب سے شنشول[1]
نہایت حیران اور خوفناک ہوا کہ شاید بغاوت کا اثر یہاں تک پھونچ گیا ہے۔ چنانچہ جب اس نے

[1] شنشول سے اشارہ عبدالرحمٰن کی طرف ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حاجب کو شنشول بھی کہا کرتے تھے۔

محمد ابن لیعلی الزناتی کو جو ان منکروں میں شریک تھا بلا کر یہ سوال کیا کہ "تیرے اور میرے عہدہ اور قوت میں کوئی فرق مابہ الامتیاز ہے یا نہیں" اس امیر نے جواب دیا کہ "میں صرف یہ کہ سکتا ہوں کہ میرے علاوہ اس فوج میں کوئی شخص تجھکو ایسا نہ ملے گا جو تیرے حکم سے یا تیرے بچاؤ کے لئے اپنی تلوار کو میان سے کھینچے" عبدالرحمن نے پھر پوچھا کہ "تیرے پاس اس فوج کے منحرف ہو جانے کا کیا ثبوت ہے" اس نے جواب دیا کہ "تو اپنے باورچیوں اور خیر خواہوں کو یہ حکم دے کہ یہ لوگ طلیطلہ روانہ ہوں خود معلوم ہو جائے گا کہ اس فوج میں سے کون تیرا ساتھ دینے پر آمادہ ہے" یہ سن کر شنشول نہایت برداشتہ خاطر ہوا اور حالت غضب میں کہا کہ "تیرے بیان کی تصدیق ابھی ہوئی جاتی ہے"

اوس وقت عبدالرحمن کے ہمراہ ایک عیسائی حاکم ابن عومس بھی موجود تھا اس نے عبدالرحمن کو اس حالت پریشانی میں دیکھ کر یہ صلاح دی کہ "مناسب وقت یہی ہے کہ تو میرے وطن کو چلا چل درستی لشکر میں بھی تیرا ساتھ دینے پر ہمہ تن آمادہ ہوں" چونکہ عبدالرحمن کے تنزل کا زمانہ آ گیا تھا اس مشورہ کو نامنظور کیا اور کہا کہ "میں قرطبہ ضرور جاؤں گا اور مجھ کو قطعی امید ہے کہ جب لوگ مجھ کو دارالخلافہ کے قریب دیکھیں گے تو یقیناً میری مدد کے لئے آمادہ ہو جائیں گے" ابن عومس نے بار دیگر باصرار تمام اوس کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا اور کہا کہ "ایک امید موہوم پر اپنی جان کھونا عقلمندی اور دانشوری سے بعید ہے۔ بخدا کہتا ہوں کہ اقبال نے تجھ سے اپنا منھ پھیر لیا اور فوج تجھ کو صاف جواب دے چکی ہے" جب اس عیسائی نے دیکھا کہ شنشول پر باوجود تباہی کوئی افسوں کارگر نہیں ہوتا۔ مجبوراً کہا کہ "بہتر ہے کہ جو امر تجھ کو مناسب معلوم ہو اوس پر عمل کر میں تیرا ساتھ کسی حالت میں نہ چھوڑوں گا حالانکہ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ جو طریقہ تو اختیار کرنا چاہتا ہے وہ ہم دونوں کو تباہ کریگا"

عبدالرحمن اپنے ارادہ پر قایم رہا اور مع ابن عومس قرطبہ کی طرف کوچ کیا۔ باوجودیکہ اس کو اثنائے راہ میں برابر خبر پہونچتی گئی کہ دور دور سے لوگ بخوشی تمام آ کر المہدی کی فوج میں شریک ہو رہے ہیں

عبدالرحمٰن اوسی طرح بڑھتا چلا گیا اور بتاریخ ۲۹ رجمادی الآخری ۳۹۹ھ اس نے قرطبہ کے قریب مقام کیا۔ اوسی رات کو اس کی بڑی فوج جو پہلے سے منحرف تھی المہدی کی فوج میں جاکر شریک اور صبح تک باقی ماندہ فوج بھی بلا اطلاع قرطبہ کی طرف روانہ ہوگئی صرف اس کے چند خانگی ملازم اور ابن غومس مع اپنی فوج کے رہ گئے۔ اس عیسائی نے عبدالرحمٰن کی تباہ حالت دیکھ کر اس کو پھر سمجھایا کہ اس آفت عظیم سے بچنے کے لئے جو قلیل وقت باقی رہ گیا ہے اس کو غنیمت سمجھ اور اپنی بربادی کے قبل بھاگ چل لیکن شنشول نے پھر وہی جواب دیا کہ میں ضرور قرطبہ جاؤں گا ہاں قبل روانگی میں اپنے قاضی کو بھیجکر وہاں آنے کی اجازت منگوا لیتا ہوں لیکن اس احتیاط سے بھی اس نے قطع نظر کی اور وہاں سے چلکر بتاریخ ۳ رجب روز چہارشنبہ دیرشوس[1] میں مقام کیا۔ اسی اثنار میں محمد المہدی کو عبدالرحمٰن کے آنے اور اس کی فوج کی بغاوت کی اطلاع پہونچی فوراً محمد ابن المغیرہ کو دو سو سوار دے کر اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ حاجب نے دیرشوس کے قریب ایک افسر ابن ذری نامی کو ایک رسالے کے ساتھ آگے جانے کا حکم دیا۔ ابن ذری نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے بروز جمعہ علی الصباح دیرشوس کے سامنے نمودار ہوا۔ عبدالرحمٰن نے فصیل پر سے ذری کے آنے کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ میں المہدی کی فرماں برداری کے لئے ہمہ تن موجود ہوں یہ کہکر اس نے گرجا کے دروازے کھول دینے کا حکم دیا اور خود مع ابن غومس اور عیسائی افسروں کے ابن ذری کے ساتھ ہو گیا۔ اوسی روز بعد ظہر ابن المغیرہ بھی وہاں آیا اور ان سب کو ساتھ لے کر قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔

یا تو چند ہی ماہ پیشتر عبدالرحمٰن نے تخت خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور ان قدیم امرائے عرب کو جن کو اپنی نسل اور خاندان پر کمال فخر تھا اپنے ملازمین خانگی سے بھی کم تر سمجھتا تھا۔ یا اب یہ وقت آیا کہ محض اپنی جان کے خوف سے عبدالرحمٰن نے حاجب کی صرف تعظیم ہی نہیں کی بلکہ اس کے گھوڑے کے سموں اور پٹھوں کو بوسہ دیا۔ ابن غومس سرنگون بالکل خاموش ایک طرف کھڑا ہوا

[1] یہ ایک نہایت مستحکم عیسائیوں کا معبد تھا۔

اس انقلاب عظیم کا تماشا دیکھتا رہا۔ دوسرے روز جب یہ لوگ اپنی قیام گاہ سے روانہ ہونے لگے تو قبل از روانگی حاجب کے حکم سے عبدالرحمن کی مشکیں خوب مضبوط باندھی گئیں کچھ دور تو یہ بمشکل تمام چلا لیکن جب تکلیف کے برداشت کرنے کی قوت نہ رہی تو اس نے نہایت ہی عجز و انکسار سے اپنی رہائی کی استدعا کی۔ ابن المغیرہ کو بھی اس کے حال زار پر رحم آیا اور اس کی مشکیں کھول دینے کی اجازت دی۔ عبدالرحمن کی بدبختی اور کوتہ اندیشی کو دیکھنا چاہئے کہ جب دیر شوس کی بلند اور مستحکم دیواریں اس کو اپنی آغوش پناہ میں لئے ہوئے تھیں اس نے اپنے بچانے کی مطلقاً فکر نہ کی بلکہ برضا و رغبت خود اپنے کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور جبکہ یہ ان لوگوں کے قبضے میں پوری طرح آچکا اس نے صرف اپنے ہاتھوں کو رہا پا کر چھری سے جو اوسکے کپڑوں میں پوشیدہ تھی ایک سپاہی پر جو اس کے قریب کھڑا تھا حملہ کیا مگر قبل اس کے کہ یہ کسی کو ضرر پہونچائے محمد ابن المغیرہ نے آگے بڑھکر اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور اسی طرح ابن عوسس کو راہ عدم دکھا کر ان دونوں کے سر اور عبدالرحمن کی لاش قرطبہ لایا۔ یہاں عبدالرحمن کا سر باب السدۃ پر لٹکایا گیا اور اس کی لاش کو دروازے کے سامنے ایک ستون پر نصب کر دیا۔ اور اس کی فوج کے سپہ سالار الرسان نامی کو نعش کے قریب کھڑا کیا اور اوس کو حکم دیا کہ باآواز بلند کہتا رہے کہ "مشغول المامون یہی ہے۔ اس کے اور میرے سروں پر خدای تعالیٰ اپنا قہر نازل کرے"

عبدالرحمن ابن المنصور ماہ محرم ۳۹۹ھ مطابق ستمبر ۱۰۰۸ء میں خلیفہ ہشام کا حاجب مقرر ہوا تھا اور ۳ ماہ رجب ۳۹۹ھ مطابق ۴ مارچ ۱۰۰۹ء میں تقریباً سات مہینہ کی حکومت کے بعد قتل ہوا۔ اس کے ذاتی حالات کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ گو یہ مثل اپنے باپ اور بھائی کے نہایت ہوشیار اور تجربہ کار تھا لیکن المنصور اور عبدالملک میں عمدہ خصایل بھی ایسے تھے کہ اون نمک حرامیوں کو جو اونہوں نے اپنے بادشاہ کے ساتھ کیں تھیں ایک حد تک مٹا کر اون کو

قوم وملت کا سچا خیرخواہ ظاہر کرتے ہیں۔ عبدالرحمن ان عمدہ خصائل سے مُعرا تھا۔ یہ اس قدر خودغرض
تھا کہ اس کو سلطنت کی بربادی اور بہبودی کی پروا نہ تھی صرف اپنے ذاتی نفع سے غرض رکھتا تھا
یہی سبب تھا کہ فوج اور رعایا المنصور اور المظفر کو عزیز رکھتی تھی اور عبدالرحمن کے برتاؤ سے ناراض ہوکر
بالکل برگشتہ ہوگئی تھی۔ علاوہ اس کے عوام اس کی زناکاری اور شراب خواری اور فسق وفجور سے نہایت
متنفر تھے ایک روز حسب اتفاق اس کے سامنے مسجد قرطبہ میں موذن نے اذان دی تو اس نے
کہا کہ ”اس شخص کو یہ اذان دینی چاہیے کہ یہاں آکر خدا سے انکار کرو“ چونکہ عبدالرحمن لاولد تھا
اور کوئی عزیز بھی اس کا موجود نہ تھا پس خاندان ابن عامر کا خاتمہ اس ہی پر ہوگیا۔ محمد المہدی کو
عبدالرحمن بن المنصور ودیگر مخالفین کے استیصال کے بعد بھی بغاوت سے نجات نہ ملی۔ قوم بربر جس
نے المنصور اور المظفر کو اس قدر مدد دی اور جو ہمیشہ اون کے اور اون کے خاندان کے خیرخواہ تھے
محض عبدالرحمن کے طرز برتاؤ سے ناراض ہوکر محمد المہدی کے شریک ہوگئے تھے اس قوم نے پھر عامہ
خلایق کے ساتھ مظالم شروع کئے۔ گو المہدی خوب جانتا تھا کہ اگر حسب خواہش رعایا اس ظلم و
زیادتی کا فوراً انتقام نہ لیا گیا تو عام بلوہ وفساد کا بڑا اندلیشہ ہے مگر کچھ ایسے واقعات چند در چند پیش تھے کہ
اسکو بمقابلہ رعایا اہل بربر کی طرفداری کرنی پڑی۔ خلاف امید بادشاہ کو اپنے دشمنوں کا معاون پاکر رعایا
ایسی برافروختہ خاطر ہوئی کہ خاص قرطبہ میں ایک ہنگامہ عظیم برپا ہوگیا اور بربری افسروں کے مکانات
ایک آن میں زمین دوز کر دئے گئے۔ المہدی نے اہل بربر کے دباؤ اور خوف سے جو لوگ اس فساد کے
بانی تھے نہ صرف اون کے قتل کا حکم دیا بلکہ جو لوگ راستوں پر بربر امرا کی توہین کے مرتکب ہوتے
تھے اون کو بھی سخت سزائیں دی گئیں۔ ان واقعات سے المہدی کے ساتھ رعایا کی مخالفت
دن بدن بڑھتی گئی۔ اگرچہ المہدی بظاہر بربر کا شریک ومعاون تھا باطناً ان کا مخالف اور ان کی
قوت کی توڑنے کی فکر میں رہا کرتا تھا جب اوس نے پوشیدہ طور پر ان کا بندوبست کرنا چاہا تو اس قوم

نے مخالفت کی خبر پاکر باہم مشورہ کیا کہ المہدی کو فوراً معزول کرکے ہشام[1] بن سلیمان کو تخت پر بٹھانا
چاہیئے امرائے عرب نے جب دیکھا کہ المہدی دراصل بربر کا طرفدار نہیں ہے سب نے اِس
سازش کی اطلاع پاتے ہی بہ مشارکت تمام رعایا بربر کو بوجہ نخوت غافل پاکر بہتوں کو مع ہشام
بن سلیمان قتل کرڈالا اور جو اس قتل عام سے بچے وہ دارالخلافہ سے بھاگ کر جابجا روپوش ہوگئے۔
ہشام کے ساتھ اوسکا بھائی ابوبکر بھی مارا گیا۔ لیکن انکا ایک عزیز سلیمان بن الحکم جس کو بربر نے
المستعین باللہ کے لقب کے ساتھ اپنا امیر اور دعویدار سلطنت تسلیم کرلیا تھا طلیطلہ کے قریب بمقام ثاغر
فوج بربر کو ترتیب دے کر آمادہ بجنگ ہوا اس نے احمد بن نصیب کو اپنا وزیر مقرر کیا اور فوراً وادی الحجارۃ پر
قبضہ کرکے مختلف ذرائع سے کوشش کی کہ کسی طرح واضح العامری حاکم مدینہ سالم کو اپنا معاون اور
طرفدار بنائے مگر واضح نے عبدالرحمٰن کے قتل کے بعد ہی المہدی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا سلیمان
کے خوشامد آمیز الفاظ اور ترقی کے وعدون پر بالکل التفات نہ کیا۔ المہدی نے فوراً چند رسالے اپنے
غلام قیصر کے ساتھ واضح کی امداد کے لئے روانہ کیے۔ ان دونوں مخالف فوجوں میں متعدد لڑائیاں
ہوئیں اور ہر بار المہدی کی فوج کو شکست ملی۔ آخر جنگ میں دونوں طرف بے انتہا مسلمان ایک دوسرے
کی شمشیر خون آشام کے لقمہ ہوئے اور قیصر قتل ہوا۔ واضح بمشکل تمام باقی ماندہ فوج کے ساتھ
مدینۃ السالم میں قلعہ بند ہوگیا۔ اس نے بربروں کے آنے کے قبل ہی قلعہ کے اطراف کے تمام
شاداب مقامات کو ایسا خراب کیا تھا کہ پندرہ روز میں بوجہ نایابی غلہ محاصرہ قایم رکھنا دشوار ہوگیا۔
جب سلیمان نے دیکھا کہ رسد وغیرہ کا اگر فوراً کوئی انتظام نہ ہوا تو بربر شکستہ دل اور تاب فاقہ کشی
نہ لاکر منتشر و فرار ہوجائیں گے اس نے اپنے فوجی افسروں سے مشورہ لیا اور بموجب صوابدید اونکے
دو آدمی بطور سفیر ابن مادویہ ایک عیسائی قومس کے پاس بھیجے اور اوس سے درخواست کی کہ "
تم ہماری اور المہدی کی مصالحت کرادو اور اگر المہدی صلح پر راضی نہ ہوا تو پھر ہم اور تم دونوں

[1] ہشام کا سلسلہ خلیفہ عبدالرحمن ثالث سے ملتا ہے۔

قرطبہ پر حملہ کریں گے" یہ جب سفارت ابن ماذویہ کے پاس پہونچی سفیروں نے دیکھا کہ المہدی اور واضح کے قاصد بھی اس عیسائی کو اپنی مدد پر آمادہ کرنے کی غرض سے آئے ہوئے ہیں اور قریب ہے کہ اس کو بہت کچھ طمع دے کر اپنا طرفدار اور معاون بنا لیں۔ المہدی نے منجملہ دیگر وعدوں کے یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ "بشرط کامیابی سرحدی قلعوں پر تمہارا قبضہ کرا دیا جائے گا" ادھر سلیمان کے لوگوں نے ابن ماذویہ کے ہموار کرنے میں کوشش بلیغ کی بالآخر عیسائیوں نے سلیمان کے شرائط کو منظور کر لیا اور بہت کچھ سامان خورونوش مع ایک ہزار بیل اور گائے اور پندرہ ہزار بکرے اور ضروری لباس وغیرہ سلیمان کو بھیجا۔ اس امداد کے پہونچتے ہی اس نے بڑے پیمانہ پر جنگ کا انتظام کیا اور ماہ محرم سنہ ۴۰۰ھ م سنہ ۱۰۰۹ء میں قرطبہ کی طرف فوج کثیر کے ساتھ روانہ ہوا۔ واضح المہدی کی مدد کے لئے ان کے عقب میں آ رہا تھا کہ راستہ میں اس کو خبر ملی کہ المہدی بذات خود دار الخلافہ کے باہر انتظار جنگ میں خیمہ زن ہے اس نے فوراً المہدی کو اطلاع کی کہ بربروں پر اگر ہم دونوں اس وقت حملہ کریں تو ان کو باسانی منتشر کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ بغیر صحت واقعہ اور انتظار جواب سلیمان کے ساتھ جنگ شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شکست فاش کھا کر بمشکل تمام یکہ و تنہا قرطبہ بھاگ آیا۔ یہاں پہونچ کر اس کو معلوم ہوا کہ المہدی ان واقعات سے بالکل بے خبر اور بے پروا نشۂ حکومت سے مست نائے ونوش میں مصروف تھا جس وقت واضح اور اس کے بعد اس کی فوج کے چار سو آدمی ہزیمت خوردہ نہایت پریشان اور تباہ قرطبہ میں داخل ہوئے تب المہدی کی آنکھیں کھلیں اور بحالت پریشانی و سراسیمگی اس نے شہر کے باہر میدان سرادق میں اپنی فوج کو فراہم کیا۔ لشکر کے اطراف ایک نہایت عمیق خندق بنوائی۔ یہ ہنوز انتظام میں مصروف تھا کہ اس کا ایک خواجہ سرا طلیق نامی دو سو سواروں کے ساتھ افتان وخیزان سلیمان کی فوج کے ہراول سے اپنی جان بچا کر آیا ہی تھا کہ اتنے میں سلیمان کی فوج نمودار اور وہیں شہر کے سامنے خیمہ زن ہوئی۔ المہدی نے حکم دیا

شہر میں جو مرد ہتھیار اوٹھانے کے قابل ہیں وہ سب مسلح میدان سرادق میں حاضر ہو جائیں الحاصل تاریخ ۱۴
ربیع الاول سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۲ نومبر سنہ ۱۰۰۹ء دونوں فوجیں باترتیب اور صف بستہ ایک دوسرے
کے سامنے استادہ ہوئیں سب سے پہلے سلیمان نے اپنی خاص تین ہزار جنگ آزمودہ سوار ان
جوشن پوش کو حملہ کا حکم دیا۔ ان سواروں نے اس دلیری اور شجاعت سے المہدی کی فوج پر حملہ کیا
کہ جس کی تاب قرطبی نہ لا سکے اور پراگندہ ہو کر شہر کی طرف بھاگ نکلے۔ واضح العامری اپنی جان
بچا کر طلیطلہ کی طرف بھاگ آیا محمد المہدی نے جب اس تباہی کا سامنا دیکھا میدان جنگ سے سیدھا
قصر شاہی واپس آیا اور خلیفہ ہشام کو قید سے رہا کر کے اعلان کیا کہ "جب کہ ہمارا بادشاہ زندہ اور
سلامت ہے میں کسی طرح سلطنت کا مستحق نہیں ہو سکتا میں صرف امیر المومنین کا وزیر اور فرماں بردار
ہوں" اس کے بعد المہدی نے پہلے خود خیر خواہی اور جاں نثاری کا حلف کیا اور حاضرین دربار سے
بھی اطاعت و راست بازی کا حلفی وعدہ لیا۔ پھر المہدی نے بوساطت اپنے قاضی کے اہل بربر
کو یہ کہلا بھیجا کہ "میں امیر المومنین خلیفہ ہشام کا ایک ادنیٰ سچا غلام ہوں وہ میرا خلیفہ برحق ہے اور
میں اوسکا حاجب ہوں۔ ملک و رعایا کا وہی مالک ہے" بربروں نے جواب دیا کہ "اے دروغ گو
ہمارے سامنے سے فوراً چلا جا۔ کیا ہم نہیں جانتے کہ یہ کل ہی کا واقعہ ہے کہ یہ مشہور کیا گیا تھا کہ
خلیفہ ہشام کا انتقال ہو گیا اور تو ہی نے اوس کی نماز جنازہ بھی پڑھی تھی اور تو ہی اب یہ کہتا ہے
کہ امیر المومنین زندہ ہے اور یہ خلافت اوس ہی کو سزاوار ہے ہم کس بات کو باور کریں" قاضی اس
طرز گفتگو سے نہایت خائف ہوا اور کسی حیلہ و بہانہ سے قرطبہ واپس آیا۔ قرطبہ کی رعایا ان خانگی
لڑائیوں سے اس قدر تنگ اور پریشان تھی کہ اس لڑائی کے بعد ہی ہر کس و ناکس شہر کا سلیمان کے
پاس آیا اور اس فتحیابی پر ہر شخص نے اپنی خوشنودی ظاہر کی سلیمان نے رعایا کو جب اپنا اس قدر
طرفدار پایا تو یہ شہر میں داخل ہوا۔ المہدی اپنی جان بچا کر کسی طرف بھاگ گیا۔

جب سلیمان المستعین باللہ نے دارالخلافہ پر اپنا قبضہ کیا تو اب ابن مادویہ نے ایفائے وعدہ کا تقاضا کیا۔ سلیمان نے جواب دیا کہ ابھی تمام ملک میرے زیر حکومت نہیں آیا ہے بعد تسلط و اطمینان قطعی کے تمام شرائط کی تکمیل کر دونگا۔ اس قرارداد کے بعد ابن مادویہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۴۰۰ھ مطابق ۱۰۰۹ء اپنے ملک واپس چلا گیا۔ سلیمان نے اس عیسائی کے چلے جانے کے بعد سب سے پہلے خلیفہ ہشام کو محل میں قید کیا اور عبدالرحمٰن کی نعش کو ستون سے اوتار کر اوس کے باپ اور بھائی کی قبر کے پائنتی دفن کرا دیا۔ المہدی چند روز تک قرطبہ میں اپنے ایک دوست کے مکان میں روپوش رہا اور بمشکل تمام اپنی جان بچا کر بتاریخ یکم جمادی الاول ۴۰۰ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۰۰۹ء طلیطلہ پھونچا یہاں کے باشندے خلاف امید ہمدردانہ پیش آئے۔ جس سے اس کا انتشار کسی قدر برطرف ہوا لیکن چند روز میں جس بات کا اس کو خوف تھا وہی پیش آئی یعنی بتاریخ ۱۸ جمادی الآخر ۴۰۰ھ مطابق ۸ جنوری ۱۰۱۰ء سلیمان کا بیٹا ہشام اس کی گرفتاری کی غرض سے مع فوج طلیطلہ وارد ہوا۔ شہر میں داخل ہونے کے قبل اس نے چند علماء کو بجانب شہر بدین غرض روانہ کیا کہ رعایا کا خیال المہدی کی نسبت دریافت اور اگر عامہ خلایق اس کی طرفداری پر آمدہ ہو تو اوس کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ اہل طلیطلہ نے المہدی کا ساتھ چھوڑنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس ہی اثنا میں ایک شخص القریشی نے بغاوت کے جھنڈے کو بلند کیا سلیمان نے اپنے ایک افسر علی ابن داعہ کو اس شخص کی تنبیہ کے لئے بھیجا علی نے القریشی[۵۴] کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

سلیمان نے بذات خود باین امید طلیطلہ کا عزم کیا کہ یہاں کی رعایا میری ردو رعایت سے المہدی کی طرفداری نہ کرے گی۔ چنانچہ یہ یلغار کر کے پہلے مدینۃ السالم آیا۔ ابن مسلمہ بھی اس کی فوج خاص لے کر یہاں پھونچا۔ واضح[۵۵] نے جب اس کے آنے کی خبر سنی تو وہ یہاں سے بھاگ کر

---

۵۴ القریشی قرطبہ میں بحکم سلیمان قتل کیا گیا۔ ۵۵ واضح قرطبہ سے مدینۃ السالم بھاگ آیا تھا۔

طرطوشہ میں پناہ گزیں ہوا اور منافقانہ صلح کی درخواست بشرط جان بخشی پیش کی سلیمان اس کے دھوکہ میں ایسا آیا کہ اس نے صرف واضح کی خطاؤں کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ اوس سمت کی فوج اور ملک کا افسر و حاکم اس کو بنا کر مخالف عیسائیوں کے تصفیہ کا حکم دیا اور طلیطلہ کا عزم ملتوی کر کے خود قرطبہ واپس چلا آیا۔ واضح کو جب خلاف امیدیہ حکومت اور قوت حاصل ہوئی اس نے خفیہ طور پر عیسائیوں کو لالچ اور طمع دلا کر بمقابلہ سلیمان اون کو المہدی کی مدد پر آمادہ و راضی کیا قلیل عرصہ میں یہ عیسائی اپنی اپنی فوج لے کر المہدی کے پاس جمع ہو گئے سلیمان کو جب خبر پہونچی کہ المہدی عیسائیوں کے ساتھ اس کے مقابلہ کیلئے آ رہا ہے اس نے بھی اپنی فوج کو درست کیا اور عقبۃ البقر کے قریب المہدی کی فوج سے آملا۔ بتاریخ ۹ یا ۱۰ شوال سنہ ۴۰۰ھ جنگ شروع ہوئی سلیمان اپنے حبشی رسالہ کے ساتھ لشکر کے قلب میں استادہ تھا بربروں نے نہایت بہادری کے ساتھ عیسائیوں پر حملہ کیا لیکن ناکام رہے اور عیسائیوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ اس ابتدائی جنگ میں اہل بربر کو پسپا دیکھ کر سلیمان کچھ ایسا مایوس و منتشر الحواس ہوا کہ لوض ... اپنی خاص فوج کو واپسی کا حکم دیا اور خود بعجلت تمام مع مصاحبین قرطبہ بھاگ آیا باین ہمہ بربر نے باستقلال تمام اپنی پسپا شدہ فوج کو مکرر ترتیب دے کر نہایت شجاعت اور مردانگی سے تا دیر عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے حتیٰ کہ ارمنغید بادشاہ فرنگ کو مع نامی افسران فوج کے قتل کیا۔ مگر جب ان کو سلیمان کا میدان جنگ سے فوج کو بے سر چھوڑ کر بھاگ جانا معلوم ہوا تو یہ حالت غصہ اور ناامیدی میں مگر صف بستہ نہایت اطمینان سے لڑتے ہوئے الزہراء میں داخل ہوئے لیکن اوس ہی رات کو جب انہوں نے اپنے میں تاب توانائی جنگ اور امید مدد کی نہ پائی اس مقام کو خالی کر دیا۔ سلیمان سات مہینہ کی حکومت کے بعد قرطبہ سے شاطبہ چلا آیا۔

جنگ مذکور کے دوسرے روز المہدی مع اپنی عیسائی فوج کے دارالخلافہ میں داخل ہوا اور بتاریخ ۲ ذیقعدہ سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۲۱ جون سنہ ۱۰۱۰ء اس نے عیسائیوں کو بربروں کے تعاقب کا

حکم دیا اور خود بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اوس ہی روز ایک سخت جنگ واقع ہوئی جس میں تین ہزار عیسائی قتل اور باقی ماندہ نہایت تباہ حال المہدی کے ساتھ قرطبہ بھاگ آئے یہاں عیسائیوں نے حالت رنج و غصہ میں اس قدر ظلم و زیادتی شروع کی کہ رعایائے شہر جو پہلے ہی ان خانگی جھگڑوں سے تباہ و تنگ تھی از حد پریشان و برباد ہوئی۔ بالآخر ان عیسائیوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور سب اپنے ملک کو واپس چلے گئے المہدی دوبارہ بربروں کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوا فوج کے واسطے رعایا سے بجبر روپیہ وصول کیا مگر یہ نئی فوج تاب مقاومت نہ لا سکی اور بغیر لڑے واپس چلی گئی۔ جب المہدی نے فوج کی یہ حالت دیکھی تو اب بغرض حفاظت خود ایک عمیق خندق شہر کے گرد اور اوس کے قریب ایک نہایت مستحکم دیوار تیار کرائی لیکن جائے افسوس ہے کہ باوجود ملک کی تباہی اور عامہ خلایق کی بربادی اور متواتر شکستوں کے اس خندق و دیوار کو سد سکندری سمجھ کر پھر بعادت معہود عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ فوج نے بادشاہ کو عیش پسند اور بے خبر اور اپنے کو مطلق العنان پا کر خلائق پر ظلم و تعدی شروع کر دی۔ واضح سے قرطبہ اور رعایا کی یہ سخت تباہی دیکھی نہ گئی پہلے اس نے خود المہدی سے ان امور کی اصلاح کی درخواست کی۔ اور جب المہدی کو اس طرف متوجہ نہیں پایا تو مع چند با خدا امراء کے المہدی کی بے پروائی اور مذموم حرکات سے متنفر ہو کر غریب رعایا کی حمایت پر آمادہ ہو گیا اور بتاریخ ۲۱ ذی الحجہ سنہ ۴۰۰ھ[۱] سب یہ نعرہ مارتے ہوئے کہ "ہم اپنے حقیقی خلیفہ ہشام کے حلقہ بگوش اور فرماں بردار ہیں" قصر شاہی کی طرف آئے اور ہشام کو قید سے رہا کر کے تخت خلافت پر بٹھایا۔ المہدی اوس وقت حمام میں مصروف تھا یہ خبر وحشت اثر سن کر فوراً دربار میں آیا اور ہشام کے ساتھ تخت پر بیٹھنے کا قصد کیا کہ ایک خواجہ سرا عنبر نامی نے اس کو پکڑ کر نیچے اوتارا اور جبراً تخت کے نیچے بٹھا دیا۔ خلیفہ اس کی نمک حرامی کا ذکر

---

[۱] بعض مورخین ۸ ذی الحجہ تحریر کرتے ہیں۔

اور شکایت تا دیر کرتا رہا۔ بعدہٗ عنبر نے تلوار اسکے قتل کی نیت سے کھینچی۔ المہدی اپنی موت کو سامنے دیکھ کر عنبر کے جسم سے لپٹ گیا اور نہایت عاجزی سے اپنی جان بخشی چاہی لیکن کسی پر اس کی تضرع زاری کا اثر نہیں ہوا اور عنبر نے اس کو اوس ہی حالت میں قتل کیا۔ اس کی لاش شہر کی فصیل پر سے خندق میں پھینک دی گئی۔ محمد ابن عبد الجبار المہدی ۳۵ سال کی عمر میں دس مہینہ کی حکومت کے بعد قتل ہوا۔ ابن بسام نے اس کی حکومت چندروزہ کو یوں سلک نظم میں کھینچا ہے۔

قَدْ قَامَ مَهْدِيُّنَا وَلٰكِنْ — بِمِلَّتِ الْفِسْقِ وَالْمُجُوْنِ
وَشَارَكَ النَّاسَ فِي حَرِيْمِهِ — لَوْلَاهُ مَا زَالَ بِالْمَصُوْنِ
مَنْ كَانَ مِنْ قَبْلِ ذَا اَجَمًّا — فَالْيَوْمَ قَدْ صَارَ ذَا قُرُوْنِ

خلیفہ ہشام نے بار دیگر اپنے آبائی تخت خلافت پر بتاریخ ۱۱ر ذی الحجہ سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۲۴ر جولائی سنہ ۱۰۱۰ء جلوس کیا اور بمشورہ وزرا المہدی کے سر کو اہل بربر کے پاس بمقام وادی شوش بھیجکر اون کو بغاوت اور سلیمان کی شراکت سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن خلاف امید بربروں نے ہشام کی اطاعت سے یک لخت انکار کر دیا اور جو لوگ منجانب خلیفہ آئے تھے اون کو یہ کہکر کہ اگر اپنی جان عزیز رکھتے ہو تو فوراً چلے جاؤ واپس کر دیا۔ جب واضح نے دیکھا کہ صلح کی کوئی امید باقی نہیں رہی اور سلیمان نے پھر اس قدر رسوخ حاصل کر لیا ہے کہ بربر اپنے خلیفہ کے ساتھ برسر پرخاش ہیں ناچار دار الخلافہ کے قلعہ اور برجوں کے استحکام اور بندوبست کی طرف متوجہ ہوا اور دشمن کے سواروں کے روکنے کے لئے خندقیں کھدوائیں اور مناسب موقعوں پر جدید برج تیار کئے۔ اودہر سے سلیمان مع اپنی فوج شہر کی طرف بڑھا لیکن متعدد یورشوں کے بعد جب اس نے دیکھا کہ

۱؎ تحقیق ہمارے مہدی نے طریقہ فسق اور گستاخی پر حکومت کی۔ اور اپنے حریم یعنی ذات و حکومت میں اور لوگوں کو شریک کرتا تو محفوظ رہتا۔ اس سے قبل جو شخص کہ اپنے سر سینگ نہ رکھتا تھا آج اوس کے سر سینگ نکل آئے۔

شہر پر قبضہ کرنا ممکن نہیں۔ بتاریخ ۲۴ ربیع الاول سنہ ۴۰۱ھ مطابق ۵ نومبر سنہ ۱۰۱۰ء قصر الزہرا کی
طرف متوجہ ہوا اور اس پر قبضہ کر کے قتل عام کا حکم دیا اور پھر بتاریخ ۲۴ شعبان سنہ ۴۰۱ھ مطابق
۲ فروری سنہ ۱۰۱۱ء قرطبہ کی تسخیر کے خیال سے شہر کے اطراف واکناف جو باغات اور میوہ دار
درخت اور کھیت جن میں نہریں آب شیریں کی بہکر شہر کو سیراب کرتی تھیں واقع تھے نہایت
بے دردی سے تباہ کرنا شروع کئے۔ ان مقامات کی رعایا حیران اور پریشان جو کچھ سرمایہ ہاتھ
آیا۔ قرطبہ میں پناہ گزیں ہونے لگی۔ شہر میں پہلے ہی سے سامان خورونوش کی تکلیف تھی ان لوگوں
کے مجمع سے فاقہ کشی کی نوبت پہونچی یہاں تک کہ گیہوں کے دو پیمانے تین سو درہم کو
بھی نہایت دشواری سے دستیاب ہوتے تھے۔ اس حالت نزاع وپریشانی میں ابن ماردیہ نے
سلیمان سے تکمیل معاہدہ کا تقاضا کیا۔ ایسے نازک وقت میں اس عیسائی کو ناراض کرنا خلاف مصلحت
تھا بہت گفت وشنید کے بعد اس وعدہ پر کہ عیسائی اس کے خلاف کوئی امر نہ کریں گے اور
دشمنوں کو کسی قسم کی مدد نہ دیں گے دو سو قلعہ علاوہ چند بڑے شہروں کے جو خلیفہ الحکم مستنصر باللہ
کے زمانہ سے عربوں کے قبضہ میں چلے آتے تھے ابن ماردیہ کے حوالہ کر دئے گئے۔ اس انحطاط
کمزوری کو دیکھکر ہر عیسائی نے سر شورش اوٹھایا۔ چنانچہ ابن سیاکس[1] نے اپنی بغاوت کا خوف دلا کر چند قلعوں کی
درخواست کی جو مجبوراً منظور کر لینی پڑی۔

اہل بربر نے عیسائیوں کی اس سرکشی پر مطلقاً التفات نہ کیا بدستور ملک کو تاراج کرتے رہے
جو شہر اور قصبے کہ سیکڑوں سال کی محنت اور عرق ریزی سے آباد اور سرسبز ہوئے تھے اون کو نیست و
نابود کر دیا صرف چند شہر مثل مدینہ سالم اور طلیطلہ جو اس حصہ ملک سے باہر تھے تباہی سے محفوظ رہے۔
ملک اور رعایا اس قدر تاراج ہوئی کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر دو مہینہ تک سفر کرتا تو راستہ میں

---

[1] یہ بھی ایک عیسائی حاکم تھا۔

کسی فرد بشر سے ملاقات نہ ہوتی۔ چونکہ خلیفہ کی حفاظت اور شہر و باشندگان شہر کی امن و آسایش کا دارومدار فوج ہی پر تھا لہذا فوج کے ساتھ ہشام بہت رعایت کیا کرتا تھا لیکن اب رفتہ رفتہ جب فوج پر بھی وہی سختیاں گزرنے لگیں تو فوج میں بھی آثار عدول حکمی اور سرکشی کے پیدا ہونے لگے اور واضح ذمہ دار تمام اون آفات کا جو فوج پر گزر رہی تھیں گردانا گیا۔ واضح نے اپنے بچاؤ کی نیت سے ایک بار پھر اپنے خاص رفیق ابن بکر کو سلیمان کے پاس بھیجکر بربروں کو راہ راست پر لانا چاہا مگر جب ابن بکر بربروں سے مل کر شہر میں داخل ہوا برداشتہ خاطر فوج نے اس کو بلا وجہ قتل کر ڈالا اور اوس کے خون آلودہ سر کو ایک نیزہ پر بلند کر کے شہر کا گشت لگایا۔ اس واقعہ سے واضح کو اپنی جان کا خوف پیدا ہوا اور اس نے خفیہ طور پر یہاں سے فرار ہونے کا ارادہ کیا لیکن اس کی بدنصیبی سے اس کے ایک مخالف ابن ابی ودعاۃ کو اس ارادہ کی خبر پہونچ گئی۔ ابن ابی ودعاۃ نے فوراً آ کر واضح کو گرفتار کیا اور افسران فوج کی شرکت سے اس کو اوسی وقت اور نیز جو لوگ کہ اس کے دوست اور معاون سمجھے جاتے تھے سب کو قتل اور اون کے گھروں کو زمین دوز کر دیا۔ واضح بتاریخ ۱۵ ربیع الاول ۴۰۲ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۰۱۱ء قتل ہوا اوسی روز ابن ابی ودعاۃ والی مدینہ مقرر کیا گیا۔

سلیمان ان اندرونی واقعات سے ناواقف نہ تھا۔ اس نے بربروں کو لے کر محاصرہ میں سختی کی۔ بالآخر ایک زمانہ دراز کے محاصرہ کے بعد بتاریخ ۳ شوال ۴۰۳ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۰۱۳ء بعد قتل عظیم سلیمان غالب آیا بتاریخ ۵ شوال قصر شاہی میں داخل ہوا اور خلیفہ ہشام کو اپنے سامنے طلب کر کے اوس سے سوال کیا کہ "تجھکو یاد نہیں کہ تو نے بطور خود خلافت کو میرے سپرد کیا تھا پھر کیوں تو اپنے وعدہ سے منحرف ہوا؟" خلیفہ نے جواب دیا کہ "جو واقعات کہ مجھ سے سرزد ہوئے اون کا میں اپنی خواہش نفس سے مرتکب نہیں ہوا بلکہ یہ امور مجھ سے بحالت مجبوری وقوع میں آئے"۔ اس جواب و سوال کے بعد ہی خلیفہ ہشام ابن خلیفہ الحکم خفیہ طور پر سلیمان کے حکم سے مار ڈالا گیا۔

ان اہل افریقہ نے جو ظلم وستم کہ عامۂ خلائق پر کیا وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ وہ دن دار الخلافہ کے لئے قیامت کا نمونہ تھے۔ جو شہری راستہ پر ان ظالموں کے سامنے آتا تھا بے تامل اور بلا خوف منصف حقیقی لقمۂ تیغ اجل ہوتا تھا۔ اس قتل عام میں مشہور علمائے وقت اور امام زمانہ اور قاضی جن کو خلفائے سابق نے نہایت قدر دانی اور شوق علم سے فراہم کرکے دار الخلافہ قرطبہ کو وہ رونق اور زینت بخشی تھی جس پر بغداد اور شام اور مصر کو رشک آتا تھا شہید ہوئے۔ ان میں ابو الولید ابو محمد عبداللہ ابن یوسف ابن نصر القرطبی جو زیادہ ابن الفرضی کے نام سے علمی دنیا میں مشہور ہے شریک تھا۔

غرض اس ظلم اور خون ریزی کے بعد سلیمان المستعین باللہ یہ سمجھا کہ اب کوئی مخالف ایسا باقی نہیں رہا جو اس کا معترض ہو لیکن اس خانہ جنگی سے ملک میں ایسی بدنظمی پھیلی تھی کہ مستحق و غیر مستحق جس کسی نے اپنے کو قرطبہ سے دور اور کسی قدر مقتدر پایا شراب غرور سے سرمست سلطنت کا دعویدار بن بیٹھا۔ سب سے پہلے سلیمان کو قوم بربر کا مقابلہ کرنا پڑا جس کی مدد سے اس کو خلافت نصیب ہوئی تھی۔ بربری افسروں نے بڑے بڑے شہروں اور مختلف ملک کے حصوں پر اپنا قبضہ کیا اور خود مختاری کا دم بھرنے لگے۔ چنانچہ بادیس ابن حابوس نے غرناطہ پر اور البزائی نے قرمونہ پر اور حزرون نے سریش پر اپنا قبضہ کر لیا جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

جن بربروں نے سلیمان کا ساتھ دیا تھا ان میں دو شخص نہایت باوقعت علی[۱] اور القاسم بھی شریک تھے ان کا دادا ادریس خلیفہ ہارون الرشید کے خوف سے افریقہ چلا آیا تھا اور بربروں کے ملک میں اقامت اختیار کی تھی چند روز میں یہاں اس نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی اور ایک زمانہ تک خلیفہ مذکور کے ملک پر متواتر حملہ کرتا رہا۔ ادریس کے بیٹے ادریس ثانی نے شہر فاس کو آباد کیا تھا علی اور قاسم دونوں المنصور کے زمانہ حکومت میں اندلس وارد ہوئے اور فوجی ملازمت اختیار کی۔ دونوں آدمی نہایت جری اور دلیر تھے۔ چند ہی روز میں عیسائیوں کی جنگ میں ان دونوں نے وہ جوہر مردانگی

[۱] علی اور القاسم کا سلسلہ یہ ہے علی ابن حمود ابن احمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عمر ابن ادریس ابن عبداللہ ابن حسن ابن حسین ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب

اور شجاعت دکھائے کہ المنصور نے ان کو مختلف فوجوں کا افسر مقرر کر دیا۔ جب یہ جنگ بربریہ قرطبہ میں شروع ہوئی تو یہی دو آدمی تھے جنھوں نے سلیمان کا ساتھ دے کر خاندان ابن ابی عامر کو تباہ اور سلیمان کو تخت پر بٹھا کر بنی اُمیہ کو دوبارہ ترقی دی سلیمان نے اس خیر خواہی کے صلہ میں فوج پر صرف امرائے بربر کو افسر مقرر کیا اور انہیں میں سے بعض کو صوبوں کی حکومت سپرد کی چنانچہ علی ابن حمود طنجہ اور دیگر صوبجات افریقہ کا والی مقرر ہوا جہاں اس نے پوری خود مختاری کے ساتھ حکومت کی گو ظاہرہ سلیمان کا مطیع بنا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ بعض صوبوں کے حاکم سلیمان سے منحرف ہو گئے ہیں اس نے بھی اطاعت اور فرماں برداری اور پاس نمک کو بالائے طاق رکھا اور اپنے دائرہ حکومت کو بڑھانے کی کوشش شروع کی۔ اس امیر کی بغاوت کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ خلیفہ ہشام المؤید باللہ نے علم نجوم کے ذریعہ سے جس میں اس کو کامل دست گاہ تھی یہ دریافت کیا تھا کہ "بنی امیہ کی حکومت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جس کا سلسلہ حضرت علی ابن ابی طالب اور جس کا نام حرف ع سے شروع ہوگا اور وہ شخص اس ملک کا بادشاہ ہوگا۔ جب سلیمان نے قرطبہ کو فتح کیا اور خلیفہ ہشام کے قتل کے درپے ہوا ہشام نے علی ابن حمود کے کہ جو اس زمانہ میں امرائے بربر میں سربرآوردہ تھا حالات دریافت کئے اور اوس کو لکھا کہ "میں یقین رکھتا ہوں کہ تو ضرور مالک تخت و تاج ہوگا مجھکو اپنی زندگی کی امید باقی نہیں اگر سلیمان نے مجھکو قتل کیا تو میں اپنا انتقام تیرے سپرد کرتا ہوں" معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ نے اس امیر کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اوس ہی زمانہ سے سلطنت کی ہوس اوس کے دل میں پیدا ہوئی۔ بہر کیف علی ابن حمود نے اپنے بیٹے یحییٰ کو اپنا جانشین کیا اور خود مع فوج جرار آبنائے طارق کو عبور کر کے اندلس میں داخل ہوا والی المیرۃ اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا تھا علی نے اندلس پہونچکر یہ مشہور کیا کہ "میں صرف خلیفہ ہشام کے خون ناحق کا انتقام لینے کی غرض سے یہاں آیا ہوں" سلیمان کو جس وقت اس کا منشائے

فساد معلوم ہوا یہ بھی فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا- ماہ محرم ۴۰۷ھ مطابق ۱۰۱۶ء میں طالقہ[1] کے میدان میں سخت جنگ واقع ہوئی جہاں سلیمان کی فوج نے شکست کھائی اور یہ خود گرفتار ہوا۔ علی ابن حمود نے قرطبہ پر قبضہ کیا اور جنگ کے چند روز بعد اسی ماہ محرم میں سلیمان اور اوس کے باپ الحکم کو قتل کروا ڈالا اور خود تخت خلافت پر متمکن ہوا-

سلیمان المستعین باللہ نے تقریباً سات سال حکومت کی تھی- وہ بھی اوس زمانہ غدر میں جبکہ تمام ملک میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک رہی تھی لیکن پھر بھی چونکہ یہ بذات خود ذی علم شخص تھا بالخصوص شعر و سخن میں مہارت کامل رکھتا تھا اس نے دارالخلافہ میں علم و فن کو فروغ دینے کی بہت کوشش کی تھی اگر یہ سلطنت پر پوری طرح مسلط ہو جاتا تو ممکن تھا کہ اس کی حکومت سے ملک اور رعایا کو بہت کچھ فائدہ پہونچتا۔

[1] اس کو اٹالیکا کہتے ہیں یہ میدان اشبیلیہ کے قریب واقع ہے۔
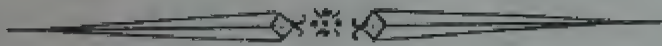
بنی حمود۔ علی بن حمود کی تخت نشینی۔ اس کا ظلم۔ خیران کی بغاوت۔ علی کا قتل ہونا۔ القاسم کی تخت نشینی۔ المرتضیٰ اور اُس کا قتل یحییٰ بن علی کی بغاوت۔ المستظہر کی تخت نشینی اور اُس کا قتل۔ محمد ثالث المستکفی۔ ہشام المعتد باللہ یحییٰ کا قتل۔

علی نے تخت پر بیٹھنے کے بعد الناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا اور اپنی حکومت کے مضبوط کرنے کی غرض سے اہل بربر کو جو بالکل مطلق العنان اور مخوف ہوگئے تھے اپنے قبضے میں لانے کی کوشش شروع کی۔ پہلے پہل اس کے انصاف اور رعایا پروری نے خاطر خواہ اپنا اثر کیا۔ چنانچہ رعایا جو بربروں کے ہاتھ سے تباہ ہو رہی تھی۔ بادشاہ کو اپنا حامی اور مددگار سمجھ کر بربر اور بدمعاشوں کے استیصال میں مدد دینے پر آمادہ ہوئی۔ اور چند روز میں ایک حد تک امن ملک و رعایا کو نصیب ہوا۔ علی ابن حمود روزانہ قصر شاہی کے دروازے پر عام دربار کیا کرتا تھا جہاں ہر شخص کو بلا تکلف عرض معروض کرنے کی عام اجازت تھی جب کبھی کوئی بربر کسی جرم کی علت میں گرفتار ہوتا تھا اُس کو مجمع عام میں قتل کرتا تھا۔ علی نے اِس

دل دہی اور جفاکشی سے ملک کا انتظام کیا کہ اس کے انصاف اور دادرسی کی لوگ مثال دیا کرتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ جب یہ باب عام سے گزر رہا تھا اس نے ایک بربر کو دیکھا کہ گھوڑے پر سوار ایک بہت بڑا بار انگور کا لیے جاتا ہے علی نے اس سوار کو روک کر اُس سے پوچھا کہ "یہ انگور کہاں سے لایا" بربر نے جواب دیا کہ "ان کو میں نے اپنی جوانمردی سے حاصل کیا ہے" یہ گستاخانہ جواب سُن کر علی نے اس کو قتل کیا اور اُس کا سر انگوروں پر رکھ کر تمام شہر میں پھرایا تاکہ اس کے ہمقوم کو عبرت ہو۔ اٹھارہ مہینے تک سلطان نے یہی اپنا طرز جاری رکھا یہ ممکن تھا کہ اگر اہل اندلس المرتضیٰ مروانی کی تائید نہ کرتے تو یہ شاہراہ انصاف وعدل سے کبھی منحرف نہ ہوتا۔ ان لوگوں نے خاندان اُمیہ کے قائم کرنے کی نیت سے بغاوت کے علم کو بلند کیا۔ علی ابن حمود کو تخت پر بیٹھے ہوئے چند ماہ کا عرصہ ہوا تھا اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ "جس معدلت گستری اور رحم دلی سے میں نے کام لیا ہے اس کو لوگوں نے میری پست ہمتی اور بزدلی پر محمول کیا ہے" اِس نے فوراً اپنی طرز حکومت کو بدل دیا۔ اور بربروں کے ساتھ جو سختی کہ اس نے شروع کی تھی وہ کم کردی۔ اس کا نتیجہ بتدریج یہ ہوا کہ بربر مثل سابق پرشور بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دارالخلافہ کی عجوبہ روزگار عمارات کو منہدم اور شہر کے متمول اور خوشحال لوگوں کو اس قدر لوٹا کہ یہ لوگ نان شبینہ کو محتاج ہو گئے۔ بربروں کی اس ظلم و زیادتی میں سلطان نے بھی بہت کچھ مدد دی اور اس قدر جدید محصول اور ٹیکس رعایا پر لگائے کہ جس کی وہ متحمل نہ ہوسکی اور مجبوراً ترک وطن اختیار کرنا پڑا۔ جو بچے وہ بوجہ عدم ادائی زر محصول محبوس ہوئے اور اُن کی جائدادیں ضبط کرلی گئیں اِن آفت زدہ لوگوں میں ایک شخص ابوالحزم[1] نامی بھی شریک تھا۔ اس جابرانہ طرز حکومت سے علی ابن حمود جس قدر کہ پہلے ہردلعزیز تھا اُس سے زیادہ خلق اللہ اُس سے نفرت کرنے لگی اور ایسی سخت بغاوت کا سلسلہ

[1] یہ شخص آئندہ چل کر قرطبہ کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔

شروع ہوا کہ بجز گوشہ قبر کوئی مامن اس کو نہ ملا۔ خیران صقلبی حاکم المریہ نے جو باوجود انقلاب زمانہ بنی امیہ کا حامی تھا۔ اہل قرطبہ کو علی ابن حمود اور بربروں سے بددل و متنفر پاکر اپنے صوبے میں بغاوت اور مخالفت کی بنیاد ڈالی اور بنی امیہ کے ایک رکن عبدالرحمٰن ابن محمد المرتضیٰ کو وارث خلافت ظاہر کر کے مع اپنے ہمخیال وہمراز مقتدر امرا کے بافوج کثیر دار الخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ علی جب امرائے مذکور کی بغاوت سے مطلع ہوا اُسنے حتی الامکان اپنے خیر خواہوں کو مقابلے کے لئے فراہم اور آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے ظلم نے اس کے گرد دشمنوں کا وہ جال بچھایا تھا کہ کشت و خون کے قبل ہی گھر ہی کے لوگوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ چنانچہ ماہ ذیقعدہ سنہ ۴۰۸ھ مطابق سنہ ۱۰۱۸ء میں یہ ایک روز حمام میں مصروف تھا کہ چند صقلبی ملازموں نے جو بظاہر خیر خواہ و مطیع بنے ہوئے تھے حمام میں جاکر اس کو قتل کیا۔ جس وقت دار الخلافہ میں علی ابن حمود کے قتل کی خبر معلوم ہوئی امیر و غریب سب نے خوشیاں منائیں۔

جب ہم علی ابن حمود کے تقریباً دو سالہ زمانہ حکومت پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے ذاتی حالات کو بنظر انصاف جانچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بالذات یہ شخص لائق اور رحم دل تھا۔ چنانچہ اوائل زمانہ میں جس متانت و سنجیدگی سے اس نے حکومت کی تھی وہ اس امر کی خود گواہی دیتی ہے کہ اگر اُس وقت خاص کی بغاوتیں اور سازشیں اس کو مجبور نہ کرتیں تو یہ کبھی ایسی مذموم باتوں کو اختیار نہ کرتا جن کی وجہ سے یہ بدنام ہی نہیں ہوا بلکہ اپنی جان عزیز کو کھو بیٹھا۔ اس کی لیاقت و قدردانی کا اندازہ ہم اس کے مصاحبین کی لیاقت سے کر سکتے ہیں چنانچہ اس کے زمرۂ مصاحبین میں ایسے مشہور علما و شعرا مثل ابن الخیاط القرطبی اور عبادہ ابن ماء السماء اور ابن درّاج القسطلی شریک تھے۔ عبادہ مذہب امامیہ رکھتا تھا شعر و سخن میں مشہور زمانہ تھا۔

ابن حمود کے انتقال کے بعد اس کا بھائی القاسم حاکم اشبیلیہ تخت نشین ہوا باوجودیکہ علی کے دو بیٹے

ایک یحییٰ حاکم افریقہ اور دوسرا ادریس حاکم صوبہ مالقہ موجود تھے اور نیز علی نے اپنے عین حیات یحییٰ کو اپنا ولیعہد اور جانشین مقرر کیا تھا لیکن بربروں کی جماعت کثیر نے القاسم[1] کا اس وجہ سے ساتھ دیا کہ اولاً بہ نسبت یحییٰ کے سن رسیدہ اور زیادہ تجربہ رکھتا تھا۔ ثانیاً یہ کہ القاسم علی کے قتل کے وقت دارالخلافہ کے قریب مقیم تھا۔ جس وقت القاسم کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر پہنچی اور فوج نے اُس سے تخت پر بیٹھنے کی درخواست کی تو پہلے یہ ڈرا۔ اور یہ خدشہ اس کے دل میں پیدا ہوا کہ "یہ خبر مشہور کر کے علی کہیں میری خیر خواہی اور محبت کو آزماتا نہ ہو"۔ دو چار روز تک یہ اپنے مقام سے نہ ہلا لیکن جب اس کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ واقعہ فی الحقیقت صحیح ہے اس نے فوراً قرطبہ پہنچ کر شہر پر قبضہ کیا۔

القاسم کی طبیعت شر و فساد سے بالکل نافر حکم اور انصاف کی طرف مائل تھی اور اگر بربر اس کا پورا ساتھ دیتے تو ممکن تھا کہ اس کا زمانہ بغیر کشت و خون گزر جاتا لیکن چندہی روز میں بربر کے برتاؤ سے یہ امر مترشح ہونے لگا کہ یہ محض مصلحتِ خاص تخت پر بٹھایا گیا ورنہ ان کا رجحان دراصل یحییٰ ابن علی کی طرف ہے۔ جب یہ راز القاسم پر منکشف ہوا۔ اس نے محض اپنے تحفظ کی نیت سے صقلبی غلاموں کی فوج نہ صرف اپنے گرد جمع کی بلکہ صوبجات کی حکومت بھی انہیں لوگوں کے سپرد کردی۔ اِدھر تو یہ حال تھا اور اُدھر عامہ خلائق بنی حمود سے اس لیے نفرت کرتی تھی کہ اس خاندان کا قیام و استحکام محض بربروں کی قوت پر منحصر تھا جو فی الحقیقت بادشاہت کر رہے تھے پس یہ لوگ بدل عبدالرحمن بن محمد[2] کی مدد پر مستعد ہو گئے جس طرف امیر خیران عبدالرحمن کو لیے نکل جاتا تھا اس طرف کے چھوٹے بڑے رئیس امیر کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے شریک ہو جاتے تھے۔ نامی امرا میں سے علاوہ خیران عامری[3]

---

[1] القاسم کے انتخاب میں اس قدر تعجیل کی وجہ یہ تھی کہ بربر خیران سے ڈرے ہوئے تھے۔ جس نے علانیہ عبدالرحمن ابن محمد المرتضیٰ کی حمایت کی تھی۔

[2] عبدالرحمن بن محمد الملقب بہ المروانی کا سلسلہ خلیفہ الناصر لدین اللہ سے ملتا ہے۔ یہ خاندان امیہ کا ایک رکن تھا۔

[3] خیران العامری جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے صوبہ المریہ کا حاکم تھا۔

کے منذر التجیبی حاکم سرقسطہ اور دو عیسائی تومس بھی اس کے شریک ہوئے لیکن عین وقت پر خود عبدالرحمٰن کی ناعاقبت اندیشی نے اس کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا محض اس خیال سے کہ موروثی منصب خلافت اس کو ملنے والا ہے عبدالرحمٰن کی عقل کو ایسا مختل کیا کہ اپنے زبردست اور سچے خیرخواہ منذر خیران سے بھی بر غرور اور کج ادائی سے پیش آنے لگا۔ ان نامی امرا نے بکمال افسوس اس کی تائید سے دست کشی اختیار کی ان کے ساتھ باستثنائے چند خود غرضوں کے تمام عامہ خلائق پر اثر رکھنے والے افسروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا چونکہ القاسم سے صفائی کی امید نہ تھی سب نے بعد مشورہ بذریعہ خیران ابن زیری امیر غرناطہ کو ایک نامہ اس مضمون کا لکھا کہ "ہم لوگ بنی مروان کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ عبدالرحمٰن اس ملک کا بادشاہ بنایا جائے اگر تم اس پر حملہ کرنے کا وعدہ کرو تو ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم بوقت جنگ عبدالرحمٰن سے علیٰحدہ ہو جائیں گے" چونکہ ابن زیری خود قوم بربر سے تھا اس نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ عبدالرحمٰن ان واقعات سے بالکل بے خبر اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا قلعۂ غرناطہ کے سامنے پہونچا اور ابن زیری کو لکھا کہ "تم میری اطاعت و فرماں برداری قبول کرو" جس وقت یہ خط ابن زیری کے سامنے پڑھا گیا اس نے اسکی پشت پر سورۃ الکفرون لکھکر واپس کر دیا۔ عبدالرحمٰنؒ نے یہ جواب دیا کہ "ہوشیار ہو جا کہ میں بہادر ترین سپاہیوں کو اپنے ساتھ لئے موجود ہوں" اور اس فقرے کے آخر میں یہ شعر لکھا۔

لئن كنت منا البشر بخير[1]	او لا فايقن بكل شرٍ

اسی خط کی پشت پر ابن زیری نے پھر قرآن شریف کی ایک آیت لکھی کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ "مال و اولاد کے فراہم اور زیادہ کرنے کی ہوس تم کو مشغول رکھتی ہے تا اینکہ تم قبر میں جاؤ"

[1] اگر تو ہم میں سے ہے تو تجھے خیر و خوبی کی بشارت دی جاتی ہے۔ ورنہ ہر مصیبت و شر جو تیرے لئے مہیا ہو اوسکا یقین کرلے

ان گستاخانہ جوابوں سے عبدالرحمٰن ایسا مغلوب الغضب ہوا کہ اس نے قرطبہ کے ارادوں کو
ترک کرکے پہلے اس امیر کی تنبیہ کا ارادہ کیا۔ زیری۔ نے خیران اور منذر کے اعتماد و بھروسے پر
اپنے سواروں کے ساتھ عبدالرحمٰن پر حملہ کیا۔ عبدالرحمٰن نے نہایت جوانمردی کے ساتھ اس
حملے کا جواب دیا لیکن عین وقت کارزار پر عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ منذر اور خیران مع اپنی فوج
کے علٰحدہ ہوئے جاتے ہیں باوجود اس حادثۂ عظیم کے یہ کچھ دیر تک اپنی تھوڑی سی فوج لئے
مردانہ وار دشمن کا مقابلہ کرتا رہا بالآخر حالت یاس ونومیدی میں فوج کو پسپا دیکھ کر میدان جنگ سے
بھاگ نکلا۔ چندروز تک یہ قرب وجوار غرناطہ میں پوشیدہ رہا لیکن انجام کار گرفتار اور قتل ہوا
اس جنگ کے اور عبدالرحمٰن المرتضیٰ کی شکست کے بعد بربر ملک اندلس پر پورے طور سے قابض
اور مسلط ہوگئے۔ القاسم نے مصلحتاً اس آفت ناگہانی کو دفع کرنے کی غرض سے بربروں کی دلجوئی
کرنے میں کمی نہیں کی اور خفیہ تدابیر بربر کی قوت کے توڑنے کی بدستور جاری رکھی لیکن رعایا جو
بربروں کی سخت مخالف تھی اس راز سے ناواقف رہی کہ القاسم مصلحت بربر کی محبت اور دوستی کا
دم بھرتا ہے۔ اگر یہ عامہ خلایق پر اپنا راز دلی کسی طرح ظاہر کر دیتا تو رعایا کو پوری قوت اور
جرأت حاصل ہوجاتی اور بآسانی تمام یہ بربروں کی قید سے رہائی پاجاتا۔ ادھر تو رعایا بادشاہ
کو اپنا مخالف اور بربروں کا معاون سمجھتی تھی اودھر بربر اس کے طرزعمل سے ناخوش تھے۔ اس
غیر مطمئن طرز حکومت کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ ابن علی نے علانیہ سلطنت کا دعویٰ کیا اور ایک تحریر
اس مضمون کی بربر افسروں کے پاس بھیجی کہ صحیح وارث تخت کا میں ہوں میرے چچا نے جبراً
میرا حق غصب کر لیا ہے اور صرف اس ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمھارے ساتھ بھی وہ بہت ناانصافی
کے ساتھ پیش آیا چنانچہ اوس کے برتاؤ سے صاف ظاہر ہے کہ رفتہ رفتہ وہ تم کو تمام منصب اور
عہدوں سے علٰحدہ اور بجائے تمھارے اپنے حبشی غلاموں کو مامور کیا چاہتا ہے حالانکہ تمھاری مدد سے

اوس کو یہ رتبہ اور ثروت حاصل ہوئی ہیں اپنے حقوق کے تصفیہ اور انتزاع سلطنت کے لئے آیا ہوں اگر میں کامیاب ہوا تو جن عہدوں پر تم پہلے مامور تھے اور جن جاگیروں پر تم پہلے حکومت کرتے تھے ان پر پھر مقرر کئے جاؤ گے اور ان نو دولتوں کا معقول بندوبست کروں گا" بربروں کو راضی پا کر یحییٰ نے فوراً اپنے بھائی ادریس حاکم مالقہ کی شرکت اور مدد سے جنگ کا ارادہ کیا اور ادریس کو اپنی جگہ سوطا اور افریقہ کا حاکم مقرر کر کے مع فوج کثیر اندلس میں داخل ہوا خیران حاکم المریہ نے باظہار تعلقات سابقہ درخواست کی کہ "اگر حکم ہو تو میں بھی فوج وغیرہ سے تمہاری مدد کو حاضر ہوں" ادریس نے اپنے بھائی کو ہوشیار کیا کہ یہ شخص نہایت بدباطن اور خود غرض ہے ہرگز ہرگز اس کے وعدوں پر بھروسا نہ کرنا یحییٰ نے جواب دیا کہ "اس وقت ہم کو اپنے دوست اور دشمن دونوں سے کام نکالنا چاہیے بعد تصفیہ جیسا مناسب ہوگا ان کے حق میں کیا جائیگا" یحییٰ اندلس میں داخل ہوتے ہی فوراً قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ القاسم میں اتنی بھی عقل و تمیز نہ تھی کہ یہ اپنے دوست اور دشمن کو پہچانتا۔ حالت تذبذب و پریشانی میں عقل و ہوش نے بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کی اور بغیر میدان جنگ میں قسمت آزمائے رات کے وقت اپنے پانچ خاص رفقا کے ہمراہ بتاریخ ۲۸ ربیع الاخریٰ سنہ ۴۱۲ھ مطابق ۱۰۱۹ء قرطبہ سے بھاگ کر اشبیلیہ میں قاضی ابن عباد کے گھر میں پناہ گزیں ہوا یحییٰ ابن علی بلا تعرض بتاریخ یکم جمادی الاخریٰ ایک مہینہ کے بعد دارالخلافہ میں داخل اور سریر خلافت پر متمکن ہوا اور المتعالی کا لقب اختیار کیا۔

مورخین عرب یحییٰ اور قاسم کا مقابلہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ القاسم کی معزولی کا سبب اس کی طبیعت کا تلون تھا۔ قوت فیصلہ اسمیں نام کو نہ تھی اعتبار و بے اعتباری مروت اور سختی کا اس کا اس نے ایسا بے محل استعمال کیا کہ اس کے طرفدار مایوس ہو کر اس سے علحدہ ہوتے گئے اور یحییٰ کو جو نہایت کوتہ اندیش اور پست حوصلہ آدمی تھا یہ چند روزہ کامیابی حاصل ہوئی ۔ چنانچہ یحییٰ صرف قرطبہ پر قابض ہوتے ہی اپنے تئیں تمام ملک کا بادشاہ سمجھنے لگا اور لہو و لعب میں مشغول ہو گیا اس کو اپنی عالی خاندانی پر

کہ جس کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا تھا اس قدر ناز و تفاخر تھا کہ بڑے بڑے خاندانی امرائے عرب کو بنظر حقارت دیکھتا تھا لیکن سب سے بڑی غلطی اس سے یہ ہوئی کہ جن شرائط پر بربروں نے اس کی مدد کی تھی اون کو پورا نہیں کیا عرب اور بربر بددل ہو کر پھر القاسم سے آملے یحییٰ نے بحالت بیکسی اپنے ہواخواہوں کے مشورہ سے ملاقہ (مالقہ) کا رُخ کیا جیسا کہ ہم قبل ازیں گذارش کر چکے ہیں یہاں کا صوبہ دار اس کا بھائی ادریس تھا جو اس ہی کے حکم سے افریقہ میں بمقام سبتہ[1] مقیم تھا۔ ملاقہ کی رعایا باوجود خیر آن کی ریشہ دوانی کے فی الجملہ ثابت قدم رہی اور صوبہ الجزائر کے ساتھ یحییٰ کی امداد پر آمادہ ہو گئے چونکہ ان مقامات پر یحییٰ نے بغیر استرضا اپنے بھائی کے قبضہ کیا تھا اس واقعہ کو بنیاد مخاصمت قرار دے کر ادریس طنجہ اور اوس کے مضافات پر مسلط ہو گیا۔ یہ محض ایک بہانہ تھا۔ ورنہ ادریس کی علیحدگی کا سبب اندلس کی خانہ جنگیاں اور یحییٰ کی ناعاقبت اندیشی تھی۔

جس وقت القاسم نے سنا کہ یحییٰ۔ قرطبہ سے چلا گیا ہے۔ یہ اشبیلیہ سے روانہ ہوا اور اخیر ذیقعدہ سنہ ۴۱۳ھ مطابق سنہ ۱۰۲۳ء میں بروز سہ شنبہ دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ مگر چند ہی روز میں وہی مخالفتیں اور سازشیں پیدا ہو گئیں۔ اہل بربر میں سے بعض نے اس کی طرفداری اختیار کی اور بعض نے اس کے بھتیجے کا ساتھ دیا باقی خاندان امیہ کے خیر خواہ بنے رہے ان تینوں فرقوں میں روزانہ جھگڑے اور فساد ہوتے تھے اور القاسم میں اتنی قوت نہ تھی کہ ان پر وہ کسی قسم کا اثر ڈال سکے۔ ان میں سے سب سے کمزور بنی امیہ کا گروہ تھا جس کے ساتھ القاسم اس سختی سے پیش آیا کہ یہ لوگ اپنی جانوں کو بچا کر قرطبہ سے دور دور روپوش ہو گئے۔ دارالخلافہ میں بربر اور عامہ خلائق میں نزاع اس قدر بڑھی کہ بالآخر شارع عام پر روزانہ کشت و خون ہونے لگا۔ رعایا نے بہت روز بربروں کے ظلم و ستم کو برداشت کیا جب تکلیف انتہا کو پہونچ گئی تو تمام رعایا ایک دفعہ ان پر حملہ آور ہوئی اول تو تعداد میں اہل قرطبہ بربروں سے کہیں زیادہ تھے اور دوسرے یہ کہ جان پر کھیل کر یورش کی تھی آنِ واحد میں بربروں کو مع القاسم

[1] اسکو مالقہ بھی کہتے ہیں۔

کے شہر کے باہر کر دیا اور فوراً شہر پناہ کے دروازے کو بند اور اُن کو چونے پتھر سے چن کر تقریباً دو مہینہ تک بربروں کے حملوں کا جواب دیتے رہے جب اہل شہر پر خورد و نوش کی تکلیف ہونے لگی تو شہر کے سرآوردہ لوگوں نے باہم مشورہ کیا اور یہ رائے قرار پائی کہ فاقہ کشی سے میدان میں ایک بار قسمت آزمائی کر کے جان دینا بہتر ہوگا چنانچہ آخر ماہ شعبان سنہ ۴۱۴ھ مطابق سنہ ۱۰۲۳ء بروز پنجشنبہ اہل بربر کو غافل پا کر دفعتاً ایسی سخت یورش کی کہ بربر بد حواس ہو کر ملاقہ کی طرف بھاگ گئے اور القاسم نے مع اپنے حبشی غلاموں کے اشبیلیہ میں پناہ لینی چاہی۔ القاسم نے قرطبہ آنے کے قبل اپنے بیٹے محمد کو اشبیلیہ کا صوبہ دار اور محمد ابن زیری اور محمد ابن عباد کو اس کا مشیر اور معاون مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں[1] امیر اپنے اپنے گروہ میں سرآوردہ تھے اور ان میں ہر ایک بجائے خود حکومت کا خواہاں تھا چونکہ مرتبہ اور قوت میں دونوں مساوی تھے اسلئے غلبہ کسی کو حاصل نہ ہوتا تھا جب القاسم شکست خوردہ اشبیلیہ آیا تو ان دونوں امیروں نے باتفاق رعایا شہر کے دروازوں کو بند کر دیا اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ القاسم نے کشایش کا ہے مایوس ہو کر انکو کہلا بھیجا کہ اگر تم میرے بیٹے اور رشتہ داروں کو حوالہ کر دو تو میں تم سے معترض نہ ہونگا۔ ان دونوں نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور القاسم مع اپنے بیٹے محمد و دیگر عزیزوں کے قلعہ سرلش میں اقامت پذیر ہوا مگر یہاں بھی اس حقیقت العقل کو اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ واقعات مذکورہ کے دوسرے ہی برس سنہ ۴۱۵ھ م سنہ ۱۰۲۴ء میں یحییٰ کے ہاتھ گرفتار رہوا۔ اور کئی سال کی قید سخت کے بعد سنہ ۴۲۶ھ م سنہ ۱۰۳۵ء میں قتل کیا گیا۔

اب قرطبہ کا حال سنو کہ القاسم کی ہزیمت اور اخراج کے بعد دار الخلافہ تقریباً دو مہینہ تک بغیر کسی حاکم اور انتظام کے حالت نزاع میں پڑا رہا۔ سب حیران تھے کہ کس کو بادشاہ مقرر کریں اسی اثنا میں بتاریخ ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۴۱۴ھ مطابق سنہ ۱۰۲۳ء خاندان امیہ کے تین شہزادے عبدالرحمٰن بن ہشام اور سلیمان بن المرتضیٰ اور ایک شخص[2] تخت و تاج کے دعویدار شہر میں داخل ہوئے

[1] المقری تحریر کرتا ہے کہ اشبیلیہ کا انتظام باتفاق امرا شہر تین امیروں کے سپرد ہوا تھا۔
[2] تیسرے کے نام کا پتہ نہیں ملا۔

اوران میں سے ایک کے انتخاب کے لئے رعایا جمع ہوئی۔ اگرچہ سلیمان کے طرفداروں کی جماعت کم نہ تھی لیکن عبدالرحمٰن پسر ہشام نے اپنی خوش سلیقگی اور فراست سے عوام الناس کو پہلے ہی اپنا معاون بنالیا تھا بغلبۂ آرا یہ اس منصب عظیمہ کے واسطے منتخب کیا گیا اور دیگر دعویداران ریاست کو طوعاً وکرہاً اس کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

عبدالرحمٰن چہارم نے المستظہر کا لقب اختیار کیا اور تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی سلیمان اور محمد ابن عبدالرحمٰن کو فوراً قید اور اپنے خیر خواہوں اور متوسلین کو عہدہائے جلیلہ سے سرفراز کیا۔ ان نو سرفرازوں میں صرف ایک ابو عامر ابن شہید اعلیٰ درجہ کا فوجی افسر تھا باقی مثل ابو محمد ابن حزم اور عبدالوہاب ابن الحرم کا تقرر جن کی ناشایستہ حرکتوں سے سب بیزار اور متنفر تھے اہل دربار کو سخت ناگوار گزرا عبدالرحمٰن نیک خصلت اور علم دوست ضرور تھا لیکن حکمرانی کا اس میں مطلقاً مادہ نہ تھا چنانچہ باوجودیکہ رعایا نے بڑی امیدوں کے ساتھ اسے بادشاہ بنایا تھا اور القاسم و یحییٰ ابن علی کی بربادی کے وجوہ اور بربر کے شدید مظالم کے واقعات اس کے پیش نظر تھے اس نے بھی محض چند امرا اور علما کو منحرف پاکر اہل بربر کے ساتھ ناجائز رعایت شروع کردی اور اس خود غرض قوم کے بھروسہ پر امور حکومت اپنے خود غرض مشیروں کے سپرد کر کے خود اپنے چند خاص ذی علم مصاحبین کے ساتھ مشاغل علمی میں مصروف ہوگیا۔ رعایا ہنوز برداشتہ خاطر تھی امرا کے ساتھ فوراً فساد پر آمادہ ہوگئی اور جیل خانے بغاوت و فساد کی علت میں معمور ہونے لگے۔ ان قیدیوں میں ابوعمران بھی شریک تھا اس کو عبدالرحمٰن نے اپنے وزرا کی رائے کے خلاف قید سے رہا کیا یہی بالآخر سلطان کی تباہی کا باعث ہوا۔ عبدالرحمٰن کو مہمات سلطنت سے بالکل غافل پاکر اس شخص نے سلطان کے ناعاقبت اندیش وزرا اور اہل بربر میں ایسی سخت مخالفت پیدا کی کہ بروئے تاریخ ۳ ذیقعدہ تخت نشینی کے سینتالیسویں(۴۷) روز تیس سال کی عمر میں عبدالرحمٰن کو قتل کرڈالا اور اس کی جگہ اس کے ایک رشتہ دار محمد نامی کو بادشاہ بنا دیا۔

محمد ابن عبد الرحمٰن ابن عبد اللہ۔ المستکفی باللہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء میں المتعالی یحییٰ ابن علی جو اپنے چچا القاسم کی گرفتاری کے بعد سرلیش اور ملاقہ اور الجزائر پر حکمران تھا مع فوج قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان محمد کو فوج کے فراہم کرنے میں کچھ ایسی دشواریاں پیش آئیں کہ یہ بلا لڑے ثاغر[1] کی طرف بھاگ آیا اور چند ہی روز بعد بتاریخ ۲۵ ربیع الاول ۴۱۶ھ انتقال کیا۔ یحییٰ نے قرطبہ کی حکومت ابن عطاف کے سپرد کی اور خود ملاقہ واپس آ کر ابو القاسم محمد ابن عباد حاکم اشبیلیہ کی تسخیر کی غرض سے فوج کی درستی اور انتظام میں مصروف ہوا۔ دار الخلافہ میں ۴۱۷ھ مطابق ۱۰۲۶ء میں اہل قرطبہ نے بغاوت کی اور بہت کچھ کشت و خون کے بعد ابن عطاف کو مع فوج شہر سے باہر کر دیا۔ اور ابو محمد جہوار ابن محمد نامی[2] کے مشورہ سے المرتضیٰ کے بھائی ہشام کو جو خاندان امیہ سے تھا خلافت اندلس کے واسطے منتخب کیا۔ ہشام اوس زمانہ میں لریدہ میں مقیم اور وہاں کی خانہ جنگیوں کے زور کرنے میں مصروف تھا۔ جب ابن ہود نے منجانب ابو محمد یہ خوش خبری سنائی ہشام نے فوراً قرطبہ آنے کا قصد کیا لیکن تنازعات مذکورہ نے تقریباً تین سال تک اس کو مصروف رکھا۔ بالآخر اس نے روسائے مخالف سے اس شرط پر صلح کر لی کہ "اگر یہ لوگ قرطبہ کو اندلس کا پائے تخت تسلیم اور اس کے احکام سے انحراف نہ کریں گے تو یہ بھی ان کا مزاحم نہ ہوگا"۔ سب نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ ہشام آخر ۴۲۰ھ م ۱۰۲۹ء میں قرطبہ آیا اور بلقب المعتمد باللہ تخت نشین ہوا۔ ہشام نہایت رحم دل اور بیدار مغز بادشاہ تھا جس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے تئیں ہر دل عزیز بنانے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن مرض نافرمانی نے امیر اور غریب سب پر کچھ ایسا غلبہ حاصل کر لیا تھا کہ رعایا نے اس کا ساتھ بُرے وقت پر نہ دیا اور تخت نشینی کے دو ہی سال بعد ۴۲۲ھ میں فوج نے اس کو تخت سے اوتار دیا۔ یہ بھی بوجہ مایوسی حکومت سے دست کش ہو کر سیدھا لریدہ[3] چلا آیا جہاں اس نے ۴۲۸ھ م ۱۰۳۶ء میں

---

[1] اس کے باپ کو منصور ابن عامر نے قتل کیا تھا۔ [2] صوبہ ارغوان کو ثاغر بھی کہا کرتے تھے۔ [3] اس کو ابو الحزم جہوار بھی کہتے ہیں۔

انتقال کیا۔گو طوائف الملوکی کی بنا در اصل المنصور ابن ابی عامر کے زمانہ میں قائم ہو چکی تھی باز ہم جو شخص قرطبہ پر قابض ہوتا تھا وہ برائے نام ہی بادشاہ کیوں نہ ہو عبدالرحمٰن اول کا جانشین اور اندلس کا خلیفہ مانا جاتا تھا پس اس لحاظ سے مورخین عرب ہشام کو سلطنت اندلس کا آخر خلیفہ تصور کرتے ہیں ہشام کی معزولی کے ساتھ ساتھ اور عبدالرحمٰن الداخل کی تخت نشینی کے دو سو چوراسی (۲۸۴) برس بعد ملک چھوٹی چھوٹی خود مختار اور منمرد ریاستوں میں منقسم ہو گیا۔قرطبہ کی شان دارالخلافہ باقی نہیں رہی۔گو یحییٰ ابن علی نے سلطنت کے سنبھالنے کی کوشش کی اور اہل قرطبہ نے بھی اس کو بادشاہ تسلیم کیا۔لیکن ۴۲۷ھ م ۱۰۳۵ء جب کہ یہ القاسم ابن عباد کے تصفیہ کی غرض سے اشبیلیہ جا رہا تھا شہر قرمونہ میں اپنے ملازمین کے ہاتھ قتل ہوا۔

باب دوم

خانہ جنگی کا نتیجہ۔ سلطنت کا چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوجانا۔ دیگر حالات۔

ہم بغاوت اور خانہ جنگی کے حالات جہاں تک کہ مختلف تواریخ سے معلوم ہوئے ہیں بالتفصیل اوپر تحریر کر چکے ہیں۔ جس محنت وجانفشانی سے الداخل عبدالرحمن اعظم نے اس عظیم الشان سلطنت اندلس کو قایم کیا اور جس اولوالعزمی عظمت وجلال کے ساتھ الحکم ثانی اور عبدالرحمن ثالث تک اس خاندان نے اس وسیع جنوب ومغربی گوشہ یورپ پر جسکے زیر تسلط شمالی افریقہ کا ایک بڑا حصہ بھی تھا کوس حکومت بجایا اوس سلطنت کو انہی کے بعض پست فطرت خفیف العقل عیش دوست اور فراغت طلب جانشینوں نے ایسا برباد کیا کہ تمام ملک چھوٹی چھوٹی کمزور اور منتشر ریاستوں میں بٹ گیا اور ان کی کمزوری اور آپس کی نزاعوں کی بدولت عیسائیوں کو اس ملک پر دوبارہ قبضہ کرنے کا عمدہ موقع ملا قرطبہ اور صوبجات غرناطہ۔ طلیطلہ۔ اشبیلیہ۔ مالقہ۔ الجزائر۔ سرقسطہ۔ المیریہ۔ افریقہ۔ وغیرہ میں ہر امیر اور صوبہ دار نے کوس انا ولا غیرے کی صدا بلند کی۔ اور ایک دوسرے کی تباہی کے ایسے خواہاں ہوئے کہ اپنے ہم مذہب اور ہم قوم کو اپنا دشمن اور اپنے اصلی دشمنوں کو اپنا دوست سمجھنے لگے۔ چھوٹی خودمختار ریاستوں کے قائم کرنے میں سب سے پہلے بنی حمود نے پیش قدمی کی۔ قرطبہ کی رعایا اور جو فوج کہ وہاں باقی رہ گئی تھی سب نے سلطنت کے سنبھالنے میں بڑی کوشش کی لیکن جن کا انہوں نے بادشاہت کے لئے انتخاب کیا وہ سب ایسے خودغرض اور نفس پرست نکلے کہ سلطنت کی حالت روز بروز ابتر اور تباہ ہوتی گئی۔ جو لوگ کہ ایک قرطبہ کا انتظام نہ کرسکے وہ اس

عظیم الشان سلطنت کو کیا قایم رکھ سکتے تھے۔ یہ نہ تھا کہ شجاعت وحکمرانی کے جوہر اس قوم سے مفقود ہو گئے ہوں۔ اس زمانہ میں بھی نہایت لایق اور بیدار مغز افراد موجود تھے۔ لیکن حکم حاکم حقیقی بدیں نہج ان اللہ لایغیرُ مابقومٍ حتی یغیروا ما بانفسہم نافذ ہو چکا تھا فراست و دوربینی اس قوم سے کنارہ کشی اختیار کر رہی تھی اور ان کا بخت نگون ساران کو اعلیٰ سے اسفل کی طرف لے جا رہا تھا ان پر ایسی غفلت طاری ہوئی تھی کہ ان میں اپنے بھلے اور بُرے کے پہچاننے کی قابلیت باقی نہ رہی۔ اگرچہ زندہ تھے لیکن بدتر از مردہ تھے۔

آمدم بر سر مطلب۔ المتعالی یحیٰی بن علی جب ۴۲۷ھ میں قتل ہوا تو اہل قرطبہ نے فوج بے افسر اور ملک بے بادشاہ دیکھ کر اس کے بھائی ادریس حاکم زلیقہ کو سوطا سے بلا بھیجا۔ ادریس ابن علی نے خواجہ سر اناجا کی نگرانی میں اپنے بیٹے حسن کو اپنا قایم مقام مقرر کیا اور خود فوراً قرطبہ آیا یہاں آکر اس نے سب سے پہلے اپنے بھائی یحییٰ کے قتل کا انتقام ابو القاسم اسمٰعیل بن عباد سے لینے کا ارادہ کیا اور اسی غرض سے فوج اشبیلیہ روانہ کی۔ کئی سال کی متواتر لڑائیوں کے بعد ابو القاسم ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ء میں گرفتار اور قتل ہوا۔ ادریس کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہو چکا تھا اس واقعہ کے دو ہی روز بعد اس نے بھی انتقال کیا اور فوج نے اس کے دوسرے بیٹے یحییٰ ابن ادریس کو تخت پر بٹھانا چاہا۔ یہ خبر سُن کر ناجا۔ حسن کو لے کر بتعجیل تمام ملاقہ پہونچا اور یہ اعلان کیا کہ صحیح وارث سلطنت کا حسن ابن ادریس ہے۔ یحییٰ ابن ادریس نعیر ڑے قلعہ قمارِش میں روپوش ہو گیا اور یہیں ۴۳۴ھ مطابق ۱۰۴۲ء میں اس نے انتقال کیا۔ اسی سال یحییٰ ابن ادریس کی ایک بہن نے اپنے بھائی کے انتقام میں حسن کو زہر دے کر مار ڈالا۔ حسن کے انتقال کے بعد ناجا نے خود ملاقہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن بربروں کے ہاتھ سے یہ بھی بالآخر قتل ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بربروں نے ادریس[۵]

---

[۵] حسن کا چچازاد بھائی۔

ابن یحییٰ المتعالی کو جو اس وقت قید تھا رہا کر کے اخیر ماہ جمادی الثانی سنہ ۴۳۴ھ میں ملقب العالی باللہ تخت پر بٹھایا۔ سب سے پہلے صوبہ غرناطہ اور قرمونہ نے ادریس کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا یہی ادریس ہے جس کی تعریف میں ابو زید عبدالرحمٰن ساکن بشونہ نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو ابن بسام کے ذخیرہ میں موجود ہے۔

ادریس سنہ ۴۳۸ھ مطابق سنہ ۱۰۴۶ء میں حکومت سے معزول کیا گیا اور اوس کا برادر عم زاد محمد ابن ادریس ابن علی الملقب بالمہدی تخت نشین ہوا یہ سنہ ۴۴۴ھ مطابق سنہ ۱۰۵۲ء میں فوت ہوا اور حکومت ادریس[1] ابن یحییٰ ابن ادریس الملقب بالموفق باللہ کے سپرد ہوئی لیکن خلاف رسم مروجہ اسکی تخت نشینی کا اعلان مساجد میں نہیں کیا گیا۔ چند مہینے کے بعد اس کے چچا ادریس العالی باللہ نے جو بعد معزولی قلعہ قمارش میں پناہ گزیں ہوا تھا موقع پاکر صوبہ مالقہ پر قابض ہو گیا اور شہر مالقہ کو اس قدر تباہ کیا کہ رعایا شہر چھوڑ کر دوسرے مقامات میں جا بسی۔ الموفق باللہ نے سنہ ۴۴۶ھ م سنہ ۱۰۵۴ء میں انتقال کیا۔

الموفق باللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد المتعالی باللہ بادشاہ ہوا لیکن سنہ ۴۴۹ھ م سنہ ۱۰۵۷ء میں بادیس ابن حابوس بادشاہ غرناطہ نے ملاقہ[2] پر فوج کشی کی اور محمد المتعالی باللہ شکست کھا کر المریہ چلا آیا۔ یہ جو خاندان حمود کا جس نے ملاقہ پر خود مختارانہ حکومت کی تھی اخیر بادشاہ تھا۔ روز کی خانہ جنگیوں سے یہ تنگ آکر حکومت سے کنارہ کش ہوا اور سنہ ۴۵۶ھ م سنہ ۱۰۶۳ء میں اہل ملیلہ اور قلوع جارہ کی درخواست پر افریقہ چلا آیا جہاں یہ سنہ ۴۶۰ھ م سنہ ۱۰۶۷ء تک حکومت کرتا رہا۔

ان ہی ایام میں الجزائر اور اوس کے مضافات پر محمد المعتصم باللہ رکن خاندان حمود حکمران تھا

---

[1] محمد ابن ادریس ابن علی کا بھتیجا۔ [2] معلوم ہوتا ہے کہ بنی حمود کے حکمرانوں نے بجائے قرطبہ ملاقہ جسے مالقہ بھی کہتے ہیں اپنا مرکز حکومت قرار دیا تھا۔

محمد نے ۴۴۰ھ تک بادشاہت کی اور اس کے بعد اس کا بیٹا القاسم الواثق باللہ ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء تک بلا تعرض الجزائر پر حاکم رہا۔ سال مذکور میں المعتضد ابن عباد بادشاہ اشبیلیہ نے الجزائر پر قبضہ کر لیا اور بنی حمود حکومت سے محروم کر دئے گئے۔

جس زمانے میں بنی حمود نے ملاقہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی ایک بربر امیر زاوی ابن زیری[۱] غرناطہ پر مسلط تھا اس نے ۴۱۰ھ میں اپنے بھتیجے حابوس کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود بضرورت افریقہ چلا آیا۔ حابوس اپنے چچا کی عدم موجودگی میں موقع پاکر خود مختار ہو گیا۔ ۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۷ء میں حابوس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا بادیس المظفر غرناطہ کا حکمران ہوا مگر بنی حمود کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور بالآخر اون کی اطاعت قبول کر لی لیکن بنی حمود کے انحطاط کے زمانہ خفیہ طور پر اس نے اپنی ایسی قوت بڑھائی کہ ۴۴۹ھ میں زہیر صقلبی حاکم المریہ محمد البرزالی حاکم قرمونہ اور اوس کے معاون حاکم اشبیلیہ کو یکے بعد دیگرے زیر کرتا ہوا القادر ابن ذی النون رئیس طلیطلہ کے ساتھ سلسلہ جنگ کا شروع کیا اور اسی سال یعنی ۴۴۹ھ میں ملاقہ کو اپنے دائرہ حکومت میں شریک کر لیا۔

بادیس صوبہ غرناطہ کا پہلا رئیس تھا جس نے شہر غرناطہ کے گرد مستحکم فصیل کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کا انتقال ۲۰ شوال ۴۶۹ھ مطابق ۱۰۷۷ء میں ہوا۔ اس کا پوتا عبد اللہ ابن بلکین المظفر جانشین ہوا۔ عبد اللہ نے صوبہ مالقہ کا انتظام اپنے بھائی تمیم کے سپرد کیا اور خود ۴۸۳ھ مطابق ۱۰۹۰ء تک بلا تعرض بکمال اطمینان غرناطہ اور اوس کے مضافات پر حکومت کرتا رہا۔ سنہ مذکور میں یوسف ابن تاشفین نے اس کو اس حصہ ملک کی حکومت سے معزول کیا۔ یہ ہم اوپر

[۱] زیری وہی شخص ہے جو بزمانہ ابن ابی عامر المنصور افریقہ سے اندلس آیا تھا قریب قریب اوسی زمانہ میں زیری نے غرناطہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ المقری نے لکھا ہے کہ بنی حمود کے ابتدائی زمانہ میں زیری زندہ تھا مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ زیری نے کب انتقال کیا اور زاوی کس سنہ میں یہاں کا حکمراں ہوا۔

تحریر کر آئے ہیں کہ جب بنی حمود کو دولت و ثروت حاصل ہوئی اور مالقہ مستقر حکومت قرار پایا قرطبہ کی شان دارالخلافہ باقی نہیں رہی زیادہ تر یہی سبب تھا کہ قرطبی جو دو صدیوں سے حکومت کے عادی تھے بنی حمود سے ناراض رہے اور بالآخر یہی انتزاع ریاست کے باعث ہوئے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے گذارش ہو چکا ہے اہل قرطبہ نے موقع پا کر مالقہ سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اور خاندان امیہ کے ایک شہزادے ابوبکر ہشام ابن محمد ابن عبدالرحمٰن الناصر کی اطاعت تسلیم کر لی۔ باوجودیکہ یہ ایک رحیم اور عدل گستر بادشاہ تھا لیکن تین سال کی حکومت کے بعد اہل قرطبہ نے بسبب اپنی تلون مزاجی کے اس کو بھی معزول کر دیا۔ ہشام کے بعد چونکہ اب اس خاندان کا کوئی سربرآوردہ رکن باقی نہ رہا تھا امرائے شہر نے باستمزاج رعایا ابوالحزم جہوار ابن محمد کو جو بلحاظ تجربہ و لیاقت شہر میں وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور بنی عامر کے زمانے میں عہدۂ وزارت سے بھی ممتاز رہا تھا حکومت سپرد کی۔ اس دور اندیش امیر نے بکمال خلوص اسلامی ملک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں خیال عصبیت پیدا کرنے کی غرض سے یہ مشہور کیا کہ امیرالمومنین المؤید باللہ[ل] ہنوز زندہ ہے۔ اور اسی کے نام کا خطبہ شہر کی مساجد میں پڑھا گیا۔ بعدہٗ اس نے قاضی ابن عباد رئیس اشبیلیہ اور المنذر رئیس سرقسطہ اور ابن ذی النون رئیس طلیطلہ کو فرمان شاہی از طرف خلیفہ ہشام بایں مضمون بھیجے کہ تم حلف نامے اطاعت و فرماں برداری کے روانہ کرو اور قرطبہ کو بدستور اس سلطنت کا دارالخلافہ سمجھو۔ چونکہ خلیفہ ہشام کے مرنے کے اس قدر زمانے کے بعد لوگوں کا اس دھوکے میں آنا اگر غیر ممکن نہیں تو دشوار تو ضرور تھا کسی نے اس فرمان پر التفات نہ کیا۔ ابوالحزم کے واسطے اس بے غرضانہ حکمت عملی کا کارگر نہ ہونا قیامت تھا۔

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائیگی یہ جو اک لذت ہماری سعی لاحاصل میں ہے

یہ ادنیٰ معدودے چند عرب امرا کا مایوسی میں ہم خیال تھا جو آپس کی خونریزی کے

[ل] یعنی ہشام ثانی جو قرطبہ کے قتل عام میں قتل ہوا تھا۔

باعث عیسائیوں کے غلبہ کے خطرۂ عظیم کو محسوس کر چکے تھے اور سچے دل سے کوشاں تھے کہ اپنے اولوالعزم اجداد کے نام و نشان کو سرزمین اندلس سے محو ہونے نہ دیں۔ باوجودیکہ ابوالحزم کی حکومت کا اثر قرطبہ اور اوس کے محدود مضافات کے باہر بالکل نہ تھا بایں ہمہ اس نے اپنی بیدار مغزی۔ انصاف اور رحم دلی سے اس صوبہ میں مرتے دم تک امن قایم رکھا۔ اس نے ماہ صفر ۴۳۵ھ مطابق ۱۰۴۳ء میں انتقال کیا اور اس کا بیٹا ابوالولید محمد تخت نشین ہوا اور مثل اپنے باپ کے دادرسی اور معدلت گستری میں نام پیدا کرتا رہا۔ اخیر عمر میں بوجہ انحطاط و کمزوری اس نے اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی عبدالملک جس کا ذکر آیندہ گذارش ہوگا۔ بہت روز حکمراں نہ رہ سکا۔

جس زمانۂ شورانگیز میں قرطبہ۔ مالقہ۔ غرناطہ۔ اور الجزائر میں یہ ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں صوبۂ اشبیلیہ اور الغرب میں بنی عبّاد[1] اپنی اساس حکومت کے مستحکم کرنے میں مصروف تھے۔ اس خاندان کے مفصل حالات مشہور مورخ ابوبکر عیسیٰ نے اپنی کتاب "الاعتماد فی اخبار بنی عباد" میں رقم کیے ہیں۔ بلکہ بقول المقری مورخین اور شعرا کا بڑا گروہ بنی عباد کا معرف پایا جاتا ہے۔ اگر اس خیال سے کہ ابوبکر عیسیٰ متوطن اشبیلیہ تھا اور دیگر مصنفین و شعرا اس خاندان کے ہم عصر تھے ان کے آرا کو آزاد تصور کرنے میں ہم کو جائز تامل ہو تب بھی یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بمقابلہ دیگر معاصر حکمرانوں کے بنی عباد کی حالت بہت اطمینان بخش تھی۔ بالخصوص المعتمد ابن عباد تو ابوالحزم والی قرطبہ کا ہم خیال تھا۔

[1] خاندان عباد کا پہلا شخص جس نے اندلس میں سکونت اختیار کی تھی عطاف تھا اور یہ ۱۲۳ھ مطابق ۷۴۱ء میں امیر بلج ابن بشر کے ساتھ سے اندلس آیا تھا بنی عباد کی ترقی کا بانی ابوالولید اسمٰعیل ابن قریش تھا جو بزمانہ خلیفہ ہشام المؤید باللہ صاحب الشرطہ یعنی کوتوال اور پھر اشبیلیہ کا حاکم مقرر ہوا بعد ازاں اشبیلیہ کی حکومت اس کے بیٹے محمد ابوالقاسم کے سپرد کی گئی جو کہ عنقریب خود مختار بن بیٹھا۔ المقری

ناظرین کو یاد ہوگا کہ سنہ ۴۱۴ھ میں جب القاسم ابن حمود قرطبہ سے ہزیمت پاکر اشبیلیہ آیا تو یہاں کے امرا و اہلِ شہر نے دروازے بند کر دئے اور یہ صاف طور سے ظاہر کر دیا کہ "اس خاندان کی حکومت ہم کو منظور نہیں" اور امرائے شہر میں سے تین امیروں کا انتخاب کر کے مساوی اختیارات کے ساتھ ان کو حاکم مقرر کیا۔ ان امیروں میں قاضی محمد ابن عباد بھی شریک تھا۔ چونکہ یہ اپنے شرکار سے کہیں زیادہ ذی ہوش اور بندۂ حرص تھا بہت جلد اس نے اپنے دیگر شرکار کو معطل و بے کار کر دیا اور خود بلاشرکت غیرے حکومت کرنے لگا۔ لیکن یحییٰ ابن علی کے تصفیہ کے بعد ابن عباد نے یہ بات محسوس کی کہ پورے ملک اندلس پر تسلط بغیر تائید بنی امیہ ممکن نہیں۔ پس اس نے بھی اوسی حکمت عملی سے کام لینا چاہا جس کے ذریعہ سے ابوالحزم اور واضح نے سلطنت کے سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ ابن عباد نے بہ شکل تمام ہشام المؤید باللہ کا ہمشکل اور ہم وضع ایک شخص پیدا کیا اور بحیثیت حاجب یہ اعلان نافذ کیا کہ "امیر المومنین زندہ ہے بمقتضائے خیر خواہی و خیر اندیشی اہل اندلس کو چاہئے کہ خلیفہ کی زندگی میں اس بغاوت اور خانہ جنگی کو موقوف کریں"۔ مگر یہ بھی ابوالحزم کی طرح ناکام رہا اور یہ دیکھ کر کہ طمع دنیا نے سب کو دیوانہ بنا رکھا ہے اس نے بھی دائرہ قناعت سے قدم باہر رکھا اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو قرمونہ کی تسخیر کے واسطے بڑی فوج دے کر روانہ کیا۔ قرمونہ کا والی محمد ابن عبداللہ البرزالی بھی بامداد والیان غرناطہ اور مالقہ بعزم رزم آگے بڑھا۔ اس لڑائی میں جو سنہ ۴۳۱ھ م سنہ ۱۰۴۰ء میں واقع ہوئی تھی اشبیلیہ کی فوج سے شکست فاش کھائی اور اسمٰعیل گرفتار اور قتل ہوا۔ اس کے دو برس بعد اخیر جمادی الاول سنہ ۴۳۳ھ میں قاضی ابن عباد نے انتقال کیا اور اس کا بیٹا ابو عمرو عباد فخر الدولہ المعتضد باللہ مسند نشین ہوا۔

ایک مورخ لکھتا ہے کہ شاید اوس زمانۂ قیامت خیز کا اقتضا رتھا کہ المعتضد باللہ کی ذات میں متضاد خصائل مجتمع ہو گئے تھے۔ فراست، خوش تدبیری اور علم و فن کی قدر میں ممتاز مگر وحشیانہ مظالم میں

ایسا خونخوار کہ تمام ملک اس کے نام سے پناہ مانگتا تھا۔ اس کی عمر زیادہ تر میدان جنگ میں صرف ہوئی اور جو لوگ کہ اس کی خاص شمشیر خون آشام کے لقمہ ہوئے تھے اون کے سروں کو اس نے ایک خاص مکان میں جمع کیا تھا جن کو یہ روز جاکر بہت دیر تک بنظر عبرت دیکھا کرتا تھا اور بعض وقت اس ہولناک سماں سے رحم کا دریا اس کے سینے میں ایسا جوش زن ہوتا تھا کہ بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور اپنے مظالم پر آپ نادم ہوتا تھا لیکن یہ حالت اس پر صرف اس مکان میں طاری ہوتی تھی باہر آتے ہی مثل سابق سنگ دل ہو جاتا تھا۔ اس کو شعر و سخن سے بہت شوق تھا[1]

المعتضد باللہ نے جمادی الآخر ۴۶۱ھ مطابق ۱۰۶۹ء میں اٹھائیس برس کی مستقلانہ حکومت کے بعد انتقال کیا اور اس کا بیٹا المعتمد انتیس سال کی عمر میں وارث ریاست قرار پایا۔ یوں تو اکثر مورخ المعتمد کی ثنا خوانی میں ہم زبان ہیں لیکن ابوبکر عیسیٰ اپنی کتاب "الاعتماد فی اخبار بن عباد" میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس کے کارناموں اور ذاتی صفات کے تذکرہ کے سلسلے میں اس کے علم و فضل اور علم و مروت کا معترف ہے المقری نے المعتمد کا مقابلہ خلفاء بنی عباسیہ کے بہترین افراد سے کیا ہے کہتے ہیں کہ اس نے ۴۷۵ھ تک اپنی رعایا کو غدر اور طوائف الملوکی کے اثر سے محفوظ رکھا لیکن اس آسودگی کو افاقۃ الموت سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اندلس میں عیسائی مسلسل ترقی کرتے جاتے تھے۔ اس ترقی کے اسباب وہی تھے جو صدیوں کے بعد ہندوستان میں قوم انگریز کے تسلط کے باعث ہوئے۔ یہ سب خود مختار حکمران ایک دوسرے کے خون کے ایسے پیاسے تھے کہ ہر امیر عیسائیوں کو تائید کے وعدے پر

[1] ممکن ہے کہ المعتضد باللہ کا شوق علم و فن نمائشی نہ ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ تمام حکمران جو غاصبانہ طور پر ملک کے مختلف حصوں پر مسلط ہو گئے تھے اپنی علمی لیاقت اور علوم و فنون کی سرپرستی کا اظہار نہایت شد و مد کے ساتھ محض اس غرض سے کیا کرتے تھے کہ ان کے نودولت اور غاصب ہونے کا دھبہ باقی نہ رہے اور علماء اور شعراء کے تصنیفوں اور قصائد کے ذریعہ سے ان کا نام اور شہرت ہمیشہ کے واسطے قائم ہو جائے بجنسہ یہی حالت ہویں صدی میں ملک طلیہ کی تھی۔
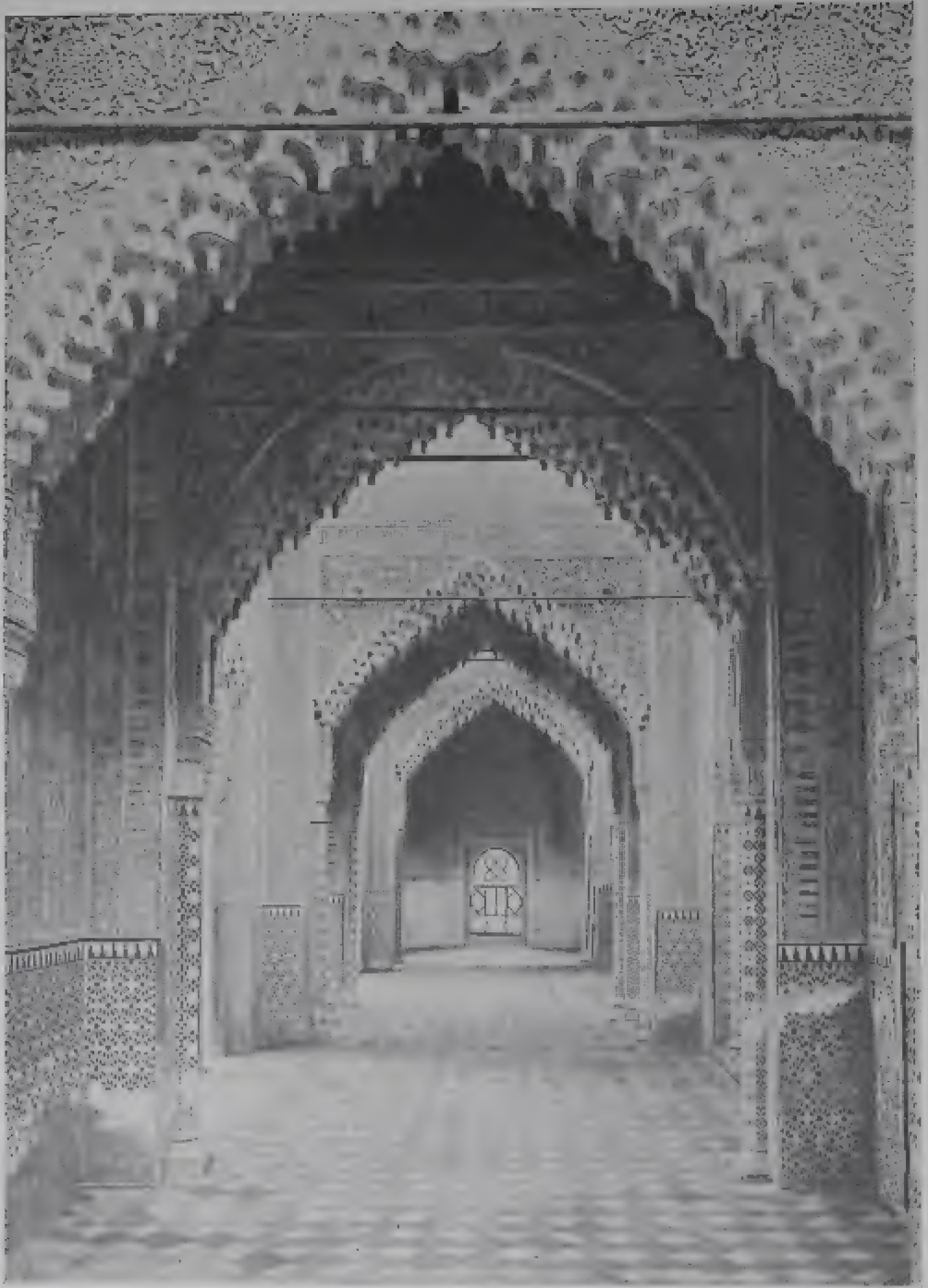
دارالعدل (عدالت)
(غرناطہ)

اون کی ہر شرط کو منظور کرلیا کرتا تھا۔ عیسائی بھی عربوں کے باہمی فتنہ و فساد کو ہر ممکنہ طور پر ترقی دینے میں غفلت نہیں کرتے تھے اور جس کو قوی پاتے تھے اوس کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ۴۷۵ھ میں ایک یہودی ابن شالب نامی مع چند عیسائی امرا کے منجانب ادفونش[1] حسب معاہدہ سالانہ روپیہ لینے کی غرض سے اشبیلیہ آیا۔ المعتمد نے فوراً وہ رقم اس یہودی کو بھجوا دی لیکن اس نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ "میں سوائے خالص سونے کے اور کچھ نہ لوں گا اور سال آیندہ سے اس ملک کا پورا محاصل ادا کیا کرو۔" المعتمد اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکا اور یہودی کو گرفتار کرکے حکم دیا کہ ایک تختے پر لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پیروں میں میخیں ٹھونک دو۔" یہودی نے بالحاح و زاری عرض کیا کہ اگر تو مجھکو چھوڑ دے تو میں اپنے ہموزن سونا تجھکو تول دیتا ہوں۔" المعتمد یہ سن کر اور زیادہ خشمناک ہوا اور کہا کہ "تو اپنی جان کی عوض تمام افریقہ اور اندلس کی حکومت بھی مجھکو دے تب بھی تیرے قتل سے باز نہ آؤں گا۔" غرض ابن شالب قتل ہوا اور اس کے ہمراہ جس قدر عیسائی آئے تھے قید کر دئے گئے جس وقت اس واقعہ کی اطلاع الفونش کو ہوئی اوس نے جرأت کے ساتھ نقض عہد کی تیاریاں کیں اور اس موقع سے جس کے عیسائی ہمیشہ منتظر رہا کرتے تھے پورا فائدہ حاصل کرنا چاہا۔ چنانچہ باوجود یکہ المعتمد نے فوراً قیدیوں کو رہا کر دیا تھا الفونش نے علانیہ یہ عہد کیا کہ "جب تک میں آبنائے طارق تک نہ جا پہونچوں گا کہیں دم نہ لوں گا" آمادۂ جنگ ہوا۔ المعتمد کو جب یہ خبر ہوئی کہ الفونش فساد پر آمادہ ہے اور اپنے میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ پائی اوسی وقت جہاز پر سوار ہو کر افریقہ آیا اور یوسف ابن تاشفین سے جو سوطا کی تسخیر میں سرگرم تھا مدد کا طالب ہوا۔ یوسف اس خطرہ کو اچھی طرح محسوس کر چکا تھا کہ اگر اندلس کے عیسائی انتزاعی حکومت میں کامیاب ہوگئے تو افریقہ بھی اونکے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا پس یہ المعتمد کے ساتھ نہایت دلجوئی کے ساتھ پیش آیا اور وعدہ کیا کہ ہم سوطا سے فراغت پاکر خود اندلس آ پہنچینگے المعتمد اشبیلیہ آکر فوج فراہم کر رہا تھا کہ یوسف حسب وعدہ مع فوج اشبیلیہ پہونچا اور بمقام زلاقہ معرکہ عظیم واقع ہوا۔ اس ایک ہی لڑائی میں

[1] الفانسو کو ادفونش اور الفونش نہ فون کہتے ہیں۔

عیسائیوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ اُنہوں نے اپنی سرحد تک دم نہ لیا اور نہ پھر انکو مقابلہ کی جرأت ہوئی
اس جنگ کے بعد یوسف افریقہ واپس چلا گیا لیکن اندلس کی زرخیزی اور یہاں کی سرسبزی دیکھکر اسکے دل میں یہاں کی حکمرانی کی
ہوس پیدا ہوئی۔ چنانچہ یہ دوبارہ اشبیلیہ آیا۔ باوجودیکہ یوسف نے اپنے ارادہ کے پوشیدہ رکھنے میں نہایت احتیاط کی
تھی باہمہ اوسکی طرز حالات سے المعتمد کو بقرائن اسکی نیت فاسد کا حال معلوم ہوگیا۔ سوطا واپس پہنچتے ہی ابن تاشفین
نے المعتمد کو لکھا کہ اگر جزیرۃ الخضرا مع شہر اور بندرگاہ میرے حوالے کر دیا جائے تو میں بھی ہمیشہ تمھاری
مدد پر آمادہ رہوں گا۔" المعتمد نے اس درخواست کے منظور کرنے میں پہلوتہی کی یوسف دفعتاً سو جنگی
جہازوں کے ساتھ اس جزیرے کے سامنے نمودار ہوا۔ یزید بن المعتمد نے اپنے باپ کو اس یورش کی خبر دی
المعتمد نے اپنے میں قوت مقاومت نہ پاکر یزید کو حکم دیا کہ جزیرہ یوسف کو دیدیا جائے اور بطور مہمان
عزیز کے اوس کے ساتھ نہایت لطف و مدارا سے پیش آئے تاکہ یوسف اپنے اس خلاف عہد اور
مروت برتاؤ سے خود نادم ہو کر جبر وتشدد سے احتراز کرے مگر ابن تاشفین پر اس صلح جوئی کا برعکس
اثر ہوا اور وہ یہاں سے باطمینان رسد کا انتظام کر کے خاص شہر اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا۔ المعتمد نے
ایک حالت ناامیدی اور یاس میں عیسائیوں سے مدد چاہی یوسف کو جب اس امر کی خبر ہوئی تو اس نے
اشبیلیہ میں عیسائیوں کے داخل ہونے سے قبل ہی فوراً آگے بڑھ کر عیسائیوں کا مقابلہ کیا اور انکو
بآسانی منتشر کر دیا۔ بعد ازاں قلعہ کا محاصرہ کر کے بذات خود قلعہ کے اوس رخ پر جہاں الرشید ابن المعتمد
متعین تھا ایسا سخت حملہ کیا کہ فوج خندق سے گزر کر شہر پناہ کا دروازہ توڑتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔ اس واقعہ
سے المعتمد بہت پریشان ہوا۔ اور چونکہ خود ایک صحیح النسب عرب تھا موروثی غیرت و شجاعت نے حرکت
کی شمشیر بکف باب الفرج جدہر سے یوسف ابن تاشفین کی فوج داخل ہوئی تھی آیا اور یکہ و تنہا دشمن
کے انبوہ کثیر میں در آیا اور نقارچی کو قتل کرتا ہوا قلب لشکر کی طرف متوجہ ہوا۔ الرشید اپنے باپ کے
پس پشت بغرض حفاظت موجود تھا۔ اس کے جاں باز محافظین قلعہ نے بھی اپنے سردار کا ساتھ دیا

اور دشمن پر چپٹ راست سے حملہ آور ہوئے۔ المعتمد کی غیر معمولی شجاعت اور جرأت سے دشمن ایسے متاثر ہوئے کہ حالت بدحواسی میں کچھ تو دروازہ کے باہر نکل آئے اور جو فصیلوں پر چڑھ گئے تھے انہوں نے اپنے تئیں خندق میں گرا دیا المعتمد نے دروازہ اپنے سامنے بند کرا دیا اور پھر قلعہ کا معائنہ کرتا ہوا باب السباغین کی طرف جہاں اس کا ہونہار بیٹا مالک دشمن کے تیر سے ہلاک ہوا تھا۔ کچھ دیر تک یہ اپنے بیٹے کی لاش پر خاموش کھڑا رہا لیکن یہ وقت رنج و غم کا نہ تھا دشمن ہر طرف سے متواتر حملے کر رہے تھے اور قریب تھا کہ قلعہ کے بیرونی حصہ میں داخل ہوں یہ فوراً اندرونی حصے میں چلا آیا۔ یوسف کی فوج پھر قلعہ کے اندر داخل ہوئی۔ بالآخر صرف اس شرط پر کہ شہر اور بیرونجات کی رعایا لوٹ اور غارت گری سے محفوظ رہے گی المعتمد[1] نے ہتھیار رکھ دئے۔ اس نے افریقہ کے قید خانہ میں انتزاع حکومت کے تقریباً بارہ (۱۲) سال بعد سنہ ۴۸۸ھ م ۱۰۹۵ء انتقال کیا۔

ایک دوسری خودمختار ریاست جو سلطنت اندلس کے کھنڈروں پر قائم ہوئی تھی ریاست طلیطلہ تھی جسے بنی ذوالنون نے قایم کیا تھا اس خاندان کا پہلا حکمراں اسمٰعیل ابن عبدالرحمٰن ابن عمر ابن ذوالنون تھا۔ اس خاندان کے مختصر واقعات و ترقی مدارج کے اسباب یہ ہیں کہ یحییٰ اور الفتح اور مطرف ایک بربر افسر موسیٰ ابن ذوالنون حاکم شنت بریہ کے بیٹے تھے۔ موسیٰ کا سلسلہ المسیح سابق والی اندلس سے ملتا ہے جس زمانہ میں سلیمان موسیٰ کا باپ شنت بریہ میں مقیم تھا سلطان عبداللہ[2] کا ایک خاص اور عزیز خواجہ سرا اس قدر علیل ہوا کہ سرحد ارغون سے واپس ہوتے ہی اس کو مجبوراً شنت بریہ میں ٹھیرنا پڑا۔ اور اتفاق سے سلیمان کے گھر میں مقیم ہوا سلیمان نے اس کے ساتھ ہمدردی اور

---

[1] اس جنگ اشبیلیہ کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں ملا لیکن بلحاظ واقعات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آغاز نزاع (سنہ ۴۷۵ھ سے) ایک سال کے اندر یعنی سنہ ۴۷۶ھ میں بنی عباد کی حکومت ختم ہو گئی ہو گی۔ اس خاندان کا دور سنہ ۴۱۴ھ لغایت سنہ ۴۷۶ھ تقریباً ساٹھ سال رہا۔ [2] یہ عبدالرحمٰن ثالث سے قبل خلیفہ تھا۔

شفقت سے اس کی تیمارداری کی کہ گویا یہی اپنے مہمان کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوا۔ خواجہ سرا نے اس احسان عظیم کے معاوضہ میں سلطان سے سفارش کر کے سلیمان کو اس مقام کا حاکم مقرر کرادیا۔ سلیمان باوجود اپنے بیٹے موسیٰ کی بغاوت و شرارت کے اپنے بادشاہ کا تادم مرگ خیرخواہ بنا رہا۔ ۲۷۴ھ مطابق ۸۸۸ء میں اس کے انتقال کے بعد موسیٰ اس کا جانشین ہوا۔ لیکن چند ہی روز بعد بالزام بغاوت قتل کیا گیا۔ اور ملک ضبط ہوا صرف برعایت سلیمان ایک مختصر جاگیر موسیٰ کے بیٹے یحییٰ کو عطا ہوئی۔ یحییٰ نے ابتدا میں نہایت خیرخواہی اور اطاعت سے کام لیا چنانچہ جب محمد ابن عبداللہ البکری نے باغیوں میں شریک ہو کر قلعہ طلقون[1] پر قبضہ کیا تو اوس وقت یحییٰ نے ربیع الثانی ۳۰۳ھ مطابق ۹۱۴ء میں بعلت نمک حرامی محمد ابن عبداللہ کا سر کاٹ کر قرطبہ بھیجا جس کے صلے میں اس کو تمام صوبے کی حکومت مل گئی مگر دولت اور ثروت کے حاصل ہوتے ہی اسکی طبیعت مائل بہ فتنہ و فساد ہو گئی تاآنکہ بعہد سلطان عبدالرحمٰن ثالث خلیفہ نے اپنے وزیر عبدالحمید کو اس کی تنبیہ کے واسطے بھیجا۔ اس نے یحییٰ کو ۳۲۱ھ مطابق ۹۳۳ء میں گرفتار کر کے گرفتہ و بستہ مع اس کے خاندان کے قرطبہ میں حاضر کیا۔ یحییٰ نے بمقام سرقسطہ ۳۲۵ھ میں انتقال کیا۔

موسیٰ کا دوسرا بیٹا الفتح جب ترقی کرتا ہوا اقلیز کا صوبہ دار ہوا تو اس نے بھی سرکشی شروع کی اور ایسا مغرور ہوا کہ صوبۂ طلیطلہ کی فوج کے ایک دستہ پر حملہ کیا لیکن اوسی وقت ایک سپاہی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

تیسرا مطرف ابن موسیٰ جو اپنے باپ کے بعد وبیدہ کا حاکم مقرر ہوا تھا فی الجملہ نیک نام رہا۔ ایک جنگ میں شانجہ بادشاہ نوار کے ہاتھ گرفتار ہوا لیکن کسی ترکیب سے مع اپنے تین ہمراہیوں کے بھاگ آیا۔ یہ ۳۲۷ھ مطابق ۹۳۹ء میں جنگ الخندق میں بھی شریک تھا۔ اسی جنگ میں اس نے ایسی ناموری

---

[1] اس کو ہلیوٹ کہتے ہیں۔

حاصل کی کہ جس کے صلے میں سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے مدینۃ الفرج کی حکومت اس کے سپرد کی مطرف کا انتقال ۳۲۳ھ م ۹۳۵ء میں ہوا۔

غرض اسمٰعیل[1] بن عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ المامون مسند نشین ہوا چونکہ یحییٰ کے تمام خود مختار معاصرین کی پہلی کوشش تسخیر قرطبہ ہوا کرتی تھی اس نے المعتمد ابن عباد کے زمانہ میں اس کے بیٹے ابوعمرو ابن المعتمد گورنر قرطبہ کو قتل کر کے چند روز کے واسطے اس شہر پر قبضہ حاصل کیا تھا اور ابن عامر سے بجبر بلنسیہ کی ریاست بھی غصب کر لی تھی۔

باوجود طوائف الملوکی جب تک کہ ان مختلف خود مختار رؤسا نے اپنے رعب داب سابق کو عیسائیوں پر قائم رکھا عیسائی پیش قدمی کرنے سے ڈرتے رہے مگر ان رؤسائے عرب کے نالائق و بے ہنر جانشینوں کو کمزور پا کر عیسائی منحرف و سرکش ہو گئے۔ سب سے پہلے ادفونش نے ۴۷۸ھ م ۱۰۸۵ء میں بزمانۂ القادر[2] ابن ذی النون علم بغاوت کا بلند کیا اور القادر کو ایسی شکست فاش دی کہ اس نے خود محض اس وعدہ پر کہ بلنسیہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی جائے گی طلیطلہ کو ادفونش کے حوالہ کر دیا۔

فرماں روایان سرقسطہ کے مختصر حالات یہ ہیں۔ خاندان بنی عامر کے خاتمہ کے بعد اور المہدی کے زمانِ حکومت میں المنذر ابن یحییٰ التجیبی سرقسطہ کی صوبہ داری پر مامور ہوا تھا اس کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ صوبہ دار مقرر ہوا جو بعد چندے سلیمان ابن احمد ابن محمد کے ہاتھوں معزول ہوا اس خاندان کے باوقار و رفیع الشان رئیسوں میں ابوجعفر[3] ابن ہود المقتدر باللہ اور

---

[1] اس کے اور اس کے جانشینوں کے حالات المقری نے نہایت اجمالی طور پر تحریر کیے ہیں۔

[2] القادر بادشاہ طلیطلہ یحییٰ ابن المامون کا پوتا تھا۔

[3] ابوجعفر نے ۴۷۴ھ م ۱۰۸۱ء میں انتقال کیا۔

اور اس کا بیٹا ابو عامر یوسف المؤتمن[1] شمار کیے جاتے ہیں۔ بعد ازاں المستعین احمد ابن المؤتمن جانشین ہوا۔ اس نے عیسائیوں کے مقابلے میں ۴۸۹ھ م ۱۰۹۶ء میں شدید زک کھائی۔ اور ۵۰۳ھ م ۱۱۱۰ء میں قلعۂ سرقسطہ کے سامنے عیسائیوں کی یورش کو رد کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں شہید ہوا۔ اس کا بیٹا عبدالملک عماد الدولہ ۵۱۲ھ م ۱۱۱۸ء تک حکمراں رہا۔ سنہ مذکور میں رذمیر نے ایک ہی لڑائی میں اسے حکومت سے محروم کر دیا۔ اس کے بیٹے سیف الدولہ نے اپنے باپ کے انتقال کے بعد اپنے آبائی ملک کے استرداد میں بہت کچھ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ اور حالت ناامیدی و یاس میں مع اپنے متعلقین کے طلیطلہ میں گوشہ نشینی اختیار کی اور یہیں اس کا انتقال ہوا۔

---

[1] المؤتمن کو علم ریاضی سے کمال دلچسپی تھی اور اس فن میں اکثر کتب تصنیف کیں منجملہ اُن کے کتاب "الاستکمال والمناظر" اپنی خوبی مطالب میں قابل دید ہے۔ اس نے ۴۷۸ھ مطابق ۱۰۸۵ء میں انتقال کیا۔

باب سوم

عیسائیوں کی ترقی۔ طلیطلہ پر ادفونش چہارم کا قبضہ۔ شانجہ اول کی فتوحات۔ عیسائیوں کے ظلم و زیادتی۔ ادفونش کی گستاخانہ درخواستیں۔ ادفونش کا اشبیلیہ پر حملہ۔ المعتمد اور یوسف کا اشبیلیہ میں داخل ہونا ادفونش کی تیاریاں۔ فوج عرب کا روانہ ہونا۔ ادفونش کی دغابازی عیسائیوں کی شکست۔ ادفونش کا انتقال معتمد کا افریقہ واپس ہونا

یہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ عربوں کے شروع زمانہ حکومت میں ایک عیسائی بلائی نامی ساکن جلیقیہ قرطبہ سے بھاگ کر اپنے وطن کے پہاڑوں میں پناہ گیر ہوا تھا اور اپنے ہم مذہبوں کو اغوا کر کے بغاوت شروع کر دی تھی۔ وہ زمانہ امیر عنبسہ ابن الکلبی[1] کا تھا چونکہ مسلمانوں کا تسلط قریب قریب تمام اندلس پر ہو چکا تھا اور عیسائی بادشاہ اور رؤسا نے اطاعت و فرماں برداری قبول کر لی تھی۔ عربوں نے ان چند عیسائیوں کی مخالفت کو امر خفیف سمجھ کر توجہ نہ کی۔ بلائی مع تیس رفقا اور دس عورتوں کے صرف شہد پر دشوار گزار گھاٹیوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اس عیسائی کی ہمت و استقلال کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے تمام آفات و مشکلات کا برداشت کرنا منظور کیا۔ لیکن عربوں کی اطاعت کبھی قبول نہ کی اور تادم مرگ مخالف بنا رہا۔ اس نے ۱۳۳ھ م ۷۵۰ء میں انیس سال بغاوت کے بعد انتقال کیا اور اس کا بیٹا فافلا[2] اس کا قائم مقام ہوا جو دو سال زندہ رہا۔ اس کے بعد ادفونش[3] ابن بطرو

[1] امیر عنبسہ الکلبی منجانب خلیفہ دمشق اندلس پر حکمران تھا جس کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے۔
[2] انگریزی میں فاولہ کہتے ہیں۔ [3] اس ہی سے شاہان ادفونش کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

حاکم مقرر ہوا۔ غرض بلائی کے جانشینوں کا سلسلہ برابر جاری رہا اور سب نے حسب وصیت اپنے مورث کے اپنی تعداد و قوت میں رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کی کہ سلطان عبدالرحمن بن ناصر کی سپاہ کو بمقام مورد پسپا کر دیا۔ اس اتفاقی واقعہ سے اس گروہ قزاق پیشہ کی جرأت اس قدر بڑھی کہ جلیقیہ اور بشکنس کے عیسائیوں کی شرکت سے ۳۲۳ھ م ۹۴۱ء میں طرکونہ و دیگر مقامات سرحدی کو تباہ کرنا شروع کیا لیکن اس وقت جو کچھ کامیابی ان کو حاصل ہوئی تھی اُس کا عوض المنصور ابن ابی عامر نے ایسا لیا کہ پھر تا شکست سلطنت اندلس عیسائیوں میں اس دلیری کے ساتھ پیش قدمی کی ہمت نہ ہوئی۔ المنصور نے تنبیہاً ان کے صدر فوجی مقام شرق میں برشلونہ اور غرب میں شنت یاقوہ شریک سلطنت کر لیے برعکس ہم جس تیز رفتار کے ساتھ سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوتا جاتا تھا اُسی سرعت سے عیسائیوں میں باہمی اتحاد و قوت رونما ہو رہی تھی۔ چنانچہ تقریباً ۴۶۰ھ م ۱۰۶۸ء میں ادفونش چہارم ابن فردلند نے نہایت ذہانت سے تمام خود مختار اسلامی ریاستوں کے حالات دریافت کیے۔ اور ان کی باہمی آتش رشک و حسد و ہوس ملک گیری کو اس درجہ مشتعل کیا کہ خانہ جنگی ایک مرض متعدی و لاعلاج ہو گئی۔ بعد ازاں اپنے ہم وطنوں کو جن کے دلوں سے عربوں کا رعب ہنوز پورے طور پر زائل نہیں ہوا تھا بمشکل بغاوت و جنگ پر آمادہ کر کے ابتدائً کمزور رؤسائے عرب کو اپنا باج گزار بنایا اور پھر سات برس کی متواتر جنگ کے بعد ۴۷۸ھ م ۱۰۸۵ء میں بزمانہ القادر باللہ[1] طلیطلہ[2] کو اپنے دائرہ حکومت میں لے آیا۔

سلطنت اندلس کے مشہور شہروں میں قرطبہ کے بعد طلیطلہ کا درجہ تھا۔ پس ناظرین خیال

---

[1] جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے القادر بن المامون یحییٰ ابن ذی النون کا پوتا تھا اس نے اپنے میں قوت مقاومت نہ پا کر محض بوجہ کہ طلیطلہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی جائیگی۔ اس نے طلیطلہ کو ادفونش کے حوالہ کر دیا تھا۔

[2] طلیطلہ نہایت قدیم شہر تھا جس کو لیفیتی یا قرطاجنیوں نے دریائے تاجہ کے کنارے آباد کیا تھا۔ یہ ایک نہایت مستحکم فصیل سے محصور تھا شہر کے قریب ایک دریا کا پل بھی زمانہ قدیم کا بنا ہوا موجود تھا جو صنعت و دستکاری میں دنیا کی عجائبات سے سمجھا جاتا تھا اس کے قریب ایک پانی کھینچنے کا پیا بنا ہوا تھا۔ پہلے اس آلہ کے ذریعہ سے پانی پل کے اوپر لایا جاتا تھا اور پھر نلوں کے ذریعہ سے شہر میں پہنچایا جاتا تھا۔ (المقری)

کرسکتے ہوں گے کہ اس حادثۂ عظیم کا عربوں کے قلوب پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ ہر گھر ماتم کدہ تھا۔ اُدھر جس وقت ادونش اپنے شرکاء کے ہمراہ مع اپنی سپاہ کے شہر میں داخل ہوا عیسائیوں کی مسرت و شادمانی کا اندازہ طلسمِ خیال سے بھی متجاوز تھا حصولِ مدعا کے بعد پہلا حکم جو نافذ ہوا وہ یہ تھا کہ مسلمان بجبر عیسائی کئے جائیں اور شہر کی تمام مساجد گرجائیں بنادی جائیں۔

جس روز یہ حکم نافذ ہوا تمام مسلمان طلیطلہ کی جامع مسجد میں جمع تھے اور نماز کے بعد امام منبر پر وعظ بیان کر رہا تھا کہ عیسائی مسجد کے اندر گھس آئے اور مذہب اسلام کی توہین کے مرتکب ہوئے مسلمانوں نے بمشکل نماز ختم کی اور پھر روتے ہوئے باہر نکل آئے۔[1]

جبکہ جلیقیہ کے عیسائی گوشہ شمال سے پیش قدمی پر آمادہ ہوئے۔ نصارائے ارغون دوسرے گوشے سے اُنکو کمک کے واسطے روانہ ہوئے۔ چنانچہ ۴۱۴ھ مطابق ۱۰۲۳ء میں ارغونیوں نے فوج کثیر ایسے وقت پر بلنسیہ کا محاصرہ کیا کہ جب کہ عرب تیار نہ تھے تاہم مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور اپنی فطری خصوصیت اور دھوکا دغا سے کام نکالنا چاہا۔ اور اہل بلنسیہ کو یہ پیام بھیجا کہ "ہم جنگ و فساد کے لئے نہیں بلکہ اتحاد و دوستی کو ترقی دینے کے واسطے آئے ہیں"۔ عربوں نے جواب دیا کہ "بغیر اطلاع فوج کثیر کے ساتھ آکر دوستی کا دم بھرنا یہ ایک نئی بات ہے"۔ عیسائی یہ کہہ کر کہ "اگر ہمارے قول پر اعتبار نہیں ہے تو ہم واپس جاتے ہیں" قلعہ کے سامنے سے ہٹ آئے اور بطرنہ کے قریب جھاڑی میں پوشیدہ ہو گئے عبد العزیز ابن ابی عامر سپہ سالار عرب نے یہ سمجھ کر کہ عیسائی خوف سے بھاگے جاتے ہیں ان کا تعاقب کیا۔ لیکن جب عرب ان کو ڈھونڈتے ہوئے حالت بےخبری میں اُس جھاڑی

---

[1] یہ ظلم مسلمانوں پر [illegible]ھ مطابق ۱۲۰۴ء میں شروع ہوا تھا۔

داخل ہوئے دفعۃً عیسائیوں نے چار طرف سے ان کو گھیر لیا۔ بیان یہ کیا جاتا ہے کہ سوائے چند مسلمانوں کے باقی سب گرفتار یا قتل ہوئے۔ اس ہی سنہ میں عیسائیوں نے شہر بربشطر[1] پر حملہ کیا۔ الارد ملیس[2] جب اپنی فوج لیکر اس قلعہ کے سامنے نمودار ہوا تو یوسف ابن سلیمان رئیس سرقسطہ نے باوجود اطلاع اس یورش کی مدافعت میں انتہا بے پروائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصاریٰ پہلے ہی حملہ میں قلعہ کے بیرونی حصہ میں داخل ہو گئے۔ بریں ہم کئی روز تک بازار حرب وضرب جانبین سے گرم رہا۔ باوجودیکہ امداد کی تمام امیدیں منقطع ہو گئی تھیں۔ اور عیسائی بھی بہ نسبت عربوں کے تعداد میں کہیں زیادہ تھے محصنین نے ایک سخت یورش عیسائیوں پر کی۔ جس میں تقریباً پانسو عیسائی کام آئے مگر بقول شخصے کہ "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکلہ خود باید زد" بے محل درنگ سے جو نقصان ابتداء میں پہنچ چکا تھا اس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ اگر اس مختصر سی کامیابی سے کوئی امید موہوم بندھی تھی وہ اس خبر سے معدوم ہو گئی کہ عدو نے آبرسانی کے نل کاٹ ڈالے اور آمد پانی کی بالکل موقوف ہو گئی۔ فاقہ نے پہلے سے پریشان کر رکھا تھا اب پانی جو مایۂ حیات تھا اس کے بند ہو جانے سے سب ایسے مایوس ہوئے کہ محض اس وعدہ پر کہ عیسائی قتل وغارتگری سے باز رہیں گے ہتیار رکھ دیے مگر شانجہ نے قلعہ پر قبضہ کرتے ہی خلاف عہد وپیمان قتل عام[3] کا حکم دیا۔ تمام مورخین عرب متفق اللفظ ہیں کہ علاوہ اہل فوج کے ہزارہا عورتیں اور بچے اور نیز وہ لوگ جن کو جنگ سے کچھ تعلق نہ تھا بے گناہ قتل ہوئے۔ بقیۃ السیف جبراً غلام بنائے گئے الحاصل جو ظلم وزیادتی اور وحشیانہ حرکات کہ ان عیسائیوں سے اس جنگ میں سرزد ہوئیں

---

[1] انگریزی میں برلستر و کہتے ہیں۔ یہ صوبہ ارغون میں واقع تھا۔ ابن حیان لکھتا ہے کہ یہ مستحکم قلعہ برطنیہ میں جو ارغون کے مضافات میں سے ہے سرقسطہ کے قریب واقع تھا۔

[2] عربی مورخ سینکو اول ابن رامیرو کو عموماً اس نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کے ہمراہیوں کو الارد مریون کہتے ہیں۔

[3] المقری مظہر ہے کہ باشندگان شہر میں سے صرف ایک[illegible] نہ اور دوسرا قاضی جن کے نام ابن الطول اور ابن عیسیٰ تھے قتل سے بچ کر نکل گئے تھے

وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ امرائے عرب کے اُن عیش و آرام گاہوں میں جو صنعت اور آرائش میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھیں عیسائی امیر مقیم ہوگئے اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں		طوق زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

شانجہ[1] نے قلعہ بر بشطر میں پندرہ سو سوار اور دو ہزار پیادے انتظام کی غرض سے چھوڑے اور خود ارغون واپس چلا آیا۔ جب اس وحشت ناک قتل عام کی خبریں ملک میں چاروں طرف پھیلیں تو مسلمانوں کے دل پر اس حادثۂ عظیم کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ ممکن نہیں۔ مسلمانوں نے بالاتفاق اس واقعہ کا باعث احمد المقتدر[2] ابن ہود کو ٹھہرایا۔ المقتدر بوجہ شرم و ندامت اس کا انتقام لینے پر مستعد ہوا۔ یہ ایسا موقع تھا کہ سپاہ عرب کا ہر سپاہی کفن بہ سر تھا جمیت عرب جوش پر تھی ایک ہی کوشش میں قلعہ کو فتح کر لیا۔ مگر عربوں کی شجاعت کو دیکھنا چاہیے کہ باوجودیکہ عیسائیوں نے قتل عام کے وقت زن و مرد میں کوئی فرق نہیں کیا۔ جو سامنے آیا اس کو تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ سپہ سالار فوج عرب نے بوقت عزم جنگ یہ سخت احکام جاری کیے " کہ گو اعدائے اسلام نے ہماری عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کیا ہے لیکن اس کی ذمہ داری اُن کی عورتوں اور بچوں پر عائد نہیں کی جا سکتی۔ صرف مردوں ہی سے انتقام لیا جائے۔ ہاں غازیان اسلام کو اس قدر اجازت ہے کہ اگر کوئی عورت یا بچہ گرفتار ہو تو وہ گرفتار کرنے والے کی ملک سمجھا جائے گا۔"

غرض عربوں نے اپنے ایک ایک شہید بھائی کے عوض دس دس عیسائیوں کو قتل کیا۔ بعد فتح جب فوج کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس معرکۂ عظیم میں صرف پچاس[3] عرب سپاہی شہید ہوئے۔

---

[1] سانکو کو عربی میں شانجہ اور لارڈ طیس دونوں کہتے ہیں۔

[2] یہ لقب تھا یوسف ابن سلیمان ابن ہود والی سرقسطہ کا جس کی بے پروائی سے یہ قتل عام ہوا تھا۔ [3] المقری۔

ہم اپنے عنان قلم کو پھر طلیطلہ کی طرف موڑتے ہیں۔ اذفونش نے جس وقت اپنے کو اس زرخیز حصۂ سلطنت کا حاکم پایا اس کی عقل کوتہ اندیش نے اس کے دل میں تمام اندلس کے تسخیر کی ہوس پیدا کی اور اس نے ابن الافطس رئیس بطلیوس اور المعتمد ابن عباد رئیس اشبیلیہ کی حدود میں قدم بڑھانا شروع کیا۔ یہ قبل ازیں تحریر ہو چکا ہے کہ یہ تمام خود سر خود غرض رؤساء آنے والی آفت عظیم سے غافل ایک دوسرے کی تخریب اور تباہی میں ایسے منہمک تھے کہ عیسائیوں کو راضی رکھنے کے واسطے اُن کا باج گزار بننا بھی منظور کر لیا کرتے تھے اور سالانہ رقم کی عدم ادائی نصاریٰ کے واسطے بہترین حیلہ آغاز نزاع کا ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ المعتمد چونکہ المریہ کی تسخیر میں مصروف تھا، رقم وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکا۔ اذفونش نے اس تاخیر کی پاداش میں بطور یرغمال چند قلعے ہی طلب نہیں کیے بلکہ ایک یہ بھی گستاخانہ درخواست کی کہ اُس کی بی بی [1] کو جو اُس زمانے میں حاملہ تھی تا وضع حمل قرطبہ کی مسجد میں رہنے کی اجازت دیجائے اور قصر الزہرا بھی اس کی بی بی کے قبضے میں دیدیا جائے۔" المعتمد نے اس درخواست کو فوراً نامنظور کر دیا۔ جب عیسائیوں کے سفیر شالب یہودی نے زیادہ اصرار کیا تو المعتمد نے حالت غضب میں دوات اٹھا کر اس زور سے اس یہودی کے سر پر ماری کہ وہ فوراً مر گیا۔ حاضرین دربار اور علماء وقت نے اس امر میں المعتمد کی تائید کی اور کہا کہ" جب سفیر خاص بادشاہ کے ساتھ بے ادبانہ اور گستاخانہ گفتگو کا مرتکب ہو تو اُس کو حاکم وقت ہر طرح کی سزا دے سکتا ہے۔ اذفونش نے اپنے سفیر کے قتل کا واقعہ سُنکر عہد کیا کہ "میں المعتمد کو بغیر سزا دیے آرام نہ لوں گا۔" اور فوراً اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ وہ باجہ اور اس کے مضافات کو تاراج کرتا ہوا بمقام طریانہ [2] اس کا انتظار

---

[1] المعتمد اور اذفونش کے تنازعات باہمی کے واقعات حسب قول المقری صفحہ ۲۱۵ اور صفحہ ۲۱۶ پر تحریر ہو چکے ہیں۔ یہاں وہی واقعات حسب روایات دیگر کچھ فرق کے ساتھ تحریر کیے جاتے ہیں۔

[2] انگریزی میں کونسٹنزا لکھتے ہیں۔ [3] یہ مقام اشبیلیہ سے شمال مغرب میں کچھ کم سو میل کا فاصلہ رکھتا ہے

کرے۔ غرض ادفونش زرخیز ملکوں کو تباہ کرتا ہوا دریائے وادی الکبیر کے کنارے اشبیلیہ کے محاذی خیمہ زن ہوا اور خط المعتمد کو اس مضمون کا لکھا کہ "میں اس مقام پر بہت دیر ٹھہر چکا ہوں مجھ یہاں کی گرمی اور مکھیوں نے مجھ کو بہت پریشان کر رکھا ہے تم اپنا محل خاص میرے نذر کرو تاکہ اس کے سایہ دار درختوں میں نہرہائے شیریں کے کنارے آرام لوں"۔ المعتمد نے اسی خط کی پشت پر یہ جواب لکھا کہ "ہم نے تیرا خط پڑھا جس سے تیرا غرور و تکبر مترشح تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں ہم تجھ کو اپنے بہادر سپاہیوں کی ڈھال کے سایہ میں سُلا دیں گے"۔ ادفونش اس جواب کو پڑھ کر کچھ دیر سرنگوں رہا۔ چونکہ یہ بانی شر و فساد عربوں کے خیالات سے پوری واقفیت رکھتا تھا قبل از جنگ اس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے تمام ملک میں اس خبر کو مشتہر کیا کہ المعتمد نے امیر یوسف ابن تاشفین کو افریقہ سے فوج کثیر کے ساتھ اپنی مدد کے لیے طلب کیا ہے اور وہ عنقریب اندلس میں داخل ہونے والا ہے"۔ رؤسائے عرب کو یہ حرکت المعتمد کی بہت ناگوار گزری بعض نے جو اس وقت برسر پرخاش نہ تھے المعتمد کو بغرض سرزنش یہ لکھا کہ تو نے بغیر ہماری رائے اور مشورہ کے یوسف کو طلب کیا ہے کیا تجھ کو یہ مقولہ یاد نہیں کہ "الملک[1] عقیم و السیفان لا یجتمعان فی غمدٍ واحدٍ"۔ المعتمد نے جواب دیا کہ "مجھ کو سوروں کی پاسبانی سے اونٹوں کی نگہبانی پسند ہے"۔ اس جواب میں کنایہ یہ تھا کہ ادفونش کا قیدی بن کر سوروں کی نگہبانی کرنے سے یوسف کا قیدی بن کر افریقہ کے بر اعظم میں اونٹوں کی پاسبانی کرنا بدرجہا بہتر ہے اس نے یہ بھی کہا کہ اگر میں ایک مسلمان کو اپنا معاون و مددگار قرار دوں گا تو میرا خدا بھی مجھ سے خوش رہیگا اور اگر میں کسی عیسائی کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کرونگا تو معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا غضب الٰہی نازل ہو"۔ بعد ازاں المعتمد نے المتوکل[2] عمرو ابن محمد اور عبد اللہ ابن حباس رؤسائے بطلیوس و غرناطہ کے قاضیوں کو طلب کیا اور قرطبہ کے قاضی القضاۃ ابو بکر عبد اللہ ابن ادہم کو بھی

---

[1] ملک بغیر وارث کے اور سیف یہ دو چیزیں ایک کاٹھی میں سما نہیں سکتی ہیں۔

[2] اسس کا لقب ابن الافطس بھی تھا۔

جو ایک باخبر اور صائب الرائے شخص تھا بلا بھیجا۔ اور ان تینوں کو اپنے وزیر ابو بکر ابن زیدون کے ساتھ بطور سفارت امیر یوسف کے پاس افریقہ روانہ کیا۔ باستثنائے امرا و خود غرض المعتمد کی اِس دور اندیشی سے عام مسلمانوں کے دم میں دم آیا۔ اور انہوں نے ابن ادہم پر یہ پورے طور سے ظاہر کر دیا کہ اگر امیر یوسف اِس موقع کو غنیمت جان کر بدنیتی کو اپنے دل میں جگہ دے اور اس ملک پر مسلط ہو جائے تب بھی چونکہ وہ مسلمان ہے اُس کی حکومت بہ نسبت کافروں کے ہم کو ہر طرح منظور ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ ابن تاشفین افریقہ کے اُس شمالی حصہ پر جسے مغرب الاقصیٰ کہتے ہیں مسلط ہو چکا تھا اور اپنی غیر معمولی فتوحات کی یادگار میں مراکش اور تلمسان الجدید دو مشہور تجارت گاہوں کی تعمیر سے فراغت حاصل کر چکا تھا پس کیا تعجب ہے کہ حکومت اندلس کی ہوس بھی اس کے دل میں پیدا ہوئی ہو۔ بہر کیف یہ واقعہ ہے کہ المعتمد ابن عباد کی سفارت کی روانگی کے قبل یوسف کی شجاعت اور اولوالعزمی کی عام شہرت نے رؤسائے اندلس پر اس قدر رعب ڈالا تھا کہ ان سب نے باوجود باہمی رقابت کے محض اس افواہ پر کہ یوسف اندلس کی تسخیر کا بھی قصد رکھتا ہے۔ باہم متفق ہو کر اس مضمون کا خط اس کو ارسال کیا۔ "اگر تو اس ملک پر فوج کشی نہ کرے اور ہم کو اپنے ظلِ عاطفت میں پناہ دے تو تیرا یہ فیاضانہ برتاؤ تیرے نام کو صفحۂ ہستی پر ہمیشہ کے لیے برقرار رکھے گا اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اگر ہم تجھ کو اپنا سرپرست بنائیں تو تمام دنیا ہم کو دور اندیش اور صائب الرائے اور اپنے ملک کا سچا خیر خواہ سمجھے گی ہم درخواست کرتے ہیں کہ تو اس سرپرستی کو قبول کرے۔ اس میں صرف ہمارا ہی فائدہ نہیں بلکہ تجھ کو اس عظیم الشان سلطنت کے قیام و استحکام میں بھی بہت کچھ مدد ملیگی"۔ یوسف کے پاس جب یہ نامہ پہنچا چونکہ یہ خود زبان عربی سے اچھی طرح واقف نہ تھا اپنے خاص مشیر کو ترجمہ کا حکم دیا اور مضمون خط سُن کر اُس کی رائے دربارۂ جواب طلب کی مشیر نے عرض کیا کہ "اے بادشاہ سچی عظمت و بزرگی وہ چیز ہے کہ جو بلا جنگ و جدل لوگوں کو مطیع و فرماں بردار

بنا لیتی ہے۔ ایسے خوش قسمت اور اولوالعزم بادشاہ کا یہ فرض ہے کہ رحم و انصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑے اور جو لوگ کہ معافی کے خواستگار ہوں اُن کی درخواستوں کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر اپنے فیاضانہ برتاؤ سے ان کے دلوں پر ایسا قبضہ کرے کہ اُس کا رعب و داب انہیں لوگوں کے ذریعہ سے دور دور کے ملکوں پر اپنا اثر ڈالے۔ زمانۂ سابق کے کسی بادشاہ نے کیا اچھا کہا ہے کہ رحم دل اور فیاض آدمی پہلے اپنے ہمسایوں کا سرپرست اور پھر ان کا حاکم اور پھر اُن کا بادشاہ بن جاتا ہے۔"

امیر یوسف نے اس رائے کو کمال تعریف کے ساتھ پسند کیا اور حسب ذیل جواب لکھوایا۔

"از طرف یوسف ابن تاشفین بعد سلام سب کو معلوم ہو کہ جو ملک کہ تمہارے قبضے میں اس وقت ہے تم کو مبارک رہے اور مجھ کو یقین ہے کہ تم اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کروگے اور چونکہ ہم تمہارے سچے خیر خواہ ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم اور تم ایک دوسرے کو مثل بھائیوں کے سمجھیں اور ہر امر میں خدائے تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔"

الغرض جب المعتمد کے سفیر سبتہ[1] پہنچے اور اپنے اسناد اور بادشاہ کے خطوط پیش کر کے یوسف کے سامنے ملک اندلس کی دردناک حالت کا مختصر طور پر ذکر کیا تو اس امیر نے ان لوگوں کی بہت کچھ تشفی اور دلجوئی کی اور کہا کہ "تمہارے آنے کے قبل ہی ہم کو عیسائیوں کی اور بالخصوص اُس بانیٔ شر و فساد یعنی اذفونش کی ظلم و زیادتی کی خبر پہنچ چکی تھی تم اپنے بادشاہ کو اطلاع دو کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے گا اندلس پہنچ کر ان کا فروں کو ایسی سزا دی جائیگی کہ پھر ان کو کبھی سر اُٹھانے کی مجال نہ رہے گی۔" اس واقعہ کے چند ہی[2] روز بعد یوسف مع فوج جزیرۃ الخضرا آیا۔ یہاں چونکہ پہلے ہی سرکاری طور پر اس کے آنے کا اعلان ہو چکا تھا۔ عوام الناس نے اس کی اور اس کی فوج کی وہ مدارات کی اور تمام ضروری سامان بلا طلب مہیا

---

[1] ایک بیان یہ تھا کہ المعتمد بذات خود سبتہ آیا تھا۔ صفحہ ۲۱۰ ملاحظہ ہو۔

[2] ٹھیک زمانہ معلوم نہیں ہوا۔

کیا جس سے یہ امیر بہت خوش ہوا اور یہاں سے فوراً فوج کو اشبیلیہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا
المعتمد نے اپنے بیٹوں کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا۔ اور جو مقامات کہ راستے میں پڑتے تھے وہاں
کے حاکموں کو تاکیدی حکم تھا کہ یوسف اور اس کی فوج کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ جب یوسف
کی فوج[1] ترتیب دار شہر کے سامنے نمودار ہوئی۔ المعتمد خود مع سو سوار اور تمام امرائے دربار امیر موصوف
کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آیا۔ یوسف کے خیمہ کے قریب یہ دونوں امیر نہایت محبت
و اخلاق سے بغلگیر ہوئے۔ وہ رات ان دونوں نے اپنے اپنے خیموں میں بسر کی۔ اور دوسرے روز
صبح کو حسب خواہش المعتمد یہ دونوں گھوڑوں پر سوار نہایت کروفر کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے
کوئی حکمراں اور امیر اندلس کا ایسا نہ تھا کہ جس نے تحائف اس کے لیے نہ بھیجے ہوں اکثر تو بذات
خود مع لشکر موجود تھے۔

اُدھر جب اذفونش کو یوسف کے وُرود اور عزم کی اطلاع ہوئی۔ اس نے فوراً قریب و دور
سب طرف کے حاکموں کو اپنی مدد پر آمادہ کیا۔ اور اپنے حریف کے حالات دریافت کرنے کے
لیے جاسوس روانہ کیے۔ بعد ازاں المعتمد کو ایک خط بایں مضمون لکھا کہ "تمہارا دوست یوسف
معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ملک سے بیزار ہو کر تمہارے ملک میں دائمی طور پر سکونت اختیار کرنا چاہتا ہے
لیکن میں اس کو مرتے دم تک آرام نہ لینے دوں گا۔ ظاہر ہے کہ تمہاری محبت نے اس کو ایسا بیقرار
کیا کہ اس نے تمہارے افریقہ آنے کا بھی انتظار نہیں کیا بلکہ خود تمہارے پاس اپنی محبت اور دوستی
جتانے کو چلا آیا" اس کے بعد اذفونش نے اپنے امرائے دربار کو جمع کیا اور کہا کہ "بہت کچھ فکر و غور کے
بعد مجھ کو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں دشمن کو درہ ہائے کوہ سے اپنی سرحد میں آنے کا موقع نہ دوں
بلکہ اپنی سرحد سے باہر دشمن کے حدود میں اس کا مقابلہ کروں اس لیے کہ اگر عرب ہماری سرحد میں گھس آئے

[1] فوج کی تعداد کیا تھی معلوم نہیں ہو سکا۔

اور میدانِ جنگ میں ہم کو ناکامی حاصل ہوئی۔ تو یہ لوگ ملک کو برباد کرنے کے علاوہ ہم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے اور ہمارے ملک پر قبضہ کرنے میں ان کو بہت کچھ آسانی ہوگی بخلاف اس کے اگر لڑائی انہیں کے ملک میں واقع ہوئی اور اگر وہ کامیاب ہوئے تب بھی اُن میں اتنی قوت باقی نہ رہے گی کہ وہ اِن درّہ ہائے کوہ سے گزر کر ہمارا تعاقب کریں اور اگر ہم کامیاب ہوئے تو ہم کو اُن کے ملک کی تسخیر کا عمدہ موقع ملیگا۔ اِن وجوہ سے میں نے مصمم قصد کر لیا ہے کہ دشمن ہی کے ملک میں ان کا مقابلہ کیا جائے"۔ سب نے اس رائے کی تائید کی۔ ادفونش مع اُس فوج کے جس کی ہمت وجرأت پر اس کو کامل بھروسہ تھا۔ اشبیلیہ روانہ ہوا اور باقی کو تاصدور حکم ثانی وہیں رہنے کا حکم دیا۔ ادفونش نے جب اپنی چالیس ہزار فوج کا معائنہ کیا تو بیساختہ ازراہ کبر و غرور اس کے منھ سے نکلا کہ "میں اِن بہادروں کے ساتھ جن اور دیو کا بلکہ اگر فرشتے بھی آسمان سے آئیں تو ان کا مقابلہ کر سکتا ہوں"۔

المختصر ادفونش منزل بمنزل چلا آتا تھا کہ راستے میں ایک مقام پر اس نے یہ خواب دیکھا کہ "وہ ایک ہاتھی پر سوار ہے اور ہاتھی اپنی سونڈ نقارے پر مار رہا ہے" خوف سے اس کی آنکھ کھل گئی اور حالت پریشانی میں پادریوں سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ جب ان سے تشفی نہ ہوئی تو اس نے ایک یہودی کو بہت کچھ روپیہ دیکر کہا کہ "تو کسی عرب عالم سے اس کی تعبیر دریافت کر"۔ یہودی نے بدقتِ تمام ایک عرب سے ملاقات کی اور اس سے یہ خواب بیان کیا۔ عرب نے سُن کر کہا کہ "تو بالکل جھوٹا ہے تو نے یہ خواب نہیں دیکھا بلکہ اُس کا دیکھنے والا ایک دوسرا شخص ہے اور جب تک کہ تو اس کا نام نہ بتائیگا میں اس کی تعبیر نہ بتاؤنگا"۔ یہودی نے بالآخر مجبوراً ادفونش کا نام بتا دیا۔ عرب نے سورۂ اصحاب فیل پڑھا اور کہا کہ اُس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ایک صدمۂ عظیم ادفونش اور اُس کی فوج کو پہنچنے والا ہے نقارہ پر سونڈ مارنے کے معنی یہ ہیں کہ ادفونش کے مُنھ پر ایک شدید زخم جنگ میں پہنچے گا۔ یہودی واپس آیا لیکن اس کی ہمت نہ ہوئی کہ صحیح صحیح تعبیر ادفونش کو سُنائے۔

ازراہ تکبر ادفونش نے امیر یوسف کے نام ایک خط تحریر کیا جس میں علاوہ اپنی فوج و سامان کی تعریف کے دشنام ہائے مغلظہ بھی درج تھیں۔ یوسف نے اپنے وزیر ابوبکر ابن القصیرہ کو جواب لکھنے کے لیے حکم دیا۔ ابوبکر نے ایک مطول اور مدلل مسودہ تیار کیا۔ یوسف نے یہ کہہ کر کہ اس بیہودہ تحریر کے جواب میں اس قدر عبارت آرائی کی ضرورت نہیں۔ اُس ہی کے خط کی پشت پر یہ مختصر سا جملہ "الذی یکون ستراہ" یعنی جو ہوگا عنقریب تو اسے دیکھ لیگا۔ اپنے قلم سے لکھ کر خط واپس کر دیا۔ اس مختصر اور پرمضمون جملے کو پڑھ کر ادفونش کے دل میں خود بخود دہشت پیدا ہوئی۔ اور یہ کہا کہ "مجھ کو ایک بڑے بہادر سپاہی سے سابقہ پڑنے والا ہے دیکھنا چاہیے کہ انجام کیا ہوگا۔" اِدھر جب یوسف نے جو لشکر اعداء کی نقل و حرکت سے باخبر تھا سنا کہ ادفونش کی فوج درہائے کوہ سے نکل کر سرحد اشبیلیہ میں داخل ہو رہی ہے اپنی خاص سپاہ کے ساتھ آگے بڑھا اور جب قرار داد المعتمد بھی مع اپنے لشکر کے اس کے عقب میں روانہ ہوا۔

یہ دونوں امیر نہایت شان و شوکت کے ساتھ قلعہ بطلیوس کے سامنے وارد ہوئے۔ یہاں کا حکمراں المتوکل عمرو ابن محمدان کے ساتھ بہ مدارا پیش آیا اور یوسف کو اطلاع کی کہ عدو سرحد کے قریب پہنچ گیا ہے۔ یوسف نے پہلے ہی سے تمام پہلوؤں پر غور کر لینے کے بعد نواح زلاقہ کو جنگ کے واسطے تجویز کیا تھا پس یہاں اسی قدر توقف کے بعد جو بوجہ تعب مسافت سپاہ کی آسودگی کے لئے ضروری تھا ایسے وقت روانہ ہوا کہ مقام مذکور کے قریب اور اسی میدان میں جو اس نے بغرض مقابلہ پسند کیا تھا دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوئیں۔ یوسف نے قبل از جنگ اسلامی قواعد کے موافق ادفونش کو لکھا کہ "تو ہمارے مذہب پاک کو اختیار کر اور اگر یہ تجھ کو منظور نہیں تو خراج دینا قبول کر ورنہ جبراً تجھ کو عروس موت سے بغل گیر ہونا پڑیگا۔ یہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ ایک دفعہ تو نے ہمارے پاس افریقہ آنے کا قصد ظاہر کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ تو نے اپنے ارادے کو پورا نہیں کیا اور اب ہم نے تیری اس امید کو پورا کیا کہ ہم خود یہاں موجود ہیں اور تیری دعاوی کے اثر کو دیکھنا چاہتے ہیں۔" اس تحریر کے پہنچتے ہی نصاریٰ نے صلیب کو

لے۔ یہ شہر بطلیوس دریائے وادی آنہ کے شمال میں واقع ہے۔ صفحہ ۲۱۵۔

ہوا میں بلند کیا اور انجیلوں پر قسمیں کھائیں کہ "ہم بغیر مرے پیچھے نہ ہٹیں گے"۔ اِدھر علماء وقت نے جہاد کے فضائل سنا کر عربوں کے دلوں میں جوش فتح و شہادت پیدا کیا۔ رجب ۴۷۹ھ م ۱۰۸۶ء بروز چہار شنبہ ادفونش مقابلے کی غرض سے آگے بڑھا عرب صف بستہ مثل دیوار آہنی حملہ کے منتظر تھے۔ دفعتہً عیسائی فوج ٹھہر گئی اور ایک افسر نے منجانب ادفونش یوسف کو یہ پیام پہنچایا کہ "اب جمعہ آنے والا ہے جس کو تم ایک مقدس روز سمجھتے ہو اور اس کے بعد اتوار کا دن ہے جو ہمارے یہاں خاص عبادت کے لئے مقرر ہے۔ اگر تم کو کوئی عذر نہ ہو تو جنگ کے لیے ہفتہ کا روز جو ان دونوں کے درمیان واقع ہے مقرر کیا جائے"۔ المعتمد نے یوسف کو اس کے مکر سے مطلع کیا اور کہا کہ "ہم کو جمعہ کے روز تیار رہنا چاہیے اس روز ضرور ہم کو بےخبر پا کر حملہ کر بیٹھے گا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا شب جمعہ کو دو سوار جو خاص حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے تھے المعتمد کے پاس آئے اور خبر دی کہ ادفونش کی فوج میں ہل چل ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ہی چند اور سواروں نے اس کی تائید کی اور چند جاسوسوں نے یہ خبر پہنچائی کہ ادفونش اپنے افسران فوج کو یہ حکم دے رہا تھا کہ "عربوں میں صرف المعتمد ایسا آدمی ہے جو اس ملک سے پوری طرح واقف ہے اور اسی کی رائے پر یہ اہل افریقہ[1] کاربند ہیں۔ سب سے پہلے تم المعتمد پر نہایت جرأت و ہمت سے حملہ کرنا اگر اس کو ہم نے شکست دیدی تو پھر ان نئے لوگوں کا قابو میں لے آنا بڑی بات نہ ہوگی مجھ کو یقین ہے کہ المعتمد تمہاری جرأت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا"۔ المعتمد نے بذریعہ ابن القصیرہ اس واقعہ سے یوسف کو مطلع کیا۔ یوسف نے جواب دیا کہ میں خود تیری مدد کے لئے آتا ہوں اور ایک افسر کو حکم دیا کہ ایک رسالہ کے ساتھ تیار رہے اور جس وقت ادفونش المعتمد پر شب خون مارے فوراً پیچھے سے ان عیسائیوں کے لشکر کو آگ لگا کر ان پر یورش کرے۔ ہنوز یہ احکام جاری ہی ہوئے تھے کہ المعتمد کے خرگاہ کی جانب سے جدال و قتال کی آواز بلند ہوئی چونکہ عیسائی تعداد میں کہیں زیادہ تھے تھوڑے عرصہ میں بہت عرب شہید ہوئے اور جو باقی رہ گئے تھے ان کے

[1] یعنی یوسف ابن تاشفین اور اس کے ساتھ جو فوج افریقہ سے آئی تھی۔

دلوں پر نا امیدی چھانے لگی۔ المعتمد نہایت اضطراب اور پریشانی سے یوسف کا منتظر اور اپنی فوج کی ہمت قائم رکھنے کی غرض سے بلا خوف ہلاکت سب سے آگے لڑ رہا تھا۔ اس کی ران کے نیچے تین گھوڑے مارے گئے اور تین جگہ زخم شدید اس کو پہنچا۔ ایک زخم تو اس کے سر پر پہنچا تھا۔ تلوار سر کو مجروح کرتی ہوئی کنپٹی کی طرف ڈھلک آئی تھی۔ دوسرا زخم تلوار کا اس کے سیدھے ہاتھ پر اور تیسرا زخم نیزے کا اس کے زانو پر تھا۔ خون ان زخموں سے مثل فوارے کے بہ رہا تھا۔ اور یہ بحالت یاس و ناامیدی شہادت کی تمنا میں یکہ و تنہا دشمنوں کے مجمع میں گھسا چلا جاتا تھا۔ اور اپنے بیٹے ابوہاشم کو جو بوجہ بیماری اشبیلیہ میں رہ گیا تھا یاد کر کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

أَبَا هَاشِمٍ هَشَّمَتْنِي الشِّفَارُ[1] — فَلِلّٰهِ صَبْرِي لِذَا إِكَ الْأُوَارُ

ذَكَرْتُ شُخَيْصَكَ تَحْتَ الْعَجَاجِ — فَلَمْ يَثْنِنِي ذِكْرُهُ الْفِرَارُ

عین حالت مایوسی میں یوسف میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ اذفونش نے چند دستے فوج کے لے کر اس کو روکنا چاہا۔ لیکن عیسائی اہل افریقہ کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہوتے ہوئے اپنے لشکر کے قلب پر آ پڑے۔ عربوں نے سپاہ عدو کو پھر سنبھلنے کی مہلت نہیں دی اور دوسرے روز بھی قریب شام تک عیسائیوں کو چار طرف سے گھیرے ہوئے قتل عام کو جاری رکھا۔ اس جنگ[2] عظیم میں عیسائیوں کو شکست فاش ملی۔ اذفونش خود مجروح و تباہ حال اپنی جان بچا لے گیا۔ اور جو مال و اسباب کہ عیسائیوں کے ہمراہ تھا۔ تمام و کمال مجاہدان اسلام کے تصرف میں آیا۔

بعد فتح المعتمد نے حق شکرگزاری کی ادائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یوسف بھی

---

[1] اے ابوہاشم شمشیر آبدار نے میری ہڈیاں توڑ دیں پس اس جنگ عظیم کی حرارت میں اللہ ہی پر صابر ہوں۔ اس معرکہ کے گرد و غبار میں میں نے تجھ کو یاد کیا اور تیرے ذکر نے مجھ کو بھاگنے سے روک لیا۔

[2] عربوں کو یہ فتح بتاریخ ۲۰ رجب ۴۷۹ھ م ۱۰۸۶ء بروز جمعہ حاصل ہوئی تھی۔

المعتمد اور اس کی سپاہ کی جرأت و شجاعت کا از حد ثنا خواں تھا۔ چار روز تک عرب میدان جنگ میں خیمہ زن رہے۔ المعتمد نے مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق یوسف کی رائے دریافت کی۔ یوسف نے جواب دیا کہ "میں اس ملک میں لوٹ حاصل کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ فی سبیل اللہ تمہاری مدد اور جہاد کی نیت سے آیا تھا جس میں بفضلہ تعالیٰ کامیابی حاصل ہوئی۔ یہاں سے یہ دونوں اولوالعزم امیر اشبیلیہ آئے۔ یوسف تو اول ہی سے اندلس کی حکومت پر مفتون تھا مگر اب اس کے رفقا کے دلوں میں بھی یہاں کے امرا کے تمول اور فارغ البالی نے عیش و آرام کی ہوس پیدا کی یوسف ایک بیدار مغز اور دور اندیش آدمی تھا اور عیش و آرام کا نتیجہ یعنی سلطنت اندلس کی تباہی دیکھ چکا تھا اس نے اپنے مصاحبوں کے اصرار اور ترغیب پر جواب دیا کہ "اس ظاہری نمایش چند روزہ پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے۔ تم بچشم خود دیکھ رہے ہو کہ اس ہی تمول اور فراغت کی بدولت اہل اندلس اوج حکومت و برتری سے پستی ذلت و خواری میں پڑے اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں تاہم اپنے نکبت اعمال سے باوجود تادیب و تنبیہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے۔"

اندلس میں باوجودیکہ عربوں نے بہت ہی سخت شخصی سلطنت قایم کی تھی۔ لیکن یہاں کے ہر بادشاہ اور امیر نے یہ قدیم قاعدہ آخر وقت تک جاری رکھا کہ ہر کس و ناکس بلا تامل خلیفہ سے ملنے کی درخواست کر سکتا تھا اور خلیفہ کو بھی بپاس اصول مروجہ باریابی کی اجازت دینا ضرور ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک روز ایک نہایت غریب عالم نے المعتمد سے ملنے کی درخواست کی بعد باریابی اس گمنام شخص نے پہلے نہایت ادب سے سر تسلیم خم کیا اور پھر عرض پیرا ہوا کہ "یا امیر آج میں یوسف کے چند ہمراہیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ ان کے فحوائے کلام سے معلوم ہوا کہ جس مکر و حیلہ سے اس نے اقوام افریقہ کو مسخر کیا ہے اسی طرح اس ملک پر بھی قابض ہونا چاہتا ہے، میں چونکہ ملک و قوم کا بہی خواہ ہوں میرا فرض تھا کہ ان کی نیت سے تجھکو آگاہ کر دوں اور اگر

تو میری رائے پوچھے تو میں یہ رائے دونگا کہ تو یوسف کو کسی ترکیب سے گرفتار کرلے جو اسوقت ہر طرح ممکن ہے اور بعد گرفتاری تاوقتیکہ ان کا بچہ بچہ جہاز پر سوار نہ ہو جائے اور یوسف چند اپنے خاص رشتہ داروں کو یرغمال میں دیکر اس قسم کا حلفی وعدہ نہ کرلے کہ پھر وہ مدت العمر اس ملک کا رُخ نہ کریگا اس کو رہا نہ کر۔" المعتمد نے اس شخص کی رائے کو پسند کیا لیکن اتفاق سے اس وقت ایک صاف گو مصاحب بھی اس تخلیہ میں شریک تھا وہ بلا تامل کہہ اٹھا کہ "بادشاہوں کو ایسے مذموم حرکات یعنی دغا و فریب ہرگز لایق و سزاوار نہیں۔" اس واقعہ کی اطلاع کسیطرح یوسف کو بھی پہنچ گئی۔ دوسرے روز علی الصباح جب المعتمد اپنے دستور کے موافق تحائف لیکر اپنے مہمان سے ملنے آیا تو یوسف کچھ دیر باتیں کرکے اُٹھ کھڑا ہوا اور افریقہ واپس چلا گیا۔

باب چہارم
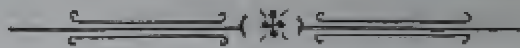
خاندان المرابطین والموحدین و بنی ہود کا یکے بعد دیگرے اندلس پر مسلط ہونا۔ یوسف ابن تاشفین کا دوبارہ اندلس آنا۔ اس کی فتوحات۔ المعتمد اور ادفونش۔ المعتمد کی گرفتاری۔ عبدالجبار بن المعتمد یوسف بن تاشفین کا انتقال۔ علی کی تخت نشینی۔ اس کی فتوحات۔ اس کا انتقال۔ تاشفین ابن علی کی تخت نشینی۔ عیسائیوں کی ترقی۔ ادفونش ثانی۔ عبدالمومن کا اندلس میں داخل ہونا۔ یوسف اول کی تخت نشینی۔ طلیطلہ کا محاصرہ۔ یوسف کا انتقال۔ یعقوب المنصور۔ عیسائیوں کی شکست۔ محمد الناصر جنگ العقاب۔ عربوں کی شکست۔ اس جنگ کا نتیجہ۔ یوسف ثانی۔ ابن ہود۔ خلافت بغداد فردلنند ثالث کا قرطبہ پر قبضہ۔

یوسف ابن تاشفین کی روانگی کے بعد ہی نصاریٰ نے پھر شور و فساد کے علم کو بلند اور ادفونش[1] کو بدقت تمام انتقام پر آمادہ کیا۔ ادفونش نے اپنے ماتمی لباس کو جسم سے اتارا اور زرہ فولادی پہنکر بغیر اعلان[2] جنگ دفعتہً عبدالعزیز رئیس مرسیہ پر حملہ آور ہوا اور قلعہ الیط[3] پر قبضہ کرتا ہوا فوج بقدر ضرورت قلعہ مذکور میں چھوڑ کر طلیطلہ واپس چلا آیا۔ الیط سے نصاریٰ نے پھر المعتمد سے چھیڑ شروع کی۔ جنگ زلاقہ کے بعد چند روز کے امن نے المعتمد کے مزاج میں بڑا تغیر

---

[1] المقری لکھتا ہے کہ بعد جنگ زلاقہ ادفونش اپنی فوج کی تباہی اور رفقا کے مارے جانے کے سبب سے شل دیوانوں کے ہوگیا تھا یہی وجہ ہے کہ اب بدقت تمام مکرر جنگ پر آمادہ ہوا۔ [2] یہ طریقہ دغابازی اور قزاقی میں داخل تھا۔ [3] انگریزی کتب میں الیڈو کہتے ہیں۔

پیدا کر دیا تھا اور اس کی طبیعت فراغت طلبی کی طرف مائل ہوتی جاتی تھی۔ سرحد کے استحکام اور وہاں کی ابتدائی وارداتوں کے انسداد میں اس نے اس قدر دیر کی کہ ادفونش نے دوبارہ اشبیلیہ کی تسخیر کا اعلان کیا۔ یہ سنکر المعتمد پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ فوراً بذاتِ خود افریقہ آیا اور اپنے سرپرست یوسف ابن تاشفین سے دوبارہ مدد کا خواہاں ہوا۔ چنانچہ امیر یوسف نے ماہ ربیع الاول ۴۸۱ھ مطابق ۱۰۸۸ء میں براہِ الخضرا اندلس پہنچکر بشرکت عبدالعزیز قلعۂ الیط کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ لیکن عربوں کی بدقسمتی کو دیکھو کہ ایسے نازک وقت میں اور قبل از تصفیہ المعتمد اور عبدالعزیز آپس میں لڑ بیٹھے نزاع اس قدر بڑھی کہ المعتمد کی شکایت پر یوسف نے عبدالعزیز کو گرفتار کر کے المعتمد کے حوالہ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالعزیز کی فوج مُرسیہ واپس ہوگئی۔ چونکہ یہ قلعہ عبدالعزیز ہی کی حدودِ حکومت میں واقع تھا۔ یوسف کو ہر قسم کی تکلیف پہنچنے لگی جس سے یہ ایسا برداشتہ خاطر ہوا کہ قلعہ کو اس ہی حالت میں چھوڑکر مع فوج افریقہ چلا آیا۔

واقعۂ مذکور کے دو سال بعد ۴۸۳ھ م ۱۰۹۰ء میں یوسف بن تاشفین کو شوقِ حکومت پھر اندلس لے آیا حتیٰ کہ یہ ادفونش کے پائے تخت میں طلیطلہ تک جا پہنچا۔ اس قلعہ کی تسخیر کی امیر نے بجد کوشش کی اور قرب جوار کے تمام مقامات کو تباہ کر کے رسد کی آمد و رفت بالکل مسدود کر دی۔ مگر باجود اعلان جہاد اور وعدۂ امداد عربوں میں سے کوئی شخص اس کا شریک حال نہ ہوا اور بالآخر نقصانِ عظیم اُٹھا کر طلیطلہ کے سامنے سے ہٹ آنا پڑا۔ یوسف اس نقضِ عہد سے ایسا مغلوب الغضب ہوا کہ دور اندیشی کو خیرباد کہکر ان رؤسا عرب کی تنبیہ پر آمادہ ہوا جنھوں نے باوجود اقرار واثق شرکت جہاد سے پہلو تہی کی تھی اس غضب کا پہلا اثر عبداللہ ابن بلکین رئیس غرناطہ پر پڑا۔ عبداللہ نے چند روز اسکے حملوں کی مدافعت کی آخرکار اپنی ماں کی نصیحت پر یوسف کے پاس آکر عفو خطا کا خواستگار ہوا اور اسکو راضی اور خوشنود پاکر نہایت تزک اور احتشام سے اسکی دعوت کا اہتمام کیا مگر یوسف کی خاموشی محض مصلحت تھی۔ چنانچہ قلعۂ غرناطہ

جامع قرطبہ کے ستون اور محرابیں
(قرطبہ)

میں داخل ہوتے ہی عبداللہ اور اس کا بھائی تمیم رئیس مالقہ دونوں گرفتار کر لیے گئے۔

یوسف ماہ رمضان المبارک ۴۸۳ھ میں اپنے نامی سپہ سالار سیر ابن ابی بکر کو حکم جہاد دیکر خود افریقہ چلا آیا۔ یوسف کے اندلس سے جاتے ہی رؤسائے عرب نے پھر سرکشی شروع کر دی ان کو یہ منظور تھا کہ امیر اپنے ارادہ میں کامیاب ہو اور اندلس کو افریقہ کا ایک صوبہ بنالے پس جب کبھی سیر نے ان سے مدد طلب کی سب نے شرکت جہاد سے انکار کر دیا۔ اس نے بھی بمقتضائے مصلحت کسی سے تعرض نہیں کیا اور سبکو بدستور لہو لعب میں مصروف رکھا اور خود یکہ و تنہا عیسائی توسین کا مقابلہ کرتا رہا اکثر توسین نے اس کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کر لی۔ جب کچھ اطمینان اس کو حاصل ہوا تو اب اس نے یوسف ابن تاشفین کو اپنی فتوحات سے مطلع کیا اور لکھا کہ "ہم تو جہاد میں بے انتہا پریشانیاں اٹھا رہے ہیں اور یہاں کے مسلمان بادشاہ اپنے ملکوں سے بے خبر عیش و آرام میں مصروف ہیں ان میں سے ایک نے بھی اسوقت تک مجھ کو کسی قسم کی مدد نہیں دی ان کی نسبت بھی کوئی حکم صادر ہونا چاہیے۔" یوسف نے جواب دیا کہ "تم ان سب کو حکم دو کہ یہ تمہارے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوں اور اگر یہ تمہارے حکم کی تعمیل نہ کریں تو تم یکے بعد دیگرے ان کے ملکوں پر قبضہ کر لو لیکن اسکا خیال رہے کہ سب سے پہلے ان ملکوں پر ہاتھ ڈالو جو عیسائیوں کی سرحدوں پر واقع ہیں اور جب تک کہ تمام اندلس پر مسلط نہ ہو جاؤ المعتمد کے ساتھ جنگ نہ چھیڑو جس ملک پر تم قبضہ کرو اس پر ایک فوجی افسر بغرض انتظام ہماری طرف سے مقرر کر دینا۔"

اس حکم کے پہنچتے ہی سیر ابن ابی بکر اولاً ابن ہود والئی سرقسطہ کی طرف متوجہ ہوا اور قلعہ روطہ کا جس میں ہود اس وقت مقیم تھا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ ایک نہایت بلند کوہ پر واقع اور راستہ ایسا دشوار گزار تھا کہ قبل اس کے کہ دشمن کی فوج اس کی دیواروں تک پہنچے اہل قلعہ اس کا بآسانی خاتمہ کر سکتے تھے۔ علاوہ بریں باوجود اس قدر بلندی کے بہت وسیع اور تمام ضروری سامان

اس میں موجود تھا اگر تمام راستے رسد کے مسدود کر دیے جاتے اور اہل قلعہ کی فاقہ کشی کا انتظار کیا جاتا تو بھی برسوں میں کامیابی حاصل ہوتی۔ امیر سیر کو جب یہ تمام واقعات معلوم ہوئے تو اس نے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ قلعہ کے محاصرے سے دست برداری اختیار کی اور مشہور کیا کہ فی الحال جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ قلعہ سے کچھ فاصلے پر اس نے اپنی فوج کے چند سپاہیوں کو عیسائی لباس پہنایا اور ان کو بجانب قلعہ بھیجکر خود مع اپنے خاص اور جاں باز ہمراہیوں کے قریب کی جھاڑی میں پوشیدہ ہو گیا۔ ابن ہود دھوکا کھا کر چند مصاحبین کے ساتھ قلعہ کے باہر نکل آیا اور اُن سپاہیوں کو عیسائی سمجھکر درخواست کی کہ وہ کسی تومس کو اس کی مدد پر آمادہ کریں۔ ہنوز یہ مشورہ ختم نہ ہوا تھا کہ دفعۃً سیر نے ان سب کو گھیر کر ابن ہود کو مع ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔ اس واقعہ سے اہل قلعہ میں اس درجہ انتشار پیدا ہوا کہ ان کے حواس سنبھلتے سنبھلتے سیر کی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی۔ بعد ازاں قبل اس کے کہ امرائے عرب کو باہمی اتفاق و مشورہ کا موقع ملے سیر آخر ماہ شوال ۴۸۳ھ م ۱۰۹۱ء میں عبدالرحمن ابن طاہر والی مرسیہ کو بھی شکست دیکر اس صوبہ پر مسلط ہو گیا اور عبدالرحمن کو گرفتہ و بستہ افریقہ بھیجدیا۔ یہاں سے سپہ سالار موصوف نے ایک افسر ابو ذکریا نامی کو المریہ روانہ کیا اور خود یلغار کرتا ہوا بطلیوس آیا۔ اس شہر کو اس نے چند ہی روز میں فتح کر لیا اور یہاں کے رئیس المتوکل عمر ابن محمد کو مع اس کے دونوں بیٹوں الفاضل اور العباس کے قتل کر ڈالا۔ ادھر ذکریا نے المریہ تسخیر کر لیا۔ یہاں کا حکمران المعتصم جو ایک قلعہ میں پناہ گزیں ہوا تھا اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی فوت ہو گیا اور اس کے بیٹے حسام الدولہ نے اطاعت و فرمانبرداری قبول کر لی۔

سیر نے ان خود سر اور عاقبت نااندیش حکمرانوں کی معزولی اور گرفتاری کے بعد یوسف ابن تاشفین کو ایک تفصیلی عرضداشت کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ اب سوائے المعتمد کے کوئی رئیس خود مختار باقی نہیں رہا۔ یوسف نے جواب دیا کہ "پہلے المعتمد کو ہمارا یہ حکم پہنچا دو کہ وہ فوراً مع اپنے

عیال و اطفال اور رشتہ داروں کے ہمارے پاس افریقہ چلا آئے۔ اگر وہ اس حکم کی تعمیل نہ کرے یا صاف انکار کر دے تو اس کو جس طرح ممکن ہو گرفتار کر کے یہاں بھیجدو۔" امیر سیر نے جب المعتمد کو یہ حکم پہنچایا۔ اس کی غیرت نے جواب تک کی اجازت نہ دی بلکہ جنگ کے واسطے تیار ہو گیا۔ سیر نے فوراً ابو عبد اللہ ابن الحاج کو مع فوج قرطبہ جہاں المعتمد کا بیٹا الفتح[2] حکمراں تھا بھیجکر خود بقیہ فوج المرابطین[1] کے ساتھ اشبیلیہ کا قصد کیا اور قرمونہ کو بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۴۸۴ھ فتح کر لیا۔ اسی اثنا میں ابن حاج باجہ اور قلعۂ البلاط کو تسخیر کرتا ہوا قرطبہ آیا اور بتاریخ ۳ صفر روز چہار شنبہ المامون کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ امیر سیر کے دوسرے افسر جرور الحشمی نے صوبہ مالقہ کے قلعہ رندہ کو فتح اور المعتمد کے دوسرے بیٹے یزید الراضی کو گرفتار اور قتل کیا۔ نوعمر اور ہونہار اولاد کا اس طرح قتل ہونا اور وہ بھی بڈھے باپ کے سامنے قیامت کے آنے سے کم نہ تھا۔ المعتمد پھر انسان تھا۔ ان متواتر ناقابل برداشت صدمات کا کہاں تک متحمل ہوتا آخرکار دشمن اسلام ادفونش سے امداد کا خواہاں ہوا۔ ادفونش نے کچھ فوج بغرض امداد روانہ کی۔ امیر سیر نے فوراً ابو اسحٰق اللمطونی کو مع دس ہزار سوار نصاریٰ کے مقابلہ کے واسطے بھیجا جو بآسانی منتشر کر دیے گئے۔ جب المعتمد نے اپنی نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی تو کفن بسر بتاریخ ۲۱ رجب ۴۸۴ھ اپنی قلیل فوج کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑا مگر آرزوئے شہادت سے محروم رہا۔ عین وقتِ کارزار میں وہ اپنے بیٹے فخر الدولہ کے قتل اور فوج کی سب طرف سے پسپا ہونے کی خبر سُن کر ایسا متاثر ہوا کہ پھر اس سے نہ ٹھہر اگیا۔ ہجوم رنج والم سے منتشر الحواس اپنی قیامگاہ پر چلا آیا اور رات کے وقت بڑے بیٹے الرشید کو سیر ابن ابی بکر کے پاس بھیجا لیکن سیر نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ الرشید نے اپنے باپ سے آکر کہا کہ "ان لوگوں سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے یا ملک سے دست بردار ہو جاؤ یا جان کو میدانِ جنگ میں ملک تصدق کر دو"

---

[1] یہ یوسف ابن تاشفین کے قبیلہ کا نام ہے [2] یہ بھی الفتح کا لقب ہوگا۔

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ — کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

المعتمد کی آنکھوں سے اشکِ حسرت جاری ہوئے اس حکم کے بعد کہ قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو رخصت کیا اور خود اپنی قسمت کی تحریر کا منتظر رہا۔ اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد امیر سیر محل میں داخل ہوا اور المعتمد کو مع اس کے بیٹے ابو الحسن عبداللہ الرشید اور اس کی بی بی اعتماد کے افریقہ بھیجدیا۔

سنہ ۴۸۶ھ م سنہ ۱۰۹۳ء میں مالقہ کا ایک مشہور شخص خلف نامی جو کسی علت میں قید کردیا گیا تھا چند روز بعد مع اپنے ساتھیوں کے حراست سے بھاگ کر قلعہ سنت میور[1] آیا اور یہاں کے حاکم کو غافل پاکر قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں المعتمد کا ایک اور بیٹا عبدالجبار یہاں مقیم تھا خلف کے ورغلانے سے اس نے باغیوں کی افسری منظور کرلی۔ اپنی ماں کو فوراً سنت میور بلالیا اور الخضرا اور ارکش جاسوس بھیجکر یہاں کے لوگوں کو اپنا شریک حال کرلیا۔ جس وقت اس بغاوت کی اطلاع امیر یوسف ابن تاشفین کو پہنچی اس نے بیٹے کے گناہوں کا بار بے گناہ باپ کے سر پر ڈالا اور حکم دیا کہ المعتمد فولادی زنجیروں سے باندھ دیا جائے۔ المعتمد سے اخیر عمر میں یہ تکلیف برداشت نہ کی گئی اور اُسی حالت رنج و غم میں اسکے مُنھ سے یہ اشعار دردناک بیساختہ جاری ہوئے

تَبَدَّنِي اَمَا تَعْلَمُنِي مُسْلِمًا — اَبَيْتَ اَنْ تَشْفِقَ اَوْ تَرْحَمَا
يُبْصِرُنِي فِيكَ اَبُوْ هَاشِمٍ — يَنْثَنِي الْقَلْبُ وَقَدْ هَشَّمَا[2]

لیکن قبل اس کے کہ باغیوں کی تعداد اور قوت میں ترقی ہوئی۔ سیر ابن ابی بکر نے عبدالجبار اور خلف کو مع ان کے تمام شرکا کے گرفتار کرکے قتل کر ڈالا۔

---

[1] انگریزی میں مانٹ میر کہتے ہیں۔

[2] اے میری زنجیر کیا تو مجھے نہیں جانتی کہ میں مسلمان ہوں تو نے شفقت اور رحم کرنے سے انکار کردیا۔ اے زنجیر مجھکو ابو ہاشم تجھ میں جکڑا ہوا دیکھے گا تو سخت دل بھی نرم ہوجائیگا۔

المعتمد نے حالت قید میں ماہ ربیع الاول سنہ ۴۸۸ھ میں انتقال کیا اور اپنی بی بی اعتماد کے پہلو میں دفن ہوا۔ المعتمد کی ذاتی لیاقت اور شاعرانہ طبیعت کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے جو ہم نے اس کے حالات کے سلسلہ میں جابجا درج کیے ہیں۔ ایک مصنف اور شاعر ابن اللبانہ نامی نے جو المعتمد کا وزیر بھی رہ چکا تھا خاص طور پر اسکے اور اسکے باپ اور دادا کے کلام کو اپنی منظیر کتاب "سقیط الدرر ولقیط الزہر فی شعر بنی عباد" میں جمع کیا ہے۔

یوسف ابن تاشفین نے ماہ محرم سنہ ۵۰۰ھ م سنہ ۱۱۰۶ء میں بمقام مراکش انتقال کیا۔ مرنے کے کچھ دیر قبل اپنے بیٹے ابوالحسن علی کو طلب کر کے جہاں اور نصیحتیں کیں یہ بھی تاکید کی تھی کہ "اشبیلیہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دینا" علی بمقام سبتہ سنہ ۴۷۷ھ میں پیدا ہوا تھا پس بوقت تخت نشینی اس کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ یہ مثل اپنے نامور باپ کے نہایت بیدار مغزی سے اپنے ملک کا انتظام کرتا رہا اور جہاد کے سلسلہ کو اخیر تک قایم رکھا۔ چنانچہ سنہ ۵۰۳ھ مطابق سنہ ۱۱۰۹ء میں اس نے طلیطلہ پر یورش کی اور گو یہ اس شہر کو فتح نہ کر سکا لیکن دیگر مشہور مقامات مثل وادی الحجارہ پر قابض و متصرف رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں اس کا نامی سپہ سالار سیر ابن ابی بکر بجانب غرب پرتگال اور لشبونہ کی تسخیر میں مصروف تھا۔

ادھر تو علی اور سیر دونوں کافروں کے استیصال میں مشغول تھے اور اُدھر بجانب شمال ادفونش اول ابن ردمیر والیٔ برشلونہ نے فساد برپا اور مسلمانوں کو اپنی یورشوں سے سخت حیران و پریشان کر رکھا تھا اور سنہ ۵۰۳ھ میں المستعین ابن ہود کو تطیلہ کے قریب شکست دیکر تمام ملک ارغون کی تسخیر کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمیم ابن یوسف جس کو علی نے والیٔ اندلس مقرر کیا تھا اس تیزی اور قوت کے ساتھ ادفونش کا سد راہ ہوا کہ اس عیسائی کو پھر پیش قدمی کی سنہ ۵۱۲ھ م سنہ ۱۱۱۸ء تک ہمت نہ ہوئی۔ سنہ مذکور میں اس نے ملک فرانس کے عیسائیوں کو

اپنی مدد پر آمادہ کیا اور ایک فوج کثیر کے ساتھ شہر سرقسطہ[2] کو گھیر لیا۔ اہل قلعہ نہایت شجاعت سے عرصہ دراز تک عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ مگر جب یہ فاقوں سے مرنے لگے اور امید اپنی نجات کی نہ دیکھی تو آخر الامر شہر کے دروازے کھول دیے۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد بارہ ہزار سوار علی ابن یوسف کے بھیجے ہوئے یہاں پہنچے لیکن شہر پر عیسائیوں کو قابض اور ان کی کثرت افواج کو دیکھ کر بمصلحت ہٹ آئے۔ طلیطلہ کے بعد سرقسطہ کی تسخیر نے عربوں کے دل ہلا دیے تھے۔ ادفونش نے ان کے اس شدید انتشار سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور قبل اس کے کہ عرب اپنی خاطر پریشان کو جمع کرتے صوبۂ سرقسطہ کے اور دو بڑے مقام قلعۂ ایوب اور طرسونہ کو فتح کرتا ہوا دروقہ کے قریب امیر ابراہیم ابن یوسف ابن تاشفین کو شکست عظیم دی جس میں بیس ہزار عرب شہید ہوئے۔ جس وقت یہ غمناک خبریں علی کو پہنچیں تو یہ المرابطین کی جمعیت کے ساتھ سنہ ۵۱۳ھ م سنہ ۱۱۱۹ء میں اشبیلیہ اور قرطبہ ہوتا ہوا سرقسطہ کی طرف آیا۔ چونکہ عربوں کی دیرینہ دہشت عیسائیوں کے قلوب سے محو نہیں ہوئی تھی۔ صرف اس کی آمد آمد ہی کی خبر پا کر دشمنوں کے دلوں میں ایسا خوف و رعب پیدا ہوا کہ یہ سب قلعوں میں پوشیدہ ہو گئے علی ان مقامات کو جو عیسائیوں کے قبضہ میں آ گئے تھے فتح کرتا ہوا اور اپنے بھائی تمیم والئ اندلس سے ملتا ہوا سنہ ۵۱۵ھ م سنہ ۱۱۲۱ء میں افریقہ واپس چلا گیا۔

اگرچہ کہ ادفونش تومس طلیطلہ سنہ ۵۱۳ھ میں مر چکا تھا مگر ادفونش ابن رومیر ہنوز موجود تھا۔ علی کے افریقہ جاتے ہی اس نے پھر بغاوت شروع کر دی اور اپنی فتوحات سابقہ کے نشہ میں مخمور میدان خالی پا کر غرناطہ تک گھس آیا۔ اس یورش کی خاص وجہ یہ تھی کہ غرناطہ کے عیسائیوں نے خفیہ طور پر ابن رومیر کو یہ لکھا تھا کہ اگر تو ادھر آیا تو ہم سب تیری مدد کے واسطے موجود ہیں

---

[1] اس جنگ میں عیسائی فوج کے ساتھ آلات قلعہ شکن میں چند لکڑی کے برج نہایت بلند پہیوں پر تھے ان میں سپاہی بیٹھ کر بآسانی دیواروں کے قریب جا سکتے تھے (المقری)

[2] یہ شہر بھی طبقہ سرقسطہ میں واقع ہے۔

اونونش ابن ردمیر ماہ شعبان ۵۱۹ھ میں بجانب غرناطہ روانہ ہوا اور اپنے ارادے کو پوشیدہ رکھنے کے خیال سے شہر بلنسیہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں منجانب علی ابومحمد ابن بدرسن حکمران تھا چونکہ اسی طرف محض دھوکا دینے کی غرض سے آیا تھا چند روز کے محاصرے کے بعد جزیرہ شقر اور پھر دانیہ اور شاطبہ اور بیرۃ اور المنصورہ ہوتا ہوا وادی یا جلہ کے قریب چند روز مقام کیا بعدہٗ شہر القصر پر قبضہ کرکے غیاشہ اور وادی اٰش[1] پر دو مہینے متواتر حملے کیے لیکن بے نیل مقصود رہا آخرکار ۵۱۹ھ دجمہ میں غرناطہ کے قریب آکر خیمہ زن ہوا۔ عرب کچھ ایسے غافل رہے کہ بتاریخ اذو الحجہ عین عید کے روز غرناطہ میں عیسائیوں کی اس شورش کی خبر پہنچی۔ اگر اذفونش اسی وقت حالت بے خبری میں شہر پر حملہ کرتا تو یہ مشہور اور مستحکم شہر بھی بآسانی اس کے ہاتھ آجاتا۔ باوجودیکہ یہ روز عید مبدل بہ شام غم ہوگیا اور ہر طرف سے مایوسی و اضطرار نے گھیر لیا تھا تاہم حاکم شہر نے نہایت استقلال و ہمت سے فوراً فوج فراہم کی اور ہر طرح جنگ کے واسطے تیار ہوگیا۔ اذفونش ابن ردمیر نے بمقام دجمہ اس ہی موروثی داب کے باعث دس روز بیکار صرف کیے اور پھر باغی عیسائیوں کو اپنا دلیل راہ قرار دیکر غرناطہ کی طرف رجوع ہوا۔ مرسینہ اور بیش ہوتا ہوا منزل بمنزل چلا آتا تھا کہ الیانہ کے قریب اس کو اطلاع پہنچی کہ تمیم ابو طاہر مع فوج بعزم رزم آرہا ہے۔ یہ سن کر اذفونش فوراً حصن بلول کیطرف چلا مگر اس مقام کے قریب ہی عربوں نے اسے آلیا اور ایک جنگ عظیم برپا ہوئی۔ قریب تھا کہ عیسائی پسپا ہوکر بھاگ اٹھیں۔ ایسے نازک وقت میں سپہ سالار عرب نے فوج کے خیموں کو نشیب سے بلندی پر قایم کرنے کا حکم دیا۔ فوج اس وقت نہایت دلیری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کررہی تھی کہ ان خیموں کو اکھڑتا دیکھ کر یہ سمجھی کہ سپہ سالار میدان سے ہٹنے والا ہے۔ اس غلط فہمی نے عربوں کی فتح کو مبتدل بہ شکست کردیا۔ عرب شکست خوردہ اپنا تمام مال اسباب

[1] وادی اٰش کو انگریزی میں گواڈکس کہتے اور جزیرہ شقر کو ایسر اکہتے ہیں یہ سب مقامات غرناطہ کے قریب واقع ہیں۔

عیسائیوں کے تصرف میں چھوڑ کر میدانِ پیکار سے ہٹ آئے مگر ترتیب کے ساتھ۔ اس کامیابی نے ادفونش اور اس کی فوج کے اس قدر دل بڑھائے کہ یہ براہِ شلوبانیہ[1] اور ملیش[2] دریا کے کنارے کنارے پھر غرناطہ کی طرف متوجہ ہوئے اور شہر سے تین فرسنگ جنوب کی جانب بمقام دُلر[3] ادفونش فوج کو دو روز آرام دیکر ہمدان آیا یہاں دونوں لشکروں کے ہراولوں میں مختصر سی جنگ ہوئی مگر یہاں اس نے لڑنا پسند نہیں کیا اور الفرج[4] ہوتا ہوا عین اطسہ کے قریب خیمہ زن ہوا۔ ادفونش ابن ردمیر کی اس نقل و حرکت سے عربوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ انہوں نے اس عرصہ میں کافی فوج فراہم کرلی۔ جب دیکھا کہ کسی مقام پر جم کر لڑتا ہی نہیں اور برابر جنگ سے گریز کر رہا ہے تو سپہ سالار عرب نے عیسائیوں کو چاروں طرف سے گھیر لینے کی کوشش کی مگر اس خوبی کے ساتھ ان کو مزاحمت کا شبہ تک نہ ہونے دیا اور ادفونش کو ایک خاص دائرہ میں نقل و حرکت میں غافل رکھا جب ادفونش جبل البراجلہ[5] اور اللغون کے راستہ سے وادی آش واپس ہوا تو عربوں نے اثنار راہ میں ہر موقع پر متواتر حملوں سے اس کی سپاہ کو اس قدر قتل و غارت کیا کہ اس کو مجبوراً اپنے قصد سے دست بردار ہونا پڑا اور بدقت تمام آدھی سے زیادہ فوج کھو کر ناکام اپنے ملک بھاگ آیا۔

ہم پہلے ہی تحریر کر آئے ہیں کہ اس یورش کے اصل بانی غرناطہ کے عیسائی ہوئے تھے اور گو عیسائی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوئے مگر باغیوں نے دشمن کو ہر قسم کی مدد دیکر مسلمانوں کو نقصان عظیم پہنچایا تھا۔ قرطبہ اور اشبیلیہ بلکہ تمام ملک اندلس کی عرب رعایا کی درخواست پر

---

[1] انگریزی میں سلوبرینا کہتے ہیں [2] انگریزی میں دلیز مالقہ کہتے ہیں [3] ابن الخطیب نے اسی مقام کا نام "ذکر" لکھا ہے مگر دیگر کتب کے دیکھنے سے دُلر صحیح معلوم ہوتا ہے اس قسم کے اکثر مقامات اس زمانہ کے نقشہ میں نہیں پائے جاتے۔ [4] بعض عرب مورخین نے اس مقام کو المرج لکھا ہے [5] المقری نے اس پہاڑ کا نام جبل البراجلات لکھا ہے انگریزی میں اس کو سیرا الوادا کے نام سے موسوم کرتے ہیں ابن حیان و دیگر عرب مورخین نے اس کا نام جبل البراجلہ تحریر کیا ہے اور بعض نے غلطی سے کوہ البکسرا اس کا بھی یہی نام لکھدیا ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ عرب البکسراس کو البشرات کہتے ہیں۔

قاضی ابوالولید ابن رشد[1] نے افریقہ جاکر سلطان علی کو ان واقعات سے مطلع کیا اور کہا کہ "علاوہ بیرونی دشمنوں کے ہمارے گھر میں اس قدر دشمن موجود ہیں کہ ایک لحظہ کیلئے ہمکو آرام سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ رعایائے اندلس کی درخواست ہے کہ غرناطہ کے قریب جتنے عیسائی بسے ہوئے ہیں وہ سب خارج البلد کردیئے جائیں اور ان کو افریقہ میں کوئی مقام رہنے کے لئے دیا جائے۔" علی نے اس درخواست کو منظور کیا اور ہزارہا عیسائی جبراً افریقہ میں لاکر بسائے گئے۔ علی اخیر مرتبہ ۵۱۵ھ میں اندلس آیا تھا لیکن اس کے بعد محمد المہدی کی بغاوت نے اس کو افریقہ میں ایسا مصروف رکھا کہ پھر یہ یہاں نہ آسکا۔ ۵۲۶ھ م ۱۱۳۲ء میں ابوطاہر تمیم کے انتقال کے بعد اس نے اپنے بیٹے تاشفین کے سپرد اندلس کی حکومت کی تھی۔ علی نے بمقام مراکش چھتیس[2] برس سات مہینے کی حکومت کے بعد ماہ رجب ۵۳۷ھ م ۱۱۴۳ء میں انتقال کیا۔[3]

علی ابن یوسف ابن تاشفین کے بعد اُس کا بیٹا تاشفین ابو محمد تخت نشین ہوا۔ اُس کے باپ ہی کے زمانہ میں خاندان الموحدین کے ترقی کے آثار ظاہر ہو چلے تھے اور جس کے سرگروہ ابوعبداللہ محمد علی نے اس قدر فساد برپا کر رکھا تھا کہ یہ پھر اندلس نہ جاسکا اور اس کی باقی ماندہ عمر اسی شر کے فرو کرنے میں صرف ہوئی۔ ابوعبداللہ محمد کا انتقال ۵۲۴ھ م ۱۱۳۰ء میں ہوچکا تھا اور یہ امید تھی کہ اس کے ساتھ بغاوت کا بھی خاتمہ ہو جائیگا لیکن اس کے جانشین عبدالمومن نے سلسلہ جنگ کا اُسی طرح جاری رکھا۔ تاشفین نے اوائل میں ان باغیوں کو کئی بار شکست دی

[1] یہ ایک نامی فلاسفر گذرا ہے جس کو اہل یورپ آویروز کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ [2] المقری نے علی ابن تاشفین کی تقریباً ۳۶ سالہ حکومت کے واقعات کو دو سطروں میں ختم کردیا ہے مگر قرطاس میں اس عہد کے واقعات نہایت تشریح و بسط کے ساتھ درج ہیں۔ اس کتاب کا پادری مورا نے عربی سے زبان پرتغال میں ترجمہ کیا تھا۔ پادری موصوف نے اس کتاب کے مصنف کا نام عبدالحلیم غرناطی بتایا ہے جو بالکل غلط ہے ابن خلدون و دیگر عربی مورخین سے یہ بخوبی ثابت ہے۔ قرطاس کا مصنف ابن ابی زرع ہے جو فاس کا رہنے والا تھا۔ قرطاس میں اکثر مقامات وغیرہ کے نام غلط پائے گئے اس ہی وجہ سے المقری کے مختصر واقعات پر اکتفا کیا گیا۔ [3] یوسف ابن تاشفین خاندان المرابطین سے تھا۔

گر ۵۳۹ھ م ۱۱۴۴ء میں تلمسان کے قریب سخت معرکہ آرائی کے بعد تاشفین ہزیمت پاکر وہران چلا آیا اور یہاں متحصن ہوگیا جب کوئی صورت نجات کی نظر نہیں آئی تو یہ اپنے چند خاص جان نثاروں کے ساتھ بتاریخ ۲۷ رمضان ۵۳۹ھ رات کے وقت گھوڑے پر سوار ہوکر دریا کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا کہ اگر موقع ملا تو اندلس چلا جائے لیکن اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا مع گھوڑے کے ایک عمیق خندق میں گر پڑا۔ صبح کو اس کی نعش وہاں پڑی ہوئی ملی۔ اس واقعہ کے بعد تاشفین کا بیٹا ابو اسحٰق ابراہیم تخت پر بیٹھا۔ ادھر عبدالمومن ۵۴۰ھ میں تلمسان اور ۵۴۱ھ میں فاس کو فتح کرتا ہوا مراکش کی طرف آیا اور اس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ماہ شوال ۵۴۱ھ م ۱۱۴۷ء میں عبدالمومن کو فتح حاصل ہوئی اور ابراہیم گرفتار اور قتل ہوا۔

جس زمانہ میں مغرب الاقصیٰ میں المرابطین اور موحدین میں خانہ جنگی برپا تھی اندلس میں عیسائی مسلمانوں کی تباہی اور بربادی میں ہمہ تن مصروف اور قرطبہ کی جو اب صرف نام ہی کا دارالسلطنت رہگیا تھا۔ دیواروں تک آپہنچے تھے۔ اوفونش ابن ردمیر نے علاقہ ارغون میں قلعہ فراجہ کو گھیر لیا تھا۔ ۵۲۸ھ م ۱۱۳۴ء میں ابن غانیہ[1] لشکر مرابطین لیکر اس قلعہ کی مدد کے لئے دوڑا اور عیسائیوں کو شکست اور اوفونش کو قتل کرکے مسلمانوں کو قید سے رہا کیا۔

ناظرین کو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ یوسف ابن تاشفین کے زمانۂ حکومت میں المرابطین کی حکومت اس ملک میں پورے طور پر قایم ہوچکی تھی اور سیر ابن ابی بکر نے تمام ریاستہائے اندلس کو بکمال محنت و جانفشانی اپنے بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار بنادیا تھا۔ لیکن ابراہیم کے قتل کے بعد مرابطین کی حکومت میں انحطاط پیدا ہونے لگا اور موحدین کی قوت میں روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ افریقہ کے ان واقعات سے اندلس کا متاثر ہونا لازمی تھا اس انحطاط کے ساتھ طوائف الملوکی کے آثار اس ملک میں ظاہر ہونے

[1] یحییٰ ابن علی ابن غانیہ اسے تاشفین نے اندلس کا والی مقرر کیا تھا۔

لگے۔ تاشفین اور ابراہیم کے قتل کی خبر پاکر جس طرح کہ حکومت بنی امیہ کے چھوٹے بڑے حاکم اور جاگیردار اپنے اپنے صوبوں اور جاگیروں میں خود مختار بن بیٹھے تھے اسی طرح اب بھی ہر شخص خود مختاری کا دعویٰ کرنے لگا۔ قرطبہ میں ابن احمدین اور غرناطہ میں میمون اللمطونی اور بلنسیہ میں ابن[1] مردنیش الجذامی وغیرہ نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ چونکہ یہ سب المرابطین کے علاوہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ المرابطین کے بعد الموحدین اس ملک پر بآسانی مسلط ہوگئے۔

ماہ ذی الحجہ ۵۴۱ھ م ۱۱۴۷ء میں عبدالمومن سردار الموحدین نے ابوعمران موسیٰ ابن سعید کو اس ملک کی تسخیر کی غرض سے بھیجا۔ اس امیر نے جزیرۂ طریف اور قرب وجوار کے مقامات پر قبضہ کیا۔ دوسرے سال مالقہ اور اشبیلیہ فتح ہوگئے اس کے تین سال بعد قرطبہ[2] کے قلعہ پر الموحدین کا علم نصب کیا گیا۔ ۵۴۶ھ[3] م ۱۱۵۱ء میں عبدالمومن بذات خود اندس آنا چاہتا تھا اور قصر عبدالکریم میں اپنی فوج کا معائنہ کر رہا تھا کہ مشرقی افریقہ سے ایسی وحشت ناک خبریں پہنچیں کہ اس نے اپنے ارادہ کو مجبوراً ملتوی کیا اور اپنے بیٹے ابوسعید کو المریہ جہاں عیسائی برسر فساد تھے بھیجا۔ المریہ ایک نہایت خوش قطع اور وسیع شہر بحر متوسط کے کنارے پر واقع اور اس زمانہ میں نہ صرف مشہور تجارتگاہ تھا جہاں افریقہ اور مصر اور شام سے تجار مال لاکر بیچا کرتے تھے۔ بلکہ بزمانۂ خلفائے بنی امیہ اندلس کی بحری قوت کا مرکز مانا جاتا تھا۔ اس کا بلند اور مستحکم قلعہ

---

[1] اس دوسری طوائف الملوکی کو عہد عرب مورخین الفتنۃ الثانیۃ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ المرابطین کا زمانہ حکومت ۴۸۳ھ م ۱۰۹۰ء لغایت ۵۴۲ھ م ۱۱۴۷ء سمجھنا چاہئے [2] اس امیر کے حالات صفحہ ۲۵۲ و ۲۵۳ پر مذکور ہیں [3] ابن خلدون مظہر ہے کہ اس زمانہ میں ابن غانیہ منجانب المرابطین قرطبہ پر حکمران تھا ابن غانیہ نے بمعاوضہ شہر جیان قرطبہ اور قرمونہ کو عبدالمومن کے سالار سپہ کے حوالہ کردیا تھا اور بعد ازاں الموحدین کا طرفدار بن کر میمون اللمطونی حاکم غرناطہ کو بھی الموحدین کی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا مگر اس امیر نے صاف انکار کردیا اور بغاوت کو بدستور جاری رکھا ابن غانیہ نے ۵۴۳ھ م ۱۱۴۹ء میں انتقال کیا۔

[4] چونکہ عبدالمومن خود نہ جاسکتا تھا اس لئے ابوحفص کو بیس ہزار سپاہ کے ساتھ اندلس بھیجا تھا صفحہ ۲۵۲۔

تمام بہترین جدید عربی اختراع شدہ بحری آلات حرب سے آراستہ کیا گیا تھا اور یہیں سے جنگی جہاز تیار ہو کر عیسائیوں کے مقابلے کے لئے جایا کرتے تھے۔ یہاں کے مٹی کے برتن اور گلاس اور ریشمی کپڑے ہر وضع اور رنگ کے اور دیگر کارخانہ جات دور دور مشہور تھے۔ چونکہ اس کے مضافات نہایت سر سبز و شاداب اور آب و ہوا بہ نسبت دوسرے مقامات کے معتدل اور خوشگوار تھی عرب یہاں کی سکونت بہت پسند کرتے تھے بسنہ ۵۴۲ھ م ۱۱۴۷ء میں السلیطان یعنی ادفونش ثانی تومس طلیطلہ المریہ کی طرف متوجہ ہوا اور بامداد اہل جنوا[1] خشکی اور تری دونوں طرف سے المریہ کو گھیر لیا روسائے عرب میں بلحاظ قوت و شرف ابن مردنیش رئیس بلنسیہ اس قابل تھا کہ وہ اس بے نظیر مقام کو عیسائیوں سے بچائے لیکن چونکہ ادفونش نے اس کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا۔ ابن مردنیش بیٹھا ہوا تماشا دیکھتا رہا تا اینکہ بتاریخ ۲۰ جمادی الاول سنہ ۵۴۲ھ م ۱۱۴۷ء بروز جمعہ عیسائی اس شہر پر قابض ہو گئے۔

مثل دیگر اقوام مشرق کے عربوں میں بھی قوت واہمہ بدرجۂ غایت موجود تھی قصہ اور کہانی وہ کیسی ہی خلاف عقل کیوں نہ ہو فوراً باور کر لیتے تھے بالخصوص جب کبھی کوئی سخت آفت ناگہانی سر پر آتی تھی اور اس کا دفیعہ ان سے ممکن نہ ہوتا تھا تو یہ اپنی قوت واہمہ[2] کے ذریعہ سے ایسی باتیں پیدا کر لیتے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کارکنان قضا و قدر کو ان کا تنزل منظور ہے اور صبر و شکر کے ساتھ ہر قسم کے صدمہ برداشت کر لیتے تھے سچے صبر و شکر کیساتھ اچھی اور بری دونوں حالتوں میں

---

[1] اطالیہ کے ساحل پر واقع اور مشہور مقام ہے۔ [2] بسنہ ۹۳۲ھ م ۱۵۲۶ء میں جنگ پانی پت میں جب سلطان ابراہیم لودی بغرض مقابلہ بابر کا سد راہ ہوا منجود نجومیوں کی اس پیشین گوئی سے کہ دن اچھے نہیں ہیں۔ باوجودیکہ بابر کے ساتھ صرف بارہ ہزار فوج تھی اور اس کی سپاہ دس حصہ زیادہ ہوگی محض ناکامیابی کے خیال نے ابراہیم کی قوت ارادی کو مٹا دیا تھا۔
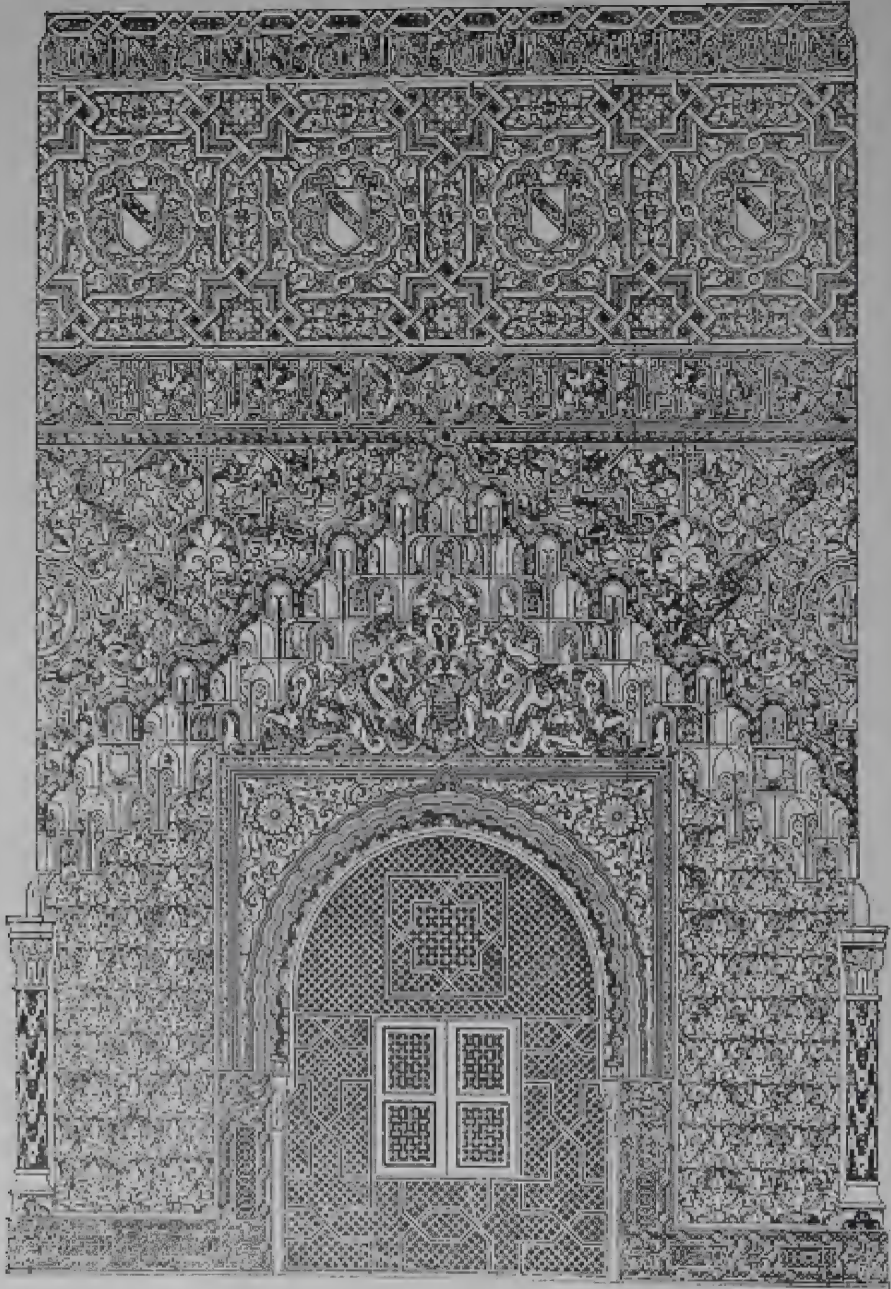
الحمراء کے دار الأختین کے اوپر کی منزل

برضائے الٰہی رہنا اسلام کی ایسی تعلیم ہے کہ جس میں مسلمانوں کے متحیر العقل عروج کا راز سربستہ ہے۔ گروہم بدترین قسم کا مالیخولیا ہے جس سے انسان کا دل و دماغ معطل محض ہو جاتا ہے اور جس کے منحوس اثر سے ہم ہر آنے والی آفت کو ایک امر شدنی تصور کر کے اس کے رفع کرنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے چنانچہ نہایت وثوق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ جنگ المریہ کے دو سال قبل یہانتک کہ سنہ کا بھی تعین کر دیا گیا ہے یعنی سنہ ۸۸۵ھ میں ایک شخص ساکن المریہ ابو مروان ابن ورد نے یہ وحشت ناک خواب دیکھا کہ "ایک طویل القامت معمر آدمی نے پیچھے سے آکر اسکے دونوں شانوں کو مضبوط پکڑا اور اس زور سے اس کو ہلایا جیسے بلی چوہے کو جھنجوڑتی ہے قریب تھا کہ مارے خوف کے اس کا دم نکل جائے اور پھر اس کو ان اشعار کے پڑھنے کا حکم دیا۔"

اَلَا اَیُّھَا الْمَغْرُوْرُ وَیْحَكَ لَا تَنَمْ	فَلِلّٰہِ فِیْ ذَا الْخَلْقِ اَمْرٌ قَدِ انْبَھَمْ
فَلَا بُدَّ اَنْ یَّزُرُوْا بِاَمْرٍ یَسُوْءُ ھُمْ	فَقَدْ اَحْدَثُوْا جُرْمًا عَلٰی حَاکِمِ الْاُمَمْ

یہ خواب ہولناک فوراً اُس حصۂ ملک میں مشہور ہو گیا اور سب نے باین خیال کہ قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے رد بلا کی مطلق کوشش نہیں کی اور اپنی پست حوصلگی سے ملک کھو بیٹھے۔

عبدالرحمٰن[2] ابن محمد ابن عبداللہ ابن یوسف الملقب بہ ابن حبیش کا بیان ہے کہ جس وقت عیسائی المریہ میں داخل ہوئے تو میں اُنکے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا میں نے اُس سے کہا کہ تیرا سلسلہ ہرقل بادشاہ قسطنطنیہ سے ملتا ہے اور اُس کے استفسار پر میں نے اُسی وقت اپنے بیان کو

[1] افسوس ہے تیری حالت پر اے مغرور خبردار آرام نہ کر کیونکہ اس خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک راز سربستہ ہے پس ضرور ہے کہ وہ لوگ اُس امر کے ساتھ معرض عتاب میں آئیں جو اُن کے لئے بد ہے پس وہ لوگ حاکم الامم کے جرم کے مرتکب ہوئے [2] ایک نامی مورخ تھا اس نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں منجملہ اُنکے ایک کتاب جو اس نے فتح اندلس کے باب میں لکھی تھی اسپین کے مشہور کتب خانہ میں اس وقت تک موجود ہے۔

ثابت کر دیا اس میری تحقیق پر ادفونش نہایت مسرور ہوا اور حکم دیا کہ ابن حبیش مع جملہ متعلقین کے بلا اخذ خراج رہا کر دیا جائے۔"

ادفونش ثانی قومس طلیطلہ نے ۵۴۴ھ مطابق ۱۱۵۰ء میں ہمراہی چالیس ہزار سوار قرطبہ کا محاصرہ کیا۔ قریب تھا کہ بوجہ فاقہ کشی حاکم شہر[1] اس دار السلطنت اندلس کو عیسائیوں کے حوالے کر دے مگر عین وقت پر عبد المومن نے یحییٰ ابن میمون کو مع بارہ ہزار سوار نبرد آزمودہ شہر کی مدد کے لئے بھیجا۔ ادفونش یحییٰ کے آنے کی خبر پاتے ہی شہر کے سامنے سے ہٹ آیا اور قرطبہ الموحدین[2] کے دائرہ حکومت میں شریک کر لیا گیا۔ یحییٰ کچھ فوج بغرض انتظام و حفاظت یہاں چھوڑ کر افریقیہ واپس ہوگیا۔

عبد المومن نے ۵۴۹ھ میں اپنے بیٹے ابو حفص کو بیس ہزار فوج کے ساتھ اندلس روانہ کیا۔ اس امیر نے میمون[3] والیٔ غرناطہ اور ابن ہمشک کے ورغلانے پر ابن مردنیش[4] سے جنگ کا قصد کیا۔ ابن مردنیش عیسائی قومس برشلونا سے مدد کا خواستگار رہا۔ قومس مذکور نے دس ہزار فوج امداداً بھیجدی۔ ابو حفص یہ سن کر بجائے مردنیش کے المریہ کی طرف متوجہ ہوا مگر بوجہ قلت سامان و افواج ناکام اشبیلیہ چلا آیا۔

ابو عبد اللہ محمد ابن مردنیش[5] ایک نامی سپاہی سعد کا بیٹا تھا۔ بچپنے ہی سے اسکی طبیعت فن سپہ گری کی طرف بدرجہ غایت مائل تھی۔ سعد شہر فراجہ کا حاکم تھا اور اس ہی کی محنت و جرأت سے عربوں کو محاربۂ فراجہ میں فتح عظیم[6] نصیب ہوئی تھی۔ ابن عیاض رئیس مرسیہ نے جو ابن مردنیش کو

---

[1] ابن غانیہ منجانب المرابطین حاکم تھا دیکھو نوٹ صفحہ ۲۲۹۔ [2] پہلا عملہ الموحدین کا بزمانۂ عبد المومن ۵۴۱ھ مطابق ۱۱۴۶ء میں ہوا تھا صفحہ ۲۲۹۔ [3] المطوفی صفحہ ۲۴۵۔ [4] الجذامی صفحہ ۲۲۹۔ [5] المقری نے تحریر کیا ہے کہ یہ امیر بلنسیہ میں حکمران تھا۔ جس پر ۵۴۲ھ میں ادفونش نے قبضہ کر لیا تھا پس ۵۴۲ھ میں یہ مرسیہ کا رئیس ہوگا صفحہ ۲۵۔ [6] اس جنگ کا ذکر پہلے آچکا ہے جس میں ادفونش ابن ردمیر قتل ہوا تھا۔ ۵۲۸ھ م ۱۱۳۴ء صفحہ ۷۹۔

بہت عزیز رکھتا تھا اپنا داماد بنا کر بلنسیہ کی حکومت اسکے سپرد کی تھی۔ ابن عیاض کے انتقال کے
بعد ابن مردنیش نے مرسیہ اور جیان اور باجہ پر بھی قبضہ کیا اور ہر موقع پر الموحدین کی ترقی کا مانع
ہوتا رہا۔ ۵۵۲ھ میں ابوحفص اور ابوسعید۔ المومن کے بیٹوں نے المریہ کا محاصرہ کیا۔ ابن مردنیش
اس وقت کو غنیمت اور ان لوگوں کو عیسائیوں کے ساتھ جنگ میں مشغول پاکر پشت پر
سے دفعتہً حملہ آور ہوا لیکن جب اس نے دیکھا کہ تمام دنیا اس خلاف شجاعت حرکت پر
لعن طعن کرتی ہے۔ شرم وحیا اس کی دامنگیر ہوئی اور یہ فوراً اپنے ارادہ سے دست کش
ہوگیا۔ اُدھر عیسائی جو مردنیش کی اس غیر متوقع حمایت سے خوش ہو رہے تھے اسکو میدان جنگ
سے ہٹتے دیکھ کر اس تصور سے کہ کسی تازہ دم فوج مخالف کی آمد مردنیش کی پسپائی کا باعث
ہوئی ہے ایسے خوف زدہ ہوئے کہ المریہ کو ابوحفص و ابوسعید کے حوالہ کر دیا۔

۵۵۵ھ مطابق ۱۱۶۰ء میں جب عبدالمومن ابن علی نے تمام مغرب الاقصیٰ کو مع شہر مہدیہ[1]
و دیگر بندرگاہوں کے فتح کر لیا بذاتِ خود اندلس کی طرف متوجہ ہوا۔ جبل الطارق پہونچ کر اس
تاریخی پہاڑ کے ایک حصہ پر بطور یادگار اس نے اپنے تیار کردہ نقشہ کے مطابق جدید قلعہ تعمیر کیا اور
اس مقام کو جبل الفتح اور قلعہ کو مدینۃ الکبریٰ کے نام سے موسوم کیا۔ تعمیر کا کام مشہور معمار اور
ریاضی داں حاجی یعیش کے سپرد تھا۔ اس نامی معمار نے پہاڑ پر پانی چڑھانے کی ہوائی کل ایجاد
کی تھی جسکے ذریعہ سے قلعہ میں پانی بآسانی پہونچ جاتا تھا۔ عبدالمومن نے نہایت احتیاط کے ساتھ
تمام ملک مفتوحہ کا دورہ کیا اور پھر ابوسعید کو اپنا قایم مقام مقرر کر کے افریقہ واپس چلا آیا۔ اسکے
ایک سال بعد ۵۵۶ھ میں جبکہ ابوسعید افریقہ میں اپنے باپ کے ہمراہ بغاوت فرو کرنے میں مصروف
تھا اسکو اطلاع ہوئی کہ ابراہیم ابن ہمشک نے قابو پاکر غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ ابوسعید فوراً اپنے بھائی

[1] اس پر اہل جزیرہ صقلیہ ۲۲۳ھ م ۸۳۸ء سے قابض تھے۔

ابو محمد ابو حفص کو ساتھ لیکر اندلس پہونچا لیکن ابن ہمشک کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا ابو حفص قتل ہوا اور یہ خود ہزیمت خوردہ مالقہ بھاگ آیا۔ المومن کو جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی سلطان نے آغاز ۵۵۷ھ میں اپنے بیٹے ابو یعقوب کو فوجی افسر شیخ ابو یوسف ابن سلیمان کے ہمراہ ابو سعید کی مدد کے واسطے بھیجا اور یہ سب غرناطہ کے قریب مقام دُلیر پر خیمہ زن ہوئے اُدھر ابن مردنیش اپنے عزیز ابن ہمشک کا شریک حال تھا۔ شہر کے قریب ایک دوسری جنگ واقع ہوئی جس میں الموحدین کامیاب ہوئے ابن مردنیش ناکام جیان کی طرف پسپا ہوا اور ابن ہمشک سے کچھ ایسا بیزار ہوا کہ اپنی زوجہ یعنی ابن ہمشک کی بیٹی کو طلاق دیدیا۔ ابن ہمشک نے الموحدین سے مجبوراً صلح کر لی مگر ان باہمی تنازعات کا سلسلہ ختم نہ ہوسکا اور بالآخر عبدالمومن کو خود بجمعیت تین لاکھ ۵۵۸ھ م ۱۱۶۳ء میں اندلس آنا پڑا۔ یہاں ایک لاکھ اسی ہزار آدمی برضا و رغبت خود جہاد کی نیت سے اسکی فوج میں شریک ہوئے لیکن عبدالمومن کا پیمانۂ عمر لبریز ہوچکا تھا۔ قبل اسکے کہ یہ اپنے ارادے کو پورا کرے ماہ جمادی الثانی ۵۵۸ھ بروز جمعہ انتقال کرگیا اور ابو یعقوب یوسف تخت نشین ہوا۔ سرزمین اندلس نے اسے ایسا گرویدہ کیا تھا کہ افریقہ کے انتظام سے فراغت حاصل کرنیکے بعد ہی مستقل قیام کے ارادہ سے یہ ۵۶۶ھ م ۱۱۷۰ء میں دس ہزار فوج کے ساتھ یہاں آیا اور اشبیلیہ کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ ابن سوارنک[1] قومس قلمریہ نے اندلس کے مغربی حصے کی جانب شر و فساد برپا کر رکھا تھا۔ یہ وہ شخص ہے کہ جس نے الموحدین اور المرابطین کی خانہ جنگیوں کو غنیمت جان کر ۵۵۲ھ میں باجہ اور ماہ جمادی الثانی ۵۵۹ھ مطابق ۱۱۶۳ء میں ترجالہ[2] اور ماہ ذی قعدہ سنہ الیہ میں یابورہ[3] اور ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۵ء میں قاصرش[4] اور ماہ جمادی الاول سنہ صدر میں منتانجش[5] اور شنترین[6]

---

[1] یعنی الفانزو وائز کیز جو بقول ابن صاحب الصلوٰۃ قلمریہ کا جسکو اب کویمبرا کہتے ہیں حاکم تھا۔ [2] ترکسلو انگریزی میں کہتے ہیں۔ [3] انگریزی میں ایورا کہتے ہیں۔ [4] کازیرز کہتے ہیں۔ [5] مانتانچز کہتے ہیں۔ [6] اسکو انگریزی میں سنٹ آبیرن کہتے ہیں۔

اور جلمانیہ[1] پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا تھا۔ مگر جب اس عیسائی نے یوسف کے اشبیلیہ آنے کی خبر سُنی خوف زدہ قلعہ بند ہوگیا۔ ابن مردنیش بھی ایسا مرعوب ہوا کہ مرسیہ میں خاموش جا بیٹھا اور اس کے انتقال کے بعد اس کی اولاد نے یوسف کی اطاعت قبول کر لی۔ یوسف ابن مردنیش کے بیٹوں کے ساتھ کمال مراعات پیش آیا۔ یوسف نے ۵۸۰ھ م ۱۱۸۴ء تک اندلس پر حکومت کی۔ عیسائی بھی ایک حد تک اس سے مرعوب رہے۔ سنہ مذکور میں جب کہ یہ قلعہ شنترین کی تسخیر کی کوشش کر رہا تھا اس نے انتقال کیا اس کی فوج لاش کو شہر اشبیلیہ[2] لے آئی۔

ابو یعقوب کے انتقال کے بعد اس کا نامور بیٹا ابو یوسف المنصور باللہ تخت نشین ہوا ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء میں اس نے اندلس کے مغربی حصے کو عیسائیوں کے شر و فساد سے پاک کیا۔ اور اشبیلیہ ہوتا ہوا مراکش چلا گیا، مگر دوسرے ہی سال (۵۸۶ھ) یہ سُن کر کہ عیسائیوں نے مقام شلب[3] پر قبضہ کر لیا ہے المنصور کو پھر اندلس آنا پڑا۔ ادفونش ثانی توس طلیطلہ نے قلعہ مذکور خالی کر کے صلح کی درخواست کی سلطان نے مصلحۃً اس شرط کو منظور کر لیا کہ پانچ سال تک فریقین ایک دوسرے کے ملک پر حملہ نہ کرینگے"۔ یہ بھی ایک دفع الوقتی تھی اس لئے کہ پانچ سال کے بعد عیسائی بغیر وجہ فوج کثیر کے ساتھ آمادہ بہ پیکار سرحد اشبیلیہ میں داخل ہوئے چنانچہ بمقام الارک بطلیوس کے حدود میں ایک سخت جنگ واقع ہوئی۔ المنصور عیسائیوں کی عادت سے بخوبی واقف اور جانتا تھا کہ سب سے پہلے یہ لوگ میری قیامگاہ پر حملہ آور ہونگے اس لئے شیخ یحییٰ ابن ابی حفص کو اپنے خیمہ میں قیام کا حکم دیا اور خود اس امیر کے خیمے میں چلا آیا چنانچہ بتاریخ ۹ شعبان ۵۹۱ھ م ۱۱۹۱ء بروز پنجشنبہ ادفونش

---

[1] جرجینا کہتے ہیں۔ [2] ابن زرع مصنف قرطاس کو المقری سے اختلاف ہے۔ ابن زرع کا بیان ہے کہ یوسف ابو یعقوب شنترین سے واپسی کے وقت نہر تاجہ دریائے ٹیگس کے کنارے پر فوت ہوا تھا۔ قرطاس کے یہ الفاظ ہیں و کانت وفاتہ بنہر تاجہ فی قفولہ من غزوۃ شنترین۔ علی ظہر دابتہ۔ شنترین کو انگریزی میں سنٹرم کہتے ہیں [3] اسکو شلوز کہتے ہیں اور صوبہ الغرب میں واقع ہے۔

نے اُسی طرف تمام فوج سے حملہ کیا۔ جہاں بادشاہ کا علم ہوا میں لہرا رہا تھا۔ ادھر سے المنصور اپنی خاص سپاہ کے ساتھ اِن عیسائیوں پر آگرا۔ دیر تک جنگ شدید ہوتی رہی۔ بالآخر عیسائی ایک لاکھ چھیالیس ہزار میدان جنگ میں مردہ اور تیس ہزار کو بند قید میں چھوڑ کر جس طرف منھ اُٹھا۔ جا نکلے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار خیمے اور اسّی ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ خچر اور چار لاکھ بار برداری کے گدھے اور ساٹھ ہزار مختلف وضع کے زرہ بکتر اور بہت کچھ زر و جواہر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ مال غنیمت کو المنصور نے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔

ادفونش ثانی اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ قلعہ رباح[1] میں پناہ گزیں ہوا۔ لیکن المنصور نے اس کو پھر فرصت کا موقع نہ دیا۔ اور تعاقب کناں قلعہ کو گھیر لیا۔ اور چند روز کے محاصرے کے بعد اُس پر قابض ہو گیا۔ ادفونش جان بچا کر پریشاں حال طلیطلہ آیا۔ اور اس شدید شکست کے غم و غصہ میں سر اور ڈاڑھی منڈا کر صلیب کو اٹھا لیا۔ اور قسم کھائی کہ "جب تک اِن ہزاروں مقتولوں کا انتقام نہ لے لونگا عیش و آرام مجھ پر حرام" ادھر المنصور کو جب معلوم ہوا کہ یہ چالاک عیسائی دام سے نکل بھاگا تو یہ بھی بلا توقف اس کے پیچھے روانہ ہوا اور طلیطلہ کے قریب ادفونش کو دوبارہ شکست دیکر بذریعہ الرعدات[2] شہر کی مستحکم دیوار پر سنگین پتھر برسانے شروع کئے قریب تھا کہ یہ مشہور مقام بھی بضرب شمشیر مسخر ہو جائے مگر عین وقت پر ادفونش کی ماں مع اس کی بیوی اور بچوں کے سر برہنہ روتی ہوئی المنصور کے سامنے آئی اور اس قدر آہ و زاری سے اپنے بیٹے کی معافی کی خواستگار ہوئی۔ کہ امیر جس نے میدانِ جنگ میں خون کے دریا بہا دئے تھے عورتوں کے اضطراب سے ایسا متاثر ہوا کہ جنگ کو موقوف کر کے ان کے ساتھ بکمال شفقت پیش آیا۔ بہت کچھ زر و زیور دے کر ان کو رخصت کیا[3] اور خود قرطبہ چلا آیا۔

---

[1] اس کو انگریزی میں کلاٹراوا کہتے ہیں۔ [2] قلعہ شکن آلات کو عرب الرعدات کہتے تھے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اِن آلات سے مثل توپ کے آواز پیدا ہوتی تھی ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں اسی نام سے توپوں کو موسوم کیا ہے [3] یہی واقعات ہیں جن سے مسلمانوں کی رحم دلی اور بے نظیر فیاضی ثابت ہوتی ہے چنانچہ اس واقعہ کے تقریباً چھ سو برس بعد (بقیہ نوٹ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵۷)

سنہ ۵۹۵ھ
یعقوب المنصور نے چودہ سال گیارہ مہینے کی حکومت کے بعد مراکش میں ربیع الاول
مطابق سنہ ۱۱۹۹ء میں بروز جمعہ انتقال کیا۔ اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ جہاد کرنے میں گزارا۔ اس کے
اکثر معاصرین محض اس کی امداد کے حاصل کرنے کے واسطے باعلان جہاد نصاریٰ کے ساتھ جنگ
کا ارادہ کرتے تھے۔ اور یہ فوراً ان کا شریک حال ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ سنہ ۵۸۵ھ ہجری میں
بزمانہ جنگ صلیب فلسطین سے سلطان صلاح الدین ابن ایوب نے اپنے خاص سفیر ابن منقذ کو
اس ہی غرض سے اندلس روانہ کیا تھا مگر المنصور نے صرف اس بات پر کہ نامہ میں امیر المؤمنین
نہیں لکھا تھا۔ شرکت جنگ سے انکار کر دیا۔ تاہم ابن منقذ کی جو کہ اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا بہت خاطر
و مدارات کی اور چالیس اشعار کے قصیدے کے صلہ میں چالیس ہزار درہم سُرخ دے کر یہ کہا کہ
"میں تجھ کو اس لئے نہیں دیتا کہ تو صلاح الدین کا سفیر ہے بلکہ تیری لیاقت و کمال کا ایک
ادنیٰ صلہ ہے۔"

المنصور کے بعد اس کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد ناصر لدین اللہ تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ سنہ ۶۰۹ھ
مطابق سنہ ۱۲۱۲ء میں چھ لاکھ فوج لیکر بعزم جہاد اندلس آیا۔ مورخین اس کی ذہن کی رسائی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۶) سنہ ۱۷۱۱ء میں ترکوں نے اپنے ایک دشمن جانی اور ایمانی کی "اکی بی بی کی بخاح وزاری پر جاں بخشی
کی تھی وہ یہ ہوا تھا۔ بعہد حکومت سلطان بایزید ثالث اس کے وزیر اعظم محمد پاشا نے پیٹر اعظم شہنشاہ روس کو جس کا خاندان
گزشتہ یورپ کی جنگ عظیم میں سنہ ۱۹۱۷ء میں تباہ ہوا مع فوج دریائے پروتھ کے کنارے پر گھیر لیا۔ اور قریب تھا کہ
پیٹر مع لشکر گرفتار ہو جائے ایسے نازک وقت پر محض پیٹر کی زوجہ ملکہ کیتھرین کی آہ و فریاد پر ترکوں نے باوجود قوت و غلبہ کے
زار روس کو رہا کر دیا۔ اس واقعہ میں اور المنصور کے واقعہ میں صرف فرق اتنا ہے کہ ترکوں نے باوجودیکہ جس کی مقابلہ جان اور
فتح عظیم کچھ حقیقت نہیں اپنے ایسے دشمن کو معاف و رہا کیا اور المنصور نے زر لیتا ایک طرف خود عورتوں کو زیور سے مالا مال کر دیا تھا
دیکھو تاریخ ترک مصنفہ سر اڈورڈ کریزی موسومہ بہ "آٹومن ترکس" باب صفحہ (۳۲۳) سلہ یہ اندلس کی شکست سنہ ۱۱۹۳ء میں ملک شام واپس ہوا تھا۔

اور بیدار مغزی کی تعریف کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کی شومیٔ قسمت کا کوئی تماشہ دیکھیے کہ جبل الطارق کے دامن میں جب اُس نے اپنی فوج کا معائنہ کیا اور اس کے جانباز سپاہی اپنے امیروں کی سرکردگی میں اس کے روبرو سے گزرے اپنی سپاہ کی غیر معمولی فراوانی اور شوکت اور عیسائیوں کی بے بضاعتی اور بدحواسی کے خیال سے اس کے دل و دماغ کو غرور کے نشہ نے اس درجہ مختل کیا۔ کہ اس نے معمولی سے معمولی احتیاط کو بھی ترک اور تجربہ کاران اہل اندلس کی رائے اور مشورے پر بالکل التفات نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ العقاب میں عربوں کو ایسی شکست فاش ملی۔ کہ چھ لاکھ مسلمانوں میں سے صرف چند ہزار زندہ بچے[1] شہدا کی لاشوں کے ساتھ مسلمانوں کی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔

افریقہ کے قصبے کے قصبے اجڑ گئے اور پھر ایک زمانۂ دراز تک فوج فراہم نہ ہوسکی۔ اندلس کی حفاظت میں بڑی دقتیں واقع ہونے لگیں اور عیسائی سرکشوں کو پورا موقع اپنے ارادوں کے حاصل کرنے کا ملا۔ الغرض اس شکستِ عظیم کے بعد اندلس پھر نہ سنبھلا۔

الناصر ناشاد نے بمقام مراکش ماہ شعبان ۶۱۶ھ مطابق ۱۲۱۹ء میں انتقال کیا۔ تمام نامی امرائے عرب مع اپنی ہونہار اولاد جن کے ساتھ ایسے پرآشوب زمانہ میں قوم کی امیدیں وابستہ تھیں۔ جنگ العقاب میں فنا ہوچکے تھے صرف نودولت۔ خودغرض اور تفرقہ انداز برسرکار تھے۔ الناصر کے جانشینوں میں کوئی ایسا نہ ہوا جو رخنہ اور فساد کا انسداد کرسکتا۔

اس کا بیٹا ابویعقوب المستنصر جس نے اپنی عمر بداخلاقی میں گنوائی تھی۔ جلوس کے چوتھے سال مراکش میں بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ ۶۲۰ھ مطابق ۱۲۲۳ء میں لاولد فوت ہوا اور ڈوبتی

---

[1] بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ان چھ لاکھ آدمیوں سے صرف ایک ہزار زندہ بچے تھے۔ دیکھو المقری مصنفہ گیانگوز جلد دوم کتاب (۸) باب ۳ صفحہ (۳۲۳)

ہوئی کشتیِ حکومت کا سکّان اسکے باپ کے ضعیف چچا عبدالواحد ابن یوسف ابن عبدالمومن کے سپرد ہوا۔ اس پیر فرسودہ عقل کا انتخاب غرض آلودوں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ پس چند ہی روز میں وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا یعنی جس صوبہ دار کو موقع ملا خود مختار بن بیٹھا۔ اس سرکشی کی ابتدا عبدالواحد کے عزیز قریب العادل ابن المنصور حاکم مرسیہ سے ہوئی عبدالواحد خود بد نہ تھا۔ لیکن بدوں کے بالکل قبضہ میں تھا۔ آخرکار تمام خود دار امرا نے مظلوم رعایا کا ساتھ دیا اور یہ مع اپنے مشیروں کے بتاریخ ۴ر شعبان ۶۲۱ھ مطابق ۱۲۲۴ء مراکش میں مارڈالا گیا۔ حکومت کی کمزوری سے صوبجات اندلس کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ پس نصاریٰ نے قابو پاکر العادل کی چند روزہ خود مختاری کو ایک ہی یورش میں فنا کر دیا اور یہ بدنصیب ہراساں و پریشاں اپنے بھائی ابوالاعلیٰ ادریس کو اشبیلیہ میں چھوڑ کے افریقہ بھاگ آیا یہاں بھی ادبار نے اسکا پیچھا نہ چھوڑا یحییٰ ابن الناصر کے ساتھیوں نے بخوفِ سازش اسکو گرفتار کرکے یحییٰ کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ سُن کر محمدؐ ابن یوسف ابن ہود الجذامی ایک عرب امیر نے دفعتہً اشبیلیہ پر حملہ کیا۔ اور ادریس[1] بھی اپنی جان عزیز بچا کر مراکش آگیا۔ یحییٰ نے العادل کے ساتھ اس کو بھی نظربند رکھا۔ بعض مقتدر اور دور اندیش امرا نے اس خاندان کے بقا کی کوشش کی مگر حکمرانوں کی نااہلیت کے باعث انحطاط بڑھتا گیا۔ ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۵ء میں یحییٰ کے قتل کے بعد ادریس حکمراں ہوا۔ المقری نے اس کے سات سالہ دورِ حکومت کی نسبت کوئی بات قابلِ ذکر تحریر نہیں کی۔ صرف یہ بتایا ہے کہ ۶۳۰ھ مطابق ۱۲۳۲ء میں اس نے انتقال کیا۔ اور اس کا بھائی السعید ادریس ثانی ولایت افریقہ پر مسلط ہوا۔ جو ۶۴۶ھ میں تلمسان کے قریب جنگ میں مارا گیا۔ اس کے جانشین عمر ابن ابراہیم ابن عبدالمومن المرتضیٰ باللہ نے البتہ تقریباً پچیس سال امن اور عافیت سے بسر کیے علم و فن کو فروغ ہوا۔ لیکن اندلس پر تسلط

---

[1] اس نے المامون کا لقب اختیار کیا تھا۔

حاصل نہ کر سکا۔ المرتضیٰ باللہ ۶۶۵ھ مطابق ۱۲۶۶ء میں الواثق کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس واقعہ کے تین سال بعد ۶۶۸ھ مطابق ۱۲۶۹ء میں بعد قتل الواثق بنی مرین ریاست مراکش کو اپنے دائرہ حکومت میں لے آئے۔

الغرض جس وقت محمد ابن یوسف ابن ہود الجذامی نے ادریس المامون کو اندلس سے خارج کر دیا۔ اور افریقہ میں بنی مرین بتدریج ملک پر قابض ہونے لگے تو اب اہل اندلس کو اپنی حفاظت کی فکر پیدا ہوئی سب نے بالاتفاق یہ مشورہ کیا کہ "ہم غیروں کی ماتحتی سے نجات حاصل اور اپنے ہم وطنوں میں سے ایسے کو منتخب کریں جو سچا خیر خواہ ملک اور قوم کا ہو اور اس ملک کو بیرونی حملوں اور اندرونی خانہ جنگیوں سے محفوظ رکھ سکے۔ ورنہ اگر یہی ریل وبہار رہا تو چند روز میں عیسائی حاکم اور ہم محکوم ہو جائیں گے۔" چونکہ اُس وقت بجز ابن ہود کے اور کوئی شخص بلحاظ قوت وثروت اس منصب کے واسطے نظر نہیں آتا تھا۔ اور اسکے ہوا خواہ مجلس شوریٰ میں شریک تھے اس کا نام پیش اور منظور ہوا۔ یہ سرقسطہ کے چوتھے حکمراں کی نسل سے اور اپنے قبیلہ ہود کا رکن اعظم، ذی ہوش اور دور اندیش تھا۔ چونکہ اس کی نشو ونما ایامِ غدر میں ہوئی تھی خصلت نہایت بدپائی تھی۔ اس نے اپنی خاندانی امارت وخودداری بلکہ مذہب تک کو اپنے مذموم اغراض کی تکمیل کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ آج سے ہی نہیں بلکہ جب سے الموحدین کی حکومت میں تنزل شروع ہوا ابن ہود نے النقشی نامی ایک مشہور سفاک قزاق کی شرکت سے ہمہ قسم کے طریقے الموحدین کی بیخ کنی اور اپنے حصول مقصد کے لئے ایجاد کئے مثلاً اپنی نسبت فقیروں اور نجومیوں کے اقوال بطور پیشین گوئیوں کے مشتہر کئے کہ "بشر کی کیا مجال کہ بخلاف مشیت ایزدی کسی سلطنت کو جو اپنی عمر طبیعی کو پہونچ چکی ہے قائم رکھ سکے پس اہل اندلس کو صبر وشکر کے ساتھ جس کسی کو خدائے تعالےٰ اپنے رسول پاک کا خلیفہ مقرر کرے،

اُس کی اطاعت و فرمانبرداری بلا عذر کرلینی چاہیے۔" بعض کاہنوں نے یہاں تک حکم لگایا کہ جس شخص کو منجانب اللہ یہ رتبہ حاصل ہونے والا ہے اُس کا نام محمد ابن یوسف ہوگا۔ اس تدبیر نے عوام الناس پر پورا اثر کیا اور مخلوق جوق جوق اس کی فوج میں شریک ہونے لگی چنانچہ بمقام الصخرہ[1] ۶۲۵ھ میں ابو العباس رئیس مریہ کو شکست دے کر نہ صرف صوبۂ مذکور، بلکہ غرناطہ۔ مالقہ اور المریہ پر مسلط ہوگیا یا ۶۳۱ھ مطابق ۱۲۳۳ء میں غرناطہ کی رعایا کو جب اس نے اپنے سے بدظن پایا فوراً خلیفۂ بغداد کی خدمت میں عریضہ باظہار اطاعت و عقیدت ارسال کرکے سند نیابت کی استدعا کی اور جب فرمان وصول ہوا تو وہ بغرض اشاعت عام غرناطہ کی جامع مسجد میں پڑھا گیا۔ اس جلسہ میں ابن ہود بذات خود بنی عباس کا لباس پہنے اور اُن کا سیاہ نشان ہاتھ میں لئے موجود تھا۔ اس وقت بھی اس کا انتخاب اسی قسم کی حکمت عملیوں کا نتیجہ تھا۔ لیکن فتنہ و فریب پر جس کی اُمیدیں منحصر ہوں اُس کا حشر معلوم، آخر کار خاندان ہود قلیل عرصہ میں بنی نصر کے ہاتھوں برباد ہوا۔

---

[1] ابن الخطیب نے ابن ہود کی سوانح عمری میں اس مقام کا نام الصخیرات بتایا ہے۔ اس شہر کا اب پتہ نہیں ملتا مگر تاریخ سے اتنا ثابت ہے کہ یہ شہر مرسیہ کے قریب واقع تھا۔

بنی نصر کا عروج۔ محمدؐ ابن الاحمر۔ اسکی فتوحات۔ عیسائیوں کی شکست۔ محمدؐ ثانی۔ شانجہ کی شکست اور اُس کا قتل ہونا۔ محمدؐ ثانی کا انتقال۔ محمد ثالث۔ نصر کی بغاوت۔ فردلنند بادشاہ قسطلہ۔ ابوسعید ابوالولید اسمٰعیل ابن ابوسعید۔ جنگ البیرہ۔ محمد چہارم۔ جبل الطارق پر عربوں کا قبضہ اور عیسائیوں کی شکست۔ یوسف۔ جنگ طریف۔ یوسف کا قتل۔ محمدؐ پنجم۔ اسمٰعیل کی بغاوت۔ محمد ششم۔ محمدؐ پنجم کا دورثانی۔

بنی نصر کے مختصر حالات یہ ہیں کہ ابتداء میں یہ چھوٹا سا قبیلہ قرطبہ کے قریب قلعۂ ارجونہ میں آباد ہوا۔ زراعت اور سپہ گری انکا پیشہ تھا۔ خالص عربی النسل ہونا ہی خاص امتیاز رکھتا تھا اور پھر فوجی نوکری اور زمانہ کی مساعدت سے اس خاندان نے ایسی نمایاں ترقی حاصل کی کہ الموحدین کے اخیر زمانہ میں اسکے ایک نامی فرد نصر ابن یوسف کے جو الشیخ اور ابن الاحمر کے لقب سے نامزد تھا مثل دیگر امرائے عرب خودمختار حکمراں بننے کی تمنا دامنگیر ہوئی۔ ایک طرف جیسا کہ نگارش ہو چکا ہے محمدؐ ابن یوسف ابن ہود نے بعد فتح مرسیہ منجانب خلفائے عباسیہ سلطنت کا دعوےٰ کیا۔ دوسری جانب الشیخ ۶۲۹ھ مطابق ۱۲۳۱ء میں آمادہ بہ جنگ ہوا مگر جب سنا کہ ابن ہود نے بکمال دوربینی خلیفہ بغداد سے نیابت کا باقاعدہ وثیقہ حاصل کر لیا ہے یہ سمجھ کر کہ اس کے عام اثر کا زائل کرنا امکان سے باہر ہے اُسی وقت بمقتضائے مصلحت ابن ہود کی اطاعت تسلیم کر لی مگر اس شرط کے ساتھ کہ جیان اور شریش کی صوبہ داری اسی کے سپرد رہے گی۔ شرارت اور فتنہ انگیزی میں دونوں مساوی اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے صرف موقع و محل کے منتظر تھے۔ اتفاقاً اسی اثناء میں ابن ہود کو اور طرف مصروف پاکر ابو مروان نے

دفعتہً اشبیلیہ پر یورش کی۔ ابن الاحمر نے فوراً بو عدۂ شرکت ابو مروان کو ہموار کرلیا اور اپنی خلوص نیت کے ثبوت میں اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردیا۔ ابو مروان اپنے ابن الوقت خسر کے دھوکے میں آکر اسکو اپنا مربّی و سرپرست سمجھنے لگا۔ اور باصرار اسکو اشبیلیہ میں مدعو کیا۔ المقری تحریر کرتا ہے کہ عین دعوت کے روز جبکہ داماد اور بیٹی دونوں فرط محبت سے اسکے گرویدہ ہو رہے تھے اس ظالم کو اپنی بیٹی کی خانہ ویرانی کا بھی مطلق خیال نہ ہوا۔ اور داماد کو موقع پاکر مروا ڈالا۔ نیت یہ تھی کہ اشبیلیہ پر اسطرح بآسانی قبضہ کرلے مگر یہاں ابن الاحمر کو رہنا نصیب نہ ہوا۔ رعایا کو نہ صرف متنفر بلکہ آمادہ بہ انتقام پاکر نہایت ذلت کے ساتھ ابن ہود کے پاس بھاگ آیا اور عفو قصور کا خواستگار ہوا۔ اور باجازت جیان چلا آیا۔ یہاں آتے ہی اس نے پھر سازش شروع کی اور اس مرتبہ خاص غرناطہ میں امیر ابن ابی خالد کے ذریعہ سے بغاوت کرادی ابن ہود دوسری طرف رفع شر میں مصروف تھا اسکو اس واقعہ کی خبر اس وقت ہوئی جبکہ ابن الاحمر لشکر کثیر کے ساتھ غرناطہ اور مالقہ پر قبضہ کرچکا تھا۔ ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۴ء میں ابن الرمیمی حاکم المریہ اور ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۶ء میں رئیس لارقہ نے اسکی اطاعت منظور کرلی۔

ابن الاحمر نے ۶۴۳ھ میں فرڈننڈ سے پھر صلح کرلی اور جیان اس عیسائی کے حوالہ کردیا حالانکہ صلح کے چند ہی روز قبل اس نے حصن بلول کے قریب عیسائیوں کے دوسرے گروہ کو شکست دی تھی۔ قرطبہ۔ اشبیلیہ اور مرسیہ ہاتھ سے جاچکے تھے۔ فرڈننڈ عربوں کو پسپا کرتا ہوا آبنائے طارق کے قریب لے آیا تھا۔ ۶۶۵ھ میں اس نے اپنے بیٹے عبد اللہ محمد کو ولی عہد مقرر کیا۔ اور افریقہ سے فوج بغرض جہاد

۱؎ یہی شخص ہے کہ جس نے غرناطہ میں اس مشہور و بے نظیر قصر الحمراء کی بنیاد ڈالی تھی جو اسوقت تک موجود ہے۔ ۲؎ فونس (حاکم قسطلہ) اسی کی سازش تھی کہ ابن ہود اور ابن الاحمر میں کبھی صلح نہ ہونے پائی۔ دونوں کو لڑاتا رہا۔ اور دونوں کو اپنی اعانت کا متمنی رکھا۔ اور جب کسی کا ساتھ دیا تو اس سے معاوضہ بھی خاطر خواہ حاصل کیا۔ ۳؎ ابن الخطیب نے حصن بلول لکھا المقری اسی مقام کا نام حصن طیش لکھتا ہے۔

طلب کی اس لئے کہ اب کہاں عربوں میں اتنی قوت تھی کہ یہ دشمن پر خود وار کرتے انکی بڑی خوش قسمتی اسی میں تھی کہ یہ اس بچے ہوئے حصہ کو انکے چنگل سے محفوظ رکھیں۔ بادشاہ افریقہ یعقوب[1] ابن عبدالحق نے اُس کی استدعا کو منظور کیا اور تین ہزار سوار روانہ کئے بلکہ بعد بھی حسب ضرورت فوج اور سامان سے ابن الاحمر کی مدد کرتا رہا۔ یہی غنیمت تھا کہ ملک اغیار کی دست برد سے محفوظ رہا۔

ابن الاحمر بتاریخ ۱۵ر جمادی الثانی ۶۷۱ھ مطابق ۱۲۷۲ء عیسائیوں کی یورش کو دور کرنیکے بعد غرناطہ واپس ہو رہا تھا کہ محل کے قریب ٹھوکر کھا کر گرا۔ گو بظاہر یہ واقعہ کچھ بھی نہ تھا لیکن اسکو اندرونی شاید کوئی ایسا سخت صدمہ پہونچا تھا کہ اس واقعہ کے چند روز بعد بتاریخ ۲۹ر جمادی الثانی بروز جمعہ عصر کے وقت ابن الاحمر نے انتقال کیا اور مقبرہ سبکہ میں دفن ہوا۔

ابن الاحمر کے بعد عبداللہ محمد ثانی نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کی عمر تقریباً اڑتیس سال کی تھی۔ اور اپنے باپ کی حیات میں امور ریاست کا پورا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ باپ نے مرنیکے قبل اس کو نصیحت کی تھی کہ بنی مرین سے اپنے قدیم خاندانی تعلقات قائم رکھے تاکہ عیسائیوں کے ساتھ جہاد کرنے میں اُن سے مدد ملتی رہے۔ چنانچہ ۶۷۴ھ مطابق ۱۲۷۵ء میں یہ سُن کر کہ عیسائی برسرِ فساد ہیں یعقوب ابن عبدالحق نے پہلے اپنے بیٹے کو مع فوج اندلس بھیجا بعد ازاں اسکے عقب میں خود بھی روانہ ہوا۔ اور جزیرۃ الخضراء کو ایک باغی امیر سے چھین کر اپنا مستقر قرار دیا۔ محمد ثانی نے بھی فوجی اغراض کے لئے طریف اور اُس کے متعلقہ مورچوں کو اپنے سرپرست کے حوالے کر دیا۔ کچھ روز لشکر کو آرام دے کر دونوں دشمن کی طرف متوجہ ہوئے اور بتاریخ ۱۵ر ربیع الاول ۶۷۴ھ مطابق ۱۲۷۵ء عیسائی جرنل دان نونہ کو کامل شکست دی جنگ میں جرنل مذکور مع دیگر افسروں کے قتل ہوا۔ مگر اس واقعہ کے بعد ہی شانجہ المطران نے غرناطہ کے مضافات پر دوسری طرف سے حملہ کیا۔ مرطش کے قریب عربوں نے اسکو

[1] خاندان بنی مرین سے تھا۔

بھی شکست دی اور قتل کر ڈالا۔ ماہ محرم ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء میں پھر قسطلہ کے عیسائیوں نے سرحد پر چھیڑ شروع کی لیکن محمد ثانی نے انکی یورش کے قبل ہی قیجاطہ کا محاصرہ کیا اور اُن تمام قلعوں کو جو عیسائی فوج کے مستقر سمجھے جاتے تھے فتح کر لیا۔ ۶۹۹ھ میں اس نے اور چند سرحدی قلعوں پر اپنا قبضہ کیا تیس سال کی حکومت کے بعد محمد ثانی نے غرناطہ میں بتاریخ ۸ شعبان ۷۰۱ھ مطابق ۱۳۰۲ء انتقال کیا۔

محمد ثانی کے بعد اسکا بیٹا محمد ثالث تخت نشین ہوا۔ چونکہ اس نے باپ کی خاص نگرانی میں تعلیم و تربیت پائی تھی اور خود ذی ہوش اور دور اندیش تھا اپنے دادا اور باپ کی نصیحت اور اُن کی پالسی پر کاربند رہا۔ بنی مرین کے ساتھ قدیم ربط و اتحاد کو قائم رکھا اور نصاریٰ کی پوشیدہ کارروائیوں اور اُن کی نقل و حرکت سے ہمیشہ باخبر رہا۔ کبھی انکی قوت کو سنبھلنے نہیں دیا چنانچہ قلعۂ المنذر کو جو عیسائیوں کے قبضہ میں جا چکا تھا دوبارہ فتح اور تمام فوج دشمن کو جو یہاں مقیم تھی گرفتار کر لیا۔[1]

۷۰۲ھ مطابق ۱۳۰۳ء میں اس نے اپنے عزیز قریب ابو الحجاج ابن نصر گورنر وادی آش کو صرف یہ سن کر کہ رعایا پر ظلم کرتا ہے بغیر مزید دریافت قتل کی سزا دی۔

۷۰۵ھ مطابق ۱۳۰۵ء ماہ شوال میں سبتہ[2] کو فتح کیا اور حاکم قلعہ ابو طالب عبد اللہ ابن قاسم کو مع دیگر امراء گرفتار کر کے وہاں کا مدتوں کا اندوختہ مال و متاع مع قیدیوں کے اپنے ساتھ اندلس لے آیا لیکن عربوں کی بدقسمتی کو دیکھو کہ ایسے عادل اور جفاکش امیر کے زمانہ میں بھی نچلے نہ بیٹھے اور بلا وجہ محض خود غرضی کے باعث اسکے بھائی نصر کو اس سے باغی کر دیا اور وزیر ابو عبد اللہ ابن الحکیم کا مکان جو علاوہ مال و متاع کے نہایت نادر کتب خانہ سے مزین تھا تباہ و تاراج کرتے ہوئے عین عید الفطر کے روز ۷۰۸ھ مطابق ۱۳۰۸ء میں قصر شاہی میں داخل ہوئے اور محمد ثالث کو

[1] اسکو انگریزی میں کونے سیڈا کہتے ہیں۔ [2] منجملہ قیدیوں کے ایک مشہور حسین عورت بھی گرفتار ہوئی جسکے ساتھ سلطان افریقہ نے نکاح کر لیا تھا۔ المقری۔ [3] آفریقہ کا مشہور بندرگاہ۔

معزول کرکے نصر کو تخت پر بٹھادیا۔

نصر نے محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن الحاج[1] کو اپنا وزیر مقرر کیا مگر خانہ جنگی اور عیسائیوں کی پیش قدمی کو نہ روک سکا چنانچہ انتزاع حکومت کے تھوڑے ہی روز بعد سنہ ۷۰۹ھ مطابق سنہ ۱۳۰۹ء میں قومس قسطلہ نے جزیرۃ الخضرا کو گھیر لیا اور ۲۱ صفر سے لیکر ماہ شعبان تک محاصرہ رہا جب قلعۂ مذکور کو تسخیر نہ کرسکا تو جبل الطارق پر قبضہ کرتا ہوا اپنے ملک واپس ہوا۔ اسی زمانہ میں رئیس برشلونہ نے المریہ پر یورش کی گو عیسائی ناکام رہے مگر نصر کو پھر کبھی ان جھگڑوں سے نجات نہیں ملی۔ عزیزوں کی یہ حالت تھی کہ موقع ملتے ہی ابن الاحمر کے بھتیجے ابوسعید فرج ابن اسمٰعیل صوبہ دار مالقہ نے اپنے بیٹے ابوالولید کی کمک سے المریہ اور بلش پر اسی سال ۷۰۹ھ میں قبضہ کرلیا۔

سنہ ۷۱۱ھ مطابق سنہ ۱۳۱۱ء جمادی الثانی کے آخر میں نصر ایسا بیمار ہوا کہ سب اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ یہ سن کر محمد ثالث نے غرناطہ کا ارادہ کیا مگر اتنی تاخیر سے وہاں پہونچا کہ نصر خلاف امید تندرست ہوچکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نصر کے ہاتھ گرفتار ہوکر قتل ہوا۔

غرناطہ میں تو یہ واقعات پیش تھے اور مالقہ میں ابوسعید اور ابوالولید دونوں نہایت اطمینان سے فوج فراہم کررہے تھے۔ بتاریخ یکم محرم الحرام سنہ ۷۱۳ھ مطابق سنہ ۱۳۱۳ء ابوالولید غرناطہ کے قریب قریۃ العطشا میں خیمہ زن ہوا نصر بھی فوراً اس کے مقابلہ کے لئے شہر سے باہر نکل آیا۔ لیکن بتاریخ ۱۲ محرم بری طرح ہزیمت پاکر بدقت تمام غرناطہ پہونچا اور ابوالولید سے صلح کی درخواست کی ہنوز

---

[1] ابن الحاج اشبیلیہ میں سنہ ۶۶۰ھ میں پیدا ہوا تھا اور کمسنی سے اس کو مختلف کلیں وغیرہ بنانیکا نہایت شوق تھا اس نے بزمانۂ ابویوسف یعقوب المنصور ایک بہت بڑا کارخانہ آفریقہ میں قائم کیا تھا۔ جس میں ہر قسم کے آلات حرب نادر زمانہ تیار ہوتے تھے توپ کا بھی ایجاد وہیں ہوا تھا۔ یہ ان ہی اوصاف کی بدولت محمد ثانی کا غرناطہ میں ملازم ہوا اور پھر یہی وزیر سلطان نصر کی خرابی و تباہی کا باعث ہوا۔ المقری و ابن الخطیب۔

صلحنامہ کا تکملہ نہ ہونے پایا تھا کہ شومیٔ بخت سے وزیر ابو عبد اللہ ابن الحاج کے مظالم سے عاجز آکر رعایا قصر شاہی کے سامنے فریادی ہوئی لیکن جواب تیر و تبر سے ملا اور سینکڑوں عالم بے بسی میں قتل ہوئے امراء سے یہ ظلم دیکھا نہ گیا۔ سب نے مالقہ آکر ابو الولید کو صلح کرنے سے روکا اور اُسکو دوبارہ جنگ پر آمادہ کیا۔ ابو الولید بعجلت تمام لڑائی کے واسطے تیار ہوا اور اوائل شوال ۷۱۲ھ میں مقام لوشہ[۱] پر قبضہ کرتا ہوا غرناطہ کی طرف متوجہ ہوا۔ نصر نے عبد الحق ابن عثمان کو سرحد پر مقرر کر رکھا تھا شدونہ کے قریب دونوں فوجوں کا سامنا ہوا اور ایسی سخت جنگ واقع ہوئی کہ بہت دیر تک غالب و مغلوب کی تمیز نہ ہو سکتی تھی۔ بالآخر ابو الولید کو کامل فتح حاصل ہوئی اور یہ اپنے فریق مقابل کو پسپا کرتا ہوا پاشنہ کوب غرناطہ میں در آیا نصر، قصر الحمرا میں مع اپنی عورتوں اور خزانہ کے پناہ گیر ہوا آخرکار بتاریخ ۲۱ شوال ۷۱۳ھ اس نے بوعدۂ جان بخشی ہتھیار رکھدئے اور باجازت وادی آش میں سکونت اختیار کی۔

جنگ مذکور کے بعد ابو الولید اسمٰعیل ابن فرج تخت غرناطہ پر متمکن ہوا اسکے عہد میں ملک میں امن اور رعایا کو اطمینان سے زندگی بسر کرنیکا موقع ملا۔ ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۶ء میں قسطلہ کے عیسائیوں نے حصن بیج[۲] اور حصن طشکر[۳] کو فتح کیا لیکن اسکے تین ہی سال بعد ۷۱۹ھ میں عرب مقامات مذکورہ پر پھر قابض ہو گئے۔

۷۱۹ھ مطابق ۱۳۱۹ء میں بطروہ[۴] ولیعہد قسطلہ کی مدد کے لئے پچیس عیسائی قومیں آمادہ ہوئے اور طلیطلہ میں اپنی افواج کو فراہم کیا۔ ادھر سلطان ابو الولید نے سرحد پر جہانتک جلد ممکن ہو سکتا تھا قلعہ تیار او سرحد کو مستحکم کیا۔ بطروہ طلیطلہ آیا اور بابا مجتہد العصر سے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اپنی کامیابی کی دعا چاہی بابا نے بمژدۂ فتح اسکو رخصت کیا۔ عرب لشکر کثیر کے حالات معلوم کر کے از حد متردد ہوئے رئیس فاس ابو سعید سے خواہان مدد ہوئے لیکن اُس نے شرکت سے کسی مجبوری کے باعث عجز ظاہر کیا۔ ان واقعات سے عوام الناس پر مایوسی ضرور طاری ہوئی گر ابو الولید نے توکل علی اللہ بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۷۱۹ھ اپنے سپہ سالار

---

[۱] اس کو انگریزی میں لوک کہتے ہیں۔ [۲] اس کو انگریزی میں بیجیر کہتے ہیں۔ [۳] اس کو انگریزی میں تسکر کہتے ہیں۔ [۴] اس کو انگریزی میں پدرو کہتے ہیں۔

شیخ الغزاۃ ابوسعید عثمان ابن ابی العلی المرینی کو اپنے خاص رسالہ کے ساتھ جسکی تعداد پانچہزار تھی سپاہ عدو کی روک تھام کے واسطے روانہ کیا۔ ابتدا میں سپہ سالار نے عربوں کے قدیم رعب و داب سے جو صدیوں قبل نصاریٰ کے رگ وپے میں پیوست ہوچکا تھا فائدہ حاصل کرنا چاہا اور انکے ہراول پر بلا تامل حملہ آور ہوا۔ نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا اور عیسائی خوف زدہ قلب لشکر کی طرف بھاگ نکلے امیر خوب جانتا تھا کہ اگر دشمن نے اپنی پوری قوت کے ساتھ یورش کی اور کھلے میدان میں عام جنگ کی نوبت آئی تو اسکی قلیل فوج کیساتھ لشکر کثیر کے مقابلہ کی متحمل نہیں ہوسکتی اور اگر لڑائی میں تامل ہوا تو اندیشہ اپنے گھر جانیکا تھا۔ اس نے اپنے ماتحت افسروں سے مشورہ کیا اور حسب قرارداد ابوالجیوش کو مع ایکہزار سواروں کے کچھ فاصلہ پر جھاڑی میں پوشیدہ کرکے یہ حکم دیا کہ "جب عیسائی میرا تعاقب کرتے ہوئے اس مقام سے آگے بڑھ جائیں تو تم پیچھے سے ان پر حملہ کرنا"۔ اسی اثنا میں سلطان خود امیر المغربی اور تین سو سوار ساتھ لئے میدان میں وارد اور اصل فوج کے قریب ایک گوشہ میں استادہ ہوا شیخ الغزاۃ کی تدبیر کارگر ہوئی۔ چنانچہ جب عیسائیوں نے خود سپہ سالار کو قلیل فوج کے ساتھ آتے دیکھا اُسکو اصل لشکر سمجھکر ایسے خوش ہوئے کہ بغیر کسی احتیاط کے شیخ الغزاۃ پر حملہ کیا امیر نے گریز کی شکل اختیار کی۔ مسلمانوں کو اپنے سامنے سے بھاگتے دیکھ کر عیسائی بھی بلا ترتیب و قاعدہ انکے پیچھے دوڑ پڑے دونوں آگے پیچھے ابوالجیوش کی کمین گاہ سے گزرے ہی تھے کہ عقب سے نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوا۔ سامنے سپہ سالار نے اپنے رسالہ کو روکا اور داہنے اور بائیں سے دفعتہً خود سلطان اور امیر المغربی نمودار ہوئے عرب چار طرف سے دشمن پر ٹوٹ پڑے عیسائی کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ باوجودیکہ انکی تعداد کم وبیش ایک لاکھ ہوگی افسر و سپاہی سب ہتھیار پھینک کر جدھر منھ اٹھا بھاگ نکلے۔ چند ہزار عربوں نے مثل بھیڑ اور بکریوں کے انکو تہ تیغ کرنا شروع کیا یہ معرکۂ عظیم تاریخ میں جنگ البیرۃ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نمایاں فتح جو طارق کے معرکۂ الخضرا کی یاد تازہ کرتی ہے ۱۳۱۹ء میں اُسکے جاں بلب پس آیندگان کو نصیب ہوئی جس میں تقریباً پچاس ہزار عیسائی قتل اور اُسی قدر دریا اور نالوں میں غرق ہوئے مقتولوں میں خود بطرو اور اسکے پچیس معاون بھی پائے گئے

بے شمار اور بیش بہا مال عربوں کے ہاتھ آیا قیدیوں میں بطروہ کی بیوی اور بچے بھی شریک تھے اِنکی رہائی کے عوض میں عیسائیوں نے طریف اور قلعۂ جبل الطارق دینا چاہا لیکن عربوں نے اِنکو نہ چھوڑا اس جنگ میں تعجب خیز بات یہ تھی کہ باوجودیکہ مسلمانوں کی فوج چار ہزار پیادوں اور پندرہ سو سواروں سے زیادہ نہ تھی مگر جنگ کے بعد جب حساب کیا گیا تو دریافت ہوا کہ کل تیرہ مسلمان شہید ہوئے[1] مورخین عرب جنھوں نے اس خونریز واقعہ کی نہایت احتیاط اور راست بازی کے ساتھ تحقیق کی ہے کمال حیرت اور استعجاب کے ساتھ اس معجز نما کارنامہ پر عش عش کرتے ہیں یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی ہم نے اپنے اس دور جدید میں بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ چند صد باقاعدہ اور موجودہ طریقۂ جنگ سے آگاہ فوج نے بے قاعدہ جمّ غفیر کو آسانی منتشر کر دیا ہے۔ بہرحال عدو کئی سال اس تباہی کے اثر سے جاں برنہ ہو سکا اور جب اُسکی حالت کچھ سنبھلتی نظر آئی تو ابو الولید نے جو اِنکے ہر فعل کا نگران تھا فوراً پیش قدمی کر کے باجہ کے قریب قلعہ اشکر کو بتاریخ ۲۳ رجب ۷۲۳ھ مطابق ۱۳۲۳ء اور دوسرے سال ۱۰ رجب ۷۲۵ھ کو مرطاش فتح کیا۔ اس جنگ میں سلطان کا بھتیجا محمد بھی شریک تھا کسی نازیبا حرکت پر سلطان نے مجمع عام میں اسکی سرزنش کی یہ ایک بزرگانہ نصیحت تھی مگر محمد اس خفگی کو برداشت نہ کر سکا اور بغیر انجام پر غور کیے بتاریخ ۱۰ رجب ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء اس مہم سے واپس آنیکے تین روز بعد ابو الولید کو غرناطہ میں مار ڈالا۔

ابو عبد اللہ محمد چہارم ابن ابو الولید نے تخت نشینی کے بعد ہی عیسائیوں پر فوج کشی کر کے قلعۂ قبرہ کو فتح اور قرطبہ کو محصور کر لیا۔ لیکن عیسائی چونکہ شہر میں فوج اور رسد پہنچا چکے تھے اس کی تسخیر میں ناکام رہا یہ ہم پہلے ہی تحریر کر آئے ہیں کہ شاہان غرناطہ نے بنی مرین اپنے معاونوں کو فوجی ضرورتوں کے لحاظ سے جبل الطارق اور طریف اور الجزائر دیدئے تھے اور ۷۳۳ھ میں عیسائیوں نے جبل الطارق پر

[1] ابن الخطیب لکھتا ہے کہ یہ جنگ ۶ر جمادی الاول ۷۱۹ھ مطابق ۱۳۱۹ء میں واقع ہوئی اور بطروہ (پدرو) کی نعش ایک لکڑی کے صندوق میں رکھکر غرناطہ کے دروازہ پر لٹکا دی گئی تھی۔

قبضہ کرلیا تھا۔ یہ قلعہ بلحاظ قدرتی استحکام اندلس کی کنجی سمجھا جاتا تھا ابوالحسن المرینی بادشاہ فاس
اس مقام کے فوائد سے اچھی طرح واقف تھا اس نے اندلس آکر سلطان محمدؒ کی مدد سے چند
روز کے محاصرہ کے بعد اس کو دوبارہ فتح کیا اور اس کے مزید استحکام میں ازحد جدو جہد کی لیکن
مسلمانوں کی قسمت پر افسوس ہوتا ہے کہ عین اسوقت کہ یہ دونوں بیدار مغز امیر دشمنوں پر
غالب آرہے تھے چند افسروں نے بتاریخ ۱۳ ذی الحجہ ۷۳۳ھ مطابق ۱۳۳۳ء
محمدؒ چہارم کو قتل کر ڈالا۔ سلطان کے ہمراہی اسکی نعش کو مالقہ لے آئے یہیں دفن ہوا۔

جس روز سلطان محمدؒ قتل ہوا اُسی روز اُسکا سولہ سالہ بھائی یوسف جو اس وقت الجزائر کے
قریب وادی وشتفائن میں مقیم تھا فوج کی مدد سے تخت پر بیٹھا اس جواں سال و جواں بخت نے جس کو
قضا و قدر نے مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کی ناخدائی کے واسطے منتخب کیا تھا نیک خصال اور
باتدبیر مشیروں کو قید گمنامی سے رہا کرکے امور حکمرانی میں اپنا رہنما بنایا۔

۷۴۱ھ مطابق ۱۳۴۰ء میں ابوالحسن المرینی جہاد کی غرض سے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ اندلس
آیا۔ سلطان یوسف ابوحجاج نے بھی جہانتک اس سے ممکن ہوسکتا تھا اس بادشاہ کو فوج و سامان
سے مدد پہنچائی اور چونکہ جہاد کا اعلان کیا گیا تھا اس لئے سیکڑوں مشہور علماء بھی اس جنگ
میں شریک تھے بتاریخ ۷ر جمادی الاول سنہ مذکور طریف کے قریب نہایت سخت جنگ واقع ہوئی۔
لیکن باوجود کثیر نقصان کے فریقین میں سے کسی کو غلبہ حاصل نہ ہوا۔ یوسف نے غرناطہ آکر عبداللہ السلمانی[۲]
لسان الدین ابن الخطیب کو اپنا وزیر مقرر کیا یوں تو تنازعات باہمی کا سلسلہ روزانہ جاری تھا لیکن
۷۴۹ھ مطابق ۱۳۴۸ء میں یوسف نے معرکہ طریف کے نقصان کا ایسا انتقام لیا کہ عرصہ دراز تک

---

[۱] اس مقام کو فی زمانہ "زائیموڈلاتیل" کہتے ہیں۔ [۲] لسان الدین ابن الخطیب جس کا ذکر آئندہ ہوگا ایک نامی عالم گزرا ہے
منجملہ دیگر تصانیف کے "الملقہ البدریہ فی تاریخ دولت النصریہ" یعنی تاریخ بنی نصر قابل دید ہے۔

دشمن کو پیش قدمی کی جرأت نہ ہوئی۔ افسوس ہے کہ ایسے بادشاہ جامع الصفات قدرداں وقدماپرور کی عمر نے وفا نہ کی خصوصاً جبکہ ریاست کے سنبھالنے کے لئے ایسے بادشاہ کی سخت ضرورت تھی ۷۵۵ھ م ۱۳۵۴ء میں جبکہ یوسف مسجد میں شریک نماز تھا۔ ایک مخبوط الحواس آدمی نے اس کو مار ڈالا۔ اور یہ قصر الحمرا میں دفن ہوا۔

یوسف کا بیٹا الغنی باللہ محمد پنجم اپنے باپ کا جانشین ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد لسان الدین ابن الخطیب کو ابوعنان ابوالحسن والئی افریقیہ کے پاس بھیجکر عیسائیوں کے مقابلے میں مدد چاہی۔ جس وقت لسان الدین اور قاضی ابوالقاسم الشریف دونوں ابوعنان کے سامنے پیش ہوئے تو ابن الخطیب نے فی البدیہہ چند اشعار بادشاہ کی تعریف میں پڑھے یہاں تک کہ اہل دربار پر وجد کی سی حالت طاری ہو گئی اور سلطان نے لسان الدین سے کہا کہ "باوجودیکہ میں تمہارے یہاں آنے کے اغراض سے واقف نہیں ہوں لیکن اب میں ان اغراض کو معلوم کرنا بھی نہیں چاہتا میں بلا تامل تمہاری درخواستوں کو منظور کرتا ہوں جس چیز کی تم کو ضرورت ہو وہ ہم سے مانگ لو" لسان الدین نے اس خوبی سے اپنی خدمت سفارت کو انجام دیا کہ سلطان نے اسی وقت فوج کے بھیجنے کا حکم دیا اور سفیر کو بیش بہا تحائف دیکر رخصت کیا۔

سلطان محمد پنجم نے اپنے ابتدائی پنج سالہ دور میں جس بیدار مغزی اور عصبیت قوم وملت کی پابندی سے حکومت کی اس کے مورخین بالعموم معترف ہیں۔ سرکش عیسائی اپنی اپنی جگہ سب دم بخود تھے کہ نحبت کے اثر سے یہ رہا سہا ملک غرناطہ بھی محفوظ نہ رہا اور خانہ جنگی کی آگ پھر بھڑک اٹھی سلطان کا علاتی بھائی اسمٰعیل نے بعض عزیزان عاقبت نااندیش فتنہ انگیز کے اغوا سے بتاریخ ۲۸ رمضان ۷۶۰ھ م ۱۳۵۹ء میں درحالیکہ سلطان شہر سے باہر جنت العارف میں مقیم تھا۔ رات کے وقت قلعہ کی دیوار سے مع اپنے ہمراہیوں کے قلعۂ غرناطہ میں داخل ہوا۔ اور قبل اس کے کہ لوگوں کو خبر ہو قلعے پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے روز جب سلطان محمد کو اس بغاوت کی اطلاع

ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ باغی اس کی گرفتاری کی فکر میں ہیں تو یہ سیدھا وادی آش چلا آیا اور بطرہ۔ فونس قسطلہ کو اپنی مدد پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس کا رنج و ملال بجا تھا۔ لیکن اس کی ہوشمندی اور بیدار مغزی کا یہ اقتضا نہ تھا کہ عین آزمائش کے وقت اخلاقی کمزوری اس سے ظاہر ہوتی اور اسلامی اور قومی حمیت کو طاق نسیان پر رکھ کر محض اپنے ذاتی اغراض کے حصول کے واسطے اسلام کے موروثی دشمنوں کو ذریعہ اپنی خانہ بربادی کا بناتا' بطرہ جلساز نے ایک طرف تو محمد پنجم کو امید فردا پر رکھا اور دوسری طرف اسمٰعیل کو ہموار کرنا چاہا تاکہ گھر ہی کی آگ اُن کا خاتمہ کر دے اس ہی اثنا میں بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ ابوالقاسم ابن شریف سفیر ابوسلیم بادشاہ فاس نے محمد پنجم سے کہا کہ "بلحاظ ان تعلقات کے جو ایک زمانۂ دراز سے تیرے اور سلطان افریقہ کے خاندان کے ساتھ چلے آتے ہیں۔ ابوسلیم نے تجھ کو افریقہ بلایا ہے تاکہ جو کچھ مدد کہ اُس کے امکان میں ہے وہ تجھ کو دے" چنانچہ یہ دوسرے ہی روز بتاریخ ۱۱ ذی الحجہ مع لسان الدین ابن الخطیب کے افریقہ روانہ ہوا۔ ابوسلیم نے اس کی بہت خاطر و مدارات کی اور اپنے محل خاص میں مہمان رکھا۔ اسمٰعیل اور بطرہ میں صلح کا پیام و سلام جاری تھا۔ کہ ۲۴ شعبان سنہ ۷۶۲ھ مطابق سنہ ۱۳۶۰ء کو چند مہینے کی حکومت کے بعد اس کے ایک باشہ میں بغاوت ابوعبداللہ نے اسمٰعیل اور اس کے بھائی قیس کو قتل کر ڈالا۔ اور خود ملقب محمد ششم تخت نشین ہوا۔ عیسائی تو بانتظار موقع سرحد کے ہر گوشہ پر فوجیں فراہم کر رہے تھے کہ بکمک ابوسلیم بتاریخ ۲۰ شوال سنہ ۷۶۱ھ مطابق سنہ ۱۳۶۱ء اکیس مہینے کی جلا وطنی کے بعد محمد پنجم اندلس میں داخل ہوا۔ محمد ششم نے بتقابل بطرہ کے پاس بذات خود جا کر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مدد چاہی۔ بطرہ نے فریق مقابل کو طاقتور پا کر باظہار تعلقات قدیم اس واقعہ کی محمد پنجم کو خبر کر دی۔ اور محمد ششم کو دھوکے میں رکھ کر بتاریخ ۱۰ رجب سنہ ۷۶۳ م ۱۳۶۲ء اُس کو مع اس کے تمام ہمراہیوں کے اشبیلیہ کے قریب قتل کر ڈالا۔

واقعہ مذکور کے بعد سلطان محمد پنجم کا دوسرا دور، ۱۰ رجب ۷۶۳ھ سے شروع ہوا اور خدمت وزارت دوبارہ علامہ لسان الدین ابن الخطیب کے سپرد ہوئی مگر یا تو یہ تھا کہ معمولی سے معمولی کام بھی بغیر اس کے مشورہ کے نہیں ہوتا تھا یا اب یہ ہوا کہ حاسدوں کی سازش کارگر ہوئی اور بادشاہ کی ناراضی علانیہ ظاہر ہونے لگی۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی۔ کہ اُسی زمانے میں افریقیہ میں بوجہ انتقال ابوسلیم عبد العزیز ابن عبد الحسن اور عبد الرحمٰن دو چچازاد بھائیوں میں نزاع پیدا ہوئی ابن الخطیب نے عبد العزیز کا ساتھ دیا اور جب عبد الرحمٰن ہزیمت پاکر غرناطہ بھاگ آیا۔ تو اس نے سلطان کو صلاح دی کہ عبد الرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے عبد العزیز کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ سلطان محمد نے عبد العزیز کے سفیر سے اس امر کا وعدہ بھی کر لیا۔ ہنوز اس معاملے کی یکسوئی نہیں ہوئی تھی کہ ابن الخطیب نے بقرائن معلوم کر لیا کہ مخالفین اس کی ہلاکت کے درپے ہیں۔ اس نے فوراً چند روز کی رخصت حاصل کی اور مع اپنے بڑے بیٹے علی کے جبل الطارق آیا۔ یہاں پہلے سے عبد العزیز نے خفیہ طور پر ایک جہاز مقرر کر رکھا تھا۔ یہ جہاز پر سوار ہو کر افریقیہ بھاگ آیا۔ سلطان محمد نے عبد العزیز سے اس کو پابزنجیر طلب کیا۔ لیکن یہ درخواست وزیر ابوبکر کی وجہ سے نامنظور کر دی گئی ۷۷۴ھ میں عبد العزیز کا انتقال ہوا اور السعید ابن ابی فارس ایک کمسن لڑکا اس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ اب سلطان محمد نے مکرر ابوبکر کو ابن الخطیب کے واپس بھیج دینے کے لئے لکھا اس دفعہ نامہ بغیر جواب دربار سے نکال دیا گیا سلطان محمد نے اس واقعہ توہین کو سنکر فوراً عبد الرحمٰن[1] کو مع فوج و سامان جنگ افریقیہ بغرض انتزاع ریاست روانہ کیا اور خود جبل الطارق کو گھیر لیا۔ ان واقعات کی خبر جب ابوبکر ابن غازی کو پہنچی تو اس نے اپنے چچازاد بھائی محمد ابن عثمان کو سواحل افریقیہ کی حفاظت کی غرض سے سبتہ بھیجا اور خود اسکے عقب میں بطویہ کی طرف آیا۔ جہاں عبد الرحمٰن مقیم تھا اور رعایا کو ہموار کرنے میں مصروف تھا۔ ابن غازی نے اس مقام کے محصور کرنے کی

[1] عبد العزیز کا عم زاد برادر۔

بہت کچھ کوشش کی۔ مگر چند ہی روز میں بغاوت نے ایسی خطرناک شکل اختیار کی کہ اس کو ناکام فاس
واپس ہونا پڑا۔ اسی اثناء میں محمد پنجم نے ابوبکر کے چچازاد بھائی محمد ابن عثمان کو خفیہ طور پر ہموار کرنا چاہا اور
یہ کہلا بھیجا کہ السعید ابن ابی فارس ایک ناتجربہ کار طفل کی عوض ابوالعباس احمد ابن ابی سالم کو جو طنجہ
میں قید ہے بادشاہ بنانا چاہیے تاکہ تم کو بھی کچھ فائدہ پہنچے" اور حسب ذیل شرائط پر ہر قسم کی مدد دینے کا
وعدہ کیا:۔

(۱) قلعہ جبل الطارق واپس کر دیا جائے۔

(۲) بنی مرین کے شہزادے اندلس بھیج دیے جائیں۔

(۳) لسان الدین ابن الخطیب سلطان کے حوالہ کر دیا جائے۔

ابن عثمان نے ان شرائط کو منظور کر لیا اور محمد پنجم نے جبل الطارق پر قبضہ کرتے ہی فوج
اور سامان جنگ طنجہ روانہ کیا۔ ابن عثمان نے فوراً ابوالعباس احمد کو قید سے رہائی دی اور
دونوں ۷۷۶ھ م ۱۳۷۴ء میں اپنے تیسرے باثر رفیق سلیمان ابن داؤد کے ہمراہ کامیاب فاس
میں داخل ہوئے۔ ابن الخطیب کچھ روز روپوش رہا۔ لیکن آخر کار گرفتار ہوا اور محمد پنجم کے وزیر
عبداللہ ابن زمرق کے حوالہ کر دیا گیا۔ پہلے ایک فرضی مقدمہ ابن الخطیب پر قایم کیا۔ لیکن جب
بعض مشہور عالموں نے اس کی طرفداری کی تو ایک روز رات کو جیل خانہ میں ایسے یکتائے
زمانہ آدمی کو قتل کر ڈالا۔

باب ششم

محمد پنجم کا انتقال۔ یوسف ثانی۔ محمد ہفتم۔ اس کا اشبیلیہ جانا۔ محمد کی توس قسطلہ سے ملاقات۔

محمد ہفتم کا انتقال۔ یوسف ثالث۔ صلح کل طرز حکومت۔ محمد ہشتم۔ محمد الصغیر کی بغاوت اور تخت نشینی۔

الصغیر محمد نہم کا انتقال۔ یوسف ابن الاحمر کی بغاوت۔ یوسف کا انتقال عیسائیوں کے ساتھ جنگ۔

محمد ابن عثمان کی بغاوت۔ ابن اسمٰعیل۔

محمد پنجم نے ۷۹۳ھ م ۱۳۹۱ء میں انتقال کیا اور اس کا بیٹا یوسف ثانی تخت نشین ہوا چونکہ فطرتاً اس کی طبیعت راغب بہ رحم و آشتی تھی تخت نشینی کے بعد ہی اس نے تمام عیسائی بادشاہوں کو اپنی صلح کل پالیسی کا اطمینان دلا کر سابقہ معاہدوں کی تجدید کی اور ان کی پابندی کا وعدہ کیا اُن میں سب سے سربرآوردہ قسطلہ کا بادشاہ تھا۔ سلطان نے اس کو چھ نہایت عمدہ گھوڑے ساز و سامان جواہر نگار سے آراستہ بطور تحفہ بذریعۂ والیٔ مالقہ بھیجے۔ بادشاہ قسطلہ نے سفیر کی جیسی کہ چاہیے تعظیم و تکریم کی اور بوقت واپسی اس نے بھی بیش بہا تحفے سلطان کے لیے روانہ کیے۔

شخصی سلطنتوں میں بادشاہ کا کثیر الاولاد ہونا اکثر ریاست کے لئے بہت مضر ثابت ہوا ہے سلطان یوسف کے چار بیٹے یوسف، محمد، علی اور احمد نامی تھے۔ ان سب میں محمد لائق اور ہوشیار لیکن نافرمان تھا۔ ہوس سلطنت نے اس کو ایسا بیقرار کیا کہ اپنے باپ اور بڑے بھائی دونوں سے باغی ہو گیا اور مشہور کیا کہ "سلطان نے جو یہ صلح کل برتاؤ دشمنانِ اسلام سے رکھا ہے اسکی خاص وجہ یہ

کہ یہ عیسائی مذہب کی طرف دل سے راغب ہے اور اُس کے اختیار کرنے کے لیے صرف وقت کا منتظر ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی چند عیسائی اس کے پاس موجود ہیں جن سے یہ بہت محبت رکھتا ہے۔"
سلطان کی ظاہرا طرزِ حکومت سے عامۂ خلائق نے اس افواہ کو باور کرلیا اور محمدؔ کی مدد پر آمادہ ہوگئی۔ نوبت بانیجا رسید کہ ایک روز باغیوں نے قصرِ الحمرا کو گھیر لیا۔ قریب تھا کہ سلطان ہجوم رنج وغم سے سلطنت سے خود کنارہ کش ہو اور حکومت اپنے باغی بیٹے کے سپرد کردے کہ بادشاہ فاسؔ کے سفیر نے سلطانؔ سے بلاکشت وخون اس بغاوت کے فرو کرنے کی اجازت حاصل کی اور اکیلا باغیوں کے مجمع میں گھس آیا اور ایک نہایت شستہ وپُر اثر تقریر شروع کی جس میں اس سفیر نے بنی امیہ المرابطینؔ الموحدینؔ اور بنی ہودؔ کے زمانۂ حکومت کو یاد دلا کر کہا کہ " اسی خانہ جنگی کی بدولت یہ خاندان یکے بعد دیگرے تباہ ہوئے اگر یہ لوگ ایک دوسرے کو مارنے کے عوض متفق ہوکر عیسائیوں کے ساتھ لڑتے تو آج یہ دن تم کو کیوں نصیب ہوتا۔ تم خود دیکھ رہے ہو کہ یہ اسی باہمی نزاع کا نتیجہ ہے کہ تمام اندلسؔ تمہارے قبضہ سے نکل گیا اور اب تمہارے طرز سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس چھوٹے سے حصے کو جس پر اب تم قابض ہو اپنے دشمنوں کے سپرد کیا چاہتے ہو بہتر یہ ہے کہ تم اس بغاوت سے دست بردار ہو۔ ہمارا بادشاہ جہاد کا قصد رکھتا ہے تم کو مناسب ہے کہ اپنے لائق اور بہادر بادشاہ کا ساتھ دو۔" اس تقریر نے عوام الناس پر خاطر خواہ اثر کیا اور باغی بلاکشت وخون اپنے گھروں میں چلے آئے۔ گو یوسف کا خیال جہاد کا نہ تھا لیکن اب بمصلحت امن ونیز بصوابدید سفیر مذکور بعد اعلان جہاد مرسیہ پر حملہ آور ہوا۔ متعدد لڑائیاں واقع ہوئیں۔ اور ہمیشہ عرب کامیاب رہے۔ چونکہ یوسفؔ جنگ کی طرف بالکل متوجہ نہ تھا۔ اس نے قومس قسطلہ کے پیام صلح کو بلا تامل منظور کرلیا اور جو مال واسباب کہ ان لڑائیوں میں اس کے ہاتھ آیا تھا وہ اپنی فوج میں تقسیم کرتا ہوا غرناطہ چلا آیا سنہ ۷۹۸ھ میں حاکم القنطرہ نے بلاوجہ غرناطہ کے قریب ایک قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ سلطان فوراً مقام

واقعہ پر پہنچا اور عیسائیوں کو شکست دیکر اپنی حدود سے خارج کر دیا۔ گو یہ یورش حکمران قسطلہ کے اشارے سے ہوئی تھی۔ مگر مسلمانوں کی کامیابی پر اس نے اپنے افسر فوج پر اس خلاف معاہدہ جنگ کا الزام عائد کیا۔

سنہ ۷۹۸ھ م سنہ ۱۳۹۶ء میں سلطان یوسف نے انتقال کیا' چونکہ پہلے ہی سے محمدؒ نے تمام امرائے ریاست کو اپنی طرف کر لیا تھا باپ کے مرتے ہی تخت نشین ہوا اور اپنے بڑے بھائی یوسف کو قلعہ شلوبانیہ میں قید کر دیا۔

محمد ہفتم نے تومس قسطلہ کے حالات سے ذاتی واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے اشبیلیہ جانے کا ارادہ کیا چونکہ اس عیسائی کی ریاکاری اور دغابازی طشت از بام تھی اس نے تنہا وہاں جانا مناسب نہ سمجھا پس باظہار ارادۂ جہاد سرحد تک فوج کے ساتھ آیا یہاں سے صرف مع پچیس دلیر ہمراہیوں کے بلباس سفیر اشبیلیہ روانہ ہوا۔ بادشاہ قسطلہ نے جو لشکر کثیر کی آمد اور سلطان کے عزم جہاد سے پیشتر آگاہ ہو چکا تھا سفیر کے ساتھ بکمال لطف و مدار پیش آیا اور اپنے محل خاص میں مہمان رکھا۔ محمدؒ ہفتم نے اپنے زمانۂ قیام میں تاکمیل معاہدہ تمام حالات بادشاہ و ملک کے دریافت کر لیے اور بعد حصول مقصد بغیر افشائے راز رخصت ہوا۔

واقعۂ مذکور کے بعد ہی عیسائی فوج نے جو سرحد کے قریب مقیم تھی معاہدوں کے بالکل خلاف غرناطہ کے حدود میں داخل ہو کر مقامات کو تباہ اور رعایا کو پریشان کرنا شروع کیا۔ سلطان خود جنگ کا حیلہ ڈھونڈھ رہا تھا اسی وقت یلغار کرتا ہوا دور تک حدود قسطلہ میں در آیا۔ سرحدی قلعوں پر قبضہ کیا اور جو مقامات سرحد سے دور تھے اُن کو تاراج کرتا ہوا بہت کچھ مال غنیمت کے ساتھ واپس ہوا۔ جس وقت ان واقعات کی اطلاع تومس کو ہوئی تو اس نے درخواست کی کہ خلاف عہد جن مقامات پر عربوں نے قبضہ کیا ہے وہ واپس کر دیے جائیں۔ سلطان نے جواب دیا کہ "اس لڑائی

میں تمہاری سرحدی فوج نے ملک کو بہت نقصان پہنچایا۔ لہذا شکایت ہم کو کرنی چاہیے تھی نہ کہ تم کو ہم نے مجبوراً محض اپنی حفاظت اور سرحد کی مضبوطی کے لیے چند قلعوں پر قبضہ کیا ہے۔" یہ مقامات تسخیر شدہ سرحد پر دُور دُور واقع تھے۔ چونکہ دشمن نے ان کا علیحدہ علیحدہ محاصرہ کیا تھا محمد ہفتم کو بھی ان کے مقابلہ کے واسطے اپنے لشکر کو تقسیم کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نزاع کی یکسوئی میں دیر ہوتی گئی۔ اِسی اثنا میں بادشاہ قسطلہ مر گیا اور اس کا شیر خوار بیٹا یوحنا تخت پر بیٹھا اور اُس کا چچا فرولند مہمات سلطنت کا متکفل مقرر ہوا۔ اس نے جنگ کو بدستور قایم رکھا۔ سلطان محمد نے دوسرا طرز جنگ اختیار کیا یعنی ایک طرف ان عیسائیوں کو اپنے حصول مقصد میں مشغول رکھا اور خود فوج لے کر دوسری طرف جیان[1] پر صف آرا ہوا۔ نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا اور دشمن اپنی تھکی ماندی فوج کے بڑے حصے کو جیان کی حفاظت کے واسطے منتقل کرنے پر مجبور ہوئے۔ آخر کار عربوں کے شرائط منظور کر کے فرولند نے اس طولانی لڑائی سے نجات حاصل کی۔ تقریباً تین سال تک کوئی فساد رونما نہیں ہوا۔

سنہ ۸۰۳ھ م سنہ ۱۴۰۱ء میں سرحد پر کچھ آثار بد امنی پائے گئے۔ سلطان محمد ہفتم نے فوراً سات ہزار سوار اور بارہ ہزار پیادوں کی جمعیت سے بغرض فتح حصن القنداق کوچ کیا۔ مقام مذکور کے قریب سخت جنگ واقع ہوئی مگر کسی فریق کو غلبہ حاصل نہ ہوا اور اس شرط پر کہ آٹھ ماہ جنگ ملتوی رہیگی فی الوقت صلح کر لی۔

اس مدت کے ختم ہونے کے قبل سلطان کو مرض مہلک لاحق ہوا۔ زندگی سے مایوس ہو کر اس نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اس خیال سے کہ مبادا یوسف[2] فساد برپا کرے خفیہ طور پر اُس کے قتل کا حکم جاری کیا جب یہ حکم شلوبانیہ کے حاکم کو پہنچا وہ شہزادہ یوسف کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔

---

[1] انگریزی میں جاؤن کہتے ہیں۔ [2] جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے محمد ہفتم نے تخت نشینی کے بعد ہی اپنے بڑے بھائی یوسف کو قلعہ شلوبانیہ میں مقید کر دیا تھا۔

چونکہ یوسف نے اپنے حُسنِ سلوک سے حاکمِ قلعہ کو اپنا سچّا دوست بنا لیا تھا یہ نہایت مُتفکر ہوا اور تا بدیر حالتِ سکوت میں رہا۔ شہزادہ قلعدار کے شدید انتشار سے جو اُس کے بُشرے سے صاف نمایاں تھا فوراً سمجھ گیا کہ اب زندگی محال ہے۔ مضمون فرمان سے مطلع ہو کر اس سے درخواست کی کہ "تھوڑی مہلت مجھکو دی جائے تاکہ میں اپنے عزیزوں سے رخصت ہو لوں۔" حکم بردہ تعمیل حکم شاہی میں تذبذب کر رہا تھا کہ اتنے میں چند اعیانِ سلطنت وارد ہوئے اور سلطان محمد ہفتم کے انتقال کی خبر سُن کر یوسف کو تخت نشینی کی مبارکباد دی۔ یوسف ان اخبار بیم و رجا سے گاہے محزون و گاہے مسرور حالتِ سکتہ میں بیٹھا رہا۔ مگر جب اس کے ہوش و حواس درست ہوئے اور ان امرا کے کلام سے بُوئے صدق آئی تو یہ فوراً غرناطہ کی طرف روانہ ہوا۔

سلطان یوسف نے جلوس کے بعد ہی امیر عبد اللہ کی سرکردگی میں سفارت بغرض اعلان تخت نشینی قسطلہ روانہ کی امیر موصوف نے قومس سے کہا کہ "ہمارے صُلح پسند اور رحم دل سلطان کا دلی مقصد یہ ہے کہ اپنے ہمسایوں سے ارتباط و دوستی قائم رکھے تاکہ عامہ خلائق کو امن و آسودگی حاصل ہو۔ لہٰذا جو معاہدے کہ محمد ہفتم نے تمہارے ساتھ کئے ہیں اگر تم اُن کو قائم رکھنا چاہو تو سلطان بلا تامل اُن کو منظور کر لے گا۔" بہت کچھ خط و کتابت اور معاہدوں کے تغیر و تبدل کے بعد یہ قرار پایا کہ دو سال تک جانبین سے جنگ ملتوی رہے۔ بعد اختتامِ مدت مذکور سلطان یوسف نے اپنی نیک نیتی اور صلح کل طرزِ حکومت کا یہ دوسرا ثبوت دیا کہ اپنے بھائی علی کو بغرض توسیع مدت قسطلہ بھیجا مگر عیسائیوں نے اس مخلصانہ برتاؤ کو خوف اور کمزوری پر محمول کیا اور یہ گستاخانہ جواب دیا کہ "اگر تمہارا سلطان ہمکو سالانہ خراج دینا قبول کرے تو ہم تمہاری درخواست پر لحاظ کریں گے۔" علی یہ کہکر کہ اس بیہودہ گفتگو کا جواب تم کو شمشیر آبدار سے ملیگا۔ واپس چلا آیا۔

ان واقعات کے بعد ہی فرولند مع فوج کثیر غرناطہ کی سرحد میں داخل ہوا اور انتقیرہ کا محاصرہ

کرلیا۔ عربوں نے محصورین کی امداد کے واسطے فوج بھیجی اندر اور باہر عیسائیوں کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ قریب تھا کہ پسپا ہو جائیں لیکن اُن کی مدد کے واسطے بھی تازہ دم فوج پہنچی۔ فرولنڈ نے حکم دیا کہ قلعہ کے گرد ایک دیوار کھینچ دی جائے تاکہ وہ فوج جو قلعہ کے اندر مقیم ہے باہر نہ نکل سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور باوجودیکہ سُلطان کے بھائی علی اور احمد نے باہر سے نہایت ہمت اور جرأت سے عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ مگر اہل قلعہ کو رہائی نہ دلا سکے اور بالآخر بوجہ فاقہ کشی اس وعدہ پر کہ فوج کو مع سامانِ حرب غرناطہ چلے جانے کی اجازت دی جائے گی قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔

معرکہ انتقیرہ کی ہنوز یکسوئی نہیں ہوئی تھی کہ جبل الطارق کی رعایا قلعہ دار کے ظالمانہ برتاؤ سے ایسی عاجز ہوئی کہ بالآخر سب نے ابوسعید بادشاہ فاس سے درخواست کی کہ "خدا کیلئے اس ظلم و ستم سے نجات دو"۔ اسی اثنا میں ابوسعید اپنے ہم نام بھائی ابوسعید سے جو ایک باخدا اور صاف باطن شخص تھا بدظن ہوگیا لہذا اس کو یہ عمدہ موقع اپنے بھائی کے باہر بھیجدینے کا ملا اور اس نے ابوسعید کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہوسکے دو ہزار فوج لیکر اس قلعہ پر قبضہ کرو"۔ ابوسعید بادشاہ کے خیالات فاسدہ سے بےخبر حسب الحکم اندلس آیا اور جبل الطارق کا محاصرہ کرلیا۔ باوجودیکہ رعایا نے اس کو ہر طرح مدد دی لیکن اس مستحکم قلعہ کو یہ شہزادہ فتح نہ کرسکا سلطان یوسف نے جب اس یورش کی خبر سنی تو جو فوج کہ یہ ایسے نازک وقت میں علٰحدہ کرسکتا تھا اپنے بھائی احمد کو دیکر روانہ کیا ابوسعید نے بھی اپنے بھائی سے فوج و سامان کی درخواست کی چونکہ امیر فاس کی دلی خواہش یہی تھی کہ شہزادہ کسیطرح گرفتار و قتل ہو اُس نے چند از کار رفتہ کشتیاں ظاہرا ہمدردی جتانے کیلئے روانہ کردیں۔ گو شہزادہ میں قوت مقاومت نہ تھی لیکن اس کے موروثی وقار اور شجاعت نے گوارہ نہ کیا کہ جنہوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اُن کی حفاظت نہ کرتا۔ پس جب تک کہ احمد سے باغی رعایا کی خطا معاف نہ کرالی ہتھیار نہیں رکھے۔ احمد شہزادے کے ساتھ نہایت

لہ جنگ انتقیرہ میں ناکامی کا یہی سبب ہوا۔

اخلاق سے پیش آیا اور اس کو اپنے ہمراہ بطور مہمان لیکر پایۂ تخت واپس آیا۔ اس واقعہ کے کچھ روز بعد بادشاہ فاس نے کوشش کی کہ ابوسعید مار ڈالا جائے۔ مگر یوسف کو اپنے بھائی کی ظلم و زیادتی اور اپنی سادہ دلی یاد تھی اس خواہش کو نہایت حقارت کے ساتھ نامنظور کیا اور ابوسعید سے کہا "اگر تو اپنے بھائی سے انتقام لینا چاہے تو میں تجھکو فوج اور روپیہ سے ہر طرح مدد دینے پر راضی اور اگر تو اس کی اس قبیح حرکت سے درگزر کرے تو میں تجھکو یہاں عمدہ سے عمدہ مکانات رہنے کیلئے دینے کو تیار ہوں۔" ابوسعید کو جو اپنے بھائی کے ساتھ دلی محبت رکھتا تھا جب ان واقعات کا علم ہوا غم و غصے سے اس کی حالت متغیر ہوگئی اور اُس نے فوراً انتقام کا قصد ظاہر کیا چنانچہ سنہ ۸۲۰ھ م ۱۴۱۷ء میں یہ المریہ سے اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا۔ فاس کے قریب جنگ واقع ہوئی۔ بادشاہ کو شکست کامل ملی اور یہ شہر میں پناہ گزیں ہوا۔ رعایا نے جب دیکھا کہ بادشاہ کی حفاظت میں قریب قریب تمام فوج کام آچکی ہے اور ابوسعید کی فوج میں کسی طرح کی کمی نظر نہیں آتی بلا اجازت دروازے شہر کے کھول دیئے اور شہزادہ ابوسعید کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ سلطان ابوسعید نے چند روز کی قید سخت کے بعد انتقال کیا ابوسعید ثانی نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے معاون و سرپرست سلطان یوسف کو قیمتی تحفے بھیجے اور مدت العمر اُسکا سچا خیرخواہ بنا رہا[1]

سنہ ۸۱۰ھ میں فرولند نے یوسف سے دو سال کے لئے صلح کر لی اور جب یحناسن بلوغ کو پہنچا اور اپنے چچا کو علٰحدہ کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اپنی ماں کے مشورہ سے اُس مدت دو سال میں توسیع کی درخواست کی جسے سلطان نے منظور کر لیا۔ یوسف کے عدل و صلح پسند طرز حکومت کا اثر مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر ایسا پڑا تھا کہ عیسائی محکوم و غیر محکوم اپنے نزاعوں کے تصفیہ کا دار و مدار اسی پر منحصر کرتے تھے[2] یوسف نے سنہ ۸۲۳ھ م سنہ ۱۴۲۰ء میں انتقال کیا اور جنت العارف میں

---

[1] یعنی جان بادشاہ قسطلہ۔ [2] یہ کوئی چھوٹی سی بات نہ تھی کہ عیسائی بہ نسبت ہم قوم و ہم مذہب بادشاہوں کے ایک مسلمان کو اپنا قاضی بنائیں اس کے متعلق جس سے عربوں کی کمال عدل گستری اور روشن خیالی ثابت ہوتی ہے میں نے اپنے دیباچہ میں اقوال مورخین اہل یورپ پیش کر کے اس واقعہ کو ثابت کیا ہے۔ دیکھو جلد اول دیباچہ۔

جہاں شاہان غرناطہ مدفون تھے دفن ہوا۔

یوسف کے بعد اس کا بیٹا محمد ہشتم سریر آرائے حکومت ہوا اور معاملات خارجیہ میں یوسف کی تقلید کرتا رہا چنانچہ اس نے سفیروں کو قسطلہ اور افریقیہ بھیجا اور موجودہ معاہدوں کی تجدید کے بعد ان کی تکمیل وتعمیل کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ مگر افسوس کہ دشمنوں کے ساتھ تو دوستانہ تعلقات قائم کئے اور اپنے دوستوں کے ساتھ نہایت بے اعتنائی و بے وفائی سے پیش آیا۔ رعایا تو ایک طرف امرا اور اعیان سلطنت کو بھی نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا اور علانیہ ان کو ذلیل کرتا اور اپنی اس نازیبا حرکت سے نہایت محظوظ ہوتا رہا۔ اُس زمانے میں امیرزادے بلکہ تمام ملک کے شرفا فنِ سپہ گری پر فخر اور اُس کے حاصل کرنے میں کوشش بلیغ کرتے اور روزانہ خاص خاص مقامات پر جمع ہوکر مشق میں مصروف رہتے تھے ان کو اس طرف راغب کرنے کی غرض سے بادشاہ وقت بذاتِ خود ان کاموں میں اُن کا شریک رہا کرتا تھا۔ لیکن محمد ہشتم نے ان تمام باتوں کو یک لخت موقوف کردیا۔ یہ دن رات اپنے محل میں پڑا رہتا اور صرف اپنے کم رتبہ ملازموں کی صحبت میں اپنا عزیز وقت خراب کیا کرتا تھا جسکا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ امیر و غریب سب اس سے متنفر ہوگئے۔ قاضی غرناطہ امیر یوسف اس کا وزیر موجود نہ ہوتا تو اس کی زندگی محال تھی۔ اس امیر کی محض ذاتی وقعت واثر نے عامۂ خلائق کو بغاوت سے باز رکھا۔ مگر بے اعتدالیوں کی بھی ایک حد ہوتی ہے جب ظلم و زیادتی اپنی حد سے تجاوز کر گئے تو خیر اندیش وزیر بھی جو سلطان کی اصلاح طبیعت سے مایوس ہوچکا تھا فساد کو نہ روک سکا۔ اور محمد الصغیر نے ایک روز موقع پاکر شہر پر قبضہ کرلیا۔ محمد ہشتم بدقت تمام شہر سے باہر آیا اور ایک غریب ملاح کی شکل بنائے ابو فارس بادشاہ تونس کے پاس بھاگ آیا۔

محمد نہم کی تائید امرا نے ایک حد تک کی مگر اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وزیر یوسف کو بلاوجہ اپنا دشمن بنالیا۔ یوسف ایک نامی خاندان کا رکن اور باوقعت امیر اور دیگر عمائد سلطنت سے قرابت رکھتا

تھا جب دوستوں اور رشتہ داروں سے سلطان کی بدظنی پائی گئی تو یہ مع پندرہ سو امیروں کے مرسیہ بھاگ آیا۔ اور یہاں سے بعد حصول اجازت تومس قسطلہ کے پاس جاکر محمد نہم کی ظلم و زیادتی کی شکایت کی اور محمد ہشتم کی مدد پر آمادہ کرنا چاہا۔ تومس نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا عمدہ موقع دیکھا۔ اور رائے دی کہ چند باغی امیر اس کے سفیر کے ساتھ بادشاہ تونس کے پاس جائیں اور اُس کو اپنا معاون بنانے کی کوشش کریں۔ بادشاہِ مذکور پہلے ہی سے موقع کا منتظر تھا اس سفارت کے پہنچتے ہی پانچسو سوار اور ایک معقول رقم فوج و سامان کے لئے دے کر محمد ہشتم کو رخصت کیا۔ یہاں یوسف نے اپنے آقا کے اگلے برتاؤ کا اثر بہت کچھ مٹا کر صوبہ المریہ کی رعایا کو ہموار کر رکھا تھا۔ محمد نہم کو جب اِن واقعات کی اطلاع ہوئی تو اس نے بہ تعجیل تمام اپنے بھائی کو سات سو سوار دے کر اہل افریقہ کے مقابلے کے لئے بھیجا مگر یوسف نے ایسا انتظام کیا تھا کہ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوئیں تو آدھے سے زیادہ عرب اپنے بادشاہ سابق سے آملے اور الصغیر کا بھائی غرناطہ بھاگ آیا۔ محمد ہشتم بھی عقب میں غرناطہ پہنچا۔ الصغیر نے پہلے مقابلہ کا قصد کیا لیکن جب دیکھا کہ تمام ملک اس سے منحرف ہے تو بادلِ ناخواستہ امان کا طالب ہوا لیکن خلاف عہد سلطان نے الصغیر کو فوراً قتل کر ڈالا اور دوبارہ سنہ ۸۳۳ھ مطابق سنہ ۱۴۳۰ء میں تخت پر بیٹھا۔

صعوبت جلاوطنی سے محمد ہشتم کو ایسی تنبیہ ہوئی تھی کہ اس نے سابقہ بد روشی سے پرہیز کیا اور اپنی عزیز رعایا کی دلجوئی اور دلسوزی سے بنیاد سلطنت کو مستحکم کرنا چاہا اور اپنے سچے خیرخواہ یوسف کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ لیکن جب بادشاہ قسطلہ سے دوامی صلح کی خواہش کی تو یہ جواب ملا کہ "جو رقم کہ میں نے تم کو بطور قرض دی تھی اس واپس کرو اور خراج دینا قبول کرو۔" محمد ہشتم یہ گستاخانہ جواب سنکر خاموش ہوگیا۔ تومس نے بادشاہ تونس سے اس وعدہ خلافی اور احسان فراموشی کی شکایت کی اور اُس کو رضامند کرنا چاہا کہ اگر لڑائی کی نوبت آئے تو وہ سلطان کی مدد نہ کرے گا۔

بالآخر اس عیسائی نے دو مختلف راستوں سے غرناطہ پر حملہ کیا۔ جس فوج نے القصر پر یورش کی تھی اس کو عربوں نے کامل شکست دی مگر قلعۂ قمارش کی طرف عیسائیوں نے متعدد قلعوں کو فتح کیا اور اس حصۂ ملک کو تباہ اور تاراج کرتے ہوئے قرطبہ واپس چلے گئے۔

باوجودیکہ رعایا نے سلطان کا پورے طور پر ساتھ دیا اور سلطان نے بھی اپنے کو عملاً خیرخواہ قوم اور ملک ثابت کر دیا تھا۔ تاہم بعض خودغرض کوتہ اندیش امیروں کی طرف سے اس کو اطمینان نہ تھا چنانچہ اس کا یہ شبہ صحیح نکلا اور ایسے نازک وقت پر جبکہ عیسائی ملک کو برباد کر رہے تھے ایک متمول امیر یوسف ابن الاحمر نے بغاوت کے علم کو بلند اور بادشاہ قسطلہ کو دوبارہ جنگ پر بدیں وعدہ آمادہ کیا کہ میں تا دم مرگ میں اپنے سرپرست[1] کو خراج ادا کرتا رہوں گا اور بوقت ضرورت آٹھ ہزار فوج سے مدد دوں گا۔ عیسائی کے لئے یہ بغاوت نعمت غیر مترقبہ تھی اس نے بلا تامل امیر موصوف کی درخواست کو قبول کر لیا۔

باغی مسلمان اور عیسائی دونوں البیرہ کے پہاڑوں کے دامن میں خیمہ زن ہوئے یہاں سخت معرکہ آرائی ہوئی اور صبح سے شام تک دونوں فوجیں برابر لڑتی رہیں۔ شام کے قریب جب سلطان نے دیکھا کہ ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ اب مقابلہ کے قابل نہیں رہے بہجوم رنج والم سے پریشان شہر میں داخل ہوا۔ عیسائی فوج کا بھی ایک بہت بڑا حصہ کام آچکا تھا اور جو فوج کہ باقی رہ گئی تھی وہ اس قابل نہ تھی کہ دوسرے روز اپنی اس کامیابی سے کچھ فائدہ اٹھائے پس نونس نے ابن الاحمر کے اصرار اور خوشامد پر توجہ نہیں کی اور قرطبہ واپس چلا گیا۔ البتہ اس باغی کو قابو میں رکھنے کی غرض سے دربار عام میں اس کو اپنی طرف سے حکمران غرناطہ کا لقب دے کر آئندہ مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ابن الاحمر حدود غرناطہ میں داخل ہوا اور رندہ اور لوشہ وغیرہ مقامات برسرحدی

---

[1] یعنی بادشاہ قسطلہ۔

عیسائیوں کی مدد سے قبضہ کرلیا۔ یہاں سے اُس نے ایک خط شکریہ کا بادشاہ قسطلہ کے پاس بھیجا۔ جس میں اپنے سابق عہد اطاعت و باج گزاری کی تجدید کی اور وعدہ کیا کہ "بروقت جنگ فوج و سامان سے اپنے سرپرست کی مدد کرتا رہوں گا اور جب کبھی بادشاہ جبل طلیطلہ سے گزر کر غرناطہ کی طرف آئے تو یا تو بذاتِ خود دربار میں حاضر ہوکر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دونگا اور اگر نہ آسکا تو اپنے امرا کو نیابتًا بھیجونگا۔"

یہ تحریر ایک اقرارنامہ تھی۔ رئیس قسطلہ نے معقول فوج بھیجکر ابن الاحمر کو حکم دیا کہ غرناطہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ محمد ہشتم نے اپنی پوری فوج وزیر یوسف کی سرکردگی میں ابن الاحمر کے مقابلہ کے واسطے روانہ کی ۸۳۵ھ مطابق ۱۴۳۲ء میں ان دونوں امیروں میں بہت سخت لڑائی واقع ہوئی جس میں وزیر یوسف قتل ہوا اور اُس کی فوج ہزیمت خوردہ غرناطہ کی طرف بھاگ گئی۔ اِس شکست سے اہلِ غرناطہ کچھ ایسے ہراسان و مرعوب ہوئے کہ سب نے سلطان محمد کو مشورہ دیا کہ "دشمن غرناطہ کے قریب آپہنچا ہے اور ہمارے پاس اتنی فوج نہیں کہ ہم اس کا مقابلہ کریں بہتر ہوگا کہ اس کے آنے کے قبل ہی تو یہاں سے چلا جا۔" سلطان مجبوراً مع اپنے عیال و اطفال اور جو خزانہ کہ الحمرا میں جمع تھا لیکر مالقہ میں جہاں ہنوز اس کے طرفدار باقی تھے پناہ گزیں ہوا۔

ابن الاحمر تمام فوج کو باہر چھوڑ کر صرف چھ سو سواروں کے ہمراہ غرناطہ میں داخل ہوا قصر الحمرا میں تمام امرا و اعزۂ شہر نے اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیا۔ اُسی روز اس نے ایک خط بمضمون ذیل بادشاہ قسطلہ کو بھیجا۔

"یوسف محمد ابن الاحمر بادشاہ غرناطہ تمہارا مطیع و فرماں بردار بہ اظہار عقیدت و نیازمندی معروضہ کرتا ہے کہ میں سیدھا غرناطہ آیا۔ اور یہاں کے تمام امرا اور علمار نے مجھکو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ یہ دن مجھکو خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم اور تمہاری عنایت او مدد سے نصیب ہوا سلطان محمد ہشتم مع

اپنے رشتہ داروں کے مالقہ کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن جانے کے قبل جو مال و اسباب کہ الحمرا میں جمع تھا تمام و کمال اپنے ساتھ لے گیا اور اب میں نے تمہارے فوجی افسر کو تعاقب میں مالقہ روانہ کیا ہے مجھکو امید ہے کہ اپنے سرپرست کی مدد سے میں اس کو گرفتار کروں گا۔"

اسی اثنا میں رئیس تونس کا خط قومس قسطلہ کے پاس بدیں مضمون پہنچا کہ "سلطان محمد کو زیادہ پریشان کرنا مجھکو گوارا نہیں میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنی رقم وصول کرنے پر اکتفا کرو گے۔" اس نے ازراہِ مکر سلطان محمد کی حالت پر کچھ رنج و افسوس ظاہر کیا اور لکھا کہ "میں خود سلطان کو تخت سے علٰحدہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب یہ امر شدنی وقوع میں آچکا ہے تو اب اس کا انسداد میرے دستِ قدرت میں نہیں رہا مجھکو البتہ اس کے دشمنوں کی مدد دینے کا اعتراف اور افسوس ہے۔"

ابن الاحمر کو یہ خلاف امید کامیابی اُس وقت حاصل ہوئی تھی جب اُس کا آفتابِ عمر قریب غروب پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ انتزاعِ حکومت کے چھ مہینے کے بعد اس نے انتقال کیا۔ محمد ہشتم تیسری بار تخت پر بیٹھا۔ امیر عبدالحق وزیر مقرر ہوا اور کوشش کی کہ شاہان قسطلہ و تونس مصالحت پر راضی کئے جائیں۔ عیسائیوں نے بمصلحت وقت ایک سال جنگ کو ملتوی رکھا۔ اس مدت کے ختم ہوتے ہی باہمی محاربات شروع ہو گئے جن میں کبھی عیسائی اور کبھی مسلمان غالب آئے۔ سنہ ۸۴۰ھ مطابق سنہ ۱۴۳۶ء اور سنہ ۸۴۱ھ میں امیر عبدالبر فوج عرب کے نامی سپہ سالار نے قمارش اور وادی آش کے قریب عیسائیوں کو متواتر شکستیں دیں اور ان کے علم اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن جنگ کا سلسلہ منقطع نہ ہوا۔ بلکہ عیسائیوں نے قزاقانہ طرز اختیار کیا یعنی رات کو جس سرحدی مقام کو غیر محفوظ پاتے تھے لوٹ کر صبح کو غائب ہو جاتے تھے۔ عربوں کو بھی سرحد پر جابجا فوج متعین کرنی پڑی بالآخر سلطان محمد نے عاجز آکر عیسائیوں کو صلح پر آمادہ کرنا چاہا مگر ایسے سخت شرائط پیش ہوئے کہ جن کو یہ اگر منظور کر لیتا تو وادی آش اور نبرہ جو پایہ تخت کے بالکل قریب تھے۔ عیسائیوں کے قبضے میں چلے جاتے۔

اس اثنا میں خبر آئی کہ عیسائیوں نے جبل الطارق پر یورش کی ہے اور پھر فوراً یہ خوش خبری سُنی کہ دشمن اپنی متواتر کامیابی سے ایسے مدہوش ہوئے کہ اہل قلعہ نے ایک رات موقع پاکر ان پر شبخون مارا۔ ہزاروں قتل و غارت ہوئے جو بچے وہ خوف زدہ دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ دوسری طرف ابن سراج پسر وزیر یوسف نے قمر قاش کے قریب ان کے نامی افسر دان پیربا کو شکست دے کر قتل کر ڈالا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ جوش فتح میں میدان جنگ میں اس نے اپنی جان بھی دے دی قسمت کے خلاف امید یاوری اور عربوں کے ظفریاب ہونے سے پوخنا[1] کی ہمت ٹوٹ گئی۔ لیکن جب امن ملا تو خانہ جنگی کے آثار نمودار ہونے لگے محمد ابن اسمٰعیل اور ابن عثمان سلطان کے دو بھتیجے اس فساد کے بانی تھے ابن عثمان المریہ میں مقیم تھا۔ بغاوت کے شروع ہوتے ہی اس نے دفعۃً الحمرا میں داخل ہو کر محمد ششم کو تیسری بار معزول کیا۔ ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء امیر عبد البر نے اپنے معزول آقا کی رہائی کا عزم کیا۔ اکثر معتمد امرا راز میں شریک تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ مبادا علانیہ تائید سے سلطان قتل نہ کر ڈالا جائے۔ رائے یہ قرار پائی کہ فوج کشی ابن اسمٰعیل کے نام سے کیجائے۔ چنانچہ عبد البر اور ابن اسمٰعیل دونوں نے بادشاہ قسطلہ سے مدد کا وعدہ لیا۔ ابن عثمان جب اس راز سے واقف ہوا اس نے قبل اس کے کہ ان کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوتیں بہ تعجیل تمام پہلے قسطلہ پر یورش کر کے ایک ہی حملہ میں یکے بعد دیگرے قلعہ مورل اور قلعہ ظلمہ کو فتح کر لیا اور کئی سال ان کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دی چنانچہ ۷۲۲ھ مطابق ۱۳۲۲ء تک ہر ممکنہ طور پر عیسائیوں کی غارت گری میں مصروف رہا۔ سنہ مذکور میں ابن عثمان نے اپنی فوج کو چند حصوں میں تقسیم کر کے مختلف راہوں سے قسطلہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور ایک دستہ ابن اسمٰعیل کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا اسی اثنا میں یہ امید افزا خبر پہنچی کہ شاہان ارغون اور اربونہ قوس[2] قسطلہ کے ساتھ جنگ کا ارادہ

---

[1] قوس قسطلہ [2] یہ دونوں بادشاہ قوم عیسائی سے تھے۔

رکھتے ہیں۔ اس نے اسی وقت سفیر ارغون اور اربونہ بھیجکر ان بادشاہوں کو اس امر پر راضی کیا
کہ اگر یہ دونوں قسطلہ پر حملہ آور ہوں تو یہ بھی اس طرف سے یورش کریگا حسب قرارداد سنہ ۶۵۴ھ
مطابق سنہ ۱۲۵۶ء میں سلطان بذات خود مع لشکر کثیر صوبۂ مرسیہ کو تاخت وتاراج کرتا اور فوج قسطلہ
کو شکست دیتا ہوا بہت کچھ مال غنیمت کے ساتھ غرناطہ واپس آیا۔ اسی طرح سال آئندہ بھی بشرکت
شاہ ارغون اور اربونہ ابن عثمان نے اندلوسیہ پر حملہ کیا اور جس طرح مرسیہ کو اس نے تباہ کیا
تھا اس ملک کو بھی جہاں تک ممکن ہوسکا خراب کرتا رہا۔ اگر یہ چاہتا تو قرطبہ کا محاصرہ کرلینا
کوئی مشکل امر نہ تھا۔ سردست بمشورۂ اعیان دولت اسی قدر کامیابی پر اکتفا کی۔ کئی سال کی متواتر
خونریزی نے فریقین کو اس درجہ خستہ حال کردیا تھا کہ بغیر لڑائی کے ملتوی کیے چارہ نہ تھا تقریباً چار سال
معرکہ آرائی موقوف رہی۔ اس وقفہ میں یوحنا قومس قسطلہ نے ارغون اور اربونہ کے حکمرانوں کو
بشکل مصالحت پر رضامند کیا اور سنہ ۶۵۹ھ مطابق سنہ ۱۲۶۱ء میں معاہدہ کی تکمیل کے بعد ہی
ابن عثمان کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں غرناطہ میں نئے اور افسوسناک واقعات رونما ہو رہے تھے۔ پے در پے متواتر
کامیابیوں نے ابن عثمان کو ایسا مغرور و متکبر بنادیا تھا کہ اس نے بخلاف عادت منصفانۂ سابق
ظلم و زیادتی شروع کردی تھی اور امراء اور عامۂ خلائق دونوں روز بروز اس سے بددل ہوتے جاتے
تھے۔ پس جب جنگ کی نوبت آئی تو اس نے دیکھا کہ تمام رعایا علانیہ اس کی مخالفت پر آمادہ ہے
ایسے نازک وقت پر بھی اس نے اپنے مذموم طرز کو نہ چھوڑا اور بعض امراء کو قصر الحمراء میں قتل کرڈالا بعدہٗ
مع چند خاص مشیروں کے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا۔ ابن اسمٰعیل نے عیسائیوں کی کمک
سے بلاتعرض دار السلطنت غرناطہ میں داخل ہوکر امن کا اعلان جاری کیا ان واقعات کے
چند روز بعد یوحنا قومس قسطلہ نے انتقال کیا اور دان انریق ابن یوحنا جانشین ہوا۔ ابن اسمٰعیل
نے سنہ ۶۷۱ھ مطابق سنہ ۱۲۷۳ء میں انتقال کیا اور اس کا نامور بیٹا ابوالحسن تخت نشین ہوا۔

ابوالحسن کی تخت نشینی صخرہ پر عربوں کا قبضہ۔ جنگ الحمہ۔ عربوں کی شکست۔ الزغل کی بغاوت۔ لوشہ کا محاصرہ عیسائیوں کی شکست
انقلاب غرناطہ۔ ابوعبداللہ اور فرڈلنڈ۔ مالقہ اور المریہ اور باجہ پر عیسائیوں کا قبضہ۔ خانہ جنگی۔ عربوں کی شکست۔ جنگ غرناطہ
عیسائیوں کی عہد شکنی۔ عربوں کا ملک اندلس سے اخراج۔

۸۶۸ھ م ۱۴۶۳ء میں اپنے باپ کے انتقال کے بعد ابوالحسن مسند فرمانروائی پر متمکن ہوا۔ دس برس کے اندر زمانہ بالکل بدل چکا تھا اور اب بجائے اُن حکمرانوں کے جنھوں نے سلطان کے باپ اور دادا کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنیکی ہمیشہ خواہش کی تھی اور بروقت ضرورت اُن کی مدد بھی کرتے تھے فرڈلنڈ[1] اور اُسکی بیوی ازابیلا قسطلہ میں حکمراں تھے ۸۸۱ھ م ۱۴۷۶ء میں فرڈلنڈ نے سلطان کو لکھا کہ اگر تم صلح چاہتے ہو تو بلا عذر ہم کو خراج دینا منظور کرو۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ "غرناطہ کے دار الضرب میں اب سونے کے سکّے کے عوض فولادی شمشیریں اور سنانیں عیسائیوں کے جگر چاک کرنیکی غرض سے تیار ہوتی ہیں"۔ یہ جواب غرور و لاف زنی پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ جیسا آئندہ بیان کیا جائیگا اس نے مصمم قصد کر لیا تھا کہ "یا تو اس ملک میں جہاں ہم کو آٹھ سو برس گزر چکے ہیں آزادانہ بلا شرکت غیرے حکومت کرینگے یا میدان میں اپنی جانیں دینگے"۔ عیسائی چاہتے تھے کہ پیش قدمی کریں مگر عین وقت ہمت ہار جاتے تھے۔ چند سال کے انتظار کے بعد آخر کار ۸۸۶ھ م ۱۴۸۱ء میں ابوالحسن نے خود دفعۃً اپنی پوری قوت سے سرحد اندلوسیہ کے قلعہ صخرہ[2] پر حملہ کیا قلعہ نہایت بلند اور مستحکم اور اس کے ایک جانب سے دریائے وادی لکہ نہایت زور و شور سے بہتا تھا مگر عربوں نے اپنے نوجوان سلطان کو جنگ میں شریک دیکھکر وہ ہلاکی جوہر شجاعت

---

[1] فرڈلنڈ اور ازابیلا کی شادی کے بعد ارغون بھی شریک ہو گیا تھا۔

[2] اس مقام کو بعض مورخین صخرہ کہتے ہیں اور بعض صخرو اسی طرح عیسائی مورخ بھی بعض سیگرس اور بعض زارہ لکھتے ہیں۔

دکھائے کہ شب تاریک طوفان خیز کی بھی پروانہ کی اور رات بھر ہی میں قلعہ فتح کر لیا۔ فرڈننڈ یہ دیکھکر کہ عیسائی مرعوب ہو کر پسپا ہو رہے ہیں میدان جنگ سے ہٹ آیا اور اپنے سپہ سالار کو ہدایت کی کہ عربوں کی حدود میں جو مقامات غیر محفوظ ہوں ان پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ ۸۸۷ھ م ۱۴۸۲ء میں قلعہ الحمۃ[1] پر حاکم قادس نے باسانی قبضہ کر لیا اور جوش تعصب میں ہزاروں مسلمان عورتوں بچوں کو بلا وجہ قتل کر ڈالا جب اس حادثہ کی خبر غرناطہ پہنچی تمام شہر میں کہرام مچ گیا سلطان ڈرا کہ رعایا کا غم کہیں ان کو باغی نہ کر دے پس فوراً وزیر کو تاکیدی حکم دیا جہانتک جلد ممکن ہو سکے عیسائیوں سے گناہوں کا قرار واقعی انتقام لیا جائے چونکہ قلعہ غرناطہ کے قریب واقع تھا اور فوج کی تعداد دس ہزار تھی عیسائی نہ چاہتا تھا مع مال غنیمت واپس ہو جائے کہ دفعۃً عربوں نے انکو محصور کر لیا مگر محاصرہ ہنوز مکمل نہ ہوا تھا کہ قرطبہ سے دوسرے لشکر کے آمد آمد کی اطلاع ہوئی۔ عرب سپہ سالار نے فوج بقدر ضرورت قلعہ کے سامنے چھوڑی اور خود باقی لشکر لیکر جدید فوج کا سد راہ ہوا بعد زد و خورد بسیار عیسائی بجانب قرطبہ پسپا ہوئے تھے لیکن خبر پہنچی کہ حاکم اشبیلیہ کثیر فوج کے ساتھ قلعہ کے سامنے موجود ہوا ہے۔ گو فتح مبدل بشکست ہو چکی تھی لیکن سپہ سالار عرب نے اپنی فوج کو اس خوبی سے بچایا کہ ماہرین فن جنگ کی زبان سے صدائے آفریں بلند ہوئی۔ ماہ جمادی الاول ۸۸۷ھ میں معلوم ہوا کہ حدود قسطلہ میں فوجی نقل و حرکت کے آثار شروع ہو گئے اسکے بعد ہی خبر پہنچی کہ فرڈننڈ خود لوشہ کیطرف آ رہا ہے۔ ابو الحسن بھی پا برکاب تھا فوراً روانہ ہوا اور لوشہ کی نواح میں بتاریخ ۲۷ جمادی الاول عیسائیوں کو شکست و نقصان کثیر کے ساتھ سرحد سے باہر کر دیا۔ افسوس ہے کہ باوجود ان متواتر صدمات شدیدہ کے عرب ہوشیار نہ ہوئے اور ایسے نازک وقت پر جبکہ عیسائی چاروں طرف سے اس چھوٹی سی اسلامی ریاست کو گھیرے ہوئے ہر ایک قوت کے توڑنے میں ہمہ تن مصروف تھے گھر میں آتش فساد بھڑک مشتعل ہوئی۔ ابو الحسن کی دو بیبیاں تھیں۔ ایک سگے چچا سلطان عبداللہ کی لڑکی جسکے بطن سے دو بیٹے ابو عبداللہ محمد اور ابو الحجاج یوسف تھے۔ اور دوسری بیوی جسے زیادہ عزیز رکھتا قوم نصاری سے تھی یہ بھی صاحب اولاد تھی ابو عبداللہ محمد اور یوسف استحقاق حق سے کچھ ایسے ناامید ہوئے کہ بتائید امرائے عرب دونوں وادی آش آ گئے اور عین اس زمانہ میں کہ باپ جنگ لوشہ میں مصروف تھا بسطہ اور المریہ خاص الخاص السلطنت غرناطہ پر مسلط ہو گئے اور سلطان کو مجبوراً مالقہ چلا آنا پڑا عیسائیوں کو فوج کشی کیواسطے اس سے زیادہ

[1] اس قلعہ کے حمام تمام دنیا میں مشہور تھے اور المقری لکھتا ہے کہ صرف ان حماموں سے پانچ لاکھ دینار سالانہ وصول ہوا کرتے تھے۔
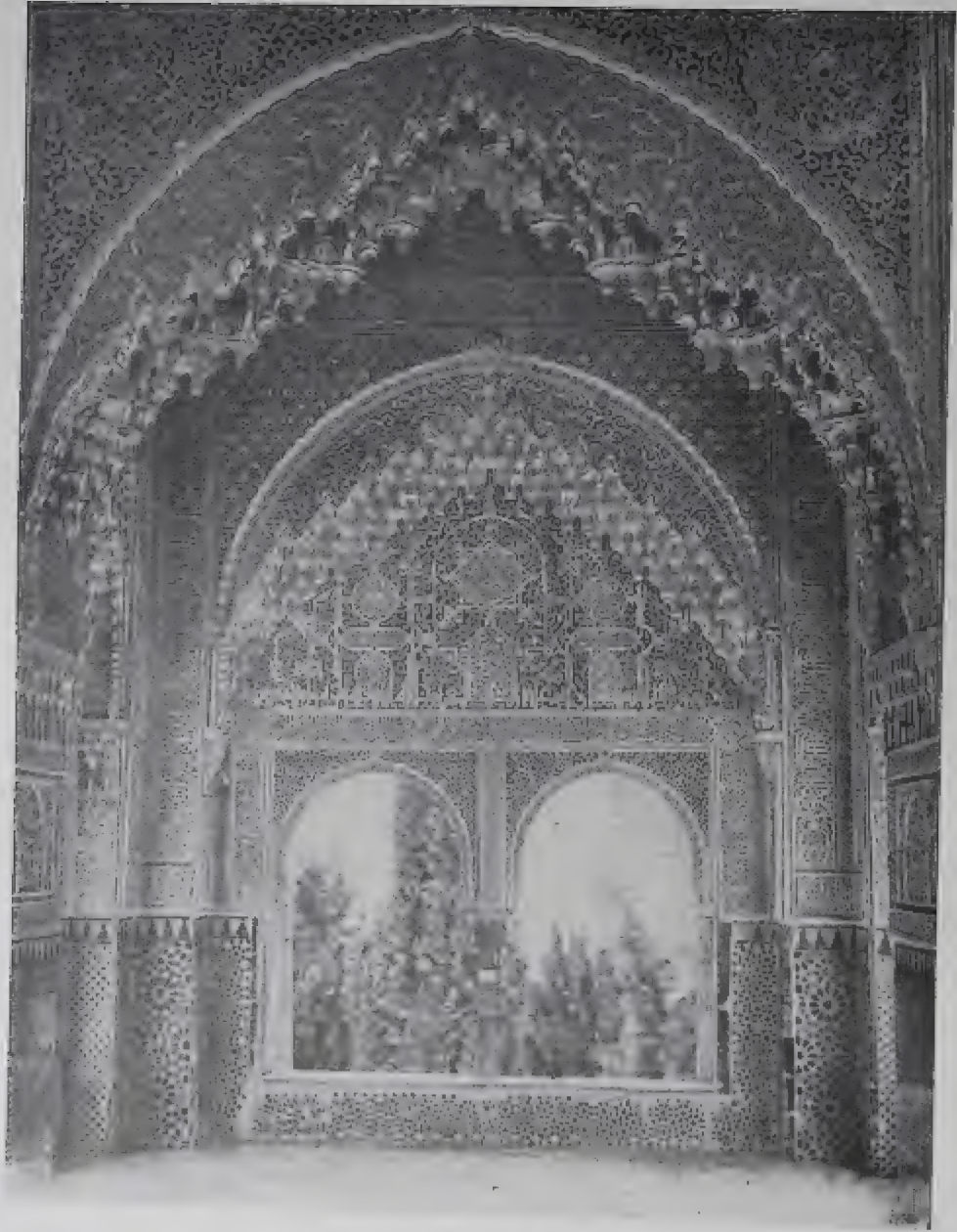
قاعة ابن السراج
محل ابن السراج کاایك بالاخانه
(غرناطه)

اور کیا موقع مل سکتا تھا۔ سنہ ۸۸۸ھ م ۱۴۸۳ء میں اشبیلیہ اور استجہ اور شرلیش کے عیسائی بہ جمعیت آٹھ ہزار مالقہ کے سامنے نمودار ہوئے باوجود خانہ جنگی کی شدید مشکلات کے ابوالحسن توکل علی اللہ دشمن کے مقابل ہوا اور اُن پر ایسا سخت حملہ کیا کہ فوج شرلیش اور اشبیلیہ کے سپہ سالاروں کو مع دو ہزار فوج کے گرفتار کر لیا۔ بہت قتل ہوئے اور جو زندہ بچے اپنے ملک بھاگ آئے۔ خانہ جنگی کا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شہر غرناطہ اور اُس کے مضافات پر ابو عبداللہ محمدؐ حکمران ہوا اور مالقہ و الغرب کا حصہ سلطان کے قبضہ میں رہا۔ ابو عبداللہ محمدؐ نے پھر باپ پر فوج کشی کی لیکن مالقہ کے قریب شکست کھا کر غرناطہ چلا آیا۔ اس واقعہ کے کچھ روز بعد باپ کو چھوڑ کر نصاریٰ کی جانب متوجہ ہوا چنانچہ ماہ ربیع الاول سنہ ۸۸۸ھ میں دفعتاً یلغار کرتا ہوا الیسانہ داخل ہوا اور انتقاماً ملک تاراج اور عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ فرولنڈ نے عربوں کو لوٹ مار میں مصروف رکھا اور حالت بیخبری میں بعجلت تمام ان کے عقب میں تمام راستوں اور درہ ہائے کوہ کو موچیوں سے مستحکم کر لیا۔ عربوں کا جب کا طمع بھر چکا اور اُسی غفلت میں یہ اُن درہ ہائے کوہ سے گذر رہے تھے کہ عیسائیوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر قریب قریب تمام فوج کو قتل کر ڈالا اور ابو عبداللہ محمدؐ کو گرفتہ و بستہ قسطلہ بھیج دیا۔ غرناطہ میں جب ان کو ہوش ربا حالات کی خبر پہنچی سب اپنے قصور پر نادم ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوئے لیکن اس وقت جبکہ یہ مفلوج اور نابینا ہو چکا تھا قوم کے اصرار پر سلطان نے اپنے بھائی ابو عبداللہ الزغل کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اسی وقت حکومت بھی اُسی کے سپرد کر دی۔

ماہ ربیع الثانی سنہ ۸۹۰ھ م ۱۴۸۵ء میں عیسائیوں نے دوبارہ مع لشکر گراں صوبہ مالقہ پر یورش کی اور غیر محفوظ مقامات پر قبضہ کرتے ہوئے قلعہ لقوان کو محصور کر لیا۔ بعد سعی بسیار ایک دیوار قلعہ مذکور کی منہدم ہوئی اور ایک ہزار عیسائی اندر گھس آئے مگر عربوں نے اپنے توپخانے سے جس میں اُن کو کمال مہارت تھی ایسا کام لیا کہ ان ہزار آدمیوں میں ایک بھی زندہ نہ بچا۔ بایں ہمہ عیسائی محض بوجہ کثرت فوج غالب آئے اور قلعہ عیسائیوں کے تصرف میں آ گیا۔ بعد ازاں ماہ جمادی الاول سنہ مذکور میں عیسائیوں نے قلعہ زندہ کو فوج سے خالی پا کر قبضہ کر لیا۔

بتاریخ ۱۹ ماہ شعبان سنہ ۹ھ الزغل۔ غرناطہ سے سرحدی انتظام کے واسطے روانہ ہوا۔ قلعہ شلین[1] میں بتاریخ ۲۲ شعبان اس کو عیسائی لشکر کے آمد کی اطلاع ہوئی چونکہ عیسائیوں کے اسطرف آنیکا فی الحال خیال و گمان تک نہ تھا سب کو گونہ تردد لاحق ہوا قبل اس کے کہ عرب مقابلہ کے واسطے تیار ہوتے شب تاریک میں دشمن نے ان پر حملہ کیا اور الزغل کے خیمہ کے قریب تک گھس آئے۔ عربوں نے سلطان کو خطرناک حالت میں دیکھکر نہایت ہمت و اطمینان قلب سے اپنے پیروں کو جمایا اور نعرہ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے عیسائیوں پر جا پڑے۔ آن واحد میں جنگ کا نقشہ بالکل بدل گیا۔ ابھی تو عیسائی فوج عرب کو پیچھے ہٹاتے ہوئے لئے چلے آرہے تھے یا ابھی عرب ان کو سب طرف سے دباتے ہوئے ان کی قیامگاہ کی طرف لے چلے اور چند لمحوں میں کامل فتح حاصل کرلی۔ عیسائی بدحواس ہوکر بھاگ اوٹھے اگر سپاہ کافی ہوتی اور سواران عرب ان کا تعاقب کرتے تو شاید ایک عیسائی بھی زندہ نہ بچتا۔ مگر فرڈیننڈ بذات خود بغرض مدد قریب آپہنچا تھا جس کی اطلاع عربوں کو عین وقت پر ہوئی اور یہ مجبوراً تعاقب سے باز رہے تاہم اس جنگ میں عیسائیوں کا پورا توپخانہ عربوں کے ہاتھ آگیا۔ ان توپوں کو انھوں نے قریب کے قلعوں پر چڑھادیا۔ اور فرڈیننڈ کے مقابلہ کے واسطے ہر طرح تیار ہوگئے۔ لیکن ماہ رمضان میں عیسائیوں نے دوسری طرف یورش کی اور قفیل وشاکرد اوُرہ غیر محفوظ قلعوں پر مسلط ہوگئے۔

فرڈیننڈ کے دور اندیش ہونے میں شبہہ نہ تھا اس نے اپنی تجربہ کار نظروں سے دیکھا کہ جنگ کا زمانہ غیر محدود عرصہ تک قائم رکھنا غیر ممکن ہے اور نیز بقول شخصے "جنگ دو سر دارد" کون کہہ سکتا ہے کہ آخر کار جانبین میں سے کس کو فتح اور کس کو شکست حاصل ہوگی۔ اس نے ابو عبداللہ محمد ابن ابوالحسن سے جو جنگ الیسانہ سے ابتک اس کی قید میں تھا کہا کہ "تخت غرناطہ کا وارث حقیقی تو ہے الزغل نے موقع پاکر سلطنت کو غصب کرلیا ہے اب میں تیری مدد کرنے کیلئے تیار ہوں۔ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں تجھکو تخت غرناطہ پر بٹھاکر اپنا حق ہمسائگی ادا کروں میں نے اس امر کا اعلان دیا ہے کہ تیری رعایا میں سے جو تیرا ساتھ دیگا اس کو اپنا دوست اور تیرے مخالفوں کو اپنا دشمن سمجھوں گا۔" ابو عبداللہ محمد[2]

[1] اسکو شلین بھی کہتے ہیں عربوں نے بوجہ استحکام و مضبوطی اسکا نام ورقہ غرناطہ بھی رکھا تھا یعنے سپر غرناطہ۔ ورق لفظ عربی ہے جسکے معنی چمڑے کی سپر کے ہیں۔

رہائی پاکر سید ھا مالقہ آیا۔ یہاں سب اس کا ساتھ دینے پر بلا تامل راضی ہو گئے اور جو معاہدہ کہ فرولنڈ سے ہوا تھا اُس پر اپنی خوشنودی ظاہر کی فرولنڈ کی امید برآئی اور عرب خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے یہ فساد ۲ ربیع الاول ۸۹۵ھ مطابق ۱۴۹۰ء میں شروع ہوا اور آخر جمادی الاول تک قایم رہا۔

ابوعبداللہ نے بعد فتح لوشہ حسب ذیل شرائط صلح اپنے چچا الزغل کے سامنے پیش کیں۔

(۱) یہ کہ ابوعبداللہ محمد لوشہ یا کسی اور بڑے شہر کا حاکم مقرر کر دیا جائے۔

(۲) اگر یہ شرط منظور کی جائے تو پھر ابوعبداللہ محمد بھی بمقابلہ فرولنڈ سلطان کی مدد کے واسطے آمادہ و تیار رہے گا۔ ہنوز شرایط صلح نامہ کا تصفیہ نہ ہوا تھا کہ بتاریخ ۲۶ جمادی الاول ۸۹۵ھ یہ خبر شائع ہوئی کہ فرولنڈ باجازت ابوعبداللہ محمد لوشہ پر قابض ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر عام بے چینی پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ابوعبداللہ نے بہ سازش فرولنڈ صلح کی آڑ میں سب کو دھوکا دیا یہ خیال بالکل صحیح نکلا چنانچہ فرولنڈ اور ابوعبداللہ محمد نے چند روز فوج و سامان کے فراہم کرنے میں صرف کئے بعد ازاں ماہ جمادی الثانی ۸۹۵ھ قلعہ الکبیرہ اور شلین اور منت فریو کو فتح کرتے ہوئے ان دونوں نے صخرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی اثنا میں فرولنڈ کو بادشاہ فرانس کی فوج کشی کی اطلاع پہنچی۔ اس نے جمعیت بقدر ضرورت مقامات مفتوحہ میں متعین کی اور کچھ فوج ابوعبداللہ کی سرکردگی میں چھوڑ کر خود فوراً قسطلہ واپس چلا گیا۔

ابوعبداللہ محمد نے بغاوت کو جاری رکھا اور مالقہ کے امرا کو ہموار کرنا چاہا۔ چونکہ علمائے وقت کا فتویٰ شائع ہو چکا تھا کہ اس گمراہ کی تائید کرنے والا جہنمی ہے سب اس کے مقابلہ میں جہاد اور سرفروشی کے واسطے آمادہ ہو گئے۔ الزغل نے بتاریخ ۱۲ محرم ۸۹۶ھ مطابق ۱۴۹۰ء البیازین پر حملہ کیا مگر ناکام رہا غرناطہ واپس آکر اُس نے تمام ملک محروسہ کے صوبہ داروں اور جاگیرداروں کو طلب کیا اور ان سے حلفی وعدہ لیا کہ "سب یک دل ہو کر اس جہاد میں پوری سعی کریں گے" ابوعبداللہ نے عربوں کے ارادۂ جہاد کی اطلاع فرولنڈ کو کی اور اپنے وزیر کو اہل مالقہ اور حصن المنشاۃ کے افہام و تفہیم کی غرض سے

بھیجا اور ان کو فرولند کے غضب سے ڈرایا۔ مگر سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم سلطان کو ایک بار زبان دے چکے ہیں اسی کے علم کے سایہ میں لڑ کر جان دینا ہم کو منظور ہے۔" ابو عبداللہ نے فرولند کو مکرر مدد کیلئے لکھا۔ ماہ ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں فرولند بذاتِ خود مالقہ آیا اور بحری اور بری اپنی دونوں قوتوں سے اس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ الزغل مالقہ پہنچا ہی تھا کہ یہ وحشتناک خبر سنی کہ ۵ جمادی الاول کو انقلاب عظیم غرناطہ میں واقع ہوا اور محمد ابو عبداللہ نے موقع پا کر دار السلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اس نے مجبوراً مالقہ کو اسی حالت میں چھوڑا اور خود فوراً غرناطہ واپس ہوا لیکن اثنائے راہ میں کچھ ایسی مایوسی دامنگیر ہوئی کہ یہ وادی آش میں ٹھہر گیا۔ مالقہ میں تقریباً چار مہینہ وہاں کی متعینہ قلیل فوج اور رعایا نے نہایت مردانگی کے ساتھ فرولند کے سخت اور متواتر یورشوں کو روکا لیکن آخر کار شدید خونریزی کے بعد ماہ شعبان میں قلعہ عیسائیوں کے تصرف میں آگیا۔

ابو عبداللہ محمد کا اس وقت تک یہی خیال خام تھا کہ "فرولند حقِ ہمسائگی ادا کر رہا ہے اور بعد فتح کامل یہ ضرور ریاست غرناطہ میرے سپرد کر دیگا۔" مگر ۸۹۳ھ مطابق ۱۴۸۸ء میں جب یہ عاقبت نااندیش امیر ہزاروں مسلمانوں کے خونِ ناحق کا بارِ عظیم اپنی گردن پر لئے خوابِ غفلت سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ فرولند نے خلاف عہد اُن مقامات پر بھی قبضہ کرلیا ہے جہاں کی رعایا سے ابو عبداللہ محمد کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا۔ ایک سال تک جانبین سے جنگ ملتوی رہی۔ آغاز ۸۹۴ھ میں فرولند اپنی پوری قوت سے بسطہ[1] کی طرف متوجہ ہوا مگر قبل از محاصرہ ابو عبداللہ محمد نے البشارات وغیرہ مقامات کی فوجوں کو فراہم کیا اور خود قلعہ بسطہ میں بعزم جنگ داخل ہوا۔ اس جنگ میں عربوں کی جانبازی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس امید موہوم پر کہ شاید موسم سرما میں دشمن محاصرہ سے دست کش ہو جائیں عرب اپنے سے چوگنے لشکر کا مقابلہ کرتے رہے مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ عیسائی موسم سرما کے انتظام میں مشغول اور جدید مکانات وغیرہ تیار کر رہے ہیں ان کی نو میدہ امیدوں پر پانی پھر گیا اور

۱؎ جنگ بسطہ میں عربوں نے قلعہ شکن توپوں سے کام لیا تھا۔ المقری۔

ابو عبد اللہ محمدؒ نے چار و ناچار صلح کی کوشش کی۔ فرولنڈ کو یقین کامل تھا کہ جو کام توپوں سے نہیں نکلا ہے وہ فاقہ کشی سے نکل آئیگا مگر اس خیال سے کہ قلعہ کے اندرونی حالت کا صحیح اندازہ ہو سکے پیام صلح کو اس وقت نامنظور نہیں کیا اور یہ کہکر کہ "ہمارے سفیر تمہارے سلطان سے خود شرائط صلح کا تصفیہ کر لینگے" چند افسروں کو ان کے ساتھ باین ہدایت بھیجا کہ وہ جس طرح ممکن ہو یہ معلوم کر لیں کہ عرب کتنے روز تک اس محاصرے کی برداشت کی قوت رکھتے ہیں۔" ادھر ابو عبد اللہ ان سفیر نما جاسوسوں کی نیت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس کو خود عمدہ موقع ان ہی کے ذریعہ اپنے حصول مقصد کا مل گیا۔ چنانچہ جب یہ باجازت قلعہ میں داخل ہوئے دیکھا کہ سڑکوں اور دکانوں پر سامان خورونوش کا بے پروائی کے ساتھ پڑا ہوا ہے اور سب بشاش و مطمئن نظر آئے۔ یہ واقعات سنکر فرولنڈ صلح پر راضی ہو گیا لیکن اس کو نرم پا کر عربوں نے تکمیل صلح میں نئی نئی حجتیں پیش کر کے اس قدر تاخیر کی کہ آخر کار محض اس شرط پر کہ "مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کا عیسائی ذمہ لیتے ہیں"۔ صلح ہو گئی۔

بسطہ بتاریخ ۱۰ محرم ۸۹۵ھ م ۱۴۸۹ء فرولنڈ کے حوالہ کر دیا گیا۔ فرولنڈ نے قلعہ میں داخل ہو کر خلاف معاہدہ قتل عام کا حکم دیا اور مسلمانوں کی مال و جائداد عیسائیوں میں تقسیم کر دی گئی۔

اب عربوں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی اور ملک بتدریج ان کے ہاتھ سے نکلتا جاتا تھا۔ کوئی ایسا ناخدا نظر نہیں آتا تھا جو اس ڈوبتی ہوئی کشتی سلطنت کو گرداب تباہی سے بچالے اور مخالف اجزاء ریاست میں قوت اتصالی پیدا کرے۔ آتش بغض و نفاق نے روغن خود غرضی چھڑک چھڑک کر خانہ جنگی کے شعلوں کو ایسا بھڑکایا کہ آخر کار سب جل کر خاکستر ہو گئے اور عربوں کا نام و نشان تک اندلس میں باقی نہ رہا۔ الزغل وادی آش میں بادشاہت کا دم بھر رہا تھا۔ اور ابو عبد اللہ محمدؒ غرناطہ کی چار دیواری کے اندر اپنے زعم باطل میں تمام اندلس کا اپنے کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ عیسائی ان کے گھر کے دروازہ کے قریب مسلمانوں کی بربادی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ فرولنڈ حسب اقتضائے وقت کبھی

الزغل کا ساتھ دیتا اور کبھی ابو عبداللہ محمدؒ کو مسلمانوں کے قتل اور غارتگری پر آمادہ کرتا تھا۔ بسطہ کی تسخیر کے بعد یہ المریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ابو عبداللہ محمدؒ کو اپنے سے باغی سمجھ کر الزغل کو یہ پیام بھیجا "اگر تو صوبہ المریہ پر میرا قبضہ کرادے تو میں تجھکو اپنی جانب سے یہاں کا حاکم مقرر کردونگا۔" الزغل کو لذت انتقام نے مدہوش کر رکھا تھا۔ اس نے جنگ بسطہ کے ایک ہی مہینے کے بعد ماہ صفر ۸۹۵ھ میں اس صوبہ کو فردلنڈ کے سپرد کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وادی آش بھی عیسائیوں کے دائرۂ اثر میں خود بخود شامل ہوگیا۔

المریہ اور وادی آش کا بغیر جنگ عربوں کے ہاتھ سے نکل جانا کیا تھا کہ گویا چشم زدن میں عیسائی تمام ملک پر مسلّط ہوگئے۔ اب صرف شہر غرناطہ اور اس کے مضافات باقی رہ گئے۔ فردلنڈ نے غرناطہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور بعد فتح برج ملیح اس مقام کو اپنی فوج کا مستقر قرار دیا۔

الغرض جب الزغل کو بے دست و پا کر چکا تو فردلنڈ نے سلطان محمد کو کہلا بھیجا کہ "جس طرح الزغل نے بلا کشت و خون اپنی رضامندی سے المریہ اور وادی آش کو ہمارے سپرد کردیا ہے۔ اسی طرح تو بھی قلعہ الحمراء ہم کو دیدے۔ اس کے صلے میں جس قدر دولت تو چاہیگا اور اندلس میں جس صوبہ کی حکومت تجھکو منظور ہوگی وہ تیرے سپرد کردونگا۔" سلطان محمدؒ نے اپنے امراء سے مشورہ کیا اور یہ رائے قرار پائی کہ "تو مس کو اس کے سابق وعدے یاد دلائے جائیں اور ان کے ایفا کا متقاضی ہونا چاہیے۔" اگر وہ راضی ہوجائے اور حسب وعدہ جو ملک اس کے قبضہ میں آیا ہے وہ تمام وکمال ہمارے حوالے کردے تو صلح منظور ہے ورنہ ہر شخص کو اپنے وطن پر جان و مال تصدق کرنا فوز عظیم تصور کرنا چاہیے۔" چنانچہ فردلنڈ کو لکھا گیا کہ "مجھے تو ہر طرح سے تیرے ساتھ مل کر رہنا منظور ہے۔ مگر مجبور ہوں کہ میری رعایا تیرے شرائط کو کسی طرح قبول نہیں کرتی اگر تو حسب معاہدہ سابق تمام ملک کو میرے قبضہ میں دے کر قسطلہ واپس چلا جائے تو پھر تو جو شرائط صلح پیش کریگا ان کی منظوری اور

تکمیل میں ہماری طرف سے کسی قسم کی فروگذاشت نہ ہوگی"۔ فرڈیننڈ نے اس تحریر پر مطلق التفات نہیں کی اور دار السلطنت غرناطہ کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ ابو عبداللہ نے چند سرحدی قلعوں پر یورش کی تاکہ دشمن کو دوسری طرف مشغول رکھے۔ لیکن خلاف امید عیسائی نے عربوں کی اس مصروفیت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور راست غرناطہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی دیواروں کے سامنے کئی بار سخت لڑائی ہوئی مگر قلعہ تسخیر نہ ہوسکا اور فرڈیننڈ کو جان و مال کا کثیر نقصان اٹھا کر ناکام واپس ہونا پڑا۔ ادھر عیسائی پسپا ہوئے اور ادھر ابو عبداللہ نے بغیر توقف البشاراۃ[1] پر حملہ کیا اور اس قلعہ کو مع اس کے پر فضا مضافات کے اپنے دائرۂ حکومت میں لے آیا۔

مگر افسوس ہے کہ الزغل سے اپنے بھتیجے کی ترقی نہ دیکھی گئی۔ آتش حسد سے بیتاب ہوکر البشاراۃ اور اندرش کے قلعوں کو گھیر لیا اور ابو عبداللہ ہمدان کی طرف متوجہ ہوا۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح برباد کر چکے شعبان ۸۹۵ھ م ۱۴۹۰ء میں فرڈیننڈ نے ایک ہی یورش میں بآسانی ان تمام مقامات کو جن پر ابو عبداللہ نے قبضہ کیا تھا پھر فتح کیا اور جب الزغل خانماں برباد نے اس سے فوجی امداد طلب کی تو یہ جواب صاف ملا کہ" ابو عبداللہ سے میں خود سمجھ لونگا۔ بہتر یہ ہے کہ تو صحیح و سلامت مراکش چلا جا۔" الزغل کو ناگزیر صورت جلا وطنی قبول کرنی پڑی۔ اور تلمسان میں فوت ہوا۔ فرڈیننڈ قسطلہ واپس چلا آیا۔

فرڈیننڈ کے جاتے ہی سلطان ابو عبداللہ محمد نے برشانہ[2] کو بعد محاصرہ فتح کر لیا۔ اس خلاف امید کامیابی نے قرب و جوار کے مسلمانوں میں کچھ ایسا غیر معمولی جوش پیدا کیا کہ سب نے اپنے عیسائی حاکموں سے بغاوت شروع کر دی۔ مگر قبل اس کے کہ ان کو کسی قسم کی بہبودی حاصل ہوتی وادی آش کے عیسائی گورنر نے فوراً مقام فساد پر پہنچکر نہایت سختی کے ساتھ اس بغاوت کو فرو کیا۔

---

[1] یہ نام ایک پہاڑی سلسلہ کا بھی ہے جس کو انگریزی میں الپکراس کہتے ہیں [2] انگریزی میں پرشینا کہتے ہیں۔

بتاریخ ۱۲ جمادی الثانی ۸۹۶ھ مطابق ۱۴۹۱ء فرڈی نند مع اپنی کامل قوت اور قلعہ شکن توپخانے کے غرناطہ کے سرسبز و شاداب شہروں اور دیہاتوں کو تاراج کرتا ہوا قلعہ کے سامنے نمودار ہوا۔ چونکہ غرناطہ کی پشت پر جبل البشارات واقع تھا۔ فرڈی نند پورا محاصرہ نہ کر سکا جبل شلیر سے تمام ضروری سامان شہر میں برابر آتا رہا۔ عربوں نے سات مہینے نہایت اطمینان سے دشمن کا مقابلہ کیا اور ہر یورش میں ہزاروں عیسائی قتل ہوتے رہے مگر جب موسم سرما کا سخت زمانہ آیا اور بوجہ برف باری پہاڑی راستے بالکل بند ہو گئے اور غلے کی پیداوار میں بھی کمی ہوئی تو عربوں پر اس قدر سختی گزرنے لگی کہ ماہ صفر ۸۹۷ھ میں باوجود برف باری ہزاروں البشارات کی طرف بھاگ نکلے اور جو باقی رہ گئے انہوں نے سلطان سے عرض کی کہ "فاقے مرنے کے عوض ہم میدان جنگ میں تیر و تفنگ کھا کر مرنا پسند کرتے ہیں گو عیسائیوں کی تعداد اسی ہزار سے زیادہ ہے اور ہم بیس ہزار سے کم ہیں۔ لیکن اس کا بفضلہ ہماری ہمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیا ہم جنگ وادی لکہ جہاں امیر طارق نے بیس ہزار عربوں کے ساتھ ایک لاکھ عیسائیوں کو شکست دی تھی کبھی بھول سکتے ہیں۔ صرف تائید الٰہی ہمارے شامل حال رہنا چاہیے اگر خدا تعالےٰ کو یہی منظور ہے کہ ہمارے دشمن ہم پر فتح پائیں تو مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں ہم ہر طرح راضی برضا ہیں۔"

سلطان ابو عبد اللہ محمدؒ نے اپنے وزراء اور امرائے سلطنت سے مشورہ کیا سب کی یہی رائے ہوئی کہ "لڑنے کی قوت ہم میں باقی نہیں اگر جنگ میں خدانخواستہ ناکام ہوئے تو عیسائی ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑینگے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ایسے شرائط پر صلح کی جائے جس سے عامہ خلایق کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچے۔" سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا اور ابو القاسم عبد الملک کے ذریعہ سے فرڈی نند کو صلح کا پیغام بھیجا۔ عیسائی قلعہ کی اندرونی حالت سے بالکل ناواقف خود نیم جاں ہو رہے تھے۔ فرڈی نند نے نمائشی رد و قدح کے بعد آغاز ۸۹۷ھ م ۱۴۹۲ء میں صلحنامہ پر دستخط کر دیے۔ چونکہ رعایا عیسائیوں کی غداری سے عاجز آگئی تھی اور لڑنے اور مرنے پر اصرار کر رہی تھی تکمیل معاہدہ تک

یہ کارروائی شدید راز میں رکھی گئی۔ شرائط حسب ذیل تھے:۔

(۱) مسلمان غریب اور امیر کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے پائیگا اور جہاں یہ رہنا چاہیں شہر کے اندر یا باہر رہنے کی اجازت دی جائیگی۔

(۲) مسلمانوں کے مذہبی امور میں عیسائی دخل نہ دینگے۔ اور مذہبی قواعد کی ادائی میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کرینگے۔

(۳) کوئی عیسائی مسجد میں نہ گھسنے پائیگا۔

(۴) مساجد اور اوقاف بدستور قایم رہینگے۔ اِن امور میں عیسائی دست اندازی نہ کرینگے۔ بلکہ ان کے قایم رکھنے میں مسلمانوں کی مدد کرینگے۔

(۵) مسلمانوں کے معاملات میں شرع اور ان ہی کے قانون کی پابندی کیجائیگی اور مسلمان قاضی ان کے حقوق اور مقدمات کے تصفیہ کے لیے مقرر کیے جائینگے۔

(۶) اس جنگ میں جن مسلمانوں کو عیسائیوں نے گرفتار کیا ہے وہ فوراً رہا کردیے جائینگے۔ اور جو مسلمان عیسائیوں کی قید سے شہر میں بھاگ آئے ہیں وہ گرفتار نہ کیے جائینگے۔

(۷) اگر کوئی مسلمان اندلس سے افریقہ جانا چاہے تو اس کو اجازت دی جائیگی اور سرکاری جہاز میں وہ افریقہ پہنچا دیا جائیگا۔

(۸) جو عیسائی کہ مسلمان ہو گئے ہیں وہ اسلام کے ترک کرنے پر مجبور نہ کئے جائینگے اگر کوئی مسلمان عیسائی ہونا چاہے تو اس اطمینان کے بعد کہ وہ برضا و رغبت خود اپنا مذہب بدلنا چاہتا ہے اُس کو اجازت دی جائیگی جس کے تصفیہ کا حق صرف مسلمانوں کو ہوگا۔ گو عیسائی حاکم بھی بروقت تصفیہ موجود رہ سکتے ہیں۔

(۹) اس جنگ میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے وہ بدستور اُن ہی کے قبضہ میں رہیگا۔

(۱۰) مسلمانوں کے گھروں پر عیسائی سپاہ متعین نہ کی جائیگی۔

(۱۱) موجودہ ٹیکس کے علاوہ کوئی جدید بار مسلمانوں پر نہ ڈالا جائیگا۔

(۱۲) تین سال تک مسلمانوں سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائیگا۔ تمام محصول جو اس وقت وہ ادا کر رہے ہیں وہ اس زمانہ تک معاف کر دیا جائیگا۔

(۱۳) سُلطان ابوعبداللہ محمدؒ کے سپرد البشارات کی حکومت کر دی جائیگی۔

(۱۴) آج سے ساٹھ روز کے اندر اس معاہدہ کے شرائط کی تکمیل پورے طور پر کر دیجائیگی۔

(۱۵) معاہدہ کا اثر قایم رکھنے اور عیسائیوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرنے کی غرض سے روما کے پوپ کی دستخط اس معاہدہ پر لیے جائینگے اور وہ اس کی تعمیل کا ذمہ دار ہوگا۔

(۱۶) ساٹھ روز کے اندر شہر غرناطہ اور قلعہ الحمرا، اور توپخانہ اور دیگر تمام سامان جنگ پر جو اس وقت قلعہ میں موجود ہے عیسائیوں کا قبضہ کرا دیا جائیگا۔

صلح نامہ کی کارروائی کو پوشیدہ رکھنا کوئی آسان امر نہ تھا۔ آخرِ کار عامہ خلایق کو اس کا علم ہوگیا اور چونکہ پہلے ہی سے مسلمان سلطان کو فردلند کا دوست سمجھتے تھے اور یہ خیال تھا کہ اس میں قوم کی محبت اور حمیت باقی نہیں رہی ہے اس وحشت ناک خبر کو سنکر کہ عنقریب سلطان دارالسلطنت غرناطہ کو بلاکشت وخون عیسائیوں کے حوالے کر دینے والا ہے۔ عام بددلی پھیل گئی۔ سلطان نہایت پریشان ہوا اور اس خیال سے کہ کہیں بغاوت بنے بنائے کام کو بگاڑ نہ دے۔ ساٹھ روز کے قبل ہی بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ م ۱۴۹۲ء دارالسلطنت کو عیسائیوں کے سپرد کر دیا۔

فردلند نے اپنے مذہبی پیشوا مندوزہ سے درخواست کی کہ وہ مع فوج پہلے شہر میں داخل ہو اور قلعۂ الحمرا کے سب سے بلند برج پر جہاں ابھی اسلام کا نشان دھیمی ہوا میں لہرا رہا تھا صلیب کو نصب کر دے۔ "اس نیک شگون کو دیکھتے ہی میں خود مع ملکہ ازابلا کے شہر میں داخل ہونگا" جب

ابو عبداللہ محمدؑ نے فرڈیننڈ کو قلعہ میں آتے دیکھا مع پچاس امراء کے گھوڑے پر سوار قلعہ کے باہر نکل آیا اس وقت کا سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ شہر پر اُداسی چھائی ہوئی تھی مسلمانوں کے دم میں دم نہ تھا ان کے دلوں پر جو صدمہ گزر رہا تھا اس کا احاطہ تحریر میں لانا غیر ممکن ہے۔ ادھر تو یہ کہرام عظیم اور اُدھر عیسائیوں کی جانب سے نقارہ ہائے شادمانی کی آواز بلند تھی۔ فرڈیننڈ اور ملکہ اپنے لباس شاہانہ اور زرہ فولادی پہنے ان کے چپ و راست تمام اعیان ریاست اور افسران فوج اپنے لشکر کے ساتھ استادہ تھے نظریں سب کی الحمراء کے برج کی طرف تھیں اور صلیب کے ظہور کا انتظار تھا۔ ابو عبداللہ محمدؑ نے قصر کے دروازہ کو جس میں سے یہ باہر نکلا تھا اس غرض سے اپنے سامنے چنوا دیا کہ اس کے بعد کوئی دوسرا اس کے ذریعے قصر میں نہ داخل ہو سکے یہ دروازہ اس وقت تک اسی حالت میں کھڑا ہے اور اہل دنیا کے لیے ایک عبرت گاہ ہے۔ سلطان سیدھا فرڈیننڈ کی طرف آیا۔ فرڈیننڈ نے فوراً گھوڑے سے اُتر کر اُسے گلے لگایا۔ سلطان نے قلعہ کی کنجیاں دیکر کہا کہ "خدائے تعالیٰ نے تجھ کو فتح عطا فرمائی ہے تجھکو چاہیے کہ اپنی مفتوحہ قوم کے ساتھ رحم دلی اور شفقت سے پیش آئے۔" فرڈیننڈ چاہتا تھا کہ تشفی آمیز الفاظ زبان سے کہے سلطان بغیر توقف آگے بڑھ گیا اور ملکہ ازابلا سے ملتا ہوا البشارات جہاں اس کا تمام مال و اسباب اور رشتہ دار جا چکے تھے روانہ ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

جب ابو عبداللہ محمدؑ البشارات کی ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو بے ساختہ اس نے گھوڑے کو غرناطہ کی طرف موڑا اور اپنے خاندان کی گزشتہ عظمت و شان پر آخری نظر ڈال کر زار و قطار رونے لگا۔ اس کی ماں نے جو اس وقت ساتھ تھی یہ حالت دیکھ کر اپنے زخمی دل کو سخت کیا اور کہا کہ "جب تو باوجود ایک مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو نہ بچا سکا تو اب مثل عورتوں کے ایک گم شدہ شئے پر رونے سے کیا فائدہ۔" ابو عبداللہ محمدؑ نے ایک آہ سرد کھینچی اور جواب دیا کہ "جو صدمہ اس وقت میرے قلب پر گزر رہا ہے وہ کسی دوسرے کو ہر گز کبھی نصیب نہ ہوگا۔" چنانچہ یہ مقام اسوقت تک "دم واپسین عرب"

کے نام سے مشہور ہے۔

الغرض تھوڑی دیر میں چاندی کی صلیب قلعہ کے برج پر آفتاب کی شعاعوں سے چمکنے لگی۔ عیسائیوں نے خوشی کے نعرے بلند کیے اور فرڈیننڈ مع ملکہ ازابلا نہایت تزک احتشام سے غرناطہ میں داخل ہوا اور قلعہ الحمرا میں اقامت اختیار کی۔ یہ بے نظیر قصر جس کی تعریف میں تمام جہاں کی زبانیں سوکھی جاتی تھیں آن واحد میں عربوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

قصر الحمراء کو شاہان غرناطہ نے بصرف کثیر شہر کے قریب ایک نہایت بلند ٹیلے پر جبل شلیر کی برف چھپی ہوئی چوٹیوں کے سایہ میں تیار کیا تھا اس کی چار دیواری کے اندر ایسے خوشنما سبزہ شاداب باغ نہرہائے شیریں و درخت ہائے میوہ دار جن پر انواع واقسام کے پرندوں کی خوش الحانی سے تمام قصر گونج جاتا تھا آراستہ تھے۔

اشعار

کیا جناتؔ[1] نے آراستہ جس قصر شاہی کو	بنایا جس کو گھر ہر رنگ کی نغمہ سرائی کا
نظر آتا ہے عالم خواب کا سارا طلسماتی	وہ الحمرا ہے الحمرا نہیں جس کا کہیں ہمتا
ہزار افسوس تیری بیکسی اور زار حالت پر	کہ اب تو منہدم ہوتا چلا ہے حسرتا دردا
ترا وہ قلعہ اور وہ کنگرہ دار اسکی دیواریں	وہ اب گرتی چلی ہیں ہے سماں جن میں تنزل کا
جہاں کا نوں میں جادو کی صدا میں شکوہ آتی ہیں	جہاں شاہد ہے تیری عظمت و شوکت کا ہر ذرا
جہاں چاند اپنی نورانی شعاعوں سے بصد خوبی	ترے دیوار و در کو عمدگی سے آپ ہے دھوتا
سماں وہ بھی ہے تیرا دیکھنے کے لائق وقابل	نہیں الفاظ میں جس کا بیان لطف آسکتا

اس قصر کی ہر ایک چیز قابل دید اور اس قدر حیرت انگیز ہے کہ جسکو دنیا کے مشہور صناع اور

[1] تمدن عرب مترجمہ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی۔ یہ کسی عربی اشعار کا ترجمہ ہے۔

دست کار دیکھکر دنگ رہ جاتے ہیں اور اس کی بلند دیواروں کی گچ کی صفائی جو اس وقت تک سنگ مرمر سے زیادہ چمکدار اور لوہے سے زیادہ مضبوط اور جالیدار دیواروں کی طرح طرح کی نازک گلکاریاں اور اس کی نئی وضع کی محرابوں سے ایک ایک لٹکتی ہوئی قلم سے نزاکت ٹپکتی ہے گھنٹوں عالم محویت میں خدا کی قدرت کا تماشا دیکھا کرتے ہیں۔

حسب معاہدہ جب ابو عبداللہ محمد البشارات پہنچا یہاں جو عیسائی فوجیں متعین تھیں وہ سب اٹھالی گئیں اور اس مختصر سے صوبے پر اس کا قبضہ کرادیا گیا مگر فرڈیننڈ نے اسے کبھی چین لینے نہیں دیا آخر کار سلطان نے یہ ملک فرڈیننڈ کے ہاتھ فروخت کردیا اور خود افریقہ آکر بادشاہ فاس کی فوج میں ملازمت اختیار کی اور وہیں سنہ ۹۴۰ھ مطابق ۱۵۳۳ء کی جنگ میں مارا گیا۔ ایک عربی مصنف اس بدقسمت بادشاہ کے حالات لکھتے لکھتے ایک مقام پر تحریر کرتا ہے کہ "یہ بھی کیا بدقسمت آدمی تھا جس نے اپنا ملک عیسائیوں کے سپرد کردیا اور پھر زندہ رہنا گوارا اور ایک دوسرے شخص کا ملازم ہوکر مرنا پسند کیا۔" لیکن پھر لکھا کہ "مشیت ایزدی میں انسان کی کیا مجال ہے کہ دخل دے منظور الٰہی یہی تھا کہ وہ ملک جس کو عربوں نے جان عزیز دے کر خوں بہا کے عوض خریدا تھا اور جس پر انہوں نے تقریباً آٹھ سو برس نہایت رعب داب سے حکومت کی تھی۔ وہ پھر دشمنان اسلام کے قبضہ و تصرف میں چلا جائے۔"

جنگ غرناطہ کے اختتام کے بعد ہی عیسائیوں نے خلاف معاہدہ مسلمانوں پر ظلم و تعدی شروع کردی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنہ ۹۰۴ھ م ۱۴۹۸ء میں ایک عام حکم مسلمانوں کو دیا گیا "یا تو مذہب نصاریٰ اختیار کرو یا مرنا۔"

مسجدوں میں جمع ہونے اور نماز پڑھنے کی قطعی ممانعت تھی اور اُن کی عورتوں کو یہ حکم تھا کہ سب بلا نقاب مثل عیسائی عورتوں کے باہر نکلا کریں اور اپنے قومی لباس اور طرز معاشرت کو ترک کردیں۔ اگر ان جابرانہ احکام کے خلاف کوئی حرکت کسی سے سرزد ہوتی تھی تو وہ فوراً قتل کردیا

جاتا تھا۔ بعض مسلمان اس ظلم و زیادتی سے بچنے کے لیے بظاہر تو عیسائی ہو گئے مگر باطناً اپنے مذہب پر قایم رہے۔ اکثر عیسائیوں سے باغی ہو کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس قدر کشت و خون واقع ہوا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو اس بے رحمی سے عیسائیوں نے قتل کیا کہ جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی جو باقی رہ گئے تھے وہ سنہ ۱۰۲۰ھ مطابق سنہ ۱۶۱۰ء میں جبراً اندلس سے خارج کیے گئے۔ ہزاروں کا کام تو راستے میں تمام ہو گیا اور جو بچے وہ فاس اور تلمسان اور تونس وغیرہ مقامات میں جس طرف اُن کا مُنھ اُٹھا جا کر بس گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسلامی اندلس کے مجمل حالات۔ طرز ریاست۔ صنعت و حرفت۔ علوم و فنون۔ تعلیم نسواں۔

شجاعت۔ عربوں کا اثر یورپ پر۔

اصول ریاست عربوں نے بغرض نظم ونسق جو اصول قایم کیے تھے وہ بہت ہی صاف اور آسان تھے خلیفہ کل امور مذہبی۔ مال اور فوج کا مالک تھا۔ کام ریاست کا چار محکموں یعنی فینانس امور خارجہ۔ عدالت اور فوج پر منقسم اور ہر محکمہ ایک وزیر کے سپرد تھا لیکن ان میں سے کوئی مجاز نہ تھا کہ بلا اجازت خلیفہ بطور خود کسی اہم مقدمہ کا تصفیہ کر سکے۔ وزیر اعظم کو حاجب[1] کہا کرتے تھے علاوہ ان وزراء کے اور بھی امرائے سلطنت رائے اور مشورے میں بضرورت شریک کر لیے جاتے تھے جن کو اعزازاً خطاب وزیر[2] کا دیدیا جاتا تھا۔ لیکن یہ صرف وزیر کہلاتے تھے اور وزرائے سلطنت وزیر الوزرائین کے لقب سے مشہور تھے۔ وزرا کے ماتحت معتمدین کو خطیب الدولہ کہا کرتے تھے ان میں سے خطیب الرسائل جو دول غیر سے خط و کتابت کیا کرتا تھا اور خطیب الذمام جس کے ذمہ نصاری اور یہود وغیرہ کے مذہب اور جائداد کی حفاظت و نگرانی تھی۔ اور صاحب الاشتغال جس کے سپرد ریاست کے اخراجات کا حساب و کتاب تھا سب میں ممتاز تھے۔ سوائے خلیفہ کی حکومت کے یا ان افسران ملک کے جن کے سپرد صوبجات منجانب خلیفہ ہوتے تھے اور کوئی حکومت یا قوت ملک میں نہ تھی عربوں میں نہ موروثی جاگیردار تھے اور نہ موروثی امراء۔ اگر کوئی شخص نہ صرف اندلس بلکہ دیگر عربی سلطنتوں پر

---

[1] حاجب مجلس وزرا کا صدر نشین بھی ہوا کرتا تھا [2] یہ طرز انگلش پریوی کونسل سے ملتا ہوا ہے۔

نظر ڈالے تو یہ اچھی طرح ثابت ہو جائیگا کہ ان کی طرز حکومت گو بظاہر شخصی معلوم ہوتی ہے فی الواقع جمہوری تھی۔ خلیفہ ملک کا حاکم تھا اور اس کے ظل عاطفت میں تمام امیر غریب کی حالت مساوی تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اعرابی اور بادشاہ غسان کے معاملے میں فیصلہ صادر کرتے وقت یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "سزائے بدل بادشاہوں کے لیے بھی جاری کی جائیگی۔ اس واسطے کہ مذہب اسلام میں کسی قسم کے اعزازی حقوق یا ذات کی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ کل مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں برابر تھے۔" ہم پہلے کسی مقام پر یہ بتا آئے ہیں اور عربوں کی طرز حکومت کے جمہوری ہونے کے لیے یہ ثبوت کافی ہے کہ جس قانون کی رو سے خلیفہ قاضی کو معزول کرسکتا ہے۔ اسی قانون پاک کی رُو سے قاضی خلیفہ کو سزا دیسکتا ہے۔ ہر فرد مسلمان کے مقابلے میں خلیفہ مدعی اور مدعا علیہ مثل احد من الناس ہے یعنی قاضی دونوں کو سزا دیسکتا ہے۔ خلیفہ قانون کا نگراں ہے اور قاضی خلیفہ کا پاسباں۔ پس مسلمان اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات میں ہم کو جدید قانون کی تلاش وفکر کی ضرورت نہیں یہی ایک قانون مقدس ہے کہ جس میں نہ باہمی مرتبے کا فرق رکھا گیا اور نہ ملت و قوم و رنگ میں کوئی رعایت کی گئی جو اصول اخلاق و معاشرت و تمدن کے مقرر کردیے گئے۔ وہ مسلمان اور غیر مسلمان سب کے واسطے منصوص ہوگئے اور ان کی بابت ارشاد ہوچکا کہ اکملت لکم دینکم۔ ہم کو ان میں تغیر و تبدل کی مجال اور نہ ترمیم و تنسیخ کا اختیار۔

اس زمانہ کے بعض متعصب علمائے جبیت النصاریٰ اور بالخصوص فرقہ قسیسین نے عربوں کے عبرت انگیز تنزل کے منجلہ دیگر نتائج کے ایک نتیجہ یہ نکالا ہے کہ مسلمانوں میں تدبیر ملک اور تہذیب قوم کے اصول کبھی مرتب ہی نہیں ہوئے اور نیز یہ نقص مذہب اسلام اور تعلیم قرآن شریف اور تلقین حضرت ختم المرسلین کا ہے کہ ایسی بلند حوصلہ اور بہادر قوم ایسی ترقی کے بعد اس طرح معدوم ہوگئی کہ نام و نشان تک اس کا باقی نہ رہا اور اپنے دین و مذہب پر فخر کرتے ہیں کہ روز بروز ترقی کرتا رہا۔"

لیکن انصاف پسند اور صاحب الرائے علماء و مورخین جو علم تاریخ کے ماہر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ترقی و تنزل اقوام کا کن وجوہ سے ہوا ہو رہا اور آئندہ ہونے کا احتمال ہے۔ اہل یورپ کی ترقی کو ابھی چار سو برس بھی نہیں گزرے بقول شخصے کہ "کے آمدی و کے پیر شدی"۔

ایک طرف تو ایسا سخت اعتراض کہ دین اسلام میں ترقی محدود کر دی گئی اور دوسری طرف یورپ کے مہذب اور تعلیم یافتہ مورخین اور استدلال سے بال کی کھال نکالنے والے صاحب تجربہ و صاحب دلیل فیلسوفین برق کو قید کرنے والے دخان کو غلام کارگزار بنانیوالے حکماء ان بادیہ نشینوں کی برق رفتار کامیابی پر حیرت ظاہر کرتے ہیں اور دور از کار توجیہیں گھڑتے ہیں۔ توحید کے مزے سے واقف نہ تھے۔ اس معمے کو حل نہ کر سکے۔ ع

قبلۂ عشق یکے باشد و بس

عرب ولولہ اور جوش عشق اسلام میں کفن بسر اور تیغ بکف سر فروشی کے لیے تیار گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور مشرق سے مغرب تک ایک عالم کو نعرۂ اللہ اکبر سے زیر و زبر کر دیا لا الٰہ الا اللہ کی صدائے دشت و جبل گونج اٹھا۔ ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ جوش مذہب نے عربوں کو متعصب بنا دیا تھا اور جیسا کہ مخالفین بیان کرتے ہیں کہ عربوں نے عربستان سے نکلتے ہی دست تطاول دراز اور ہر شخص کے گلے پر خنجر رکھکر اس کو اسلام کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہم نے اپنے دیباچہ میں اور پھر اپنی کتاب میں جا بجا مورخین اور علمائے اہل یورپ کے اقوال سے یہ اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ اس قوم عرب کی تاریخ میں یہ بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ عرب ہمیشہ احکام آنحضرت صلعم کے پابند رہے اور اقوام مفتوحہ پر کبھی بوجہ تعصب مذہبی ظلم و زیادتی نہیں کی بلکہ ان کے مذہب و معابد کو متعصب لوگوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔ وعظ اور پند و نصائح سے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچا۔

ہم سے ملا کرو تمھیں دلبر بنا ئینگے	غیروں سے مت ملو وہ ستمگر بنا ئینگے

تہذیب و اخلاق گویا وہ زمین شاداب ہے جس میں عشق صافی نشو و نما پاتا ہے اور سرسبز و بار آور ہوتا ہے اس کے بعد توحید کے نکتے بتائے گئے۔ الشَّیطٰنُ یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللّٰہُ یعدکم مغفرۃً منہ وفضلاً واللہ وَاسِعٌ علیمٌ[1] اور یہ سکھایا کہ یاران ہمراز سے الفت رکھیں اور اغیار حیلہ ساز سے گریز کریں یعنی ان کو عصبیت قوم و ملک و ملت کا درس دیا گیا اور یہ تعلیم ان ننگے بھوکے صحرا نشین مجاہدین کے دل میں ایسی راسخ کر دی گئی کہ ایک گدڑی پوش عرب نے یزدجرد اور اس کے دربار کی شان و شوکت کو پوچ و لچر سمجھا اور بہ تمکین و وقار فرش زمین پر چار زانو بیٹھکر اس بے باکی سے منصب سفارت ادا کیا کہ تمام دربار کو اپنا مرعوب کر دیا۔ اسی طرح دوسرے صحرائی عرب نے ہرقل قیصر روم کے دبدبۂ قیصری کو بے وقعت اور بے معنی خیال کیا۔ ان کی نگاہوں میں عرب و عربیت قابل قدر و لائق تعریف اور عجم اور عجمیت حقیر و ذلیل قرار پاگئی۔ عربی کھجور کا درخت اندلسی سرو صنوبر و شمشاد سے خوبتر نظر آیا۔ عربی جلتا ہوا ریگستان اور اُجاڑ کوہستان عجمی مرغزار اور چمنستان سے عزیز تر قرار پایا۔ عربِ اُمی عجمی رومی اور یونانی عالم کو بدتہذیب اور واجب التربیت سمجھنے لگا۔ ایک مرتبہ غل مچ گیا کہ ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

نصاریٰ کے پادریوں اور اہل یورپ کے فلاسفہ سے پوچھا جائے کہ یہ کیا بات ہے کہ ایک آدمی یتیم کمل پوش نے کہ جس کو نہ ماں باپ کی تعلیم نہ مکتب و مدرسہ کی تربیت میسر ہوئی۔ الاعراب اشد کفراً ونفاقاً۔ جیسی اجہل اور وحشی قوم کو پچیس برس کے عرصہ میں سرآمد اقوام عالم بنا دیا۔

[1] شیطان تم سے تنگی کا وعدہ کرتا ہے اور بیحیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش و فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

یہ اُس تعلیم کا نتیجہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ اگر جن و انس کل مخلوقات جمع ہو جائیں تو ہرگز اس کے مثل نہ لائینگے ان ہی معنٰی میں قرآن شریف کی نسبت معجزۂ دوامی کا دعوے کیا گیا ہے۔

الغرض مسلمانوں کو کسی دوسرے قانون کے ڈھونڈھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ان کی تدبیر و تہذیب بالکل نئے اُصول پر مبنی تھی وہ مضر ہوں یا مفید ناقص ہوں یا کامل بہرطور اہل یورپ کے اصول سے جدا تھے اور جو بنی آدم کے فرد و جماعت دونوں پر یکساں اثر رکھتے تھے۔ اہل یورپ یا تو سمجھے نہیں یا عمداً محض بوجہ بغض و تعصب مذہبی عربوں پر اعتراض کر بیٹھے۔مسلمانوں میں مذہباً جابری سلطنت کا یا کسی فرد بشر کی شخصی حکومت کا قبول کرنا ناجائز قرار دیا گیا ہے اسلام میں دولت شخصی نہیں ہے بلکہ دولت عامّہ ہے۔خدا کو اپنا بادشاہ حقیقی اور سلطنت کو سلطنت خدائی سمجھتے ہیں۔

قانون، قانونِ الٰہی ہے جو حاکم و محکوم دونوں پہ یکساں مؤثر ہے نہ ملکوں کی تقسیم نہ قوموں کی تفریق۔ ملک ملک اسلام قوم امت محمدیؐ۔ اگر عرب و عجم میں فرق ہے تو نسل کا فرق ہے۔ زبان کا فرق ہے۔رسم و رواج کا فرق ہے۔مگر قانون معاش و معاد سب کا ایک ہی ہے چنانچہ خلاق عالم اپنے کلام پاک میں عصبیتُ اخوت قوم کے باب میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے:۔ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا[1]۔لہٰذا تدبیر و تہذیب ملکت بھی ایک ہی ہے یہی قانون معاد و معاش جو ہر فرقہ کے افراد میں انفراداً منصوص ہے وہی قانون معاد و معاش قوم کے فرقوں پر اور ممالک کے اقوام پر فرض ہے اور وہی قانون اُمت مرحومہ اور دیگر امم محرومہ کے باہمی تعلقات میں لازم و ملزوم ہے۔

[1] جبکہ تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی (اسی نعمت کی وجہ سے آپس میں تم بھائی ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی خلافت کے بعد اور بنی اُمیہ کے زمانۂ حکومت
میں موروثی سلطنت قایم ہوگئی تاہم قوم خاندان شاہی میں سے جس کسی کو لایق اور قابل خلافت
سمجھتی تھی تخت پر بٹھا دیتی تھی۔ چنانچہ اس قاعدے کو فی زماننا ترکوں نے جاری رکھا ہے
سلطنت روم میں سلطان کے انتقال کے بعد اولاد اکبر جانشین نہیں ہوتی بلکہ جو رکن خاندان عثمانیہ
لایق تر ہوتا ہے وہ بادشاہ بنا دیا جاتا ہے۔

عدالت وکوتوالی

اندلس میں قاضی کو نہایت وسیع اقتدارات حاصل اور عدالت کا تمام کام اسی کے
سپرد تھا۔ خاص دار السلطنت کے قاضی کو قاضی القضات یا قاضی الجماعت کہتے تھے بنی اُمیہ
کے زمانۂ حکومت میں کوتوالی کا انتظام نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ کوتوال کو صاحب الشرطہ کہا کرتے
تھے باوجودیکہ کوتوالی اور کوتوالی مجسٹریٹوں کو جو صاحب المدینہ اور صاحب اللیل کے ناموں سے موسوم
تھے۔ بہت کچھ اختیارات حاصل تھے۔ لیکن یہ سب شہر کے قاضی کے پوری طرح ماتحت تھے مثل
ممالک عرب وعجم اندلس میں بھی ایک محتسب مقرر اور اس کے سپرد بازاروں اور ہٹوں اور تجارت
پیشہ کی نگرانی و انتظام تھا۔

ٹپہ خانہ

بہ نسبت شام وعراق۔ اندلس میں اس محکمہ کو بہت کچھ ترقی دی گئی تھی افسر محکمہ کو
الصاحب البرید کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ تمام ممالک محروسہ کے ٹپہ خانوں کا انتظام اسی
افسر کے سپرد تھا ہر بڑے شہر میں ایک ٹپہ خانہ تھا اور راستوں میں جابجا مناسب مقامات پر چوکیاں گھوڑوں
اور اونٹوں کی ڈاک تیار رہا کرتی تھی ان گھوڑوں اور اونٹوں پر جو خاص ٹپہ رسانی کے واسطے متعین تھے
سرکاری نشان ڈالا جاتا تھا۔ سرکاری ڈاک کے ساتھ خانگی خطوط بھی ہر شہر اور قصبہ میں نہایت احتیاط کے ساتھ
پہنچائے جاتے تھے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کے زمانۂ حکومت میں بالخصوص فوجی اغراض کے واسطے کبوتروں
سے بھی ٹپہ رسانی کا کام لیا جاتا تھا اور اس قسم کے سدھے ہوئے کبوتر ہر فوج کے ہمراہ رہا کرتے تھے ہر شہر میں

افسر ڈاک کے سپرد صرف نگرانیِ ڈاک کا کام ہی نہ تھا بلکہ اس کے فرائض منصبی میں ملک و رعایا کی حالت اور حکام کا طرز عمل۔ سکہ وغیرہ کی خفیہ نگرانی بھی داخل تھی اور اس کا فرض تھا کہ امور مذکورہ کی نسبت روزانہ خفیہ روزنامچہ خاص خلیفہ کے ملاحظہ کے واسطے پیش کیا کرے[1]۔

بری و بحری قوت بحری اور بری فوج کا اعلیٰ افسر خود خلیفہ تھا۔ لیکن صوبجات میں فوج کی سپہ سالاری والیانِ صوبہ کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ سپہ سالارِ فوج کو امیر کہا کرتے تھے۔ مثل شام اور عرب اندلس میں بھی فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔ باقاعدہ اور بے قاعدہ۔ باقاعدہ میں تمام ماہوار یاب سپاہی شریک تھے۔ بےقاعدہ میں وہ لوگ بروقت ضرورت شریک کر لیے جاتے تھے جو بطور خود محکمۂ فوج میں شرکت جنگ کی درخواست کیا کرتے تھے۔ ہر سال مصنوعی جنگ ہوا کرتی تھی۔ اور سپاہیوں کو فن جنگ سکھانے میں بلیغ کوشش کی جاتی تھی۔

بری فوج کی تقسیم حربیہ[3] ان کا لباس زرہ و خود اور ہتیار نیزہ اور تلوار و سپر تھے۔ رامیہ یعنی تیر انداز سواروں کا لباس زرہ بکتر اور تلوار و نیزہ اور تیر ان کے ہتیار تھے۔ فوج دس دس ہزار کے دستوں میں منقسم اور ہر دستہ کا افسر اعلیٰ ایک امیر یا سپہ سالار ہوتا تھا۔ ہزار آدمیوں کے افسر کو قائد اور سو آدمیوں کے افسر کو نقیب کہا کرتے تھے۔ خلیفہ کی حفاظت کے لیے ایک خاص فوج مقرر تھی جس کی ماہوار بہ نسبت اوروں کے زیادہ اور ان کا لباس مکلف ہوتا تھا۔ اندلس میں جب خانہ جنگی اور بیرونی لڑائیوں نے خلیفہ کو مجبور کیا تو اہل بربر بھی فوج میں بھرتی کیے گئے جو رفتہ رفتہ خاص فوج سلطانی میں شامل ہو گئے تھے۔

انجینیر فوج کے آرام و آسائش کا عربوں کو بڑا خیال تھا۔ ہر فوج کے متعلق ایک گروہ انجینیر اور مزدوروں کا تھا جو ہمیشہ فوج کے آگے راستہ بناتا یا صاف کرتا جاتا تھا۔ انجینیر کے افسر کا نام

---

[1] "ہسٹری آف دی سارا سنس" مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲۲ صفحہ ۴۱۴ ۔

[2] ماہوار کی مقدار ایک ہزار درہم سے اسی ہزار درہم سالانہ فی نفر ہوتی تھی۔ [3] پیادے۔

امیر المنجنیقین[1] تھا۔ ان کی تعلیم خاص طور پر ہوتی تھی۔ پہلے یہ سب فوج میں شریک کیے جاتے تھے پھر ان سب کو سامان حرب اور قلعے اور قلعہ شکن آلات کا بنانا اور محاصرہ کے لیے قلعہ کے گرد مقامات کا درست کرنا نہایت احتیاط سے سکھایا جاتا تھا۔

فوجی شفاخانہ میدان جنگ میں ہر فوج کے ساتھ دواخانہ اور اونٹوں پر پلنگ اور ضروری سامان زخمیوں کے علاج اور آرام کے لیے مہیا رہتا تھا۔ تمام دستے فوج کے ملک میں جابجا متعین تھے جو بوقت ضرورت فوراً فراہم کر لیے جاتے تھے آج کل جو دقتیں فوج کی فراہمی اور سامان کی باربرداری کے انتظام میں ہوتی ہیں وہ اس زمانہ میں بالکل مفقود تھیں۔ نہ تو شراب کی ضرورت تھی اور نہ برف اور عمدہ کھانوں کی۔

سپاہیوں کی زندگی خرما یا اون معمولی کھانوں پر تھی جس کو ہر سپاہی بغیر محنت اور مشقت اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ ہر صحیح القویٰ عرب کو فوج میں شریک ہونا لازمی تھا۔ گو کوئی خاص زمانہ فوجی ملازمت کا مقرر نہ تھا۔ لیکن جب سپاہی اچھی طرح کام سیکھ لیتے تھے اور ملک میں امن و امان ہوتا تھا تو یہ لوگ رخصت کر دیے جاتے مگر وقت جنگ ان کو محکمۂ جنگ میں حاضر ہو جانا پڑتا تھا۔

فوجی جاگیر بعض وقت افسران فوج کو تنخواہ کے عوض جاگیریں[2] عطا کی جاتی تھیں ایسے لوگوں کا فرض تھا کہ اس جاگیر کی آمدنی پر اپنی اپنی فوج حسب حیثیت تیار رکھیں اور بوقت ضرورت فوج سلطانی میں شریک ہو جایا کریں۔ اس افسر کو صاحب المعاقل کہتے تھے۔ عربوں کے بعد جو اسلامی سلطنتیں قایم ہوئیں مثل ترک وغیرہ انہوں نے بھی اس طریقہ کو قایم رکھا۔ دولت عثمانیہ میں کچھ روز قبل تک فوجی جاگیریں تقسیم ہوتی تھیں۔

[1] ابن خلکان تحریر کرتا ہے کہ بغداد میں ایک مشہور انجینیر یعقوب بن صابر المنجنیقی گزرا ہے جس نے ایک کتاب عمدۃ المسالک فی سیاست الممالک اس فن میں تصنیف کی تھی اس میں اس نے جنگ میں فوجوں کی ترتیب و تقسیم قلعوں پر حملہ کرنا گھوڑوں کی سواری مستحکم مقامات کا محاصرہ۔ انجینیرنگ مختلف ہتھیار اور آلات قلعہ شکن کا استعمال فوجوں کا جمع ہو کر بالکل کر لانا وغیرہ وغیرہ جو لکھا ہے وہ قابل پڑھنے کے ہے۔ [2] انگریزی میں اس کو فیوڈل سسٹم کہتے ہیں زمانۂ قدیم میں فرانس میں بھی یہی طرز جاری تھا۔ اور نارمنز نے جب انگلستان فتح کیا تو وہاں بھی اس کو جاری کیا۔ عربوں نے اس کو یورپ سے نہیں لیا بلکہ۔ (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

مگر آخر کو جو نقصانات بوجہ بغاوت ملک کو پہنچے سلطان محمود ثانی نے انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس طرز کو بالکل مسدود کر دیا۔

طرز جنگ | بوقت جنگ روانگی کے قبل فوج پانچ حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی طلیعہ یعنی ہراول فوج سے کئی میل آگے رہتا اور یہ کام اکثر سواروں کے جو بآسانی نقل و حرکت کر سکتے ہیں سپرد کیا جاتا تھا ان کو یہ حکم تھا کہ یہ دشمن کی فوج کے مقام اور اس کی تعداد کو دریافت کریں اور جن مقامات سے ان کا گذر ہو وہاں کے نقشے تیار اور زمین کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہو کر سپہ سالار کو اطلاع کرتے رہیں۔ ہراول کے پیچھے اصل لشکر روانہ ہوتا تھا۔ اس کے بیچ کی فوج کو قلب اور داہنی کو میمنہ اور بائیں کو میسرہ کہتے تھے۔ اس لشکر کے عقب میں کچھ فاصلہ پر بغرض محافظت ایک دستہ فوج کا جس کو ساقہ کہتے ہیں ہوتا تھا۔ راستہ میں جہاں فوج کا قیام ہوتا وہاں تمام جنگل صاف کر دیا جاتا تھا اور راستہ اور سڑکیں تیار کی جاتی تھیں۔ بازار کھل جاتے تھے اور لشکر کے اطراف میں جابجا آگ روشن کر دی جاتی تھی۔ راستوں اور گزرگاہوں پر داستان گو بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو ان کے باپ اور دادا کی بہادری اور شجاعت کی داستان سنا کر ان کے دلوں میں جوش اور حوصلہ جنگ پیدا کرتے تھے کسی طرف فوجی ورزش جسمانی تلوار و نیزہ بازی میں مصروف نظر آتے تھے۔ طرز جنگ میں بھی بہت کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا تھا۔ اوائل زمانہ میں دو صفیں یکے بعد دیگرے کھڑی کی جاتی تھیں اور اسی ترتیب سے عرب خود حملہ کرتے اور دشمنوں کی یورش کو روکتے تھے۔ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت جب جدید قوانین جنگ تیار کیے گئے تو ان دو صفوں کے عوض حربیہ یعنی پیادہ کئی صفوں میں یکے بعد دیگرے بشکل مثلث اپنے نیزوں کو سامنے زمین میں نصب کرتے اور ایک گھٹنے پر سپروں کے عقب میں مثل دیوار آہنی جم جاتے تھے ان کی پشت پر تیر انداز اور چپ و راست سوار استادہ رہتے تھے۔ یہ طریقہ دشمن کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۲) شام اور عرب میں بھی یہ طریقہ جاری تھا۔ دیکھو المقریزی اور ہسٹری آف دی سارا سنس" مصنفہ جسٹس میر علی باب ۲۰ صفحہ ۴۳

حملوں کو رد کرنے کا تھا۔ جہاں فوج مخالف زد میں آئی سب سے پہلے تیر انداز ان پر تیروں کا مینہ برساتے اور پیادے تلوار اور چھوٹے نیزوں پر حملہ کو روکتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سوار دونوں طرف سے حملہ آور ہوتے تھے۔ عربوں کی صفوں کو توڑنا آسان بات نہ تھی لیکن سب سے زیادہ سواروں نے اپنا خوف عیسائیوں کے دلوں میں جمایا تھا۔ متعدد لڑائیوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ صرف سواروں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر عیسائی لشکر پراگندہ اور منتشر ہو گیا اور بوقت جنگ سپہ سالار ایک بلند مقام سے بوساطت اپنے مصاحبین ہر دستۂ فوج کے افسر کے نام حکم جاری کرتا تھا۔

آلات قلعہ شکن قلعوں اور مستحکم شہروں کی دیواریں توڑنے کی غرض سے عربوں نے خاص قسم کے آلات ایجاد کیے تھے جن کو منجنیق اور دبابہ کہتے ہیں۔ اول الذکر تو مثل گوپن کے تھے اور آخر الذکر ایک کل کچھوے نما۔ ان دونوں کلوں کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر قلعہ کی دیواروں پر اس قدر زور سے پھینکے جاتے تھے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دیوار منہدم ہو جاتی تھی۔ تیرہویں صدی عیسوی سے جب بارود ایجاد ہوئی توپوں کا استعمال عربوں نے شروع کیا۔ الحاصل جو ترقیاں فنون جنگ میں عربوں نے کی تھیں ان سے اہل یورپ بالکل بے بہرہ تھے ایک مشہور جرمن مورخ لکھتا ہے کہ "اہل بزنطائین کو اپنی سابقہ شان و شوکت اور تمدن پر اس قدر ناز تھا کہ یہ عرب بادیہ نشینوں کو اپنے مقابلہ میں جاہل اور غیر مہذب تصور کرتے تھے اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ خود عربوں سے زیادہ نالائق اور جاہل تھے۔ ان لوگوں نے جب کبھی کسی شہر پر قبضہ کیا تو اس کو اور غریب رعایا کو تاخت و تاراج ہی کر کے چھوڑا۔ دشمن کے ملک میں داخل ہو کر قصبوں اور دیہاتوں کو جلا دیا کرتے تھے۔ ان کے برخلاف عرب ہمیشہ ان مذموم افعال سے باز اور بری رہے۔ جب تک کہ وہ مجبور نہیں ہوئے انھوں نے دشمن کے ملک کو برباد نہیں کیا۔"[1]

---

[1] ترقی علوم و فنون در زمانۂ خلفائے اسلام۔ مصنفہ وان کریمر۔
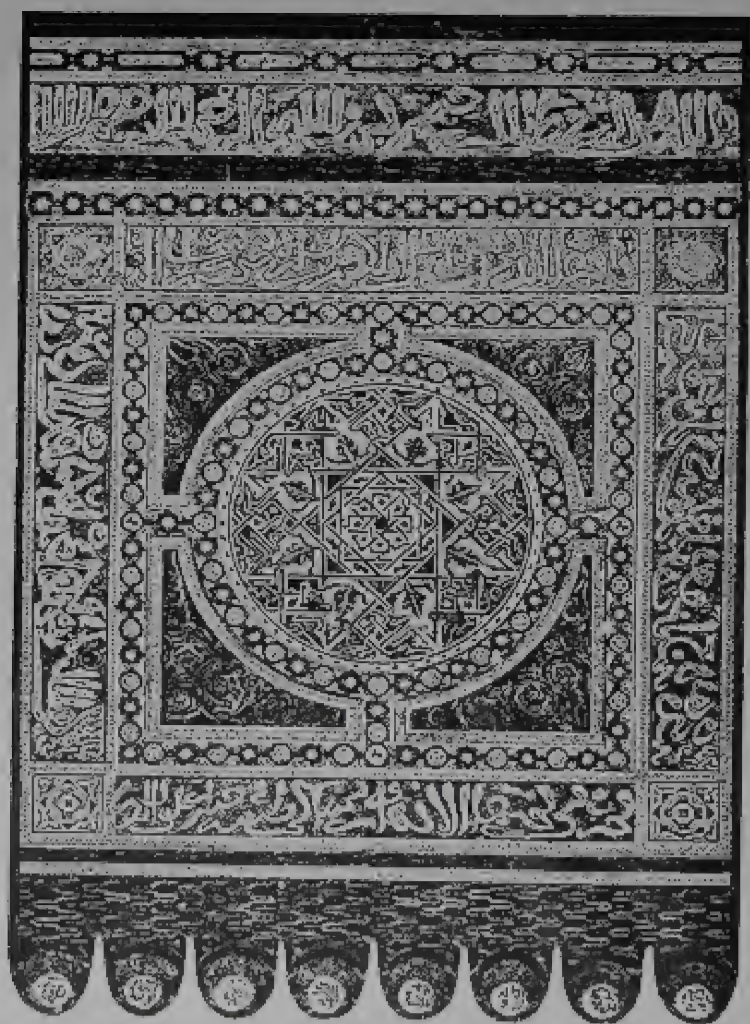
الموحدین کا پرچم
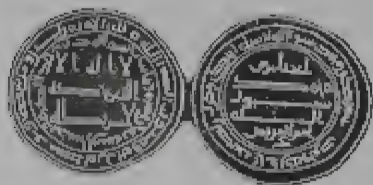
خلیفة المأمون کا سکہ سنہ ۲۱۸ ہجری کا

اموی خلیفہ دمشق کا سکہ سنہ ۱۰۷ ہجری کا

بحری قوت ابن خلدون نے اندلس کی بحری قوت کی ترقی اور تنزل کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ مسلمانوں کے لئے خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ تاریخ سے ظاہر ہے کہ عربوں کی بحری قوت اقوام غیر کی مجموعی قوت سے بہت زیادہ تھی۔ عربوں نے مثل برّی جنگ کے اس کے واسطے بھی نہایت عمدہ اصول قایم کئے تھے۔ اس کے زمانہ عروج میں افسر اعلیٰ کو امیر البحار یا امیر البحر کہا کرتے تھے۔

عبدالرحمن ثالث کے زمانۂ حکومت میں اس افسر کا نام قائد الاساطیل رکھا گیا جنگی جہاز کے افسر کو قائد یا مقدم اور اس کے ماتحت کو رئیس خطاب کیا کرتے تھے۔ ہر صوبہ دار کو حکم تھا کہ ایک مقررہ تعداد میں جنگی جہاز تمام سامان سے مہیا پیش کرے۔ تمام بندرگاہوں میں کسی بلند ٹیلہ یا پتھر پر کتابہ[1] جہاں راتوں کو روشنی جلا کرتی تھی بنایا جاتا تھا۔ تاکہ جہازوں کی آمد و رفت میں وقت اور نقصان واقع

صنعت و حرفت سلطنت غرناطہ جس کا ذکر بالتفصیل گزشتہ باب میں تحریر ہو چکا ہے۔ عربوں کی سابقہ عظمت و جبروت کی ایک بے مثل یادگار تھی۔ اس میں اندلس کے وہ حصے اور صوبے شریک تھے جو اس کے جنوب و مشرق کی جانب سواحل بحر متوسط اور آبنائے طارق پر واقع ہیں۔ اس کی مسافت شرق سے غرب تک تقریباً دو سو دس میل۔ اور جنوب سے شمال تک پچھتر میل سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن باوجود اس تنگی وسعت کے اس مختصر سے خطۂ زمین کے حدود میں وہ تمام باتیں موجود تھیں جو اس زمانہ میں بزرگ ترین سلطنتوں کو نصیب نہ تھیں۔ یہاں کے مرغزار اور وسیع میدانوں پر عربوں نے فن زراعت کو ختم کر دیا تھا اور جو دریا مثل شنیل وغیرہ جبل شلیر کی چوٹیوں سے نکل کر دامن ہائے کوہ کو سیراب کرتے ہوئے سمندر کی طرف لبریز بہ رہے تھے انکی اسقدر نہریں اور شاخیں نکالی تھیں کہ ایک خوشنما جال تمام ملک پر بچھ گیا تھا۔ ان نہروں کے ذریعہ سے پانی دور دور

---

[1] یعنی لائٹ ہاؤس۔

پہنچایا جاتا تھا۔ علاوہ اس ملک کی چیزوں کے عرب، شام اور افریقہ کے وہ میوہ جات اور اجناس جن سے نہ تو اہل یورپ واقف تھے اور نہ انکی کاشت کے طریقے جانتے تھے۔ ان کو عرب کسان باوجود اختلاف آب و ہوا اور زمین سال میں کئی بار کاشت کرتے تھے۔ ریشم اور سن بکثرت بڑے بڑے بنادر مثل المریہ اور مالقہ سے اطالیہ جایا کرتا تھا۔ اور بندرگاہیں یورپ اور شام اور افریقہ کے تجارتی جہازوں سے معمور رہا کرتی تھیں۔ غرناطہ نہ صرف اس سلطنت کا بلکہ تمام دنیا کا پلۂ تخت بنا ہوا تھا۔ اہل جنیوا اور فلارنس نے غرناطہ میں مختلف مقامات پر کلیں اور گرنیاں بغرض ترقی تجارت قائم کی تھیں۔ سلطنت غرناطہ میں تیس بڑے شہر اور اسی قدر قلعہ اور ہزاروں چھوٹے شہر اور بنادر آباد تھے ان میں کا ہر ایک شہر کسی ایک چیز کی ایجاد اور تجارت میں مشہور تھا۔ مورخ گبن بیان کرتا ہے کہ صرف وادی الکبیر کے کنارے پر بارہ ہزار شہر اور قصبے بسے ہوئے تھے۔ عرب راست بازی اور امانت و دیانت میں شہرہ آفاق تھے۔ ان کا ایک لفظ اندلس کے تمام عیسائیوں کی دستاویز اور تحریر کے مقابلہ میں کافی سمجھا جاتا تھا۔[1]

زراعت عربوں نے زراعت کو اس قدر ترقی دی تھی کہ یہ ایک خاص اور مکمل فن بن گیا تھا۔ یہ ہر میوہ اور روئیدگی اور زمین کی خاصیت اور ماہیت سے اچھی طرح واقف تھے جو اراضی افتادہ تھیں جہاں سوائے ٹیلہ اور کنکر سبزہ نظر نہ آتا تھا۔ ان کو اپنے علم کے ذریعے سے ایسا درست کیا کہ ایک قلیل عرصے میں یہ اجاڑ مقامات میوہ دار درختوں اور سبز و شاداب کھیتوں سے لہلہانے لگے۔ چاول۔ نیشکر۔ روئی۔ زعفران۔ انار۔ آڑو اور شفتالو اور سردے۔ جو اب اندلس میں بکثرت ہوتے ہیں عربوں ہی کی بدولت اندلس بلکہ تمام یورپ کو نصیب ہوئے۔ جو زمین جس چیز کی کاشت کے لئے مناسب معلوم ہوتی تھی وہیں وہ چیز بوئی جاتی تھی۔ چنانچہ اندلوسیہ و اشبیلیہ کے میدانوں میں

---

[1] ہسٹری آف دی سارسنس مصنفہ جبشن، تیرھواں باب ۳۱ صفحہ ۲۲۵ از ہسپانیہ فرڈینینڈ مصنفہ پرسکاٹ باب صفحہ ۱۹۰

زیتون و خرما کی کاشت ہوتی تھی جہاں عربستان اور شام کے عمدہ سے عمدہ زیتون اور خرمے کے درخت منگوا کر نصب کئے گئے تھے تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ ۱۲۵۹ء میں فرونڈ اول نے جب اس صوبہ پر قبضہ کیا یہاں زیتون کے لکھوکھا درخت موجود تھے اور تقریباً ایک لاکھ گرنیاں تیل نکالنے کے لئے تیار تھیں۔ شریش اور غرناطہ اور مالقہ انگور کے لئے مشہور تھے۔ چاول کی کاشت البحیرہ میں نیشکر اور روئی غندیہ میں پیدا ہوتی تھی۔

معدنیات | زراعت کے ساتھ عربوں نے فن معدنیات کو بھی کمال تک پہنچا دیا تھا۔ علاوہ ریشم روئی اور زعفران اور مختلف اقسام کے رنگوں کے سونا۔ چاندی۔ لوہا۔ فولاد[1]۔ پارہ کہربا تانبا۔ یاقوت۔ نیلم اور موتی بکثرت اندلس میں پیدا ہوتے تھے۔

فن تعمیر | اندلس کی عمارات کا ذکر مفصل طور پر پہلے ہو چکا ہے اس مقام پر تحریر کرنا مناسب ہوگا کہ یہاں کے عربوں نے اس فن کو یونانیوں اور رومتہ الکبریٰ والوں سے حاصل کیا تھا مگر ان مختلف طرزوں میں اس قدر تغیر واقع ہوا کہ یہ بظاہر ایک جدید طرز بن گیا۔ یہ طرز ایسا مقبول اور خوشنما تھا کہ یورپ نے اس کو عربوں سے اخذ کیا۔ نوکدار محرابیں اور سبک ستون فرانس کی عمارات قدیمہ میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے صرف اینٹ اور پتھر استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد جو جو ترقی تعمیر کو ہوتی گئی مصالحہ میں بھی فرق ہوتا گیا۔

مٹی اور چونا اور ریتی اور چھوٹے پتھروں سے ایک ایسا مصالحہ عربوں نے تیار کیا جو مثل سنگ مرمر کے نہایت صاف مضبوط اور پائدار ہوتا تھا چنانچہ بعض عمارات اور بالخصوص الحمرا اور جنتہ العارف۔ غرناطہ میں اس ہی مصالحہ سے بنائے گئے جو اس وقت تک بدستور قائم ہیں اور جن سیاحوں نے ان اعجوبۂ روزگار عمارات کو بچشم خود دیکھا ہے۔ بیان کرتے ہیں اسوقت تک

[1] ۔ طلیطلہ اور غرناطہ کی تلواریں مشہور تھیں۔

دیواروں کی چمک اور صفائی اُسی طرح موجود ہے۔

تصویر کشی اور سنگ تراشی یہ اہل یورپ کا اثر تھا کہ عربوں نے تصویر کشی اور سنگ تراشی میں بھی مثل اپنے عیسائی ہمسایوں کے پوری ترقی حاصل کی تھی قصر الزہرا قرطبہ میں اور الحمرا غرناطہ میں عمدہ تصویریں اور نہایت خوشنما ترشی ہوئی مورتوں سے آراستہ تھے۔ الحمرا کا الماسدہ اس وقت موجود ہے جس کے وسط میں ایک فوارہ ہے اور اس فوار کے گرد شیروں کی مورتیں پتھر سے ترشی ہوئی قائم ہیں۔ اسی طرح قصر الحمرا میں جو نادر چینی[2] کے برتن اور مرتبان جابجا رکھے ہیں۔ عربوں کی صناعی اور دستکاری کی عمدہ دلیل ہے۔

علوم وفنون تمام مورخین بیت النصاریٰ معترف ہیں کہ جو ترقی عربوں نے علوم وفنون میں کی اور جس مستعدی سے یونانیوں اور رومۃ الکبریٰ والوں سے بکمال محنت وتحقیق علم حاصل کیا وہ فی الحقیقت حیرت انگیز ہے۔ اندلس پر مسلط ہوتے ہی عربوں نے تمام ملک میں دارالعلوم اور چھوٹے مدارس۔ رصد خانے عظیم الشان کتب خانے کھول دئے جہاں تمام سامان علمی تحقیقات کا موجود تھا۔ تعلیم کے دو طریقے جاری تھے۔ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں چھوٹے مدارس ابتدائی مذہبی تعلیم دینے کی غرض سے بنائے گئے تھے۔ تکمیل تعلیم اور تحقیقات علمی کے واسطے دارالعلوم قرطبہ۔ اشبیلیہ مالقہ۔ سرقطہ۔ لشبونہ۔ جیان۔ طلیطلہ وغیرہم مشہور شہروں میں قایم کئے گئے جہاں طلبہ شوق و ذوق علم میں اطالیہ۔ فرانس۔ جرمن اور انگلستان سے آتے تھے۔

اوائل میں عرب ایک زمانۂ دراز تک صرف اہل یونان اور روما کے شاگرد اور مقلد بنے رہے اور کسی علم وفن میں جدید تحقیقات نہ کرسکے جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ سوائے اپنی زبان کے اور

---

[1] - تمدن عرب ترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۵۵۴۔ باٹ اور ہسٹری آف دی سارا سنس مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲۱ صفحہ ۵۷۵

[2] - چونکہ عربوں کی تجارت کی وسعت نے ملک چین سے بھی تعلق پیدا کرلیا تھا۔ غالباً یہ فن انھوں نے چینیوں سے حاصل کیا ہوگا۔

زبانوں سے بالکل ناواقف تھے پس سب سے پہلے انہوں نے یونانی اور لاطینی اور اسپینی کو کمال مشقت حاصل کیا اور ان زبانوں میں زبان عربی کے ساتھ متعدد لغات لکھ ڈالے جو اس وقت تک اندلس کے اسکوریل کتب خانے میں موجود ہیں۔ مثل موجودہ زمانے کے اس ابتدائی زمانہ تعلیم میں بھی ہر عرب طالب علم کی تعلیم یونانی اور لاطینی زبانوں کی تحصیل پر موقوف تھی۔ عربوں کی جودت طبع اور حصول علم کے شوق نے ان کو اس محدود دائرۂ شاگردی میں بہت روز رہنے نہیں دیا۔ اور انہوں نے قلیل عرصہ میں اس اہم مسئلہ کو کہ مشاہدہ اور تجربہ نادر کتاب پر ترجیح رکھتا ہے جس کے سمجھنے میں اہل یورپ نے صدیاں گنوا دیں دریافت کر لیا[1] باوجود اس کے بعض ناواقف عیسائی مصنف یہ کہتے ہیں کہ عرب محض پیرو ارسطو و افلاطون رہے انہوں نے کوئی جدید تحقیقات اس فن میں نہیں کی۔ اگر یورپ کے زمانۂ وسطیٰ کی تاریخ پر کوئی صاحب بینا نظر ڈالے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ الزام اہل یورپ پر عاید ہوتا ہے نہ کہ عربوں پر۔ ایک نہایت واجب التعظیم عیسائی مصنف اس کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ عربوں کا طریقۂ تحقیق تجربہ اور مشاہدہ تھا برخلاف اس کے زمانہ وسطیٰ کے یورپ کا طریقہ اساتذہ کے کلام کو پڑھنا اُن کی رائے کو بار بار بیان کرنا تھا۔ ان دونوں میں بہت ہی اصولی فرق ہے اور بلا اُس فرق کو مدنظر رکھے ہوئے ہم عربوں کی علمی تحقیقات کی پوری قدر نہیں کر سکتے[2]" قوم و ملک کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ عین عالم شباب خلافت اندلس میں خلفاء نے علم کی وہ قدر کی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ چنانچہ خلیفہ الحکم ثانی کے عہد حکومت میں صرف قرطبہ کے کتب خانہ میں ایک لاکھ کتابیں مختلف علوم و فنون کی موجود تھیں اور ہر کتاب پر خاص خلیفہ کے ہاتھ کا حاشیہ تحریر تھا۔

فن تاریخ | المقری اور ابن الحیان[3] کی تصانیف دیکھنے کے قبل میرا قول اہل یورپ کو صحیح سمجھتا تھا کہ عرب مورخ نہ تھے

---

[1] ہمبولٹ۔ [2] تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی فصل دوم صفحہ ۴۰۰

[3] اس نے دو تاریخیں اندلس کی لکھی تھیں۔ ایک دس دوسری ساٹھ جلدوں میں۔

بلکہ صرف واقعہ نویس تھے۔ اس میں شک نہیں کہ فن تاریخ عربوں کے زمانۂ عروج میں ابتدائی حالت میں تھا اور جس مکمل شکل میں یہ آج مروج ہے اور جو نئے اصول اس علم کی تحقیقات کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں وہ اس دور میں مفقود تھے۔ تاہم عربوں نے اس فن کو نہایت عمدہ اصول پر قایم کیا تھا اگر عربی تاریخیں یا اُن کے ترجمے دیکھے جائیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کے مصنفین نے صرف واقعات ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ باتیں بھی لکھی ہیں جن سے اس قوم کے ذاتی صفات و حالات اور خیالات بہت اچھی طرح معلوم ہو سکیں۔ چنانچہ المقری نے اپنی تاریخ اندلس میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ جب موسیٰ ابن نصیر ملک فرانس کے جنوبی حصہ کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا تو راستے میں ایک اُجڑا ہوا مقام اُس کو ملا جس کے وسط میں ایک ستون نہایت بلند موجود تھا اور اس ستون کے گرد یہ عبارت بخط عربی لکھی تھی کہ اگر تم یہاں سے آگے بڑھے تو تم ضرور خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے اور ملک ہاتھ سے جاتا رہیگا" اس واقعہ عجیب کا جو اثر سپہ سالار کے دل پر ہوا اُس کو بھی اس مورخ نے تحریر کیا ہے۔ اسی طرح طارق ابن زیاد فاتح اندلس کا جہاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنا اور فتح کی بشارت پانا جس کی وجہ سے افسر و فوج کو اس قدر تقویت حاصل ہوئی کہ اُن کو یقین کامل ہو گیا کہ ہم ضرور اس ملک کو فتح کریں گے۔ اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اب فنِ تاریخ نے اس قدر ترقی کی ہے کہ یہ ایک شاخ فلسفہ کی بن گئی ہے۔ مورخ کا کام یہ ہے کہ واقعات پیش شدہ کے اسباب و علل دریافت کر کے نتائج پند آمیز اور عبرت خیز نکالے اُن اسباب و علل کی غلطی و صحت کا وہ ذمہ دار نہیں ہو سکتا بلکہ کبھی اوقات نتائج مستخرجہ سے ان اسباب و علل کی صحت و غلطی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ مورخین یورپ نے تاریخ سے ایک علم علم سیاست پیدا اور اس علم کے قواعد اور اصولوں کو تجربہ اور مشاہدہ کی مستحکم بنا پر قایم کیا ہے۔ چنانچہ ایک مشہور انگریزی مورخ کا قول ہے کہ "تاریخ بغیر پولیٹکل سائنس[1] ایک درخت

---

[1] پولیٹکل سائنس مصنفہ سیلی سابق ریجیس پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی۔

ہے بغیر جڑوں کے۔" اور پولیٹیکل سائنس "یعنی علم سیاست بغیر تاریخ جڑیں ہیں بغیر پیڑ اور شاخوں کے۔" گو عربوں نے اس کو اس قدر ترقی نہیں دی لیکن جب انہوں نے اس کو یونانیوں سے حاصل کیا تو بہ نسبت اپنے معاصرین کے بہت کچھ ترقی دی اور آئندہ ترقی کا اہل یورپ کو راستہ بتایا۔

فلسفہ | عربوں نے جو ترقی فلسفے[1] میں کی ہے اُس کی نسبت علمائے یورپ کی رائے دیکھنے کے قابل ہے۔ انہوں نے تمام فلسفہ یونان کی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کر ڈالا تھا۔ فلاسفہ عرب میں یہ نام[2] یورپ میں واجب القدر و تعظیم خیال کئے جاتے ہیں۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ جو عام طور پر ابن باجہ کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ علاوہ فلسفہ کے بے مثل طبیب اور ریاضی داں اور علم ہیئت میں

---

[1] ہم نے اس امر کے دریافت کی بہت کچھ کوشش کی تھی کہ ممالک شرقیہ میں یونانی علوم کا رواج کب سے ہوا۔ اگر صحیح تاریخ ان علوم کی اشاعت کا معلوم نہ ہو سکا۔ تاریخ سے اتنا ضرور پایا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں نسطوری پادری یونان اور روم سے نکالے گئے تو انہوں نے ایک مدرسہ بمقام ایڈیسا قائم کیا۔ ابتداءً یونانی علوم نے ایشیا میں انہیں کے ذریعے سے اشاعت پائی بعد ازاں جب رومی بادشاہ زینو نے ایڈیسا کو غارت کیا تو شاہان ساسانیہ نے ان لوگوں کو ایران بلا لیا اور جب بزمانہ جسٹینین ایتھنس و اسکندریہ کے مدارس بند کر دیئے گئے تو یہاں کے علما بھی دربار ایران میں پناہ گیر ہوئے اور ارسطو وغیرہ فلاسفہ یونانی کا ترجمہ سریانی اور کالدی میں کرتے رہے۔ ایران سے یہ علم عرب میں آیا جب عربوں نے ایران کو فتح کیا تو انہوں نے فلاسفہ یونانی کی تصانیف کو سریانی وغیرہ سے عربی میں ترجمہ کیا پس معلوم ہوا کہ یونانی علوم پہلے شام و مصر اور اُن کے بعد ایران میں مروج ہوئے۔ جہاں سے اُن کو عربوں نے اخذ کیا لیکن عربوں نے صرف ان ترجموں پر اکتفا نہیں کیا اور بہت جلد یونانی زبان کو حاصل کر لیا۔ زینو نے سنہ ۴۷۴ء سے لے کر سنہ ۴۹۱ء تک حکومت کی تھی۔ اور جسٹینین نے سنہ ۵۲۷ء سے لے کر سنہ ۵۶۵ء تک گبن جلد (۵) باب (۴۰) صفحہ (۹۲)۔ اور تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی کتاب پنجم باب اول فصل اول صفحہ ۳۹۷۔

[2] یورپ میں اس کو "اون پیس" کہتے ہیں۔

کامل دست گاہ رکھتا تھا۔ ابن طفیل ابو بکر محمد بن عبد الملک مثل ابن باجہ علاوہ تمام علوم مذکورہ شعرو سخن میں کامل تھا یہہ وادی آش میں پیدا ہوا تھا۔ ابو بکر ابن زہر ساکن اشبیلیہ جس کو اہل یورپ اوین زور کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اُس کے لائق ہم عصر ابو الولید محمد بن احمد بن رشد[1] نے اپنے خیالات کی آزادی میں بڑی ناموری حاصل کی۔ اکثر متعصب عُلما نے ان کی بہت مخالفت کی اور بعض اوقات عوام الناس کو ان سے ایسا برافروختہ خاطر کیا کہ خلیفہ کو چند روز کے لئے ان لوگوں کو ملک سے خارج کردینا پڑا۔ یورپ میں اس وقت تک عام خیال یہ ہے کہ عربوں نے فلسفہ میں ترقی نہیں کی بلکہ صرف فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے ترجمہ اور اُن کی شاگردی پر اکتفا کیا لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ باوقعت اور نہایت مشہور فلاسفۂ یورپ متفق اللفظ ہیں کہ عربوں نے اس علم میں بہت ترقی کی تھی اور اپنے جدید خیالات کو بلالحاظ نقصان اور مضرت نہایت آزادی کے ساتھ ظاہر کیا کرتے تھے مسیو رینان[3] تحریر کرتا ہے کہ ابن رشد اپنے اوستاد ارسطو پر بھی فوق لے گیا تھا اور اوس نے بلاخوف مضرت اپنے خیالات کو ظاہر کیا۔ چنانچہ ابن رشد کو بقائے روح اور بعث ونشر سے انکار تھا اور اُس کا یہ قول تھا کہ انسان کو اُس کے اعمال کی سزا یا جزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ آخرت کا وہ قائل نہ تھا۔ عقبیٰ کی نسبت بھی اس کے خیالات بالکل نئے بلکہ بلحاظ مذہب کفر تک پہنچے تھے۔ وہ ان تمام باتوں کو قصہ اور کہانی تصور کرتا اور کہتا ہے کہ کسی انسان کا حظ نفس کو ان ہی کہانیوں کی بدولت دونے معاوضہ کی امید پر ترک کرنا کوئی قابل تعریف چیز نہیں اس واسطے کہ بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کہانیوں کو نہیں مانتے مگر نیکی میں ان لوگوں سے کم نہیں ہیں۔

---

[1] اُس نے مراکش میں ۵۸۱ھ م ۱۱۸۵ء میں انتقال کیا [2] اس نے ۵۹۵ھ م ۱۱۹۹ء میں انتقال کیا۔

[2] اس کو یورپ میں اویروز کہتے تھے۔ اس نے ۵۹۵ھ م ۱۱۹۸ء میں انتقال کیا۔ یہہ اشبیلیا اور قرطبہ کا قاضی بھی رہ چکا تھا۔ [3] یہ نہایت مشہور اور معروف فرانس کا فلاسفر گزرا ہے۔

علوم ہیئت وریاضی | علوم ریاضی وہیئت میں بھی جو ناموری اندلس کے عربوں نے حاصل کی تھی اُس کی
شہادت اُن علوم کی تمام کتابیں جو یورپ میں شائع ہوئی ہیں دے رہی ہیں۔ افسوس تو اس امر کا ہے کہ
عربوں کے عیسائی جانشینوں نے عربی کتب خانوں کو محض بوجہ تعصب مذہبی نیست ونابود کردیا
لیکن جن مصنفین اہل یورپ نے علم ہیئت کے متعلق کچھ لکھا ہے اونہوں نے جابجا اپنی کتابوں کو علمائے
عرب کی رائے اور استدلال سے مزین کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ عربوں نے اس علم میں اس درجہ ترقی کی
تھی کہ محققین یونان مثل بطلیموس وغیرہ کی تحقیقات کو غلط اور ناکمل ثابت کردیا۔ ابن عبدالرحمن الزرقال[1]
اندلس کے ایک مشہور مہندس نے طلیطلہ میں اسطرلاب اور گھڑیاں تیار کی تھیں جب یہ اشبیلیہ آیا تو
یہاں کے شاہان بنی عباد نے اس کی بڑی قدر کی۔ چنانچہ معتمد کے زمانۂ حکومت میں اس نے ایک
کتاب علم ہیئت اور آلات پر جو اس نے بکمال محنت وتحقیق ایجاد کئے تھے لکھی تھی۔ الزرقال نے نہایت
صحت کے ساتھ سالانہ استقبال معدل النہار کا پچاس ثانیہ ہونا معلوم کیا تھا جو اس ہمارے زمانہ کی
تحقیقات سے بالکل صحیح ثابت ہوا۔ اندلس کے مہندسین نے بقول مسیو سدیو علمائے ہیئت النصاریٰ
کے قبل یہ دریافت کرلیا تھا کہ سیاروں کی حرکت بیضاوی ہے۔ اور زمین آفتاب کے گرد حرکت کررہی ہے۔

علم جغرافیہ | عربوں کو علم جغرافیہ کا شوق اُس زمانہ سے ہوا جب کہ یہ تجارت میں ترقی کرتے ہوئے اون
ممالک مثل چین وہند وغیرہ تک جا پہنچے جن سے اہل یورپ بالکل ناواقف تھے۔ اولاً یہ علم سفرناموں
کے ذریعہ سے بلاد شرقیہ میں پھیلا۔ بڑے بڑے سیاح مثل ابن بطوطہ نے اپنے سفر کے جو حالات لکھے
ہیں اون میں وہاں کے جغرافیہ کا بھی ذکر کیا ہے اسی طرح یہ رفتہ رفتہ ایک خاص فن بن گیا۔ اندلس
کے مشہور جغرافیہ داں کا نام ادریسی ہے اُس نے جو مشہور جغرافیہ ۱۱۵۴ء میں لکھا تھا۔ اُس میں صرف
وہ واقعات ہی جو اس کو متقدمین کی تصانیف سے معلوم ہوئے تھے درج نہیں ہیں بلکہ اس نے جو تحقیق

[1] اس علم کی تحقیقات کے لئے رصد خانہ بنا دئے گئے تھے۔ چنانچہ اشبیلیہ کا گرالڈا اس وقت تک موجود ہے۔

کہ بذات خود کی تھی اور نیز جو واقعات اس کے ہمعصر سیاحوں سے دریافت ہوئے تھے مع متعدد نقشوں
کے بالتفصیل درج ہیں۔ سیکڑوں برس علمائے یورپ کا دار و مدار اس فن کا اس ہی جغرافیہ پر رہا۔

فن طب | فن طب نے جو ترقی مشرق ہیں کی تھی اُس کے اس مقام پر بتانے کی ضرورت نہیں پائی جاتی
تمام دنیا واقف ہے کہ عربوں نے اس فن میں کس قدر کمال حاصل کیا تھا بو علی سینا اور ابو بکر محمد الرازی
سے مشرق اور مغرب دونوں واقف ہیں۔ ایک زمانہ تک اہل یورپ ان ہی لوگوں کے پیرو رہے
اور ان کی تصانیف کو لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں ترجمہ کر کے مستفید ہوتے رہے۔ لیکن بعض
ناواقف لوگوں کے خیالات کو رد کرنے کی غرض جو ترقی کہ اندلس کے عربوں نے عل جراحی میں کی تھی
تحریر کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ عربوں نے اس فن میں ترقی نہیں
کی۔ اس کی تائید میں بیان کیا جاتا ہے کہ مذہب اسلام میں مروے کی چیر پھاڑ قطعاً ممنوع ہے
اور جب تک کہ علم تشریح پر کوئی شخص حاوی نہ ہو وہ عل جراحی میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اس کی نسبت
لیبان لکھتا ہے کہ "فن جراحی کی بھی ابتدائی ترقی عربوں ہی سے ہوئی اور زمانہ حال تک اُن
ہی کی تصانیف پر یورپ کے مدارس طبیہ کا مدار رہا۔ گیارھویں صدی عیسوی میں اُن کو موتیابند
کا علاج زجاجیہ کے دبا دینے یا اوس کے نکالنے سے معلوم تھا۔ پتھری کا نکالنا جس کو البقاسیس اس
وضاحت کے ساتھ لکھتا ہے۔ خون کو ٹھنڈے پانی سے بند کرنا۔ محرقہ ادویات اور ریشمی ٹانکوں کا استعمال
اور زخم کا آگ سے جلانا تمام طریقے علاج کے عربوں میں جاری تھے۔ بیہوشی کی دوا دینا بھی جو بالکل
جدید ایجاد خیال کی جاتی ہے ان سے مخفی نہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سخت عل جراحی سے پہلے مریض
کو کوئی غشی دوا دینی چاہئے جس سے وہ سو جائے اور اس میں حس و حرکت باقی نہ رہے"[2]۔

[1] تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی

[2] تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی فصل دوم علوم طبیہ۔ صفحہ ۴۵۵

اندلس کے مشہور طبیب اور جراح ابوالقاسم بن عباس البقاسیس نے عمل جراحی کے آلات ایجاد کیے تھے اور ایک مبسوط کتاب اس فن میں موسوم بہ "التصریف لمن عجز عن التالیف" جس میں اس نے نہایت تحقیق کے ساتھ پتھری نکالنے۔ بچے جنانے۔ فتق اور دانت اور آنکھوں اور ٹوٹی ہڈی کے درست کرنے پر بحث کی ہے لکھی تھی۔ اسی طرح ابو مروان عبدالملک بن زہر جو یوسف بن تاشفین کے زمانے میں گزرا اور ابن رشد اندلس کے مشہور فلسفی نے بھی عملیات جراحی پر ایسی کتابیں لکھی ہیں جن کی آج قدر کی جاتی ہے۔

علم حیوانات و نباتات علم طب کے ساتھ اندلسی عربوں نے علم حیوانات اور نباتات میں بدرجۂ غایت تحقیق و تدقیق کی تھی۔ قرطبہ اور غرناطہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں خاص اہتمام کے ساتھ باغ تیار کیے گئے تھے جس میں اقسام کے نادر اور کمیاب درخت علم نباتات کی تحقیق کے لیے دور دور سے منگا کر لگائے گئے تھے۔ علم حیوانات میں جو ترقی اُنہوں نے کی ہے اُس کے دریافت کا اگر کسی کو شوق ہو تو بو علی سینا کی تصانیف کی سیر کرے۔

کاغذ علاوہ ہتیار اور دباغت کیے ہوئے چمڑے کے عربوں نے کاغذ ایجاد کیا۔ کاغذ کی ایجاد چینیوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ چینیوں نے پہلے ریشم سے کاغذ بنایا تھا اگر ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں تاہم یہ اچھی طرح ثابت ہے کہ یورپ میں کاغذ سن اور روئی کا بنا ہوا عربوں ہی کے ذریعہ سے مروج ہوا اور یہ اُس کے مُوجد تھے اس وقت اندلس کے اسکوریل کتب خانہ میں ایسی دستاویزیں اور کتابیں موجود ہیں جو گیارھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھیں۔ اُس زمانہ میں اہل یورپ چمڑے پر لکھا کرتے تھے۔ اور یہ کتابیں کاغذ پر لکھی ہوئی ہیں[1]

توپ و بارود۔ بارود اور توپ ان دونوں چیزوں کے موجد عرب ہیں اور جس طرز سے کہ بعض معصر

---

[1] تمدن عرب۔

عیسائی مصنفین نے ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اُس سے خود ثابت ہے کہ یہ لوگ ان سے بالکل ناواقف تھے او فونش یازدہم کی تاریخ میں لکھا ہے کہ شہر کے مسلمان بہت سی گرجنے والی چیزیں اور لوہے کے گولے بہت بڑے سیب کی برابر پھینکتے تھے۔ یہ گولے اس قدر دُور جاتے تھے کہ بعض فوج کے اُس پار ہو جاتے تھے اور بعض فوج میں گرتے تھے[1]؎

عربوں نے بارود کا نسخہ اور اس کا استعمال بھی بتایا ہے۔

اُس سفوف اور اُس کی مقدار کا بیان جو مدفع میں بھرا جاتا ہے۔ شورہ دس درم۔ کوئلہ دو درم۔ اور گندھک ڈیڑھ درم۔ ان کو نہایت باریک پیسکر مدفع میں تہائی تک بھرنا چاہیئے اس سے زیادہ نہیں کیونکہ اس کے پھٹ جانے کا خوف ہے۔ بھرنے کے لئے مدفع کے منھ کی برابر ایک لکڑی کا گز بنائیں اور اُس سے بارود کو زور سے ٹھوکیں اور پھر اُس کے اُوپر سے گولہ یا لوہے کا ٹکڑا ڈالیں اور اُس کے بعد فتیلے میں آگ دیں۔ مدفع کی لمبائی اُس کے سوراخ کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اگر سوراخ بڑا ہو اور مدفع اُس کے مطابق نہ ہو تو اُس میں عیب[2] ہوگا۔

تعلیم نسواں علوم و فنون میں صرف مرد ہی مشہور نہ تھے بلکہ اندلس کی عربی عورتوں نے ہر قسم کے علوم و فنون میں اس درجہ ترقی کی تھی کہ یہ بھی عُلمائے وقت سے کم نہ سمجھی جاتی تھیں۔ عربوں کی روشن خیالی کی اس سے عمدہ دلیل نہیں مل سکتی کہ انہوں نے اپنی عورتوں میں بھی حصولِ علم کا شوق پیدا کیا اور اُن کو پوری آزادی دی یہانتک کہ علمی[3] مباحثوں میں اکثر تعلیم یافتہ عورتیں بھی شریک رہا کرتی تھیں اور جویائے علم ان سے درس لیا کرتے تھے زینب اور حمدا دونوں متوطن وادی الحمہ۔ زیاد نامی

---

[1] تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۴۴۱ [2] تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۴۴۲۔ موسیو لیبان کے اس بیان کی تائید کہ یورپ میں سب سے پہلے عربوں نے بارود اور توپ کو استعمال کیا۔ المقری اور ابن خلدون عرب مورخین سے بھی ہوتی ہے۔ [3] ازابلا اینڈ فرڈیننڈ مصنفہ پرسکاٹ باب (۸) صفحہ ۱۹۲ نوٹ ۳۔

کتب فروش کی بیٹیاں تھیں۔ ابن عباد اپنی تصنیف تحفۃ القدیم میں تحریر کرتا ہے کہ حسن اور عصمت اور دولت دنیا کے ساتھ انہوں نے ایسی لیاقت حاصل کی تھی کہ علمار کی مجلسوں میں مثل اپنے برابر والوں کے شریک ہوتی تھیں حفصہ نے خوشنویسی میں وہ نام پیدا کیا تھا کہ اندلس کے مشہور خوشنویس اس سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان عورتوں نے صرف ادب اور شعر و سخن پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فلسفہ اور ہیئت ریاضی اور طب میں بھی کمال حاصل کر لیا تھا۔ العارو ضیہ صرف و نحو اور معنی اور بیان میں مشہور ہوئی اور مریم بنت ابو یعقوب الانصاری ساکن اشبیلیہ شاعری اور ادب اور ام النہی قانون میں درس دیا کرتی تھیں۔ الغرض کوئی فن ایسا نہ تھا جو عورتوں سے چھوٹا ہو۔ تاریخ کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ بہ نسبت ہمارے زمانہ قدیم کے عرب کس قدر روشن خیال تھے مجھکو ایک واقعہ اچھی طرح یاد ہے جس کا اظہار اس مقام پر خالی از لطف نہ ہوگا۔ ایک روز ایک صاحب جو فی زمانا عالم سمجھے جاتے ہیں میرے پاس بغرض ملاقات آئے اثنار گفتگو میں عورتوں کی تعلیم و تربیت اور اون کے ساتھ جو برتاؤ ہم آجکل کرتے ہیں ان باتوں کا ذکر آیا۔ ان صاحب نے جو عورتوں کے نام ہر بار نہایت حقارت سے لیتے تھے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے خود ان کو ناقص العقل کا خطاب دیا ہے یہ صرف اس قابل ہیں کہ گھر میں قید رہیں اور گھر کا انتظام اور بچوں کی نگرانی اور پرورش کریں۔ عورتوں کا درجہ اسلام میں کنیزوں سے کسی طرح زیادہ نہیں ہے۔ گو پردہ کا میں بھی طرفدار ہوں لیکن یہ مذموم کلمے ایک عالم سے سن کر مجھکو صرف تعجب ہی نہیں بلکہ بہت افسوس ہوا۔ جو بیّن فرق ان قدیم و جدید خیالات میں ہے اُس کی صراحت و توضیح کی ضرورت نہیں صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی حکومت و ثروت کے ساتھ اُن کی طرز معاشرت اور خیالات میں کس قدر تنزل و پستی واقع ہوئی ہے۔ اس کا اصل باعث یہ ہے کہ آجکل ہمارے علمار میں سے زیادہ تر خود اپنی قومی تاریخ سے بے بہرہ ہی نہیں بلکہ اُس سے واقف ہونے کی کوشش تک نہیں کرتے عربی میں صرف و نحو اور فارسی میں گلستان اور بوستاں اور اردو میں

قصص وحکایات پڑھکر اپنے کو وحید عصر تصور کرنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی بدقسمت اون کی طرز روش پر اعتراض کر بیٹھے تو وہ فوراً جاہل بلکہ کافر وجہنمی قرار پاجاتا ہے۔ اس جگہ ابوالفضل کے یہہ اشعار مصداق اس قول کے ہیں ؎

تو خود می نشنوی بانگ دہل را	رموز سرِ سلطان راچہ دانی
ترا از کاف کفرت ہم خبر نیست	حقیقتہائے ایمان راچہ دانی

شجاعت اسلامی حکومت اندلس کے زمانۂ عروج میں سات سو برس قبل اندلس میں عربی عورتیں نقاب اُٹھا کر باہر نکلا کرتی تھیں اور علاوہ علمی مباحثوں کے کھیل وتماشوں کے جلسوں کی صدر نشین بنکر اپنے پرتو تہذیب واخلاق سے ان کو زیب وزینت بخشا کرتی تھیں۔

جب نوجوان ہونہار عرب کسی نازنین کے حُسن خداداد پر فریفتہ ہوتے تھے تو بمصداق ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن	دل بدستِ دگرے دادن وحیراں بُودن

عشاق کسی پُر فضا دامن کوہ کے میدان میں جو نہایت اہتمام سے تیار کیا جاتا تھا قسمت آزمائی کے واسطے جمع ہوتے تھے اور یہاں اس پری زاد وزہرہ تمثال رہزن دین وایمان کی نظروں کے سامنے جو نقاب افگن لباس فاخرہ در بر تاج مکلل بجواہر بر سر بہزار ناز وانداز رونق افروز بزم ہوتے تھے ایک ایک نشانی اپنے محبوبۂ دلنواز کے لئے مسلح ومکمل فن سپہ گری کے جوہروں کو ختم کردیتے تھے اُن کے چہروں سے جو بیقراری اور پریشانی ظاہر ہو رہی تھی اُس کا اندازہ وہی کرسکتے ہیں جو عشق وعاشقی کے لُطف سے واقف اور راہ عشق میں اپنی ہستی کو مٹا چکے ہیں۔ ان کے کلیجوں کی دھڑک اور دل کے اضطرار سے یہ آشکارا تھا کہ کسی ماہ پارہ آفت جان غارت گر دین وایمان کے شعلۂ عشق نے ان کے دل اور جگر کو کباب کردیا ہے ؎

ٹھہر اے دل چھری تلے دم لے [1]	ایسی کیا تجھکو بیقراری ہے

[1] نواب سرور الملک بہادر

دیر میں جلوہ گر صنم ہوگا | ہاں یہی وقت ہوشیاری ہے
بت بیداد گر سے ملنا ہے | شب معراج یہ ہماری ہے
ہم کو حاذق نے کردیا بدنام | واہ کیا شرط راز داری ہے

ایک طرف نوجوان خوش وضع عرب زرہ فولادی زیب تن کئے آلات حرب سے آراستہ عربی مرکب پر سوار عاشقانہ اشعار پڑھتا ہوا نظر آتا تھا اس کی سپر آہنی کی پشت پر اُس کا دل مضطر ناوک ناز سے زخمی منقش تھا۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو | یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

دوسری طرف اس کا مدمقابل ہمسن اور ہم مذاق و ہم وضع اپنی ڈھال پر نقشہ ایک کشتی کا جو دریائے تلاطم بلا خیز سے تباہ حال نظر آتی تھی نیزہ بدست نازنین صدر نشین کے اشارہ کا امید و بیم کے جوش و اضطراب کے ساتھ منتظر تھا۔

پیداست بے نیازی عشق از فنائے ما | گر زورقے شکست ز دریا چہ می رود

ان میں سے جو اس میدان کارزار میں پوری طرح کامیابی حاصل کرتا تھا یہ دولت عظمیٰ اوسی کو نصیب ہوتی تھی۔

الغرض یہ عربوں کی شجاعت اور روشن خیالی تھی کہ انہوں نے عورتوں کو کبھی ذلیل وحقیر نہیں سمجھا اور ہمیشہ اُن کی توقیر وحفاظت میں اپنی جانوں کی پروا نہ کی۔ یہ باعصمت و لائق عورتوں کی صحبت کا اثر تھا کہ عربوں کی تہذیب اور اخلاق اور اون کی حسن معاشرت کی تعریف و تقلید تمام یورپ کرتا تھا۔[1]

[1] رینا د۔ اس کی نسبت ”ہسٹری آف دی سارا سنس“ مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲ صفحہ ۵۰۰ اور پرسکاٹ اور کونڈ کی تصانیف بھی پڑھنے کے قابل ہیں جہاں تک دریافت ہوا ہے اس قسم کی آزادی صرف اندلس کے (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

عربوں کا اثر یورپ پر

اَب ہم اس امر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عربوں کے تمدن وطرز معاشرت کا اثر اندلس پر خصوصاً اور یورپ پر عموماً کیا ہوا تھا۔ کسی قوم مسلطہ کی نیک یا بد اثر کا اقوام مفتوحہ پر معلوم کرنے کے لئے منجملہ دیگر ذرائع کے ایک عمدہ اور مورخانہ طریقہ یہ ہے کہ اقوام متاثرکی اُن حالتوں کا مقابلہ کریں جو حالت اُن کی مفتوح ہونے کے قبل زمانۂ تسلط اور پھر اس اثر کے زائل ہونے کے بعد ہوئی۔ حالت اول کو ہم پہلے مفصل طور پر تحریر کر چکے ہیں حالت دوم کا اندازہ بھی اس تاریخ کے ملاحظہ سے ہو سکتا ہے۔ مگر اس اخیر باب میں جو واقعات مندرج ہیں بلحاظ اُن کے اسلامی تمدن کے زبردست تسلط کا ذکر لازمی سمجھتے ہیں۔

اقوال مصنفین ومورخین یورپ جو ہم نے جابجا واقعات تاریخی کے ثبوت میں استدلالاً پیش کیے ہیں اُن سے ناظرین باتمکین پر کافی طور پر منکشف ہو گیا ہوگا کہ عربوں کی تہذیب واخلاق اور اُن کے نئے تمدن نے اہل یونان اور روما اور نیز اُن وحشی اقوام کو جنہوں نے یونان اور روما کی سلطنتوں کو تہ وبالا کر نیست ونابود کر دیا تھا جامہ انسانی پہنایا۔ ان کے علمی ذوق وشوق نے تمام یورپ کے لئے ادب وفلسفہ صنعت وحرفت بلکہ تمام علوم وفنون کے جس سے وہ بالکل بے بہرہ تھا دروازے کھول دیئے تھے اور تقریباً آٹھ سو برس تک عرب ہر چیز میں اہل یورپ کے اوستاد بنے رہے۔ عربوں کے تسلط کے سو ہی برس کے اندر اندلس کے عیسائیوں کے خیالات وطرز معاشرت میں ایسا تغیر واقع ہوا تھا کہ جس کی حد و پایاں نہیں۔ اس سے پہلے تمام یورپ پر جاہلیت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ علم جو صرف مذہبی کتابوں پر منحصر تھا۔ پادریوں اور اُن کے مذہبی پیشواؤں تک محدود تھا۔ یہ لوگ انجیل کو پڑھ لیتے تھے اور کسی قدر لکھ بھی لیتے تھے اور اپنے اثر وقعت کو قائم رکھنے کی غرض سے عوام الناس کو تحصیل علم سے صرف منع ہی نہیں بلکہ نہایت جبر وزیادتی کے ساتھ روکتے تھے۔ غرض امیر وغریب سب گویا بے دست وپا تھے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۲۹۔ عربوں میں پائی جاتی ہے بعض مصنفین اہل یورپ کا یہی قول ہے کہ شوالری نے یورپ میں انہیں عربوں کی بدولت رواج پایا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو نگارستان قدرت مصنفہ نواب آغا مرزا بیگ خاں سرور الملک بہادر)

الکوز (ظرف جس پر مینا کاری ہے)

(الحمراء سے برآمد ہوا۔ غرناطہ)

اور ذرا سی بے اعتدالی یا عدول حکمی پر پوپ ان کو مذہب سے خارج کر دیتا اور ہر قسم کی جسمانی
تکلیف پہنچاتا تھا عرب جب اندلس پر مسلط ہوئے تو ان وحشی اور خود غرض پادریوں کا اثر بھی
بتدریج زائل ہونے لگا اور رفتہ رفتہ عیسائی رعایا کے خیالات میں ایسا تغیر واقع ہوا کہ عبدالرحمٰن ثانی
کے زمانہ حکومت میں جب اُن کے پیشواؤں نے ان کو اپنا مذہب یاد دلا کر بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا تو
باستثنائے چند خود غرضوں کے امیر و غریب سب نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور یہ جواب
دیا کہ جب ہم کو عربوں نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے اور ہمارے معبدوں اور جان اور مال کی
پوری حفاظت کیجاتی ہے تو محض ہوس حکومت میں اُن تمام فوائد اور اپنی جانوں کو تلف کرنا عقل و
دانش کے بالکل خلاف ہے۔ عیسائی امیرزادوں نے اپنی زبان اور علم کو بالکل ترک کر دیا تھا اور نہایت
شوق کے ساتھ ہر چیز میں عربوں کی تقلید کرتے تھے[1] اور نہایت محنت و توجہ کے ساتھ عربی زبان کو حاصل
اور اُس میں نظم و نثر لکھنے کی کوشش بلیغ کرتے تھے۔ فرقہ قسیسین ابنائے وطن کی یہ حالت دیکھکر اپنے
دل ہی دل میں کباب ہوتے تھے۔ عربوں کا وہ رعب ان پر چھایا تھا کہ سوائے خموشی اور چارہ نہ تھا۔
ایک پادری یولوجیس نہایت تعصب آمیز الفاظ میں کہتا ہے کہ "اب عیسائی عربی زبان و تمدن پر
اپنی جانیں نثار کرتے ہیں اور اپنی مادری زبان اور اپنی مذہبی کتابوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں"[2]۔

رفتہ رفتہ عربی زبان نے وہ اثر پیدا کیا کہ خاص اندلس کی زبان میں بے انتہا عربی الفاظ
شریک ہو گئے۔ مسیو ڈوزی نے بکمال محنت اندلس اور پرتگال زبانوں کے اُن الفاظ کی جو عربی سے
مشتق ہوئے ہیں ایک خاص لغت تیار کی ہے۔ ایک دوسرا فرانسیسی مصنف عربی زبان کے اثر کے
متعلق لکھتا ہے کہ "یہ امر نہایت قرین قیاس ہے کہ عربوں ہی کی زبان سے جو آٹھویں صدی عیسوی سے
بحر متوسط پر قابض تھے فرانسیسی اور اطالی زبانوں میں اکثر وہ الفاظ اخذ کئے گئے جو جہاز رانی اور

[1] مورز ان اسپین مصنفہ لینپول باب ۵ صفحہ ۹۔ [2] لینپول باب ۵ صفحہ ۹۔

اور بحری انتظام سے متعلق ہیں قطب نما کا آلہ جو غلطی سے چینیوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے انہیں کے ذریعے سے یورپ میں آیا۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ جس وقت باقاعدہ اور مستقل فوجیں یورپ میں قایم ہونے لگیں تو افسروں کے نام اور لڑائی میں نعرے کے الفاظ بھی عربوں ہی سے لئے گئے اور انتظام مملکت کے متعلق اصطلاحیں بغداد اور قرطبہ سے اخذ کی گئیں۔ فرانس کے طبقہ ثالث کے سلاطین پوری طرح عربوں کے مقلد تھے اور اسی وجہ سے شکار کے متعلق اکثر الفاظ عربی الاصل ہیں۔ اسی طرح ٹورنامنٹ کا لفظ جس کو اہل لغت لاطینی سے مشتق کرتے ہیں فی الواقع عربی لفظ دوران سے نکلا ہے جو ایک قسم کی فوجی ورزش تھی جس کا ایک جزو دائرے کے گرد پھرنا تھا لیکن زیادہ تر الفاظ جو ہمیں عربوں سے ملے ہیں وہ علمی اصطلاحات ہیں۔ ہمارا علم ہیئت ان اصطلاحوں سے معمور ہے۔ اکثر ستاروں کے نام عربی ہیں اور ریاضی کی اصطلاحات۔ کیمیا کی اصطلاحات اور علم حیوانات اور علم طب کی بہت سی اصطلاحات اور ادویہ کے نام عربی سے اخذ کئے گئے ہیں حشیش جو ہماری زبان پر ہے عربی ہے اس سے مشتق لفظ اساسن ہے جس کے معنی یورپ کی زبانوں میں اس قاتل کے ہیں جو چھپ کر مارے۔"[1]

بیک گردشِ چرخِ نیلوفری		نہ نادر بجا ماند نے نادری	

نہایت عبرت و افسوس کا مقام ہے کہ آن واحد میں خوشنما اور خوبصورت نقشہ بنا ہوا بگڑ گیا اور غرناطہ کی دیواروں کے سامنے اُس وسیع و سرسبز شاداب میدان میں عربوں کی حکومت ختم ہو گئی اور قصر الحمرا میں عیسائی پھرتے نظر آنے لگے۔ جب عیسائی آٹھ سو برس بعد اندلس پر دوبارہ قابض ہوئے تو انہوں نے جو فائدہ عربوں کی انصاف پروری، روشن خیالی سے صدیوں اٹھایا تھا۔ بالکل بھول گئے اور باوجود متعدد معاہدوں کے ان کے ساتھ ایسی بدسلوکی اور بے رحمی اور سنگدلی

[1] تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۴۷۴۔

سے پیش آئے کہ جس کے صرف خیال سے رونگٹے بدن پر کھڑے ہوتے ہیں۔ تمام ملک میں انکوئزیشن یعنی مذہبی عدالتیں قایم ہوگئیں جہاں ہزارہا مسلمان صرف اس خطا پر کہ ان کا دین اسلام تھا جلادیے گئے۔

یہ وہ قتل عام تھا جس کی مثال تاریخ میں ہرگز نہ ملے گی۔ ادھر تو عرب قتل اور خارج البلد ہونے لگے اور ادھر اندلس میں اسی وقت سے تنزل شروع ہوا۔ پادری دوبارہ ملک و قوم پر مسلط ہوگئے اور علوم و فنون زراعت و حرفت وہ تمام چیزیں جن پر قوم و ملک کی ترقی و عظمت منحصر ہے بالکل مفقود ہوگئیں۔ دار العلوم و مدارس و رصد گاہیں۔ کھنڈر۔ بڑے بڑے صنعت و حرفت کے کارخانے بند۔ لہلہاتے کھیت۔ سرسبز و شاداب باغ اجاڑ ہوگئے۔ غرض تھوڑے ہی عرصے میں تمام ملک ویران ہوگیا۔ مجریط کی مردم شماری چار لاکھ سے دو لاکھ رہ گئی۔ اشبیلیہ کے پندرہ سو کارخانوں میں کہ جن میں ایک لاکھ تیس ہزار آدمی روزانہ کام کرتے تھے تین سو کارخانے وہ بھی برائے نام باقی رہ گئے۔ قرطبہ طلیطلہ وغیرہ بڑے بڑے شہر جن کی دنیا میں نظیر نہ تھی ویران ہوگئے۔ طلیطلہ میں کپڑے کے پچاس کارخانوں میں صرف تیرہ رہ گئے۔ اور ریشمی کپڑے کے کارخانے جن میں چالیس ہزار آدمی کام کرتے تھے بالکل بند ہوگئے۔ ملک کی حالت اس قدر تباہ و برباد ہوئی کہ معمولی سے معمولی کام کے لیے بھی فرانس و جرمنی وغیرہ سے کاریگروں کو لانا پڑا۔ وہ مذہبی عدالت جو مسلمان اور یہودیوں کے قتل و غارتگری میں مصروف تھی۔ اب ابنائے وطن کی طرف متوجہ ہوئی اور پادریوں کے جنون نے عیسائیوں کو بھی زندہ جلانا شروع کیا۔ قوم کی ہمت تباہ اور اس کے خیالات میں ایسی پستی واقع ہوئی کہ غریب سے لے کر بادشاہ تک کسی میں اتنی لیاقت و جرات نہ تھی کہ وہ ملک و قوم کو ان آفات سے بچائے۔ چنانچہ اس ہمارے زمانے تک ملک اندلس ظلمت و جہل میں مبتلا ہے۔

ترقی کے اسباب تو ہم نے بیان کردیئے۔ اب تنزل کے وجوہ کی تلاش باقی رہ گئی۔ یہ تاریخ بغرض ملاحظہ پیش کی جاتی ہے اسی میں سے اون وجوہ کا پتہ مل سکتا ہے کہ یہ عرب اندلس کے

اپنے آباو اجداد سے کس چیز میں سابق اور کس امر میں مسبوق تھے۔ چونکہ دل نہیں چاہتا ہے کہ ان غوغائے اندلس کا مرثیہ خواں بنیے اس واسطے اسی مختصر پر ہم ختم کلام کرتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ط

	نوشتہ بماند سیہ بر سفید نویسندہ را نیست فردا امید	

لہ۔ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی مینھ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ کہ ماؤں کے پیٹ میں ہے۔ اور (یہ) کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کریگا اور (یہ بھی) کوئی نہیں جانتا کہ وہ کونسی زمین پر مرے گا۔ اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

حصہ چہارم

علمائے اندلس

سنہ ۲۲۶-۱۰۲۱ھ

ابن عبد ربہ[لہ]

سنہ ۲۲۶-۳۲۸ھ

ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ بن حبیب بن حدیر بن سالم القرطبی۔ سلطان ہشام ابن الحکم کے ایک آزاد کردہ غلام کا بیٹا تھا لیکن اپنے وقت کا عالم تھا اور بالخصوص علم حدیث اور فن تاریخ میں ذی مرتبہ اور مستند محقق مانا جاتا تھا مثل اپنے دیگر معاصرین کے شاعری سے اس کی طبیعت کو خاص مناسبت تھی ابن خلکان[لہ] اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں اس کی تصنیف یہ عقد الفرید کی نہایت تعریف لکھی ہے اور اس کے دیوان کے جسکا نام الممحصات ہے بعض اشعار بطور نمونہ درج کئے ہیں ابن عبد ربہ ۱۰ رمضان ۲۴۶ھ م ۸۶۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۲۸ھ م ۹۴۰ء میں وفات پائی۔ اور خاص شہر قرطبہ میں بنی عباس کے مقبرہ میں دفن ہوا۔

لہ۔ وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۳۹۔ یتیمۃ الدہر جلد ا صفحہ ۴۱۲۔ بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۶۱۔ معجم الادبا جلد ۲ صفحہ ۶۷ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۳۔

یحییٰ ابن یحییٰ ابن کثیر اللیثی[1]

سنہ ۲۳۴ ہجری

ابو محمد یحییٰ ابن یحییٰ ابن کثیر اللیثی[2] بربری الاصل تھا۔ پھر اندلس میں آکر قرطبہ میں سکونت پذیر ہوا۔ قرطبہ میں زیاد ابن عبد الرحمٰن عرف شبطون قرطبی سے موطا مصنفۂ امام مالک سنی اور نیز یحییٰ ابن مضر القیسی الاندلسی سے سماعت احادیث موطا کی اس کے بعد یہ مشرق میں پہنچا اس وقت اس کی عمر (۲۸) سال کی تھی اس نے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ سے کتاب موطا کا اکثر حصہ بلا واسطہ سنا اور مکہ میں سفیان ابن عیینہ سے اور مصر میں لیث ابن عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ابن القسم سے مختلف احادیث کی سند حاصل کی۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اکابر تلامذہ مالکؒ سے علم فقہ حاصل کیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ مجلس درس مالکؒ میں ان کے اکثر شاگرد موجود تھے اور مشغول بہ درس و تدریس تھے کہ کسی شخص نے کہا کہ ہاتھی آیا۔ یہ سنکر تمام لوگ ہاتھی دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ مگر یحییٰ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ مالکؒ نے یہ دیکھ کر یحییٰ سے دریافت کیا کہ "ہاتھی دیکھنے کے واسطے تم کیوں نہ گئے تمہارے ملک میں بھی تو ہاتھی نہیں ہوتا"۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ "میں وطن سے محض آپ کی زیارت اور استفادۂ علم کی غرض سے یہاں آیا ہوں نہ کہ ہاتھی دیکھنے کے لئے"۔ یہ سن کر امام صاحب موصوف بہت خوش ہوئے اور یحییٰ کو "دانشمند اندلس" کا لقب دیا۔ اور ہمیشہ یحییٰ کو عاقل اندلس کے نام سے پکارتے رہے۔

جب یحییٰ بعد فراغت امام مالکؒ سے رخصت ہو کر مصر میں پہنچا وہاں اس نے عبد الرحمٰن

---

[1] تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۶ و عبر الاعلام جلد ۳ صفحہ ۱۱۵۔ [2] یحییٰ ابن یحییٰ کثیر اللیثی ایک دفعہ حکومت کی جانب سے ایک فتنہ کی ہیجان میں متہم ہو کر طلیطلہ چلا گیا تھا۔ مگر بعد میں جب سلطان وقت نے اسکو معافی دیدی تو یہ پھر واپس قرطبہ آگیا تھا۔

ابن القسم ایک زبردست شاگرد امام مالکؒ سے ملاقات کی اُس وقت عبدالرحمن مذکور روایات مالکؒ کو جس کو اُس نے مالکؒ سے سنا تھا مدوّن کر رہا تھا۔ مگر یحییٰ نے اُن روایات کو مالکؒ سے بلاواسطہ نہیں سُنا تھا۔ یحییٰ فوراً بغرض سماعت احادیث مذکورہ صدر واپس مدینہ ہوا۔ مگر مالکؒ اُس وقت سخت علیل تھے اس لئے اس کو قیام کرنا پڑا یہاں تک کہ مالکؒ کا انتقال ہوگیا۔ یحییٰ اُن کی تجہیز و تکفین میں شریک رہا۔ اس کے بعد مدینہ سے روانہ ہوکر پھر ابن القسم کے پاس واپس آیا۔ اور وہ مسائل ابن القسم سے بالاستیعاب سُنے اور وہاں سے اندلس اپنے وطن کو مراجعت کی۔ احمد ابن خالد کا قول ہے کہ جب سے اسلام کا قدم اندلس میں آیا یحییٰ ابن کثیر کے برابر کوئی جلیل القدر عالم وہاں پیدا نہیں ہوا۔

ابو الولید ابن الفرضی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ یحییٰ جب تحصیل علم سے فارغ ہوکر اندلس واپس ہوا تو وہ علم و فضل اور عقل و دانش میں یگانۂ روزگار اور نہایت متقی و پرہیزگار تھا۔ اندلس پہنچکر اس نے اشاعت علوم اور سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھا۔ بے شمار لوگوں نے اُس سے علم فقہ حاصل کیا۔ اور بہت آدمیوں نے روایات احادیث کا استفادہ کیا۔ اور مؤطا کا سب سے مشہور اور سب سے اچھا راوی یحییٰ مذکور مانا جاتا ہے۔

اپنے علم و فضل کے بدولت علاوہ عوام کے حکام وقت کی نگاہ میں بھی اس کا مرتبہ اور وقار بہت بلند و بالا تھا۔ عبدالرحمن ثانی نے اس کو عہدۂ قاضی القضاۃ پیش کیا۔ اُس نے اپنے کمال ورع اور تقویٰ کی وجہ سے اُس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اور بھی اس کی عقیدت اور عزت کا باعث ہوگیا اُسی کے ذریعہ سے مذہب مالکؒ بلاد اندلس میں شائع و ذائع ہوا۔

ابو محمد علی ابن احمد المعروف بہ ابن حزم اندلسی کا قول ہے کہ مذہب حنفی اور مالکی دونوں ابتدا میں سلطنت کی سرپرستی سے شائع ہوئے۔

مذہب حنفی بلادِ مشرق میں امام ابو یوسفؒ کے قاضی القضاۃ ہونے سے پھیلا۔ اس لئے کہ انہوں نے اقصیٰ مشرق سے لے کر افریقہ تک اصحاب امام اعظم ابو حنیفہؒ کو قاضی اور متولی اُمور شرعیہ مقرر کر دیا تھا اس وجہ سے تمام مشرق میں مذہب امام ابو حنیفہؒ شائع و ذائع ہو گیا اور مذہب مالکی بلاد اندلس میں یحییٰ ابن یحییٰ کے ذریعہ سے شائع ہوا۔ اگرچہ اُس نے عہدۂ قضاء سے اجتناب کیا۔ مگر اُس کی عظمت اور اُس کا وقار حکام وقت کی نگاہ میں دو چند بڑھ گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرائے وقت اُس کی رائے و مشورہ بغیر کسی شخص کو قاضی و متولی اُمور شرعیہ نہیں مقرر کرتے تھے۔ اور وہ اپنے تلامذہ اور احباب کے سوائے ایسے عہدوں کے واسطے کسی کو پسند نہیں کرتا تھا لہٰذا عام طور پر متولی اُمور شرعیہ مالکی مذہب کے لوگ مقرر ہو گئے چونکہ عوام زیادہ مسلک الناس وعلیٰ دین ملوکہم کے پابند ہوتے ہیں۔ اس لئے عام خلائق نے اندلس میں مذہب مالکی اختیار کر لیا۔

احمد ابن فیاض نے اپنی کتاب میں ایک روز کا واقعہ لکھا ہے کہ میں عبدالرحمٰن ابن الحکم کے دربار میں حاضر تھا کہ اُس نے علمائے اندلس کو طلب کیا جب وہ حاضر ہوئے تو اُس نے کہا کہ میں نے روزۂ رمضان میں اپنے نفس پر بے قابو ہو کر اپنی محبوبہ لونڈی سے جماع کر لیا ہے۔ اُس کا کفارہ اور توبہ کیا ہے دیگر علماء نے سکوت کیا مگر یحییٰ ابن یحییٰ اللیثی نے جواب دیا کہ دو ماہ متواتر روزہ رکھنا اس کا کفارہ ہے۔ بعد برخاست مجلس شاہی اُن علماء نے یحییٰ سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے استاد مالکؒ کے مذہب کے مطابق فتویٰ کیوں نہ دیا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے سخت شق احتیاطاً اختیار کی ہے اگر میں مالکی مذہب کے موافق یہ فتویٰ دیتا کہ چاہے بردہ آزاد کر دے چاہے (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور چاہے دو ماہ کے روزے رکھے۔ تو یہ روزمرہ رمضان میں جماع کیا کرے گا اور روزانہ ایک بردہ آزاد کر دیا کرے گا۔ اس میں حرمت رمضان کی ہتک ہے اس لئے صعب صورت احتیاطاً اختیار کی ہے۔

ابن بشکوال نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ یحییٰ ابن یحییٰ نہایت مقبول الدعوات تھا اور اُس کا طریقہ نشست و برخاست و رفتار و گفتار امام مالکؒ کے طریقہ اور ہئیت سے بالکل مشابہ ہوگیا تھا اس کی وفات ۸۔ رجب ۲۳۴ھ میں ہوئی اور مقبرہ بنی عامر میں مدفون ہے اور یہ مقبرہ قرطبہ میں ہے۔

ابن دراج القسطلی[1]

۳۴۷-۴۲۱ ہجری

ابو عمر احمد بن محمد بن دراج القسطلی الاندلسی، اندلس کے مشہور علماء میں شمار کیا جاتا ہے لیکن جیسا کہ الثعالبی نے لکھا ہے اس نے زیادہ تر شہرت شاعری میں حاصل کی تھی۔ فن شاعری میں اپنے وطن اندلس میں اس نے وہی شہرت حاصل کی جیسی کہ المتنبی نے ملک شام میں پائی تھی۔ ابن بسّام، ابن خلکان اور المقری نے اپنی تصانیف میں اس کی غزلوں اور قصائد کا تفصیل کیساتھ ذکر کیا ہے۔

ابو عمر ۳۴۷ھ م ۹۵۸ء میں پیدا ہوا اور ۴۲۱ھ م ۱۰۳۰ء میں شہر قسطلہ میں انتقال کیا۔

ابن الفرضی[2]

۳۵۱-۴۰۳ ہجری

ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف بن نصر الفرضی متوطن قرطبہ ابن الفرضی کے نام سے مشہور تھا یہ علم فقہ سے خوب واقف تھا اور اپنے وقت کا نہایت ذی مرتبہ محدث مانا جاتا تھا

---

[1] وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ا ۵۔ زرکلی جلد ا صفحہ ۲۷۔

[2] وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۳۳۶۔ نفح الطیب جلد ا صفحہ ۳۰۹۔ الدیباج المذہب صفحہ ۱۴۳۔ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۱

ابن الفرضی نے یوں تو کئی کتابیں لکھیں مگر اس کی تصانیف میں زیادہ دلچسپ تصنیف وہ ہے جس میں اس نے اندلس کے علما اور شعرا کے حالات لکھے ہیں۔ ابن بشکوال نے اسی کتاب کی تکمیل اور سلسلہ میں اپنی کتاب صلہ لکھی تھی۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں ابن الفرضی کی دو کتابوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ایک کا نام المختلف والموتلف اور دوسری کا مشتبۃ النسبۃ ہے

ابن الفرضی ۳۸۲ھ ہجری مطابق ۹۹۲ء میں حج کی غرض سے اپنے وطن سے روانہ ہوا۔ اور بعد حج اپنی عمر کا بڑا حصہ سیاحت میں اس غرض سے بسر کیا کہ علمائے وقت کی صحبت سے مستفید ہو۔

ابن الفرضی ۳۵۱ھ م ۹۶۲ء میں پیدا ہوا اور ۴۰۳ھ م ۱۰۱۳ء میں قرطبہ میں قتل ہوا۔

ابن زیدون[1]

۳۹۴-۴۶۳ ہجری

ابو الولید احمد بن عبداللہ بن احمد بن زیدون المخزومی الاندلسی - یہ بنی مخزوم کا آخری عالم شہر قرطبہ کا متوطن تھا۔ مورخین عرب نے اس کو نثر اور نظم میں امام فن مانا ہے۔ اس کی نثر ادبی خوبی اور لطافت کیساتھ اپنی رنگینی اور نازک خیالی میں شاعرانہ پہلو لیئے ہوئے ہوتی تھی۔ اس کی جادو بیانی کے لوگ عاشق تھے۔ ابن زیدون طرز حکمرانی میں بھی مشہور تھا۔ چنانچہ المعتضد رئیس اشبیلیہ کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔ اور جب تک یہ حکومت کا وزیر رہا رعایا ہمیشہ مطمئن اور خوشحال رہی۔ اس کے خطوط اور دیوان ہنوز اندلس کے مشہور کتب خانہ اسکیوریل میں موجود اور محفوظ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عام طور پر دستیاب نہیں ہوسکتے۔ البتہ ابن بسام اور ابن خلکان نے اپنی

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۵۰۔ قلائد العقیان صفحہ ۷۰۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۔

کتابوں میں نہایت اختصار کے ساتھ اس کی نظم ونثر کو جمع کیا ہے۔

ابن زیدون ۳۹۴ھ م ۱۰۰۴ء میں پیدا ہوا اور ۴۶۳ھ م ۱۰۷۱ء میں اشبیلیہ میں فوت ہوا۔

ابوعمر یوسف ابن عبداللہ البر

۳۶۸۔۴۶۳ ہجری

یوسف بن عبدالبر بن محمد بن عبداللہ بن عاصم النمری القرطبی اپنے زمانہ میں فن حدیث واثر کا امام مانا جاتا تھا۔ اس نے شہر قرطبہ میں حافظ خلف ابن القاسم سے اور عبدالوارث بن سفیان سے اور ابوسعید بن نصر اور محمد بن عبدالمومن اور ابوعمرو باجی اور ابوعمر الطلمنکی اور ابوالولید بن الفرضی وغیرہم سے روایت حدیث کی ہے اور اہل مشرق میں ابوالقاسم السقطی المکی اور حافظ عبدالغنی بن سعید اور ابوذر ہروی اور ابومحمد بن نحاس مصری وغیرہم سے اجازت تحریری حاصل کی۔

قاضی ابوعلی ابن سکرہ کا قول ہے کہ میں نے اپنے اُستاد قاضی ابوالولید باجی سے سُنا ہے کہ ملک اندلس میں یوسف مذکور فن حدیث میں یکتائے زمانہ تھا اور انہیں کا قول نقل کیا ہے کہ اہل مغرب میں یوسف مذکور کے برابر کوئی حافظ روایات نہ تھا۔

ابوعلی الحسین اندلسی نے بیان کیا کہ ہمارا اُستاد عبدالبر اہل قرطبہ سے تھا وہیں اُس نے علم فقہ حاصل کیا اور بڑا فقیہہ ہوا۔ اُس نے ابوعمرو احمد فقیہہ کی خدمت میں رہ کر علم فقہ میں کمال حاصل کیا اور مسائل فقہ کو ابوعمر کے روبرو لکھا۔ اور حافظ ابوالولید ابن الفرضی کے حلقہ درس میں بھی التزاماً حاضر رہا اور علم حدیث کا ماہر ہوا۔ اُس کے علاوہ طلب علم کی دُھن میں جا بجا پھرتا رہا۔ اور بہت سے فنون میں کمال حاصل کیا بالخصوص علم فقہ میں تو اُس نے ایسا کمال حاصل کیا کہ متقدمین

لے وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۴۷۵ الدیباج المذہب ۳۵۷ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۳ صفحہ ۹۶ مطمح الانفس صفحہ ۹۱

علمائے اندلس پر بھی سبقت لے گیا۔ اسی لئے اُس کا فتویٰ اُسکے زمانہ میں نہایت مستند مانا جاتا تھا۔

کتاب مُوطّا امام مالکؒ پر اس نے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں منجملہ انکے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید۔ اس کتاب کی ترتیب امام مذکور کے اساتذہ کے اسماء گرامی کے حروف معجمہ کی ترتیب پر رکھی ہے اور یہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ اُس کے مثل اُس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب کی ستر جلدیں ہیں۔ اسی کتاب کی نسبت ابو محمدؒ ابن حزم نے لکھا ہے کہ میرے علم میں اس کتاب کے برابر مفید اور عمدہ کوئی کتاب ابتک نظر نہیں آئی۔ چہ جائیکہ اس سے افضل اور بہتر۔

(۲) الاستذکار لمذہب ایۃ الامصار فی ماتضمنہ الموطا من معانی الرائے والاثار اس کتاب میں مؤطا کی شرح لکھی ہے اور اس کی ترتیب موطا ہی کی ترتیب پر رکھی ہے۔

(۳) کتاب الاستیعاب ہے جس میں صحابہ رضہ کے اسماء گرامی جمع کئے ہیں جو نہایت ہی مفید ہے۔

دیگر کُتب

(۴) الجامع فی بیان العلم وفضیلہ و ماینبغی فی رواتہ واوصافہم۔ اس میں علم اور اس کی فضیلت اور اُس کے راویوں کے اوصاف وغیرہ درج ہیں۔

(۵)۔ الدُّرر فی اختصار المغازی والسیر۔ اس میں غزوات اور صحابہؓ کی فوجی مہمات کا ذکر ہے یعنی اسلامی مجاہدین کے حالات۔

(۶) کتاب العقل والعقلاء وما جاء فی اوصافہم۔ یعنی بیان عقل اور عقلمندوں کے اور عقلاء کے اوصاف کے بیان میں۔

(۷) کتاب صغیر اس میں قبائل عرب اور ان کے انساب کا بیان ہے۔ ان کے علاوہ اس کی

بہت سی تالیفات اور تصنیفات ہیں۔ اس کو خدائے تعالیٰ نے تالیف و تصنیف میں یدطولیٰ مرحمت فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی محنت اور سعی کا بدلہ دے۔ اس کو باوجود مہارت تامہ علم انساب کے علم حدیث و فقہ میں کمال حاصل تھا۔ یہ قرطبہ سے روانہ ہو کر علاقہ غربیہ اندلس میں بغرض حصول علم پھرتا رہا۔ پھر وہاں سے بلاد دانیہ و بلنسیہ و شاطبہ میں مختلف اوقات میں قیام پذیر رہا۔ بزمانہ مظفر ابن افطس اشبونہ اور شنترین میں عہدہ قضا پر مامور ہوا۔ اس کی تصانیف سے ایک کتاب بہجۃ المجالس و انس المجالس ہے جس کی تین جلدیں ہیں اس کتاب میں نہایت عمدہ نصائح اور لطائف جمع کیے ہیں جو مذاکرہ و مناظرہ میں نہایت کارآمد ہیں۔ جس میں سے چند درج ذیل کیے جاتے ہیں:-

لطیفہ ۱

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز خواب میں ملاحظہ فرمایا کہ حضور جنت میں تشریف فرما ہیں وہاں پر ایک کھجور کے درخت میں خوشہ لٹکا ہوا دیکھا۔ دریافت فرمانے پر معلوم ہوا کہ یہ گچھا ابوجہل کے لیے ہے۔ یہ امر حضور پُرنور پر بہت گراں گذرا کہ جنت میں ابوجہل کا حصہ کہاں جنت اور نعماء جنت تو کفار پر حرام ہیں واللہ ابوجہل جنت میں ہرگز باریاب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو کافر مرا ہے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد جب عکرمہ بن ابی جہل بغرض اظہار اسلام حاضر خدمت فیضدرجت ہوئے تو آپ نے نہایت بشاشت اور مسرت کے ساتھ تعبیر خواب مذکورہ فرمائی کہ وہ خوشہ جنت میں عکرمہ بن ابی جہل کے لیے لٹکا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم رویا میں کبھی پسر کے بجائے پدر کا نام بھی پکار دیا جاتا ہے۔

لطیفہ

امام جعفر صادقؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ خواب کی تعبیر میں کیسے قدر تاخیر ہوسکتی ہے۔ امام مذکور نے جواب میں فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک کبرہ کُتا آپ کا خون چاٹ رہا ہے۔ اس خواب کے پچاس برس بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کو شمر ابن ذی الجوشن نے ذبح کیا۔ اور وہ لعین برص میں مبتلا تھا اس سے معلوم ہوا کہ پچاس برس تک بھی خواب کی تعبیر موخر ہوسکتی ہے۔

لطیفہ ۳

جناب ختمی مآب نے ایک روز ایک خواب دیکھا اور اس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیان فرمایا کہ میں اور تم ایک زینہ پر چڑھ رہے ہیں پھر اس کے بعد میں تم سے اڑھائی سیڑھی آگے بڑھ گیا ہوں۔ صدیقؓ نے حسب اجازت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعبیر خواب عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ آپؐ اپنی مغفرت و رحمت میں بلالیگا اور میں آپ کے بعد اڑھائی سال زندہ رہونگا عالم واقعہ میں ایسا ہی ظہور پذیر ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد وفات حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اڑھائی سال زندہ رہے

لطیفہ ۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص شامی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا آفتاب اور مہتاب آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اور دونوں کے ہمراہ ایک ایک جماعت ستاروں کی ہے

حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ تو اُن میں سے کونسی جماعت میں تھا اس نے عرض کیا کہ میں ماہتاب کے ہمراہیوں میں تھا۔ آپ نے فرمایا تو مٹنے[1] والی نشانی کے ساتھ تھا۔ تو میں تجھ کو کبھی عامل مقرر نہ کرونگا اور اُس کو اُسی وقت معزول فرمادیا۔ وہ شخص جنگ صفین میں معاویہؓ کے ساتھ تھا اور وہیں قتل ہوا۔

لطیفہ

حضرت عائشہؓ نے زمانہ حیات جناب رسالتمآبؐ میں ایک خواب دیکھا تھا اور اس کو ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا تھا کہ اُن کے حجرۂ طیبہ میں تین چاند گرے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے تعبیر یہ فرمائی کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارے حجرے میں تین آدمی ایسے دفن ہونگے جو تمام رُوئے زمین کے آدمیوں سے بہترین شخص ہونگے۔ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ میں دفن ہو چکے تو صدیق اعظمؓ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اے میری بچی یہ تیرے ان تین چاندوں میں ایک ہیں اور یہ ان تینوں میں سے سب سے افضل اور برتر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

لطیفہ

حطیئہ شاعر نے ارادہ سفر کیا۔ اور اپنی زوجہ کو خطاب کر کے یہ شعر فی البدیہ پڑھا۔

عِدِّی السِّنِیْنَ لِغَیْبَتِی وَتَصَبَّرِیْ ‌‌‌ وَذَرِی الشُّهُوْرَ فَاِنَّهُنَّ قِصَارٌ

---

[1] یہ اشارہ ہے اس آیت شریفہ کی طرف (وجعلنا اللیل والنہار آیتین فمحونا آیۃ اللیل الخ) ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنائیں پھر رات کی نشانی کو مٹا دیا۔

ترجمہ

میری جدائی میں برسوں کو گننا۔ اور مہینوں کے ذکر کو چھوڑ دینا کہ وہ چھوٹے ہوتے ہیں یعنی برسوں کے قصد سے سفر کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مہینوں میں میری واپسی نہ ہوگی کہ وہ مختصر ہوتے ہیں۔
اس کی زوجہ نے فی البدیہہ اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

اُذْکُرْ صِبَابَتَنَا اِلَیْکَ وَشَوْقَنَا   وَارْحَمْ بَنَاتِكَ اِنَّهُنَّ صِغَارٌ

ترجمہ

میری جوانی اور میرے شوق کو اپنے لیے دیکھ اور اپنے ننھے بچوں پر رحم کر کہ وہ نہایت صغیر ہیں۔ شاعر مذکور کے دل پر بیوی کے اس فی البدیہہ جواب نے ایسا اثر کیا کہ اُس نے ارادہ سفر اُسی وقت ترک کر دیا۔

لطیفہ

کسی نے اسلم بن زرعہ سے کہا کہ جب تو نے مرداس کے لشکر کے سامنے راہ فرار اختیار کی تو تجھ پر امیر عبداللہ ابن زیاد بہت ناراض اور غصہ ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ اگر میں زندہ رہوں اور امیر غصہ ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں اور امیر راضی ہو۔

لطیفہ

حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے حضرت عمرؓ کے فضائل میں ایک مختصر اور نہایت جامع فقرہ بیان کیا

کہ وہ افضل تھے اس سے کہ کسی کو دھوکہ دیں اور عاقل تر تھے اس سے کہ کسی سے دھوکہ کھاویں۔

لطیفہ ۹

جب حضرتِ آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے جنت سے زمین پر بھیجدیا تب اُن کے پاس جبرئیل علیہ السلام حسب فرمان خداوندی نازل ہوئے اور کہا کہ یا نبی اللہ آدم کو حق تعالیٰ نے تین چیزوں میں ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے ان میں سے جس کو چاہو پسند کر لو وہ تمہارے پاس رہے گی اور باقی دو تم سے سلب کر لی جائیں گی حضرت آدمؑ نے دریافت کیا کہ وہ تین چیزیں کیا ہیں۔ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ وہ عقل و دین و حیا ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عقل کو پسند کر لیا۔ پھر جبرئیل امین نے حیا اور دین سے کہا کہ تم ملاء اعلیٰ کو چلو کہ آدمؑ نے عقل کو پسند اور انتخاب کر لیا۔ تم کو چھوڑ دیا تمہاری یہاں ضرورت باقی نہیں رہی حیا اور دین نے جواب دیا کہ ہم دونوں ہی عقل کا ساتھ چھوڑ کر نہیں جا سکتے ہیں۔ جبرئیل امین نے اُن سے کہا کہ تم حکم عدولی کرتے ہو اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ہم کو فطرتاً حکم ربی ہو چکا ہے کہ ہم عقل کا ساتھ نہ چھوڑیں بلکہ اُس کے تابع رہیں اس لئے یہ تینوں صفات آدم کے پاس رہیں سلب نہ ہوئیں۔

لطیفہ ۱۰

حضرت امام علی ابن الحسینؓ کا ایک قول مذکور ہے کہ جو شخص تیری کسی بھلائی کی تعریف بلاتحقیق کسی سے بیان کرے اُس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تیری بُرائی کو بھی بلاتحقیق کسی سے بیان کر دے۔

لطیفہ ۱۱

ایک دفعہ لوگ بصرہ میں رویت ہلال رمضان کے لئے نکلے۔ ایک شخص نے سب سے پہلے چاند دیکھا اور سب لوگوں کو انگلی سے بتلایا حتیٰ کہ سب نے چاند دیکھ لیا پھر جب رویت ہلال شوال کا وقت آیا تو جاّز صاحب کتاب نوادر اُس شخص کے مکان پر آیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ گھر سے نکل اور ہم لوگوں کو اُس چیز سے نکال جس میں پہلے تو نے داخل کیا تھا۔

لطیفہ ۱۲

آردشیر کا مقولہ نقل کیا ہے کہ سخی اور کریم اپنے نفس پر بہت صابر ہوتا ہے اور بخیل اپنے بدن پر بہت زیادہ صابر ہوتا ہے پس سخی کی صولت سے ڈرو جب وہ بھوکا ہو جاوے اور بخیل کی صولت سے ڈرو جب اُس کا پیٹ بھر جائے۔

یوسف ابن عبدالبر ۲۵ ماہ ربیع الآخر ۳۶۸ھ ہجری بروز جمعہ خطبہ کے وقت پیدا ہوا اور ۲۹ ماہ ربیع الآخر ۴۶۳ھ ہجری کو شہر شاطبہ میں بروز جمعہ اُس نے انتقال کیا۔

ابن حیان[1]

۳۷۷ھ-۴۶۹ھ ہجری

ابومروان حیان بن خلف بن حسین بن حنان متوطن قرطبہ خاندان امیہ کے ایک امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کے آزاد کردہ غلام خلف بن حسین کا بیٹا تھا۔ ابن حیان کا شمار اندلس کے نامی مورخین میں ہے بلکہ ان مورخین کی فہرست میں اس کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ چنانچہ ابو علی الغسانی اور

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۳ صفحہ ۵۵ زرکلی جلد ۱ صفحہ ۲۸۸

ابو عبد اللہ محمد ابن عون نے اس کو علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور مورخین اندلس کا علم بردار مانا ہے اور لکھتے ہیں کہ اندلس کے تاریخی حالات میں اُس کی دو کتابیں مستند سمجھی جا سکتی ہیں۔ اس کی تصانیف کتاب المقتبس فی التاریخ اندلس دس اور دوسری کتاب المبین ساٹھ ضخیم جلدوں میں موجود ہیں جن سے اس کی تحقیق اور معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابن حیان صرف و نحو میں شیخ ابو عمر و ابن ابی الحباب کے ارشد تلامذہ میں تھا اور فصوص مصنفہ ابو العلی سعید البغدادی اس کو تمام و کمال یاد تھی۔

ابن حیان ۳۷۷ھ مطابق ۹۸۷ء میں پیدا ہوا اور ۴۶۹ھ مطابق ۱۰۷۶ء میں اس نے وفات پائی۔

ابن حزم الظاہری[1]

۳۸۴۔۴۵۶ ہجری

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن سفیان بن یزید کا مورث اعلیٰ یزید نامی بن سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس کا نومسلم غلام تھا۔ یزید فارس کا رہنے والا اور ایرانی نسل سے تھا اور اس کے خاندان سے خلف پہلا شخص تھا جس نے اندلس کو اپنا وطن بنایا۔

ابن حزم بمقام قرطبہ بتاریخ ۳۰ رمضان ۳۸۴ ہجری مطابق ۹۹۴ عیسوی میں پیدا ہوا یہ نہ صرف مشہور حافظ قرآن تھا بلکہ علم حدیث اور فقہ کا ایک مستند عالم اور مسائل فقہ میں اس کا اجتہاد واجب التعظیم مانا جاتا تھا۔ ابتدا میں ابن حزم کا مذہب شافعی تھا لیکن بعد میں اس کا شمار فرقہ ظاہریہ میں کیا جانے لگا۔ ابن حزم نے نہ صرف علوم مذکور بلکہ دیگر علوم فلسفہ وغیرہ پر ایسا عبور حاصل کیا کہ اسکی وسعت کمالات نے اس کے دل و دماغ کو دولت دنیا سے بالکل مستغنی کر دیا تھا۔ باوجودیکہ اس کا باپ اور پھر یہ خود وزیر سلطنت کے مرتبہ تک پہنچا تھا۔ لیکن اُس نے اپنی دولت و ثروت کی کبھی پروا نہیں کی۔ اس کی سادہ طبیعت، اس کا عجز و انکسار، اُس کی روشن خیالی اس کی سچی عظمت پر دال تھی۔

---

[1] وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۴۲۸ معجم الادبا جلد ۵ صفحہ ۸۶ اخبار الحکما از قفطی صفحہ ۱۵۶ نفح الطیب جلد ا صفحہ ۳۶۴ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۳ صفحہ ۹۶ مطمح الانفس صفحہ ۵۵

اس کے وسیع کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں موجود تھیں۔ اس کا حافظہ ایسا غیر معمولی تھا کہ جو ایک بار پڑھ لیتا تھا یا سن لیتا تھا اس کو پھر کبھی نہیں بھولتا تھا۔ حدیث کو مسائل فقہ سے منطبق کرنے میں اس کو خاص ملکہ تھا چنانچہ اسی موضوع پر اس کی بے مثل تصنیف کتاب الایصال الی فہم الخصال قابل مطالعہ ہے جس میں اس نے ان تمام فقہی مسائل اور مسلمانوں کے فرائض کو جمع کیا ہے جن کا تعلق احکام سنت اور اجماع سے ہے اور ان ہی مسائل کے متعلق جس قدر آرار صحابی رسول اللہ صلعم اور اُن کے تابعین اور دیگر مسلمہ امام اور اُن کے جانشینوں کے دستیاب ہوئے سب کو اس نے نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اور اس کی احتیاط رکھی ہے کہ موافق یا مخالف دونوں پہلو طالب علم کے پیش نظر رہیں۔ اسکی دوسری تصنیف کتاب الاحکام لاصول الاحکام کا تعلق ان اصول سے ہے جو اس کے قائم کردہ تھے۔

اس کی اور تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل۔ اس میں اس نے فلسفیانہ طریقہ پر تمام مذاہب کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا ہے۔

(۲) الاجماع۔ جس میں اس نے فقہ کے مختلف فیہ مسائل پر بحث کی ہے۔

(۳)۔ مراتب العلوم۔ اس میں اس نے تمام علوم کا ذکر کرتے ہوئے ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق اور اُن کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا ہے۔

(۴) اظہار تبدیل الیہود والنصاریٰ۔ اس میں ابن حزم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اُن مذہبی مسائل کو تحریر کیا ہے۔ جن کے ثابت کرنے میں یہ لوگ قاصر ہیں۔ اور یہ پہلا شخص ہے کہ جس نے اس موضوع پر بحث کی ہے۔

(۵)۔ تقریب۔ یہ مقدمہ ہے علم منطق کا جس میں اس نے نہایت سلیس عبارت میں فقہی نظائر کے ساتھ

اصول منطق سے بحث کی ہے۔ یہ مضمون جدید طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ اور عام طور پر جو مخالفت اس علم سے تھی اس کی تردید کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ علم منطق تکمیل علم کے واسطے کس قدر ضروری بلکہ لازمی ہے۔

(۶) نقط العروس جس میں اس نے اختصار اً مختلف اور دلچسپ مضامین پر بحث کی ہے۔ ابن بشکوال نے ابن حزم کا نام نامی مورخین کے زمرہ میں بھی شریک کیا ہے۔ اور حافظ ابو عبد اللہ الحمیدی کا قول ہے کہ تبحر علمی۔ قوت حافظہ۔ انتقال ذہن۔ تقویٰ اور خودداری میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ لیکن باوجود ان صفات کے اس کے مزاج میں اس قدر غصہ تھا کہ اختلاف رائے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اُنکے ہم عصر علماء ہمیشہ اس سے ناخوش رہے بلکہ بعض وقت یہ ناخوشی مبدل بہ دشمنی ہو جاتی تھی۔ اور اس پر جھوٹ دغا بازی اور بد چلنی کا الزام عائد کر کے اس سے عام منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ اسی جھوٹی تہمت کی وجہ سے یہ بارہا جلاوطن کیا گیا۔

ابن حزم کی نسبت یہ قول زبان زد خاص و عام تھا کہ "ابن حزم کی زبان میں وہی تیزی ہو جو الحجاج ابن یوسف کی تلوار میں تھی"۔ لیکن ابن حزم کے عمدہ خصائل کا اندازہ اس قول سے بخوبی ہو سکے گا کہ

"اگر تم امیرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو تم ایسا طریقہ اختیار کرو کہ اگر تمہارے پاس دولت نہ رہے تو غربت کی حالت میں بھی زندگی بسر کرنے سے بھی تکلیف نہ ہو"

ابن حزم نے بتاریخ ۲۷ شعبان ۴۵۶ھ ہجری مطابق ۱۰۶۴ء عیسوی میں انتقال کیا۔

ابن شہید الاشجعی [1]

سنہ ۳۸۲-۴۲۶ ہجری

ابو عامر احمد بن عبدالملک بن شہید الاشجعی۔ ابو عامر متوطن قرطبہ ابن رزاح کی اولاد سے تھا۔ اور ابن رزاح وہ شخص تھا جو ابن قیس الفہری کے ساتھ جنگ مرج راحت میں شریک تھا جنگ مذکور سنہ ۶۵ ہجری میں مابین خلیفہ مروان ابن الحکم اور عبداللہ بن زبیر واقع ہوئی تھی۔ الفہری ابن زبیر کا طرفدار تھا۔ خلیفہ مروان نے اس کو اس لڑائی میں گرفتار کیا تھا۔ ابو عامر اپنے وقت کا نامی شاعر گذرا ہے جس کا ذکر ابن بسام نے اپنی کتاب الذخیرہ میں نہایت تعریف کے ساتھ کیا ہے۔ علاوہ شاعری کے علوم وفنون بالخصوص علم ادب میں مشہور تھا۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں اسکی نظم ونثر کا حوالہ دیا ہے۔

ابو عامر سنہ ۳۸۲ ہجری مطابق سنہ ۹۹۲ عیسوی میں پیدا ہوا اور قرطبہ میں سنہ ۴۲۶ ہجری مطابق سنہ ۱۰۳۵ عیسوی میں وفات پائی۔ مقبرہ ام سلمہ میں مدفون ہوا۔

ابن جلجل [2]

سنہ ۳۷۲ ہجری

ابو داؤد سلیمان بن حسان جو اپنے لقب ابن جلجل سے مشہور ہے ایک سربرآوردہ طبیب تھا فن طب کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا کہ جس میں نہایت تحقیق کے ساتھ اس نے کمال حاصل نہ کیا ہو تشخیص امراض اور ادویہ کے خواص اور ان کے طریقۂ استعمال میں اس کا تجربہ بمقابلہ دیگر اطبائے معاصرین بہت وسیع تھا۔ ابن جلجل کے زمانے میں علم طب کی تعلیم وتحصیل کا مدار زیادہ تر حکیم دیسقوریدس [3]

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۴۲ ۔ مطمح الانفس صفحہ ۱۹ ۔ زرکلی جلد ۱ صفحہ ۴۷ ۔ آداب اللغۃ العربیہ ۔ [2] اخبار الحکما ازقفطی صفحہ ۱۳۰

[3] Dioscorides Anazarbaeus

نامی کی کتابوں پر تھا جس کا ترجمہ زبان عربی میں پہلی مرتبہ اصطفن ابن بسیل نے بزمانۂ خلیفہ جعفر المتوکل عباسی[1] بمقام بغداد کیا تھا اور گو بعد ازاں حسین ابن اسحاق نے اس ترجمہ کی تصحیح کی لیکن یہ دونوں حاملِ اصطلاحات عربی کے دریافت کرنے میں ناکام رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی ناموں کو قائم رکھنا پڑا ابن جلجل کا قیاس ہے کہ اگر ترجمہ بمشورہ دیگر اطبا ہوتا تو یہ بڑا نقص باقی نہ رہتا۔ اور کتاب تمام اغلاط سے پاک وصاف جمہور کے سامنے پیش ہوتی۔ اندلس میں یہ کتاب اسی ناقص حالت میں سلطان عبد الرحمٰن الناصر بن محمد کے عہد تک زیر مطالعہ رہی۔

یہ لکھتا ہے کہ "اس بادشاہ کے عہد میں ارمانیوس شہنشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے ایک سفارت خطوط اور تحائف لے کر قرطبہ میں آئی۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یہ واقعہ سنہ ۳۳۷ہجری میں واقع ہوا۔ (م سنہ ۹۴۹ء) ارمانیوس نے جو بیش بہا تحائف بھیجے تھے ان میں دیسقوریدس کی تصنیف کا بھی ایک نسخہ تھا۔ جو قدیم یونانی زبان میں تھا جس کو قدیم آیونی تحریر و تقریر میں استعمال کرتے تھے نہایت خوبصورتی سے لکھا ہوا تھا۔ اور اس میں پودوں کی تصویریں بھی تھیں جو نہایت خوبصورت اور رنگین تھیں۔ اس کے ساتھ ہی شاہ قسطنطنیہ نے ہروسیس صاحب القصص کی تصنیف کا ایک نسخہ بھی بھیجا تھا جو رومیوں کی ایک عمدہ تاریخ تھی جس میں زمانۂ سلف کے واقعات اور شاہان پیشین کے حالات وغیرہ دیگر اہم واقعات اور عجیب وغریب باتیں درج تھیں۔ اپنے خط میں شہنشاہ آرمانوس نے دیسقوریدس کے مذکورہ نسخہ کا حوالہ دے کر الناصر کو اس امر پر توجہ دلائی تھی کہ دیسقوریدس کی کتابیں کسی ایسے شخص سے عربی میں ترجمہ کرانی چاہئیں جو یونانی زبان میں مہارت رکھنے کے علاوہ مفردات کے خواص سے بھی واقف ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس عجیب وغریب تصنیف کی خوبیاں حقیقی طور پر کبھی عیاں نہ ہو سکیں گی اور نہ یہ بکار آمد ہو گی۔"

---

[1] یہ خاندان عباسیہ کا دسواں خلیفہ سنہ ۲۳۲ ہجری مطابق سنہ ۸۴۷ عیسوی میں گزرا ہے۔

ابن جلجل لکھتا ہے کہ اتفاق سے ان دنوں قرطبہ میں کوئی عیسائی ایسا نہیں ملا۔ جو قدیم یونانیوں کی زبان کو پڑھ سکتا اور سمجھ سکتا ہو۔ چنانچہ دیسقوریدس کی کتاب غیر مترجم صورت میں الناصر کے کتب خانہ میں پڑی رہی۔ اس اثنا میں اس ملک کے علماء اصطفن کے ترجمہ سے استفادہ کرتے رہے۔ جس کے متعلق میں نے کہیں اور لکھا ہے کہ وہ بغداد سے لایا گیا تھا۔ آخر الامر چند سال کے بعد جب الناصر نے ارمانیوس کی سفارت کو واپس کیا تو اس سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسا آدمی بھیجو جو قدیم یونانیوں کی زبان اور ادب پر بخوبی دسترس رکھتا ہو۔ اور قرطبہ میں میرے غلاموں کو ان چیزوں کی تعلیم دے سکے تاکہ وہ عربی میں مناسب ترجمہ کر سکیں ارمانیوس نے اس خواہش کی تکمیل فوراً کی اور ایک راہب نقولا نامی کو روانہ کیا۔ جو سنہ ۳۴۰ ہجری میں قرطبہ پہنچا (م سنہ ۹۵۱-۲) اس وقت دار الخلافت میں متعدد حاذق اطباء موجود تھے جو مہارت تامہ رکھنے کے علاوہ اس خواہش میں بیتاب تھے کہ دیسقوریدس کی کتاب کا مکمل علم حاصل کریں اور ان مقامات کی تہ تک پہنچ جائیں جو ہنوز ترجمہ میں غیر مفصل اور مبہم پڑے ہوئے تھے ان حضرات میں سے جو اس امر کے بہت مشتاق تھے۔ کہ اس بیش بہا کتاب کی زیارت کا موقع مل جائے اور جو خلیفہ کے تقرب کی وجہ سے ہر وقت محل میں جا سکتے اور کتب خانہ میں داخل ہو سکتے تھے ہدائی ابن بشروت یہودی بھی تھا۔ نقولا راہب نے اس شخص سے بہت ربط ضبط پیدا کر لیا اور رفتہ رفتہ اس سے دیسقوریدس کی کتاب کے تمام مبہم مقامات کی تشریح بیان کر دی چنانچہ ہدائی پہلا طبیب تھا جس نے قرطبہ میں تریاق الفاروق کے نام سے ایک دوا تیار کی اور ٹھیک ٹھیک ان پودوں کے نام دریافت کئے جو نسخہ میں داخل ہونا چاہئے تھے۔ ہدائی ابن بشروت ہی صرف ایسا طبیب نہ تھا جس نے دیسقوریدس کی کتاب سے استفادہ کیا ہو۔ بلکہ دوسرے اشخاص نے بھی نہایت جانکاہی سے پودوں کے ٹھیک ناموں کی قرارت برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اور ان کے مترادفات عربی میں تلاش کئے۔ ان میں سے ایک شخص محمد نامی تھا جو الشجار کے لقب سے

مشہور ہے۔ ایک اور شخص بھی تھا جس کا لقب البابلی تھا، اور ابو عثمان الجزار جس کا لقب الیابسہ تھا نیز محمد ابن سعد طبیب۔ عبدالرحمن ابن اسحاق ابن ہیثم اور عبداللہ الصقلی (ساکن سسلی) جو یونانی تحریر و تقریر پر قادر تھا اور اس کے علاوہ ایک ماہر طبیب اور محقق نباتات تھا۔ مذکورہ بالا تمام اشخاص نقولا راہب کے معاصر تھے اور خلیفہ المستنصر کے عہد میں قرطبہ میں رہتے تھے جہاں میں اپنے زمانۂ جوانی میں ان سے واقف تھا اور اُن کی تدریس اور تجربوں سے منتفع ہوتا تھا۔ میں نقولا راہب کو بھی جانتا تھا اور اُسے دیکھا بھی تھا۔ اس کا انتقال المستنصر باللہ الحکم کی حکومت کے پہلے سال میں ہوا۔"

بہرکیف مذکورہ سربرآوردہ اطباء کی متحدہ کوششوں سے دیسقوریدس کی تصانیف کا ترجمہ تمام اسقام سے پاک ہوا۔ مبہم مقامات کی توضیح کیگئی۔ مفردات اور پودوں کے تمام اسماء نہایت تشفی بخش طریقہ سے مشرح کردیئے گئے۔ عربی میں اصطلاحات اختراع ہوئے البتہ صرف چند جن کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی باقی رہ گئے اور قرطبہ پایہ تخت اندلس کے لوگ آخرالامر یونانی اصطلاحات کو خود اپنی زبان میں پڑھنے پر قادر ہوگئے۔

ابن جُلجُل لکھتا ہے کہ "مجھکو ابتدائے جوانی ہی سے اس امر کا بہت شوق تھا کہ میں دیسقوریدس کی طبی کتاب کی معلومات حاصل کروں کیونکہ یہی ادویات مرکبہ کے معلومات کی بنیاد ہے چنانچہ میں نے اس کتاب کا پورے غور و توجہ سے مطالعہ شروع کیا۔ اور اس کی مزاولت کرتا رہا حتیٰ کہ خدا نے اپنی غیر متناہی قدرت سے میری آرزو کے پورا کرنے کا سامان مہیا فرمایا اور میں بہت سی ایسی ادویہ کے اسماء اور تفصیلات کو حفظ کرسکا جن کو بھول جانے اور جن کے فوائد سے نوع بشر کے محروم رہ جانے کا اندیشہ تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بدن انسانی کی صحت کی اصلاح کے لئے ذرائع پیدا کردیئے ہیں۔ سطح ارض پر اُگنے والے پودوں میں۔ اس پر چلنے والے چوپایوں میں۔ پانی میں تیرنے

والے جانوروں میں۔ ہوا میں اڑنے والے پرندوں میں اور معدنی مادوں میں جو زمین میں پوشیدہ ہیں ان چیزوں سے شفائے امراض حاصل کرنیکی اجازت دی جو اس کے انتہائے رافت و مکرمت کا ثبوت ہے

ابن جُلجُل کی تصانیف یہ ہیں

(۱) تشریح اسمائے مفردات جو دوا میں مستعمل ہیں اور دیسقوریدس کی کتابوں میں پائی گئیں یہ کتاب قرطبہ میں بماہ ربیع الثانی ۳۷۲ھ مطابق ستمبر یا اکتوبر ۹۸۲ء بزمانِ خلافت ہشام بن الحکم لکھی گئی۔

(۲) دوسری کتاب ان مفردات کے بیان میں ہے جو اگرچہ بطور ادویہ استعمال کی جاسکتی ہیں مگر دیسقوریدس کی کتابوں میں نہیں پائی گئیں۔

(۳) ایک رسالہ بنام "اعلان ان غلطیوں کا جو اطباء سے معالجہ میں سرزد ہوتی ہیں"

(۴) ایک سوانحاتی تصنیف جو خلیفہ ہشام کے نام سے معنون کی گئی اور جس میں ان سربرآوردہ طبیبوں اور فلسفیوں کی سوانح عمریاں ہیں جو یا تو اندلس میں پیدا ہوئے یا وہاں طب کرتے تھے۔

ابو غالب التیانی[1]

سنہ ۴۳۶ ہجری

ابو غالب التیان بن غالب بن عمر۔ علم فقہ کا ذی مرتبہ محقق مانا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش قرطبہ کی تھی۔ لیکن اس نے اپنی زندگی مرسیہ میں بسر کی۔ علاوہ اس فن کے ابو غالب نے علوم فقہ اور قرآن و حدیث میں بھی نام پیدا کیا تھا۔ اس کی طرز معاشرت نہایت سادہ اور مقبول عام تھی۔ عمر بھر اس نے

---

[1] معجم الادبا جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ - وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ - آداب اللغۃ العربیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ - بغیۃ الوعاۃ صفحہ

کبھی دولت و ثروت کی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ الجیش مجاہد نے مرسیہ کی فتح کے بعد ایک ہزار دینار ابو غالب کو اس شرط کے ساتھ بھیجے کہ وہ اپنی کتاب اس کے نام سے شائع کرے۔ مگر ابو غالب نے روپیہ لینے سے انکار کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر تمام دنیا کا میں مالک بھی بنایا جاؤں تب بھی اس شرط کو منظور نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ اولاً تو اس جھوٹ کا کیا جواب اپنے خدا کو دونگا اور دوم یہ کہ یہ کتاب میں نے تمہارے لئے نہیں بلکہ عوام الناس کے واسطے بکمال محنت و مشقت لکھی ہے۔

ابو غالب نے شہر المریہ سنہ ۴۳۶ھ م ۱۰۴۴ء میں انتقال کیا۔ اس کا سنہ پیدائش معلوم نہ ہو سکا۔

ابو الولید الباجی

سنہ ۴۰۳-۴۷۴ ہجری

ابو الولید الباجی سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب الباجی الاندلسی حضرت امام مالک رضی کا پیرو تھا علاوہ علم و فضل کے اس کا شمار مشہور حفاظ قرآن میں تھا۔ سنہ ۴۲۶ ہجری میں اس نے بلاد شرقیہ کا سفر اختیار کیا اور تین سال تک مکہ میں مقیم رہا۔ بعد ازاں بغداد آیا۔ اور یہاں زمانہ دراز تک ابو طیب الطبری الشافعی اور ابو اسحاق الشیرازی مصنف مہذب کی صحبت میں فقہ اور حدیث کا مطالعہ کرتا رہا۔ یہاں سے اس نے موصل آکر ایک سال ابو جعفر السمنانی سے فقہ اور حدیث کی تکمیل کی۔ الباجی نے تیرہ سال کی محنت میں کثیر التعداد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے کتاب المنتقی اور احکام الفصول فی احکام الاصول التعدیل و التجریح فیمن روی عنہ البخاری فی الصحیح زیادہ مشہور ہیں۔ حلب میں یہ خدمت قضاۃ کو کئی سال تک انجام دیتا رہا اور جب یہ اندلس واپس آیا تو یہاں بھی یہی خدمت اس کے سپرد ہوئی۔

الباجی سنہ ۴۰۳ھ م ۱۰۱۲ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۴۷۴ ہجری مطابق ۱۰۸۱ء میں اس نے انتقال کیا۔

ف۔ وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۲۹۔ الدیباج المذہب صفحہ ۱۲۰۔ نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۵۰۲۔ فوات الوفیات جلد ۱ صفحہ ۱۷۵

ابو علی الغسانی[1]

۴۲۷-۴۹۸ ہجری

ابو علی الحسین بن محمد بن احمد الغسانی الجیانی۔ اس کے مفصل حالات باوجود تلاش دریافت نہ ہو سکے مورخین نے بالعموم صرف اسی قدر لکھا ہے کہ یہ ایک مستند محدث اور علم الفقہ کا ماہر گزرا ہے۔ البتہ ابن بشکوال[2] نے اپنی مشہور تاریخ الرجال میں اس کے حالات تحریر کئے ہیں اور ان میں سے جو قابل ذکر تھے ان کو ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں نقل کیا ہے۔ مگر وہ بھی صرف اسی قدر ہیں کہ الغسانی نے اپنی کتاب تقییدالمہمل میں نہایت تحقیق کے ساتھ اُن راویان حدیث کے ناموں کی صحت کی ہے جو صحیحین میں مذکور ہیں۔ اور یہ ایک ایسا کام تھا کہ دنیائے اسلام کبھی اس کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اس نے اپنی محققانہ معلومات کو صرف کتابوں کی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ بہ نیت رفاہ عام اس نے مدت العمر مسجد قرطبہ میں حدیث کا درس جاری رکھا چنانچہ اس کے وعظ میں علاوہ عوام الناس کے ایک کثیر جماعت علماء کی بھی موجود رہا کرتی تھی۔

یہ ۴۲۷ھ ہجری مطابق ۱۰۳۵ء عیسوی میں پیدا اور ۴۹۸ھ ہجری مطابق ۱۱۰۵ء عیسوی میں انتقال کیا۔

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۹۰۔ کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۳۲۱۔

[2] اس کی تصنیف کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی پیرس میں موجود ہے۔

ابن بطلیوسی[1]

سنہ ۴۴۴-۵۲۰ ہجری

ابو محمد عبداللہ بن محمد ابن السید البطلیوسی اس کا نام اندلس کے نامی علما میں شمار کیا جاتا ہے یہ صرف ونحو اور علم فقہ سے خوب واقف تھا۔ اور اس کی قابلیت کی شہرت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی ابن بطلیوسی بلنسیہ کا رہنے والا تھا اور اس کا وقت زیادہ تر لوگوں کو تعلیم دینے میں گزرتا تھا۔ لوگ دُور دُور سے بلنسیہ صرف اس غرض سے آکر جمع ہوتے تھے کہ وہ بھی اس کی صحبت سے مستفید ہوں۔ بلنسیہ ابن السید کے زمانہ میں طالب علموں کا کعبہ بنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں کئی کتابیں لکھیں جو اب تک موجود ہیں۔ ان کتابوں کے نام ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں لکھے ہیں اور ان کا بہت تعریف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابن بطلیوسی سنہ ۴۴۴ھ ہجری مطابق سنہ ۱۰۵۲ء عیسوی میں پیدا ہوا اور سنہ ۵۲۱ھ ہجری مطابق سنہ ۱۱۲۷ء عیسوی میں وفات پائی۔

ابن اسحاق ابن خفاجہ[2]

سنہ ۴۵۰-۵۳۳ ہجری

ابوالاسحاق ابراہیم بن ابی الفتح عبداللہ بن خفاجہ الاندلسی۔ یہ ایک شاعر گذرا ہے جس کی تعریف ابن بسام نے اپنی مشہور کتاب ذخیرہ میں لکھی ہے۔ بقول ابن بسام شعرائے اندلس کے شرقی

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۳۲۔ قلائد العقیان صفحہ ۱۹۲۔ بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۸۸۔ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۳ صفحہ ۵۵

[2] وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۱۳۔ قلائد العقیان صفحہ ۲۳۲ فہرست دار الکتب مصریہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ میں اس کی تاریخ وفات ۱۸ شوال سنہ ۵۳۳ھ لکھی ہے۔

حصّہ میں رہا کرتا تھا اور اس نے کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ چھوٹے چھوٹے حکمران[1] جو وہاں حکومت کرتے تھے ان کی خوشامد یا درباداری کرے۔ علماء کے ساتھ بکمال قدر اور داد و دہش پیش آنے سے ان حکمرانوں کا منشاء یہ تھا کہ دنیا میں علم دوست و جوہر شناس مشہور رہیں۔ اور یہی ذریعہ ان کی بقائے حکومت اور نام کا ہو۔

ابو اسحاق نے ایک دلچسپ نظم لکھی۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تصنیف وفیات الاعیان میں جہاں اس نامور شخص کا ذکر کیا ہے وہیں اس نظم کے بعض چیدہ اشعار نقل کیے ہیں جن سے اس کی شاعرانہ نازک خیالی اور ادبی قوت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کے شعراء نے عموماً ابو اسحاق کی تتبع میں اپنی طبیعت اور قلم کا زور دکھایا ہے۔ لیکن شاید چند ہی شل امام الدین ابو علی ابن عبدالنور ایسے ہونگے جو اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہوں۔

یہ عالم ۴۵۰ھ ہجری مطابق ۱۰۵۸ء عیسوی میں جزیرہ مسکر[2] میں پیدا ہوا اور ۲۵۔ شوال ۵۳۳ھ مطابق ۱۱۳۹ء عیسوی میں یکشنبہ کے روز انتقال کیا۔

---

[1] سلاطین بنی اُمیہ کی حکومت میں جب انحطاط شروع ہوا تو ذی اثر اشخاص نے موقع پا کر غاصبانہ طور پر ملک کے مختلف حصوں پر اپنی خود مختارانہ حکومت قایم کر لی تھی۔

[2] مسکر ایک قصبہ ہے جو شاطبہ اور بلنسیہ کے درمیان واقع ہے اور اس کو جزیرہ اس واسطے کہتے ہیں کہ اس کے اطراف ہمنام دریا کا پانی ہے۔ اندلس خود ایک ایسا جزیرہ نما ملک ہے کہ جسکا سلسلہ قسطنطنیہ تک غیر منقطع ہے اس کی وضع تقریباً مثلث ہے۔ اندلس کا مشرقی حصّہ پہاڑوں سے جا کر ملتا ہے اور ان پہاڑوں میں سے ایک راستہ فرانس کو جاتا ہے۔ اگر یہ پہاڑوں کا حصّہ حائل نہ ہوتا تو یہ پورا جزیرہ ہو جاتا۔ یہ سنا جاتا ہے کہ اس ملک میں سب سے پہلے جو آدمی آکر رہا تھا اُس کا نام اندلس تھا اور اسی نام سے یہ ملک مشہور ہے۔

امیہ ابن ابی الصلت[1]

۴۶۰ - ۵۲۹ ہجری

ابو الصلت امیہ بن عبد العزیز بن ابی الصلت الدانی۔ المعروف بہ الادیب و الحکیم مختلف علوم و فنون قدیمہ و جدیدہ کا عالم وقت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ الادیب اور الحکیم کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی شاعری دقیق اور فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس نے حدیقہ کے نام سے ایک کتاب ثعلبی کی یتیمۃ الدہر کے اسلوب پر لکھی ہے۔ عماد کاتب نے نہایت احترام کے ساتھ اس کا ذکر اپنی تصنیف میں کیا ہے لیکن جو اشعار اس کے نام سے جمع کیے ہیں وہ اس کے موجودہ دیوان میں موجود نہیں ہیں۔ ابن ابی الصلت جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے اپنی قوم کی نا قدردانی کی وجہ سے ترک وطن پر مجبور ہوا اور اندلس سے اسکندریہ چلا آیا۔ اس کی عمر کا آخری حصہ تونس کے قریب المہدیہ میں بسر ہوا۔ یہ اندلس کے شہر دانیہ میں ۴۶۰ھ مطابق ۱۰۶۸ء میں پیدا ہوا اور ۵۲۹ھ مطابق ۱۱۳۴ء میں المہدیہ میں وفات پائی۔ علاوہ عماد کاتب اور ابن خلکان کے قاضی الرشید ابن زبیر نے بھی اپنی تصنیف الجنان میں علمائے اندلس کے سلسلہ میں اس کا نہایت تعریف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علاوہ نظم و نثر اور فن طب کے اس نے منطق میں تقویم الذہن اور طب میں الانتصار بھی لکھی ہیں۔ انتصار میں علی بن رضوان کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو اس نے حنین بن اسحاق کے بعض مسائل طبیہ پر وارد کیے تھے اسطرلاب کے طریقۂ استعمال پر اس نے ایک رسالہ نہایت تحقیق کے ساتھ لکھا تھا۔

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۹۹ کشف الظنون جلد ۱ ص ۴۲۳

الرشاطیؒ[1]

سنہ ۴۶۶-۵۴۲ ہجری

ابو محمد عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن خلف بن احمد بن عمر الرشاطی متوطن المریہ نہایت ذی مرتبہ محدث اور مورخ گذرا ہے۔ الرشاطی نے اپنی کتاب اقتباس الانوار و التماس الازہار میں صرف ان لوگوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے۔ کتاب مذکور میں ان صحابہ کے حالات مع ان کے شجرہ کے لکھے ہیں۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ الرشاطی بوقت درس کتاب کے مضمون کو کمال محنت سے اپنے شاگردوں کے ذہن نشین کیا کرتا تھا۔

الرشاطی سنہ ۴۶۶ ہجری مطابق سنہ ۱۰۷۴ عیسوی میں پیدا ہوا اور سنہ ۵۴۲ ہجری مطابق سنہ ۱۱۴۷ عیسوی میں وفات پائی۔

ابن العریفؒ[2]

سنہ ۴۸۱-۵۳۶ ہجری

ابو العباس احمد بن محمد بن موسیٰ بن عطاء اللہ الصنہاجی اپنے زمانہ کا صوفی اور عارف کامل تھا۔ مورخین کا قول ہے کہ علم تصوف اور فقر و فنا میں یگانۂ روزگار تھا۔ دور دور سے لوگ اسکی زیارت کیواسطے آتے اور اپنے مقاصد دینی و دنیوی میں کامیاب ہوتے تھے۔ تصوف میں اس کی تصنیف المجالس بے مثل سمجھی جاتی ہے علم حدیث کا مانا ہوا محقق تھا اور احادیث کو اس نے بکمال تحقیق اور جانفشانی ایک جگہ جمع کیا تھا۔

ابن العریف اندلس میں شہر المریہ میں سنہ ۴۸۱ ہجری مطابق سنہ ۱۰۸۸ عیسوی میں پیدا ہوا اور

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۳۳۴ کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۱۲۹

[2] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۳۶ کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۳۷۸

مراکش میں ۵۳۱ھ مطابق ۱۱۴۲ء میں وفات پائی۔

ابوبکر یحییٰ القرطبی[1]

سنہ ۴۸۶-۵۶۷ ہجری

یحییٰ بن سعدون بن تمام بن محمد الازدی القرطبی ملقب بہ صائن الدین علم قراۃ ودیگر علوم قرآنیہ وعلوم حدیث وفقہ اور نحو لغت وغیرہ میں اپنے وقت کا امام مانا جاتا تھا۔ یہ اندلس سے اپنی شروع جوانی میں نکلا۔ اور ملک مصر میں پہنچا۔ اسکندریہ میں اس نے ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم الرازی سے اور دیگر بلاد مصر میں ابوصادق مرشد بن یحییٰ بن القاسم المدنی المصری سے اور ابو طاہر احمد ابن محمد الاصبہانی معروف بہ صلبی وغیرہ سے سماع واخذ حدیث کیا۔

پھر بغداد میں ۵۱۲ھ ہجری میں داخل ہوا۔ یہاں پر اس نے شیخ ابومحمد بن عبداللہ ابن علی المقری المعروف بہ ابن بنت الشیخ ابومنصور خیاط سے قرآن پڑھا۔ اور حدیث وغیرہ کی بہت سی کتابیں پڑھیں منجملہ ان کے کتاب سیبویہ بھی اُن سے پڑھی۔ اور نیز علم حدیث کا استفادہ ابوبکر بن عبدالباقی البزاز معروف بقاضی مارستان سے اور ابوالقسم بن الحسین اور ابوالغراج کاوشش وغیرہم سے کیا۔ یہ شخص بڑا دیندار بہت پرہیزگار نہایت ذی وجاہت وباوقار تھا۔ اور محدثین کی اصطلاح میں ثقہ وصدوق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور نہایت بزرگ اور کم گو شخص تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ سب کو اس سے فائدہ پہنچتا تھا۔ یہ دمشق میں عرصہ تک رہا پھر موصل میں توطن اختیار کیا۔ اُس کے بعد اصبہان میں کچھ عرصہ کے لیے نقل مکان کیا مگر وہاں سے پھر موصل واپس آکر سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس سے بہت سے مشایخ مصر نے استفادہ

[1] وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۱۲۔

حدیث و دیگر علوم کیا ہے۔

حافظ ابن سمعانی نے کتاب الذیل میں ذکر کیا ہے کہ وہ یحییٰ ابن سعدون کے پاس دمشق میں حاضر ہوا اور اس سے کتاب مصنفہ ابو عبداللہ الرازی سنی اور اس میں سے چند جزو کا انتخاب کیا۔ اور خاص کر اس سے اس کا سنہ پیدائش دریافت کیا اس نے اپنا سنہ پیدائش ۴۸۶ھ ہجری بتلایا اور مقام پیدائش شہر قرطبہ بیان کیا۔ ابن خلکان کہتا ہے کہ میں نے اسکا سنہ پیدائش بعض کتب میں ۴۸۷ھ ہجری دیکھا ہے۔ مگر حافظ سمعانی کے قول کی تصحیح کی تھی۔ اسی کا قول ہے کہ ہمارے استاد اور شیخ قاضی بہاء الدین ابو المحاسن یوسف ابن رافع ابن تمیم معروف بہ ابن شداد قاضی حلب رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ ابن سعدون کی ملاقات اور تلمذ پر فخر کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اس شیخ سے شہر موصل میں ملا اور اس سے قرأۃ قرآن و دیگر علوم کا استفادہ کیا۔ جس وقت ہم لوگ ان کے حلقۂ درس میں ہوتے تھے اُسی وقت ایک شخص اس کے پاس آکر کچھ لپٹی ہوئی چیز اس کو دے کر واپس چلا جاتا تھا۔ مگر معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کیا چیز دی جاتی ہے۔ پھر ہم کو تجسس و تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص اس کے لیے مرغی خرید کر اس کے پر وغیرہ صاف کر کے دے جاتا تھا۔ اور ابن سعدون ہمارا اُستاد اس کو اپنے گھر جا کر بطریق مناسب پکا لیتا تھا۔ نیز اُستاد مذکور نے کتاب دلائل الاحکام میں ذکر کیا ہے کہ اس نے شیخ یحییٰ مذکور کی خدمت میں رہ کر گیارہ سال تک اخذ علوم قرآنیہ و علوم حدیث کر کے ۵۶۷ھ ہجری میں فراغت حاصل کی۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شیخ یحییٰ مذکور دو اشعار مندرجہ ذیل اکثر پڑھا کرتا تھا۔ اور ان کی سند ابو خیر الکاتب الواسطی تک پہنچاتا تھا وہ یہ ہیں۔

جرٰی[1] قلم القضاء بما یکون ۔ فسیان التحرک والسکون

[1] ترجمہ۔ جو کچھ ہونیوالا ہے قضاء و قدر کا قلم اس کے لیے چل چکا ہے پس جب ایسا ہے تو حرکت و سکون یعنی کوشش کرنا۔ (بقیہ بر صفحہ ۳۶۵)

جنون منك ان تسعى لرزق[1] ويرزق في غشاوته الجنين

اس کا سنہ پیدائش ۴۸۶ھ اور سال وفات ۵۶۲ھ بروز عید ہے۔

ابن بشکوال[2]

۴۹۴-۵۷۸ھ ہجری

ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود الخزرجی الانصاری متوطن قرطبہ۔ اندلس کا نہایت نامی اور ذی علم شیخ تھا۔ اسنے اپنی عمر زیادہ تر اندلس کی تاریخ اور نیز لوگوں کے حالات جو اندلس کے مشہور علمار تھے لکھنے میں صرف کی۔ ابن بشکوال نے ایک کتاب میں ان لوگوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جن کا نام اکثر حدیث میں آتا ہے۔ ابن بشکوال صرف مورخ ہی نہ تھا بلکہ اس نے تاریخ کے علاوہ اور بھی دلچسپ کتابیں لکھی ہیں۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں ابن بشکوال کا نہایت احترام کے ساتھ ذکر اس کی مشہور تصنیف صلہ کے سلسلہ میں کیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں اندلس کے علمار کے حالات درج ہیں۔

ابن بشکوال ۴۹۴ھ ہجری مطابق ۱۱۰۱ء عیسوی میں پیدا ہوا اور ۵۷۸ھ ہجری مطابق ۱۱۸۳ء عیسوی میں وفات پائی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۴ اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا مساوی ہے۔

[1] اس لئے اگر تو رزق کے لئے کوشش کرے تو یہ محض دیوانگی ہوگی، کیونکہ خداوند عالم تو ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔

[2] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ ۔ دیباج المذہب صفحہ ۱۱۳ ۔ ابن آبار جلد ۱ صفحہ ۵۴

عبد الملک ابن زہر[1]

۵۵۷ھ ہجری

ابومروان[2] عبد الملک بن زہر بن عبد الملک بن محمد بن مروان گو قرآن۔ حدیث۔ فقہ اور منطق وغیرہ علوم میں اپنے معاصرین علماء سے کچھ کم نہ تھا لیکن فن طب سے اسکی طبیعت کو خاص مناسبت تھی چنانچہ اس فن میں اسنے نہ صرف اندلس میں بلکہ دُور دُور شہرت حاصل کی۔ تمام اطبا روقت اس کو امام فن مانتے تھے اور طب کی ترقی کا انحصار اسی کی تصانیف پر تھا۔ اس علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس پر اس نے تحقیق اور دریافت کے ساتھ اپنی رائے نہ تحریر کی ہو۔ عبد المومن سلطان اشبیلیہ نے نہ صرف از راہ قدر دانی اپنی مشہور داد و دہش اور دولت دنیا سے اس کو مستغنی کر دیا تھا بلکہ اس درجہ عزیز رکھتا تھا کہ دیگر اعیان حکومت اس کے عروج اور ترقی پر رشک کرتے تھے۔ ابن زہر نے بھی سلطان کے علاج اور صحت جسمانی کی حفاظت میں بڑی خیر خواہی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا عبد المومن کے واسطے ایک دوا تریاق السبعینی ستر قسم کی مفرد ادویہ کو ترکیب دیکر تیار کی تھی۔ جس کو بعد ازاں بلحاظ سلطان کے مزاج کے دس اور پھر سات دواؤں تک لے آیا۔ آخرالذکر سات دواؤں کی مرکب تریاق کا نام اس نے تریاق الانتلہ رکھا تھا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ سلطان عبد المومن کو مسہل کی ضرورت ہوئی لیکن سلطان کو مسہل لینے سے ہمیشہ نفرت تھی۔ تمام اطبا روقت نے بالاتفاق یہی رائے دی کہ اگر فوراً مسہل نہ لیا جائیگا تو یہ قبض شدید سلطان کے واسطے ہلاکت کا باعث ہوگا مگر سلطان نے اس رائے پر عمل کرنے سے قطعاً انکار کردیا

---

[1] طبقات الاطبا جلد ۲ صـ۶۶ ۔

[2] اہل یورپ اس کو اون زور کہتے ہیں ۔

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان خوفناک تپ میں مبتلا ہوگیا۔ ابن زہر نے فوراً یہ کیا کہ درخت انگور کی جڑوں کو کھود کر اپنے تیار کیے ہوئے خاص قسم کے عرق سے سیراب کرنا شروع کیا۔ درخت میں انگور کے خوشے بننا شروع ہو چکے تھے۔ دس روز کی محنت میں جب یہ خوشے بالیدہ ہوئے تو دس دانہ انگور اس نے بادشاہ کو کھلائے اور یہ کہا کہ ہر دانہ سے ایک اجابت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دس اجابتوں کے بعد بادشاہ بالکل تندرست ہوگیا۔ ابن زہر نے صحت یابی کے بعد اس راز کو سلطان پر ظاہر کیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابن زہر حضرت محی الدین ابن العربی الطائی (شیخ اکبر) کے ہمراہ محل شاہی کی طرف جارہا تھا کہ راستہ میں اُس نے ایک شخص کو مکان کے باہر مرض استسقاء میں مبتلا پڑا ہوا پایا۔ مریض کی حالت قریب المرگ ہو چکی تھی۔ ابن زہر اس کو اٹھا کر مکان میں لے آیا اور نہایت غور کے ساتھ بہت دیر تک اس کی حالت کو دیکھتا رہا۔ اتفاقاً اس کی نظر پانی کے ظرف پر پڑی جو مریض کے بستر کے قریب رکھا ہوا تھا اور یہ ہمیشہ اس میں سے پانی پیا کرتا تھا۔ ابن زہر نے پہلے پانی کو دیکھا اور پھر ظرف کو توڑا تو اس میں سے ایک نہایت پُرانا اور زہریلے قسم کا مینڈک برآمد ہوا۔ چونکہ یہی زہریلا آب بیماری کا عارضی سبب تھا صرف غذا کی احتیاط سے یہ شخص تندرست ہوگیا۔

کتاب التیسیر فی مداواۃ وتدبیر و کتاب الاغذیہ و کتاب الزینۃ اس کی مشہور تصنیفیں ہیں۔

ابن باجہ[1]

سنہ ہجری

ابو بکر محمد بن یحیی الملقب بہ ابن الصائغ (پسر زرگر) جو زیادہ تر ابن باجہ اندلسی کے لقب سے مشہور ہے باعتبار فلسفیانہ علوم کے یگانۂ عصر تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ بہت کچھ کینہ و حسد کا نشانہ بنا اور اپنے اکثر معاصرین فن کی نظروں میں باعثِ نفرت و رشک قرار پایا۔ جنھوں نے متواتر اس کے قتل کرنے کی کوشش کی مگر خدا نے ہمیشہ اُس کو محفوظ رکھا۔

ابن باجہ عربی ادب کا ماہر اور حافظ قرآن اور حاذق اطبائے زمانہ سے تھا۔ فن موسیقی میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ نے نوازی میں بے مثل سمجھا جاتا تھا۔ ابوالحسن علی بن عبدالعزیز ابن الامام اپنی تصنیف "الجموعۃ الاقوال عن ابو بکر محمد ابن الصائغ ابن باجہ" کے دیباچہ میں یوں لکھتا ہے کہ مجموعۂ ہذا ابن باجہ کے تمام فلسفیانہ اقوال کا نادر ذخیرہ ہے فلسفہ کے نازک اور دقیق مباحث پر اس کی طباعی اور رفعت بیان اس درجہ پر تھی کہ وہ اپنے زمانۂ حیات میں ان علوم میں عجوبۂ روزگار شمار کیا جاتا تھا۔ فی الحقیقت سلطان الحکم اندلس کا پہلا بادشاہ ہے کہ جس نے اپنی داد و دہش سے عربوں میں علوم فلسفہ کی تحصیل کا شوق پیدا کیا۔ خود سلطان کے کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں اور تمام مورخین عرب بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ہر کتاب پر اس کے خاص قلم کا حاشیہ تحریر تھا۔ الحکم نے کتب فلسفہ مع دیگر عجیب و غریب و بیش قیمت تصانیف بلاد مشرق۔ یونان و روم سے خرید کر منگوائیں اور انہیں اپنی مملکت میں شایع کروایا کرتا تھا۔ جہاں وہ بہت جلد درس گاہوں میں شریک نصاب کر لی جاتی

[1] طبقات الالباجلد ۲ صفحہ ۶۲۔

تھیں۔ اس کے زمانہ سے پیشتر لوگ اس قسم کے علوم سے نا آشنا تھے اور اگر آشنا تھے بھی تو اکثر اسقدر کم اور ناقص طور پر تھے کہ راہِ راست سے بھٹک جاتے تھے جیسا کہ ابن حزم اشبیلی مورد الزام ہوا۔

یہی ابن الامام لکھتا ہے کہ ابن باجہ اپنے زمانہ کا ایک ہی شخص تھا جو فلسفہ یونان کی طرف نہایت شوق اور توجہ کے ساتھ متوجہ ہوا اور جو اپنے تمام متقدمین حتیٰ کہ ابن حزم پر بھی بلحاظ اپنے مسلمات کی تحقیق۔ وسعت نظر اور صحت رائے کے سبقت لے گیا۔ چنانچہ علوم مذکورہ میں تعلیم و تعلم کے راستے اس وحید زماں سے آراستہ ہوئے۔ نیز ایک دوسرا عالم بھی جس کا نام مالک بن وہب ہے اور جو متوطن اشبیلیہ اور ابن باجہ کا ہم عصر تھا۔ فلسفہ کی اشاعت اور ترقی میں اس کا شریک رہا۔ لیکن فلسفہ کے ساتھ جو شدید مخالفت علما وقت کو تھی اس سے بادشاہ اور عوام اس ایسے متاثر ہوئے کہ ابن وہب کو ابن باجہ کی وفات کے بعد اپنی جان کے اندیشہ سے ان علوم کے مطالعہ سے اجتناب کرنا پڑا۔ برخلاف اس کے چونکہ ابوبکر کو اس کے طبعی رجحان نے ابتدا ہی سے دشوار گزار راستوں پر لا ڈالا تھا وہ بغیر خوف و خطر ان علوم کی تحصیل اور ترقی میں بدستور مستغرق اور تلاش معلومات کے واسطے برابر سفر کرتا رہا۔ چنانچہ علم النفس اور علوم طبیعیات کے تمام دقیق ترین مسائل پر اس کو ایسی دست رس ہو گئی تھی کہ علمائے ہیئت انصاری متقدمین اور متاخرین سب آج تک بکمال احسان تسلیم کرتے ہیں کہ اس ہی کے عالمانہ اضافہ اور حواشی نے افلاطون اور ارسطو کو دوبارہ زندہ کیا۔ اسی طرح ابن باجہ نے علم ہیئت و نجوم اور علم ہندسہ کو بھی حاصل کیا اور ایسی تصانیف اپنے بعد چھوڑ گیا جو ان علوم میں اس کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر ان علوم کے کسی شعبہ میں اس کو خاطر خواہ ترقی کا وقت نہیں ملا۔ مثلاً علم مابعد الطبیعیات کو لیجئے تو حقیقت یہ ہے کہ ابن باجہ نے گو اس میں کسی جدید نظریہ کو قایم نہیں کیا بجز اس کے کہ ایک رسالہ الوداع میں یا اس کے ایک مضمون "فی اتصال العقل بالانسان" میں چند متفرق نکات یا اس کی دو اور فلسفیانہ کتب میں چند مختلف اشارات

پائے جاتے ہیں۔ بریں ہم یہ بھی نہایت زوردار ہیں اور اس علم مابعد الطبیعیات میں اس کی غایت مہارت کو ثابت کرتے ہیں۔ بہرکیف ابن باجہ اپنے معاصرین کے مقابلہ میں بلحاظ تحصیل و ترقی فن مابعد الطبیعیات کے نہایت ہی کامیاب تھا۔ اس نے فن مذکور کے جملہ حجابات کو نہایت تحقیق کے ساتھ دُور کیا۔ ابن باجہ کی حیرت انگیز وسعت کمال کا اندازہ اس کی ایک تصنیف سے جو اس نے فطرت البشریہ کی تجدید کے موضوع پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے بخوبی ہوتا ہے۔ فی الواقع ابونصر الفارابی کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جو ابن باجہ کی طرح علوم مذکورہ پر نہایت اعلیٰ طریقہ سے تحریراً و تقریراً دسترس رکھتا ہو اس لیے کہ اگر ہم اس کے اور ابن سینا یا الغزالی کے مضامین کا مقابلہ کریں کیونکہ ان دونوں نے بھی فارابی کے بعد مشرق میں علم مذکور کی تحصیل کو بہت کچھ ترقی دی تو ہم کو ان میں ایک گونہ فرق ضرور نظر آئیگا۔ علی الخصوص جب کہ ہم ابن باجہ کی عبارت کی سلاست اور خوبی کو اور اس کی ارسطو کے مکاتبات کی تہ تک پہنچ جانے والی قابلیت کو ملحوظ رکھیں۔ بہرصورت اس امر میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ ان تینوں فلسفیوں نے اپنی ذات میں اپنے اسلاف کے کل مخصوصات اور علم کو متحد کر لیا تھا اور اپنی صفائی بیانات میں ممتاز ہونے کے علاوہ اپنی تصانیف کے اعتبار سے عہد قدیم کے مشہور و معروف فلسفیوں پر سبقت لے گئے تھے۔

ابوالحسن علی ابن الامام غرناطہ کا رہنے والا تھا۔ بہت زبردست اہل قلم اور متعدد علوم میں ماہر تھا اور ابن باجہ سے جس کا وہ شاگرد اور دوست تھا۔ غایت درجہ کا ارتباط رکھتا تھا۔ اس نے مشرق کی سیاحت کی اور قوص[1] میں فوت ہوا۔

ابن باجہ کے شاگردوں میں قاضی ابوالولید محمد بن رشد ارشد تلامذہ سے تھا۔ ابن باجہ

---

[1] اس مقام کا پتہ نہیں ملا۔

جوانی کے عالم میں شہر فاس[1] میں فوت ہوا اور وہیں دفن ہوا۔ قاضی ابومروان الاشبیلی کا بیان ہے کہ اس نے وہاں اس کا مقبرہ دیکھا تھا۔ اس کے قریب ہی فقیہہ ابوبکر ابن الاعرابی کا مقبرہ تھا جس کی متعدد تصانیف مشہور ہیں۔

ابن باجہ کے ذی علم معاصرین اس کے فلسفیانہ خیالات پر کچھ ہی اعتراض کریں لیکن یہ اپنے مذہبی عقائد میں نہایت پختہ اور مضبوط تھا چنانچہ اس کا ہمیشہ یہ قول تھا کہ "اعمال نیک کے پابند رہو تاکہ خدائے تعالےٰ کا فضل و کرم تمہارے شامل حال رہے اور اس کی نعمتیں تم پر نازل ہوتی رہیں۔"

اس کا انتقال تئیس برس کی عمر ۵۳۳ھ ہجری میں ہوا۔

ابن باجہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:—

(۱) شرح کتاب السماع الطبیعی الارسطاطالیس۔

(۲) "قول علی البعض کتاب الاثر العلویہ لارسطاطالیس" یعنی رسالہ علم الکواکب مولفہ ارسطاطالیس پر بحث۔

(۳) الکون والفساد (رسالہ کون و فساد مولفہ ارسطو پر ایک نظر)

(۴) کتاب الحیوان (کتاب علم الحیوان مصنفہ ارسطو کے آخری ابواب پر ایک مضمون)

(۵) کلام علی بعض کتاب النباتات لارسطاطالیس (کتاب علم النباتات مصنفہ ارسطو کے ایک حصہ پر مضمون)۔

(۶) قول ذکر فیہ التشوق الطبیعی و ماہیتہ و ابتداء ان یعطی اسباب برہان والحقیقۃ۔

(۷) "رسالۃ الوداع"۔

---

[1] بظاہر فاس دارالسلطنۃ مراکش مراد ہے۔

(۸) کتاب "فی اتصال العقل بالانسان"

(۹) "قول علی قوۃ النزوعیۃ" قوتِ اندفاع (مزاحمت) پر ایک رسالہ جو متعدد کتابوں پر منقسم ہے[1]

(۱۰) "تدبیر المتوحد" ایک رسالہ ترتیب قوائے انفرادیہ کے مبحث پر۔

(۱۱) کتاب "النفس تعالیق علی کتاب ابی نصر فی الصناعۃ الذہنیہ" یعنی علم روح پر ایک کتاب جس کا منشا یہ ہے کہ علم النفس مصنفہ ابونصر پر ایک غائر نظر ڈالی جائے۔

(۱۲) فصول قلیلۃ فی السیاسۃ المدنیۃ وکیفیۃ المدن و حال المتوحد ضوابط جمہوریہ اور ترتیبات بلدیہ اور انفرادی حیثیت کے مبحث پر ایک کتاب جس میں اس نے چند نہایت عمدہ باتیں علم ہندسہ اور علم نحو پر لکھی ہیں۔

(۱۳) ایک ہدایت بصورت کتاب جو اس نے اپنے ایک دوست ابوجعفر یوسف بن احمد بن حزوی کو اس کی آمد مصر (قاہرہ) کے بعد لکھی ہے۔

(۱۴) فلسفیانہ لطائف و نکات جو بطور ان سوالات کے جوابات کے لکھے گئے جو ابن سعید مہندس نے علم الہندسہ پر قایم کیے تھے جو عموماً الگ الگ پائے جاتے ہیں۔

(۱۵) ایک بحث گیلی نس (غلینوث) کی اس کتاب کے ایک حصّہ پر جس میں اس نے ادویات مفردہ کے خصوصیات کو بیان کیا ہے۔

(۱۶) کتاب التجربتین علی ادویۃ ابن وافد۔ ابن وافد کی ادویات پر دو تجربے جس کی تالیف میں ابن باجہ کو ابوالحسن سفیان سے بھی مدد ملی ہے۔

(۱۷) "اختصار الحاوی للرازی" کتاب الخزائین مولفۂ الرازی کی تلخیص۔

(۱۸) "کلام فی الغایۃ الانسانیہ" فطرت بشریہ کی تجدید پر ایک بحث۔

---

[1] لغت میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔ ن کا نقطہ غلط معلوم ہوتا ہے لفظ نزوعیہ ہوگا جس کے معنے نکالنے کے ہیں۔

(۱۹) کلام فی امور التی بہا یسکن او توقف علی العقل الفعال نفس فاعلہ۔ ایک بحث ان اشیاء کے متعلق جنہیں نفس فاعلیہ کی مزاحمت کی قوت ہوتی ہے۔

(۲۰) "کلام فی الاسم والمسمیٰ" ایک بحث اسم اور مسمیٰ کے موضوع پر۔

(۲۱) "کلام فی البرہان" بحث دلائل و براہین کے متعلق۔

(۲۲) "کلام فی الاسطقسات" کتاب عناصر کے متعلق۔

(۲۳) "کلام فی الفحص عن النفس النزوعیہ وکیف ہی ولم ینزع وبماذا ینزع" ان قوائے مزاحمہ کی تفتیش جو فطرتاً ہمارے نفس میں ودیعت ہیں یعنی وہ کیا ہیں۔ ان کا دائرۂ عمل کیا ہے اور کیونکر ہے۔

(۲۴) "کلام فی المزاج بما ہو طبی" امزجہ اور عادات کے متعلق ایک رسالہ۔

ابوبکر ابن زہر

۵۹۶ہجری

ابوبکر ابن زہر الحفید ایک مشہور و معروف اور ذی مرتبہ شیخ تھا۔ اس کا پورا نام ابوبکر محمد ابن ابی مروان ابن ابی العلی ابن زہر تھا۔ طبیب اور وزیر وقت تھا۔ شہر اشبیلیہ میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے اپنے باپ کی زیرنگرانی تعلیم پائی۔ اپنے باپ ہی سے طبابت اور دوسرے علوم کی تحصیل کی جن کو اپنی تصانیف کے ذریعہ سے اس نے بہت کچھ ترقی دی۔ رنگ گورا میانہ قد۔ خوش وضع۔ قوی الجثہ اور طاقتور تھا۔ زمانہ پیری میں بھی اس کے قوائے جسمانی میں انحطاط نمایاں نہ تھا۔ البتہ وفات سے کچھ قبل سماعت میں کچھ ثقل آگیا تھا۔

ابن زہر حافظ قرآن اور احادیث کا مستند عالم مانا جاتا تھا۔ عربی ادب و فن شاعری پر اتنا

عبور حاصل کیا تھا کہ اس کے معاصرین میں بہت کم ایسے تھے جو اس کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کی غیر معمولی تحریر اور تقریر کی روانی تخیلات کی شاعرانہ نزاکت و رنگینی کا اندازہ اس کے بے مثل مجموعہ موشحات سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ فن طب میں تو اس کو خود اپنی معلومات اور تجربہ پر کمال ناز تھا۔ علاوہ کمالات مذکورہ کے فرائض دینیہ کی بجا آوری کا نہایت سختی سے پابند تھا۔ اپنے عقائد میں راسخ عالم باعمل اور حسنات کا دلدادہ تھا۔

قاضی ابو مروان محمد بن احمد بن عبد الملک الباجی متوطن اشبیلیہ ناقل ہے کہ خود ابو بکر بن زہر نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "زمانۂ جوانی میں سات سال تک تمہارے دادا عبد الملک الباجی کا ہمدرس رہا اور ان ہی کے ساتھ کتب المدونہ[1] اور مسند مصنفہ ابن ابی شیبہ کا بھی درس لیا"۔ قاضی موصوف نے خود ابو بکر بن زہر کے متعلق اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ ایسا قوی الجثہ اور طاقت ور تھا کہ ڈیڑھ سو اشبیلی[2] پونڈ کی وزنی کمان کو خم کر سکتا تھا۔ شطرنج خوب کھیلتا تھا۔ اس نے دو مختلف شاہی خاندانوں کی ملازمت کی۔ اول تو اپنے باپ کی معیت میں سلاطین المرابطین کی ملازمت ان کی حکومت کے آخری ایام میں کی۔ بعد کو الموحدین کی ملازمت میں جن کو اخلاف عبد المومن سے بھی موسوم کرتے ہیں داخل ہوا۔ ابن زہر کے باپ نے عبد المومن کی حیات ہی میں وفات پائی اور وہ خود اسی خدمت

[1] یہ کتاب فقہ مالک ابن انس کے مذہب پر ہے اس زمانہ میں درس (قانون) میں شریک تھی اس کا مصنف ابو عبد اللہ عبد الرحمن ابن القاسم المالکی ہے۔ دیکھو وفیات الاعیان اور نفح الطیب۔ مترجم۔ پاسکل دی گیانگوز ضمیمہ۔ اسی ضمیمہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ ابن زہر کی بہن فن طبابت اور بالخصوص دایہ گی میں ید طولی رکھتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مترجم اس کا نام نہیں لکھتا اور اس کا بھی افسوس ہے کہ گو ابن ابی اصیبعہ نے اپنے تذکرہ میں ابن زہر کی تصانیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن ان کی فہرست نہیں دی۔

[2] فی پونڈ سولہ اونس اور فی اونس دس درہم کا ہوتا تھا۔

مامور ہوا سلطان مذکور کے بعد اسکے بیٹے ابو یعقوب یوسف پھر اسکے پوتے ابو یوسف یعقوب المنصور اور پھر المنصور کے بیٹے عبد اللہ محمد الناصر کے پاس تا دم مرگ رہا۔ شکل و شمائل کی خوبی کے ساتھ خداوند عالم نے اس کو عالم باعمل نیک سیرت۔ فیاض و فیض رساں وہمدرد قوم خلق کیا تھا۔ ایسا خوش مزاج اور گفتگو ایسی دل آویز کہ اہل مجلس شل پروانہ اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ ابوبکر ابن زہر کی وفات ۵۹۶ھ مطابق ۱۲۰۰ء میں بمقام مراکش واقع ہوئی جہاں وہ سلطان کے ہمراہ سفر کر رہا تھا اور بمقام مذکور مقبرۃ الشیوخ میں مدفون ہوا۔ بوقت انتقال اس کی عمر تقریباً نوے سال کی تھی۔

ابن زہر اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ساتھ ہمیشہ بسلوک و مدارا پیش آتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ابن زہر اپنے ایک عزیز دوست کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا اثنائے کھیل میں اس نے اپنے دوست کو متفکر پایا۔ اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اُس کو بیٹی کی شادی کے لئے تین سو دینار کی ضرورت ہے ابن زہر نے فوراً یہ رقم اس دوست کے سامنے رکھدی۔ یہ دوست جس کو النیاقی کہتے تھے اس وقت رقم کے لینے پر مجبور ہوا لیکن چند روز کے بعد یہ کہکر کہ میں نے اپنے باغ کو سات سو دینار پر فروخت کیا ہے تین سو واپس دینے چاہئے ابن زہر بہت ناراض ہوا۔ اور کہا کہ رقم دیتے وقت مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اُسس کو واپس لوں گا۔ اگر دنیا میں ایک دوست دوسرے دوست کے کام نہ آئے تو ہماری زندگی بے سود ہے" النیاقی نے بہت کچھ اصرار کیا لیکن ابن زہر نے کسی طرح رقم کو واپس نہیں لیا۔

ایک اور عالم ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد متوطن اشبیلیہ نے یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ ابن زہر کے دو شاگرد اس کے پاس آئے اور منطق کی کتاب سامنے رکھکر اس کے پڑھانے کی

[1] مصنف قرطاس جس نے اس کی وفات ۱۲ ذی الحجہ ۵۹۶ھ ہجری مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۲۰۰ء عیسوی بتلائی ہے لکھتا ہے کہ اُس کی عمر بوقت انتقال چورانوے برس کی تھی۔

خواہش کی سلطان المنصور منطق و دیگر علوم جدید کے درس و تدریس کی قطعی ممانعت کر چکا تھا۔ اپنے شاگردوں کے پاس یہ کتاب دیکھکر بہت ناراض ہوا اور اُن کو مارنے کے لئے بہت دور تک اُن کا تعاقب کیا۔ کچھ روز بعد جب اس کا غصہ فرو ہوا تو ان دونوں شاگردوں نے اپنے اُستاد کے پاس آکر معافی چاہی۔ ابن زہر نے اس شرط کے ساتھ ان کی خطا معاف کی کہ آئندہ سے وہ سوائے قرآن اور حدیث کے کسی علم جدید کا خیال بھی نہ کریں گے۔ لیکن جب یہ دونوں شاگرد قرآن اور حدیث کا درس ختم کر چکے اور ابن زہر کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ علوم فلسفہ کا کوئی اثر ان کے عقائد پر نہ ہوگا۔ تو اس نے بطور خود انکو منطق پڑھانی شروع کی۔ یہ واقعہ بہترین نظیر ابن زہر کے راسخ الاعتقاد ہونیکی ہے۔[1]

ابن رشد

سنہ ۵۱۴-۵۹۵ ہجری

صحرانشینان عرب کی عجیب و متحیر العقول قوت ذہنی دنیا کے ہر قوم و رنگ و مذہب کے اہل علم سے ہمیشہ خراج تحسین حاصل کرتی رہے گی۔ "ارض مقدس" پر صلیبی حملے جو اعیان و داعیان دین مسیحی کی سحر بیانی کا نتیجہ تھے اور جو اب تک جلوہ گاہ عالم پر شجاعانہ کارناموں کی شکل میں پیش ہوتے رہے اُن میں باوجود تعصب مذہبی ایک حد تک غیرت اور شجاعت کی ضرور جھلک پائی جاتی ہے لیکن کمال افسوس ہے کہ ان بے بہا جواہر انسانی کی جھلک کو بھی جس کو اہل یورپ زمانہ جاہلیت میں سپہ گری کی روح رواں تصور کرتے تھے اس ہمارے زمانہ کی تہذیب جدید جس کی تقلید پر غرب و شرق کو اس درجہ فخر و ناز ہے نہایت تیزی کے ساتھ مٹا رہی ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء اور سنہ ۱۹۱۳ء کی جنگ بلقان اپنے وحشیانہ طریقہ میں نصاریٰ اسپین کی اوس مذہبی عدالت (انکوزیشن) کی ایک دوسری

---

[1] عیون الانبا جلد ۲ صفحہ ۶۵ - الدیباج المذہب صفحہ ۲۸۴ - مشہور فرانسیسی فیلسوف آرنسٹ رینان نے انکے حالات اور فلسفیانہ خیالات پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جسکا نام (Averroes et l'Averroisme) اور اس کا آٹھواں ایڈیشن سنہ ۱۹۲۳ء میں بمقام پیرس طبع ہوا ہے۔

شامل تھی جو بحکم پاپائے روم مخالفین دین عیسوی کی ظالمانہ سزا دہی کے واسطے قائم کی گئی تھی۔
اور جو تعصب مذہبی کی ایک ایسی مجسم پیکر تھی جس کی نظیر دنیا کے ابتدائی حیوانی دور میں بھی نہیں ملتی
جب اسلامی حکومت جس کا پرچم ایشیا۔ یورپ و افریقہ تینوں براعظموں پر لہرا رہا تھا اور جو
عرب کے جلتے ہوئے ریگستان سے لے کر اندلس کے شاداب و زرخیز میدانوں تک اپنی حیرت انگیز
تیز رفتاری کے ساتھ پھیل گئی تھی اور جس کے حدود بحر اطلانٹک سے جا ملے تھے اس میں عبرت
انگیز عجلت سے زوال ہونے لگا تو انواع و اقسام کی بے رحمیاں تعصب کی آڑ میں اس شکل سے
نمودار ہوئیں کہ صرف مسلمانوں ہی کو کلیۃً برباد نہیں کیا گیا بلکہ اُن کے زبردست غیر فانی احسانات و
فیوض و فوائد کو بھی جو بنی نوع انسان کو ان سے حاصل ہوئے تھے غارت کرنے میں تامل نہ ہوا۔ ان
وحشیانہ افعال سے اگرچہ عربوں کی سیاسی شان و شوکت غالباً ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی مگر دنیا شکر
کے ساتھ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جو علمی پودے انہوں نے لگائے تھے وہ آج تناور درختوں کی
صورت میں نمایاں ہیں۔

اگر عرب بھی اپنے معاصرین اہل یورپ کی طرح تعصب کو کام میں لاتے اور اشاعت علوم
کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے تو غالباً یونان و روم قدیم کے علوم و فنون و تہذیب کے بیش بہا
علمی ذخیرے صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جاتے مگر یہ محض دنیا کی بزرگ ترین ہستی یعنی پیغمبر اسلام
کا معجزہ اور ان کی بہترین تعلیم کی برکت تھی کہ عرب کے وحشی بادیہ نشینوں نے انسانی تہذیب و شائستگی
کے ہر شعبہ میں زبردست حصہ لیا اور ثابت کر دیا کہ دنیا میں عرب ہی دینوی و علمی دونوں حکومتوں
کے لئے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

المقری نے اپنی مشہور و مستند تاریخ نفح الطیب میں ایک نہایت مکمل و معتبر فہرست ان علما
و مصنفین کی دی ہے جنہوں نے قدیم فلاسفہ یونان کی قابل قدر تصانیف کو جو عرصہ دراز سے طاق نسیان

میں رکھی ہوئی تھیں محفوظ کر دیا اور اُن کے ترجمے کر کے اور اُن پر شروح و حواشی لکھکر ہمیشہ کے لئے اُن کے نام زندہ کر دیئے۔ اس قسم کے علماء کے ضمن میں غالباً ابن رشد اپنے تمام معاصر مصنفین سے زیادہ سربرآوردہ ہے۔

ابو الولید محمدؒ ابن احمد بن محمدؒ بن رشد جو عام طور سے قاضی ابو الولید ابن رشد کے نام سے زیادہ مشہور ہے ۱۱۲۶ء میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا تھا۔ وہ عرب کے ایک خالص ترین معزز خاندان کا ایک فرد تھا۔ بچپن ہی میں اُس کی شکل و شمائل و اطوار سے آثار علم و فضل ہویدا تھے۔ ایسا غیر معمولی ذہن رسا پایا تھا کہ اپنی خداداد ذہنی قوت اور حافظہ میں اپنی آپ نظیر تھا۔

ایک مشہور نقاد عرب مورخ کا مقولہ ہے کہ منجملہ دوسری نعمتوں کے جو اسلامی اسپین کو اللہ تعالےٰ نے بافراط عنایت کی ہیں ایک حافظہ بھی ہے۔ اُس کی تاریخیں ایسے شعراء و مصنفین کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں جن کے قوائے ذہنی و دماغی فی الحقیقت حیرتناک تھے۔

ہم جب اس ممتاز قوم کے حالات پر نظر غایر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خصایص اگرچہ عام طور پر تمام قوم عرب کو میراث میں ملے تھے مگر اسپین کے عرب بالخصوص تحقیق و تلاش علم میں سب سے سبقت لے گئے۔ غرض کہ یہ ہونہار لڑکا (ابن رشد) اپنے بزرگوں کی ترغیب و ہمت افزائی سے قرطبہ کے مشہور فقہ کے حلقوں اور درسگاہوں میں شریک ہوا۔ اُس زمانہ میں قرطبہ تمام براعظم یورپ میں علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز تھا اور طلیطلہ و قرطبہ کی شہرۂ آفاق یونیورسٹیوں میں قدیم یونانیوں اور رومیوں کے علمی خزانے محفوظ تھے۔ ارسطو و فلاطون کی تصانیف نہایت شوق سے مطالعہ کی جاتی تھیں اور اُن پر زبردست تنقیدی نظر ڈالی جاتی تھی۔ عربوں کے بے مثل تحمل و بلند حوصلگی کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے کہ اُنہوں نے مشعل علم روشن کی اور اُسی سے تمام یورپ کو منور کر دیا۔ جس سے عیسائی طلبہ کو بھی ہمت ہوئی کہ وہ خطرات و تکالیف کا مقابلہ کریں اور بحر و بر

اندلس کے فلپ دوم کا اسطرلاب

کی دور و دراز مسافتیں قطع کرکے علم کے ان چشموں سے سیراب ہوں۔ ایک یورپین مصنف جس کو ازمنۂ متوسط کے تعصب و تنفر کی ہوا نہیں لگی ہے تمام عالی ہمت حامیان علم کو نصیحت کرتا ہے کہ عربوں نے علم و تہذیب کا جو چراغ روشن کیا ہے اُسے کبھی بجھنے نہ دیں۔

وہ کہتا ہے کہ "یہ عربوں کی فراست و محنت و جانفشانی کا نتیجہ ہے کہ ہم موجودہ بے انتہا ضروری و مفید ایجادات میں سے بہت سی چیزیں ایجاد اور بہت سی باتوں کا انکشاف کر سکتے ہیں۔"

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ابن رشد جس نے ایسی مردم خیز آب و ہوا میں نشو و نما پائی تھی اور جو ایسے فرحت بخش و صحت افزا مقام میں سکونت رکھتا تھا وہ تلاش حق کے لئے اپنے قوائے دماغی کو وقف نہ کر دیتا۔ اس زمانہ کی طالب علمانہ زندگی ایک تلخ زندگی ہوتی تھی اور بڑی ریاضت و مجاہدہ کا زمانہ ہوا کرتا تھا جس میں بعض اوقات تلامذہ کو برضا و رغبت اپنے اُستادوں کی غلامانہ خدمت تک کرنی پڑتی تھی چنانچہ اس زمانہ میں ابن رشد کے بے حد تحمل و استقلال اور غیر معمولی فہم و فراست کی وجہ سے اُس وقت کے مشہور و معروف روشن خیال عالم ابن باجہ کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوئی۔ اُس نے فوراً اس کو اپنی تربیت و نگرانی میں لے لیا۔ اور درس دینے لگا۔ عربوں کے دستور کے موافق ابن رشد نے اپنی تعلیم علم دین و علم کلام سے شروع کی اور بہت جلد ترقی کرکے اس قدر لیاقت پیدا کر لی کہ اُس کے اُستاد عالم متبحر فقیہہ حافظ ابن محمد بن رزاق نے اپنے اس لائق و فائق شاگرد کی غیر معمولی قابلیت کی بنا پر اس کے واسطے حصول سند کی سفارش کی۔ چنانچہ ایک سخت امتحان کے بعد تمام علمائے اسپین نے متفق ہو کر سند فقہ اُس کو عطا کی۔ یہ سند بیشتر عموماً صرف معمر لوگوں کو ملا کرتی تھی جو قرآن و حدیث ختم کرکے مدتوں میں دوسرے علوم کی تکمیل کرتے تھے مگر ابن رشد نے کم سنی میں یہ فضیلت حاصل کر لی۔ لیکن وہ صرف اس سند دینیات پر قناعت کرنے والا نہ تھا اور اُس کی پیاس اسی ایک جرعۂ آب سے بجھنے والی نہ تھی۔ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفہ و حکمار کے آثار و تصانیف نے

اس کی آتش شوق کو بہت بھڑکا دیا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ جس چیز کو ہاتھ لگاتا اُسے تکمیل کو پہنچائے بغیر نہ چھوڑتا۔ ابومروان ابن زہر کی دوستی نے اُس کو علم ادویہ کی جانب مائل کیا اور اس فن کو بھی اُس نے اُستادانہ تحقیقات سے مالامال کر دیا۔ اس کی کتاب الکلیات پر اوس کے حسب استدعا ابن زہر نے ضمیمہ تحریر کیا ہے جس کا نام کتاب فی امور الجزیہ ہے۔ مطالعہ ادویہ کے ساتھ ساتھ وہ ابن جعفر بن ہارون طرجوبی کی مدد سے علم حیوانات۔ علم خواص الاشیاء اور فلاطون و ارسطو و نیز دیگر حکمائے یونان کی فلسفیانہ تصنیفات پر بھی حاوی ہو گیا۔

چونکہ ابن رشد کی طبیعت قدرتی طور پر بے خوف اور نڈر واقع ہوئی تھی اس وجہ سے تعلیم فلسفہ نے اس کے دل کو رسمی مذہبی تہمات سے آزاد کر دیا۔ وہ ذاتی خطرات سے بے پروا کمال آزادی کے ساتھ مسائل فقہ پر بے باکانہ مباحثہ کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہا کرتا تھا۔

المنصور سلطان قرطبہ اور اُس کا لڑکا الناصر جو علم کی بڑی فراخ حوصلگی سے سرپرستی کیا کرتے تھے اُس کے علم و فضل کی وجہ سے ہمیشہ اس کے ساتھ بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے اصرار کر کے اولاً اس کو اشبیلیہ کا اور پھر اپنے دار السلطنت قرطبہ کا قاضی بھی مقرر کیا۔ لیکن عوام الناس کا بغض و حسد جو بظاہر اس کے ملحدانہ عقائد کی وجہ سے تھا اس قدر بڑھا کہ آخر کار منصور چشم پوشی نہ کر سکا اور عام لوگوں کے مطالبہ پر بعض تنگ خیال عالموں کی تحقیقات کے بعد ابن رشد کو شہر بدر کر کے مقام الاصلاح میں جو قرطبہ کے پاس ایک قصبہ ہے بھجوایا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد معاف کر کے پھر واپس بلا لیا۔ ابن رشد کی قابلیت کے ڈنکے جرمنی و فرانس میں زیادہ بج رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی عالمانہ تصنیفات جو ارسطو و فلاطون و نقولاس و جالینوس کے قائم کردہ اصول پر لکھی گئی ہیں اور اس کے فاضلانہ مباحث جو اُس نے مشرق و مغرب کے ہم عصر آزاد خیال عربوں کے ساتھ کئے ہیں اُن کے ترجمے اہل فرانس و

وجرمنی نے کرکے بڑی قدر کے ساتھ بہ تعداد کثیر شائع کئے ہیں۔ اسپین کے عیسائیوں کی مجنونانہ غارت گری سے ابن رشد کی جو قابل یاد تصانیف بچ رہی ہیں اُن میں سے حسب ذیل بہت مشہور ہیں:-

(۱) کتاب التحصیل۔
(۲) کتاب المقدمات فی الفقہ۔
(۳) کتاب ہدایۃ المجتہد فی الفقہ۔
(۴) کتاب الکلیات۔
(۵) کتاب الحیوان۔
(۶) جوامع کتب ارسطاطالیس فی الطبیعیات والالہیات
(۷) کتاب الضروری فی المنطق ملحق بہ کتاب تلخیص الالہیات لنقولاوس
(۸) تلخیص کتاب مابعد الطبیعۃ لارسطاطالیس۔
(۹) تلخیص کتاب الاخلاق لارسطاطالیس۔
(۱۰) تلخیص کتاب البرہان لارسطاطالیس۔
(۱۱) تلخیص کتاب السّماع الطبیعی لارسطاطالیس۔
(۱۲) شرح کتاب السّماء والعالم لارسطاطالیس۔
(۱۳) شرح کتاب النفس لارسطاطالیس۔
(۱۴) تلخیص کتاب الاسطقسات لجالینوس
(۱۵) تلخیص کتاب المزاج
(۱۶) کتاب القویٰ الطبیعۃ
(۱۷) تلخیص کتاب العلل والامراض۔

(۱۸) تلخیص کتاب نعرق۔

(۱۹) تلخیص کتاب الحمیات۔

(۲۰) تلخیص اول کتاب الادویۃ المفردہ۔

(۲۱) تلخیص النصف الثانی من کتاب حیلۃ البرء۔

(۲۲) کتاب تہافۃ التہافۃ ردفیہ علی کتاب التہافۃ للغزالی۔

(۲۳) کتاب منہاج الادلۃ فی علم الاصول۔

(۲۴) فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال

(۲۵) المسائل المہمۃ علی الکتاب البرہان لارسطاطالیس۔

(۲۶) شرح کتاب القیاس لارسطاطالیس۔

(۲۷) مقالۃ فی العقل۔

(۲۸) مقالۃ فی القیاس۔

(۲۹) کتاب فی الفحص ہل یمکن العقل الذی فینا وہو المسمی بالہیولی فی ان یعقل الصورۃ المفارقۃ باخرہ اولایمکن ذلک وہو المطلوب الذی کان ارسطاطالیس وعدنا بالفحص عنہ فی کتاب النفس۔

(۳۰) مقالۃ فی ان مایعتقدہ المشاؤون ومایعتقدہ المتکلمون من اہل ملتنا فی کیفیۃ وجود العالم متقارب فی المعانی۔

(۳۱) مقالۃ فی التعریف بجہۃ نظر ابی نصر فی کتابہ الموضوعۃ فی صناعۃ المنطق التی بایدی الناس وبجہۃ نظر ارسطاطالیس فیہا ومقدار مافی الکتاب من اجزاء الصناعۃ (المنطق) الموجودۃ فی کتاب ارسطاطالیس ومقدار مازاد ولاختلاف النظرین بہما۔

(۳۲) مقالۃ فی اتصال العقل المفارق بالانسان۔

(۳۳) مقالہ ایضاً فی اتصال العقل بالانسان۔

(۳۴) مراجعات ومباحث بین ابن بکر بن طفیل وبین ابن رُشد فی رسمہ الدواء فی کتابہ الموسوم بالکلیات۔

(۳۵) کتاب فی الفحص عن مسائل وقعت فی العلم الالٰہی فی کتاب الشفاء لابن سینا۔

(۳۶) مسالہ فی الزمان۔

(۳۷) مقالہ فی فسخ شبہہ من اعترض علی الحکم فی برہانہ فی وجود المادۃ الاولی وتبیین ان برہان ارسطوطالیس ہو الحق المبین۔

(۳۸) مقالہ فی الرد علی ابن علی ابن سینا فی تقسیمہ الموجودات الی ممکن علی الاطلاق وممکن بذاتہ واجب بغیرہ والی واجب بذاتہ۔

(۳۹) مقالہ فی المزاج ومسالہ فی نوایب الحمی۔

(۴۰) مقالہ فی حمیات العفنۃ ومسائل فی الحکمت۔

(۴۱) مقالہ فی حرکات الفلک۔

(۴۲) کتاب فی ما خالف ابو نصر لارسطاطالیس فی کتاب البرہان من ترتیب وقوانین البراہین والحدود۔

(۴۳) مقالہ فی التریاق۔

ابن رشد کی تصنیفات الٰہیات۔ ادویہ۔ اخلاق وعلم الاشیاء کے ترجموں کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آزاد خیال شخص تھا اور اُس کی عقل سلیم ورائے روشن نے اس کو ہر قسم کے مذہبی توہمات سے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن وہ مذہبی علماء جن کے ذاتی اغراض ومنافع پر اس قسم کے خیالات سے اثر پڑتا تھا اور جو عامۃ الناس کو مذہبی قیود میں جکڑ کر اپنے قابو میں رکھنا چاہتے تھے وہ ابن رشد کی دلائل قاطع

وبراہین واضح کو کفر و الحاد سے تعبیر کرتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ ابن رشد علم میں رکاوٹ پیدا کرنے والے مسائل کو سخت نفرت سے دیکھتا تھا مثلاً علم تشریح بدن اس زمانہ میں مذہبًا ممنوع خیال کیا جاتا تھا صرف اسی وجہ سے نہیں کہ اس سے توہین میت ہوتی ہے۔ بلکہ اس اعتقاد کے لحاظ سے بھی کہ اگر جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تو قیامت کے دن وہ مجتمع نہ ہو سکے گا۔ اس خیال کو ابن رشد احمقانہ سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر کسی مذہب کے بے وقوف وخود غرض متبعین نے مسائل سمجھنے میں غلطی کی ہے یا ان کو غلط طور پر بیان کر دیا ہے تو یہ اُس مذہب کا قصور نہیں ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ "جو شخص علم تشریح ابدان پڑھتا ہے اُس کی خداشناسی و معرفت میں اس علم کے ذریعہ سے بہت اضافہ ہو جاتا ہے"۔

اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ہر شخص کو اُس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے بعد وفات کچھ نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ ایسے شخص کو حقارت سے دیکھتا تھا کہ جو عالم اُخروی کے عذاب کے خوف یا ثواب کی امید میں پارسایانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ علانیہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ "تاوقتیکہ قطعی طور پر مجھکو قائل نہ کر دیا جائے کوئی امید ثواب یا خوف عذاب اس وقت یا بعد وفات مجھکو میری رائے تبدیل کرنے پر مائل نہیں کر سکتا"۔ وہ روح کے غیر فانی ہونے کا بھی قائل نہ تھا۔ اس قسم کے خیالات نے اُس کے متعلق سخت بدگمانی پیدا کر دی تھی۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ عقائد اس کے مُلحدانہ خیالات کی کافی دلیل ہیں۔

اگرچہ بقائے روح سے انکار کرنا اس بدگمانی کی واجبیت کا کافی ثبوت ہے تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ ابن رشد خدا کے وجود اور تعلیم اسلام کے متعلق عقیدہ راسخ رکھتا تھا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدق دل سے پیرو تھا۔

ابن رشد کی بڑی شہرت اُن شروح کی وجہ سے ہوئی ہے جو اُس نے فلاطون کی کتاب "سلطنت جمہوری" اور ارسطو و دیگر قدیم فلاسفہ یونان کی تصنیفات پر لکھی ہیں۔

اس نے ارسطو کے فلسفیانہ خیالات کو فلاطون کے جدید اصول سے ملا دینے اور منطبق کرنے کی

کوشش کی ہے۔

اس کے جدید و معقول اصولوں کو یورپ کے تمام مشہور علمار نے تسلیم کیا۔ لیکن جب انسانی معلومات وسیع ہوئیں تو ان علمار بیت النصاریٰ میں جھگڑے ہونے شروع ہوئے اور ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا۔ جو ابن رشدی کہلانے لگا۔

اس عربی فلاسفر کا روزافزوں اثر دیکھکر تقدس مآب پاپاؤں کی بارگاہ میں ہلچل مچی اور اس تعلیم کو مذہب مسیحی کی عمارت کو متزلزل کر دینے والی خیال کرکے آخر کار پوپ لیو دہم نے ۱۵۱۲ء میں ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے ابن رشد کی تصانیف کا پڑھنا جرم قرار دیا گیا۔ لیکن ابن رشد یہودیوں اور عیسائیوں دونوں فرقوں میں اس قدر مقبول ہو چکا تھا کہ باوجود سخت تدابیر کے بھی پوپ اسکی تصانیف اسپین کے کارڈنل زمنیز کی طرح برباد نہ کر سکے جسکا بے رحمانہ جوش مذہبی دنیا کو اس قسم کے بیش بہا خزانوں سے محروم کرنے میں زیادہ کامیاب رہا تھا۔

ایک فرانسیسی مورخ نے اس ناقابل تلافی نقصان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"کسی زمانہ میں اس خطرناک نقصان کی تلافی کی کوشش نہیں کی گئی جو کارڈنل زمنیز کے وحشیانہ حکم سے بالعموم علم وفن کو اور بالخصوص تاریخ وجزیرہ نمائے اسپین کے آثار قدیمہ کو پہنچایا گیا۔ علی الاعلان غرناطہ کی گلی کوچوں میں عربی کی اسی ہزار کتابیں محض اس حیلہ سے جلا کر راکھ کر دی گئیں کہ اُن میں ایسے اصول درج تھے جو مفتوحہ قوم میں تعلیم انجیل رائج کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ اس اتلاف عظیم کے بعد بھی جو کتابیں اسپین کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے قبضہ میں پائی گئیں وہ نہایت شوق سے تلاش کر کر کے آگ کی نذر کی گئیں۔ عربی زبان ملعونہ قرار دی گئی جو اس قابل نہ تھی کہ معصوم عیسائی اُسے پڑھیں"۔ روبلس جیسے ماسڈن۔ کارڈون۔ بورلیان۔ اور کونڈے کی معیت میں بہت وقت صرف کرکے بڑی محنت سے منتظر دنیا کے سامنے اُس زمانہ کے غیر طرفدارانہ حالات پیش کئے ہیں لکھتا ہے کہ "کارڈنل زمنیز صرف اسی ہزار کتابوں ہی کی

جلانے کا ذمہ دار نہیں ہے بلکہ ایک لاکھ پانچ ہزار عربی کتابوں کا خون اس کی گردن پر ہے"۔

ابن رشد نے جس کو ابن سعید علم فلسفہ کا بادشاہ کہتا ہے ۱۱۹۸ء میں بمقام مراکش تقریباً اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

حافظ ابن دحیہ[۱]

۵۴۴-۶۳۳ ہجری

حافظ ابو الخطاب عمر ابن الحسن ابن دحیہ قبیلہ کلب سے اور اندلس کے شہر بلنسیہ کا باشندہ تھا یہ تاریخ میں ذوالنسبین کے لقب سے مشہور ہے۔ ابن دحیہ کو اس لقب پر بہت ناز تھا اور اس کی وجہ جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے یہ تھی کہ باپ کی طرف سے اس کا سلسلہ نسب حضرت رسول مقبول صلعم کے ایک صحابی ابن دحیہ[۲] سے ملتا ہے اور اس کی والدہ امۃ الرحمان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھیں ابن خلکان کا بیان ہے کہ صرف و نحو اور علم الفقہ کے ساتھ اس نے علم حدیث کو بھی کمال تحقیق کے ساتھ حاصل کیا تھا چنانچہ اس کی عمر کا بڑا حصہ علم حدیث ہی کے مطالعہ اور تحقیق میں بسر ہوا۔ جب اپنے ملک کے علماء اور اساتذہ سے اس علم کو پڑھ چکا تو پھر مراکش اور افریقہ اور مصر اور شام عراق عرب اور عراق عجم۔ خراسان اور مازندران جیسے دور دراز مقامات میں پہنچکر وہاں کے علماء سے اپنے معلومات کی تصدیق اور تکمیل کی اور بغداد میں محدث وقت ابو فتح محمد ابن احمد المیدانی اور نیشاپور میں ایک دوسرے نامی محدث منصور ابن عبد المنعم الفرادی سے استفادہ حاصل کرتا رہا ابن دحیہ ۶۰۴ھ ہجری مطابق ۱۲۰۷ عیسوی میں اربل (خراسان) ایسے وقت میں وارد ہوا جبکہ وہاں کا حکمران الملک المعظم مظفر الدین ابن زین الدین میلاد مبارک کا جلسہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کرنے والا تھا۔ خاص اس مبارک

---

[۱] وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۴۰۱۔

[۲] دحیہ ابن خلیفہ کلبی وہ صحابی ہیں جن کو حضرت رسول اللہ صلعم نے ہرقل بادشاہ قسطنطنیہ کے پاس بطور سفیر روانہ فرمایا تھا۔

موقع کے واسطے اس نے کتاب التنویر فی مولود السراج المنیر لکھی تھی۔ اور خود ہی اس جلسہ میں حاکم موصوف کے سامنے اس کو پڑھا جس کے صلہ میں اس کو ایک ہزار دینار سُرخ ملے تھے۔ ابن خلکان تحریر کرتا ہے کہ اُس نے متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ باوجود تلاش کسی کتاب کا نام ہمکو نہیں ملا۔

ابن دحیہ ۵۴۴ھ ہجری مطابق ۱۱۵۰ء عیسوی میں پیدا ہوا اور ۶۳۳ھ ہجری مطابق ۱۲۳۵ء عیسوی میں وفات پائی۔

ابو علی الشلوبینی

۵۶۲-۶۴۵ھ ہجری

ابو علی عمر ابن محمد ابن عبداللہ الملقب بہ الشلوبینی[1] بنی ازد سے تھا اور اندلس کے شہر اشبیلیہ کا باشندہ تھا۔ علم صرف ونحو پر اس نے ایسا عبور حاصل کیا تھا کہ شاید اس کے معاصرین میں اس معلومات کے کم لوگ ملیں گے۔ اس کے شاگردوں میں بھی اکثر ایسے ہیں جو اس علم میں کامل اور مستند مانے جاتے ہیں۔ ان ہی میں سے بعض کا یہ دعویٰ تھا کہ صرف ونحو میں الشلوبینی کسی طرح شیخ ابو علی الفارسی سے کم نہ تھا اور ان کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ مطالعہ کتب میں اس درجہ مستغرق رہتا تھا کہ نہ تو اس کو اپنی صورت شکل نہ اپنے لباس کی پرواتھی بلکہ اس کا یہ استغراق نسیان کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اکثر اثنائے گفتگو میں ایسا بھٹک جاتا تھا کہ گویا یہ اس عالم میں موجود نہیں ہے۔ الشلوبینی کی دو تصنیفیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ایک رسالہ جو اس نے جزو کے صرف ونحو پر بطور حاشیہ لکھا ہے اور

[1] شلوبین زبان اسپین کا لفظ ہے اور اس کے معنی سُرخ وسفید کے ہیں۔ یہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ابوالفدا نے اپنے جغرافیہ میں اس بیان کی تردید کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ شلوبینہ جس کو اسپین کی زبان میں سلوبرنا کہتے ہیں ایک قلعہ غرناطہ کے پاس ہے۔

دوسری مستقل تصنیف صرف ونحو میں التوطئۃ نامی موجود ہے۔ ابن خلکان تحریر کرتا ہے کہ علمائے اندلس میں اس کے بعد پھر کوئی علم صرف ونحو کا جاننے والا پیدا نہیں ہوا۔

یہ اشبیلیہ میں ۵۶۲ھ ہجری مطابق ۱۱۶۶ء عیسوی میں پیدا ہوا اور ۶۴۵ھ ہجری مطابق ۱۲۴۷ء عیسوی میں اس نے وفات پائی۔

ابن خلدون[1]

۷۳۲-۸۰۹ھ ہجری

اس نامی مورخ کا پورا نام ابوزید محمد ابن خلدون تھا۔ علم وفضل میں یگانۂ روزگار اور فن تاریخ میں ذی مرتبہ اور مستند محقق مانا جاتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ دنیائے اسلام کا بہترین مورخ ہے یہ قبیلۂ بنی خلدون سے تھا جو عرصۂ دراز تک اندلس میں بمقام اشبیلیہ متوطن رہا لیکن تیرھویں صدی کے وسط میں اُس کے افراد افریقہ منتقل ہو گئے۔ وہ ۱۳۳۲ء میں بمقام تونس پیدا ہوا اور تقریباً تمام عمر وہ افریقہ ہی میں رہا۔ اُس کے افریقہ میں بود و باش اختیار کرنے کی کچھ یہ وجہ نہ تھی کہ اُس نے خود وہیں قیام کرنا پسند کیا بلکہ کچھ اتفاقات ہی ایسے پیش آئے کہ اُسے وہیں سکونت اختیار کرنی پڑی ۱۳۶۲ء میں وہ سلطان غرناطہ کی ملازمت میں داخل ہوا اور غالباً وہ اپنی تمام عمر وہیں گذار دیتا اگر اس کا قدیم دوست وزیر ابن الخطیب اُس کا حاسد نہ ہو گیا ہوتا جس کی وجہ سے اُسے اندلس کو خیرباد کہنا پڑا۔ بعد ازاں ۱۳۸۲ء میں وہ قاہرہ کا قاضی مقرر ہوا۔ اس کا یہ زمانہ واقعات اور حوادث سے لبریز ہے ابن خلدون کی ساری زندگی زیادہ تر مدبرین اور سلاطین کی صحبت میں گزری۔ جہاں جاتا اُس کے علم وفضل کے سبب سے اُس کی قدر ہوئی چنانچہ مراکش۔ اندلس۔ تونس اور مصر میں اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر مامور

[1] شذرات الذہب جلد ۴ صـ ۳ الخطط الجدیدہ جلد ۱۴ صـ ۵

رہا اور اپنے ملک کی بہترین خدمت انجام دی۔ اُس کے وطن کا بچہ بچہ اُس کے نام سے واقف تھا اور جن لوگوں کو اس سے واسطہ پڑا ہے وہ اس کی شخصی اور سیاسی زندگی کی بے حد تعریف کرتے ہیں

کتاب العبر اس کی بہترین تصنیف ہے۔ ایک فرانسیسی بیرن دی سیلان نے اسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے جو بربروں کی تاریخ کے نام سے مشہور ہے۔ اس طور پر مغربی ممالک کے لوگوں کو بھی ابن خلدون کے اعلیٰ خیالات سے واقف ہونے کا موقع ملا ہے۔ یہ کتاب العبر جس کا پورا نام "کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب والبربر" ہے اہل عرب و بربر کے حالات میں ایک نہایت ضخیم تاریخ ہے۔ اس کی بہت سی جلدیں ہیں۔ جلد اول میں صرف مقدمہ ہے جس میں مصنف نے اصول تاریخ پر بحث کی ہے اس مقدمہ میں ابن خلدون ان نتائج کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہے جو اُس نے اپنی پُر حوادث زندگی کے تجربات سے اخذ کئے ہیں۔ تاریخ نویسی میں ابن خلدون ایک نئے اصول کا موجد ہے۔ عرب و عجم میں اس سے پہلے اس انداز پر کسی نے تاریخ نہیں لکھی۔ مقدمہ کے ابتدا ہی میں وہ مورخ کے فرائض کے متعلق اپنے خیالات کا اس طرح سے اظہار کرتا ہے۔

"جاننا چاہیئے کہ تاریخ کی حقیقی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ وہ پڑھنے والے کو اجتماع انسانی یعنی عالم کے تمدن اور اس کے مظاہر فطری مثلاً زمانۂ جہالت۔ آغاز تہذیب خاندان و قبیلہ مختلف قسم کے فضائل و تفوقات جو ایک قوم کو دوسرے پر حاصل ہوتے ہیں، خاندان اور سلطنتیں جو اس طرح عروج پاتی ہیں مختلف تجارتیں اور پیشے جن سے لوگ اپنی روزی کماتے ہیں علوم و فنون مختصر یہ کہ ان تمام احوال و اسباب سے واقف و شناسا کرے جو تمدن کے ارتقا میں قدرتی طور پر واقع ہوتے ہیں۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ اگر تاریخ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ قوانین کلی کے تابع نظر آئے گی اور یہی قوانین اُس کے نزدیک تاریخی واقعات کی کسوٹی ہیں۔ وہ تاریخی تنقید کے مندرجۂ ذیل اصول قرار دیتا ہے:-

تاریخ میں صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا یہ اصول ہے کہ واقعات کو اس کے امکان اور عدم امکان کے معیار پر جانچا جائے۔ یعنی ہم کو انسانی تمدن کا بغور مطالعہ کر کے اُس کی اصلی و عارضی خصوصیات میں امتیاز کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی ان امور پر بھی نظر ڈالنی چاہیئے جو تمدن انسانی کے لئے ناممکن الوقوع ہوتے ہیں ایسا کرنے سے ہمیں واقعات تاریخ میں غلط اور صحیح کے امتیاز کے لئے ایک ایسا اُصولی قاعدہ ہاتھ آجاتا ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جس پر ہر مورخ اپنے بیان کی تصدیق کر سکتا ہے۔

ابن خلدون کا تاریخی ارتقار کا نظریہ بھی جس کو وہ اپنے مقدمہ میں بیان کرتا ہے قابل ذکر ہے۔ یہ واقعات اور حالات کے مطالعہ پر مبنی ہے جو گذر چکے ہیں یا فی الواقع اُس کی آنکھوں کے سامنے گذر رہے تھے۔ وہ کل بنی نوع انسان کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

(۱) خانہ بدوش وحشی۔

(۲) متمدن شہری۔ خانہ بدوش کی زندگی قدرتاً شہری زندگی سے پہلے اور اس کا باعث ہوتی ہے۔ سادگی۔ خلوص۔ جنگ جوئی اور قبیلہ کے اغراض و مفاد کے ساتھ وفاداری اسکی خصوصیات ہیں جب خانہ بدوش مہذب و متمدن ہونے لگتے ہیں تو وہ کسی ایک مقام کو اپنا مسکن بنا کر وہاں رہنے لگتے ہیں حکومت قایم کرتے ہیں اور ملک کو فتح کرتے ہیں۔ اُس وقت اُن کی ترقی کی معراج ہوتی ہے۔ لیکن عیش و نشاط میں پڑ کر جلد اُن کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اور اُن سے وہ خوبیاں جاتی رہتی ہیں جن کی بدولت وہ اس عروج کو پہنچے تھے بالآخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسری جاہل و غیر متمدن قوم ان کی جگہ لے لیتی ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک یہ ایک ایسا تاریخی دور ہے جو ہمیشہ جاری رہتا ہے لیکن اس نظریہ کی تہ میں جو فلسفیانہ نکات پنہاں ہیں ان کا بیان بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اقوام و قبائل دونوں کی زندگی میں ابن خلدون کو دو قوی قوتیں کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں جو ان کی تقدیر کا

فیصلہ کرتی ہیں۔ ان میں پہلی کو وہ عصبیت کہتا ہے۔ یہ عنصر سوسائٹی کے مجتمع و مربوط رہنے کا باعث ہوتا ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا احساس ہے جو افراد کو ایک ہی خاندان ایک ہی قبیلہ ایک ہی قوم اور ایک ہی سلطنت سے وابستہ رکھتا ہے۔ زمانہ حال کی اصطلاح میں ہم اس احساس کو حب الوطنی کہہ سکتے ہیں یہ خانہ بدوش اقوام میں خاص طور پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں ذاتی حفاظت کا خیال قرابت اور عزیزداری کے احساس کو نہایت شدت کے ساتھ برانگیختہ کر کے لوگوں کو ایک دوسرے سے متحد کر دیتا ہے۔ یہی عصبیت سلطنت کی جان ہے۔ اسی سے یہ قایم اور ترقی کر سکتی ہے۔ اور جوں جوں یہ عصبیت کمزور ہوتی جاتی ہے سلطنت میں زوال آتا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا انحطاط سلطنت کے انحطاط کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ دوسری قوت مذہب ہے یہ بھی اتحاد و ارتباط کا ذریعہ ہے جس کے بغیر سلطنت کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔

اس کے نزدیک تاریخ ترقی و تنزل کا ایک نا متناہی دور ہے جس کو انسانی زندگی کے مظہر سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ سلطنتیں قائم ہوتیں۔ عروج کو پہنچتیں اور ایک معینہ مدت کے اندر جو مشکل سے تین پشتوں سے یعنی ایک سو بیس سال سے زاید ہوتی ہوگی فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ابن خلدون خانہ بدوشوں کی اخلاقی فضیلت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کے نزدیک بداخلاقی و انحطاط تمدن کا لازمی نتیجہ ہے۔

المقری التلمسانی[1]

سنہ ۱۰۴۰ ہجری

احمد بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن ابوالعیش بن محمدؒ ابوالعباس بن محمد بن احمد بن ابوبکر بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن علیؒ یہ پورا نام اس نامی مورخ اور متبحر عالم کا ہے جس نے نہایت شرح بسط کے ساتھ اندلس میں عربوں کی ہشت صد سالہ حکمرانی کے حالات اپنی مشہور تصنیف نفح الطیب میں تحریر کئے ہیں۔ اس کے آباو اجداد قبیلہ قریش کے عمائد سے تھے جنہوں نے فتح شام اور مصر کے بعد افریقہ کے شمالی حصہ میں شہر تلمسان کے قریب قصبہ مقرۃ میں بود و باش اختیار کی تھی۔ چونکہ یہ خود تلمسان میں پیدا ہوا اس نے اپنے آبائی لقب کے ساتھ التلمسانی بھی شریک کر لیا تھا۔ چنانچہ بلاد شرق و غرب میں یہ اس وقت تک المقری التلمسانی کے نام سے مشہور ہے۔ بلاد شرقیہ کے بعض حصوں میں المقری کو الحافظ اور شہاب الدین کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ یہ مذہبی عقائد میں حضرت امام مالکؒ کا پیرو تھا لیکن بعض امور میں فرقہ اشعریہ[2] کا بھی مقلد کہا جاتا ہے۔ المقری نے قرآن اور

---

[1] خلاصۃ الاثر امین محبی جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ تا ۳۱۱۔ تعریف الخلف برجال السلف تصنیف ابوالقاسم محمد الحفناوی طبع الجزائر ۱۳۲۵ھ صفحہ ۳۹

الیواقیت الثمینہ فی اعیان مذاہب عالم المدینہ تصنیف محمد بن طاہر الدہری طبع ۱۳۲۴ھ جلد اول صفحہ ۴۴

[2] ابوالحسن الاشعری امام اور فقیہ۔ یہ حضرت رسول مقبول صلعم کے صحابی ابن ابی موسیٰ کی اولاد میں تھے ان کے معتقدین کو الاشعر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بمقام بصرہ ۲۶۰ ہجری مطابق ۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ بعض سنہ پیدائش ۲۷۰ھ بتاتے ہیں۔ انتقال بغداد میں ۳۲۰ ہجری اور ۳۳۰ ہجری مطابق ۹۳۲ء ۹۴۱ء عیسوی کے درمیان ہوا۔ باب البصرہ کے قریب مدفون ہوئے۔ کتاب وفیات الاعیان مصنفہ ابن خلکان۔

حدیث کی تعلیم اپنے چچا علامہ ابو عثمان سعید ابن احمد مفتی تلمسان سے پائی تھی۔ علامہ موصوف نے جس شفقت کے ساتھ اپنے بھتیجے کی ابتدائی تعلیم اور تربیت میں محنت کی تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ المقری کے دل میں غیر معمولی تحصیل علم کا شوق و ذوق پیدا ہوا۔ شرق اور غرب میں کوئی مقام ایسا نہ تھا کہ جہاں علم و فضل کا چشمہ جاری ہو اور یہ علم کا پیاسا اس کے آب حیات سے محروم رہے۔ حکومت اندلس کی تباہی کے بعد غرب میں علم و فن کا مرکز شہر فاس مشہور ہو چلا تھا گو ابو عثمان کو اپنے لائق بھتیجے کی مفارقت کسی طرح منظور نہ تھی لیکن اس کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ المقری کے تحصیل علم میں ہارج ہو چنانچہ المقری ابو عثمان کی اجازت سے ۱۰۰۹ھ ہجری مطابق ۱۶۰۰ء عیسوی میں فاس آیا اور یہاں اُس نے چند سال عُلمار کی صحبت اور خدمت میں بسر کئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اندلس میں سلطنت اسلامی کو ختم ہوئے پورے سو برس گذر چکے تھے اور باوجودیکہ وہاں فتح غرناطہ کے بعد مسلمانوں کا نام تک بھی باقی نہ رہا تھا لیکن عیسائیوں کا ظلم اور زیادتی مسلمانوں کے ساتھ اُس ہی ابتدائی تشدد کے ساتھ جاری تھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی مسلمان بھُولے سے اِس سرزمین پر قدم رکھے۔ انکیوزیشن[1] کے دار تمام ملک میں استادہ تھے۔ اگر کوئی آدمی مسلمانوں کی وضع قطع کا بھی نظر آجاتا تو کمال بے رحمی کے ساتھ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ بازہم المقری نے علمی شوق و تحقیق کے مقابلہ میں اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔ اور ایک طرف تحصیل علم کا شوق اور دوسری طرف اپنے اسلاف کے لازوال کارناموں کی یاد اس کو کشاں کشاں اندلس لے گئی۔

---

[1] انکیوزیشن (*Inquisition*) یہ بمنزلہ مذہبی کورٹ مارشل (فوجی عدالت) کے تھا پوپ گرگوری نہم نے اس محکمہ کو ۱۲۳۵ھ ہجری میں غیر مذہبوں یا جو لوگ مذہب عیسائی سے انحراف کریں انکی سزا کے واسطے قایم کیا تھا۔ یہ قانون اپنے ظالمانہ طریقہ میں اپنی خود نظیر تھا۔ اندلس پرتگال۔ اور اطالیہ کے بعض حصوں میں جو پوپ کے پورے زیر اثر تھے نہایت تشدد کے ساتھ نافذ تھا۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

یہ محض تائید غیبی تھی کہ المقری تمام خطرات سے محفوظ صحیح و سالم اور اپنے منشا میں کامیاب تلمسان واپس آیا اور سنہ ۱۰۲۷ ہجری میں اُس نے نفح الطیب کے ذریعہ سے اپنی اولوالعزم قوم کے کارناموں کو حیاتِ جاوید بخشی۔ اس قومی فرض سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۰۱۳ ہجری مطابق سنہ ۱۶۱۹ عیسوی میں بہ نیتِ حج و زیارت تلمسان۔ اسکندریہ اور قاہرہ ہوتا ہوا۔ مکۂ معظمہ و مدینہ منورہ پہنچا۔ سنہ ۱۰۲۹ ہجری میں قاہرہ آکر اُس نے ایک شریف الخاندان بیوی سے نکاح کیا۔ لیکن نکاح کے بعد بھی سیر و سیاحت کو قایم رکھا۔ اس نے پانچ حج کئے اور سات بار مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ شام و عراق میں کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں کے علما اس کے انتظار میں بکمال آرزو و عقیدت چشم براہ نہوں دمشق میں ایک ذی علم و دولت مند شخص احمد ابن شاہین کے اصرار اور خاطر کے باعث المقری کی زیادہ آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ اس شہر میں اپنے زمانۂ قیام میں اس کا یہ دستور تھا کہ روزانہ شہر کی مشہور مسجد کے گنبد عقاب کے سایہ میں صحیح بخاری کا درس دیا کرتا تھا۔ جس میں عام و خاص ہزاروں کی تعداد میں شریک رہتے تھے۔ قاہرہ میں المقری کا قیام زیادہ تر اپنی زوجہ اور اس کے اہل قرابت کے اصرار پر ہوا کرتا تھا۔ لیکن المقری کی آزاد طبیعت کسی قسم کی پابندی کی متحمل نہ تھی چنانچہ جب زوجہ کا اصرار قابل برداشت نہ رہا تو اُس نے سنہ ۱۰۳۰ ہجری بمقابلہ اپنی آزادی کے اس کو طلاق دینا گوارا کیا۔ لیکن طلاق کے بعد اسکی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی۔ جمادی الثانی سنہ ۱۰۴۱ ہجری میں قاہرہ میں انتقال کیا۔ المقری کی حسب ذیل تصانیف اُس کی یادگار میں موجود ہیں۔

تصانیف المقّریٰ

(۱) ازہار الریاض فی اخبار قاضی عیاض۔

(۲) اضاءۃ الدجنۃ فی عقائد اہل السنۃ۔

(۳) عرف النشق فی اخبار دمشق۔

(۴) الغث والسمین والرث والثمین۔

(۵) روض الآس العاطر الانفاس فی ذکر من لقیہ من اعلام مراکش وفاس۔

(۶) الدر الثمین فی اسماء الہادی الامین وحاشیہ شرح ام البراہین۔

(۷) قطف المہتصر فی اخبار المختصر۔

(۸) اتحاف المغری (المقری ؟) فی تکمیل شرح الصغریٰ۔

(۹) کتاب البدارۃ والنشارۃ۔

(۱۰) رسالۃ فی الوفق (الوقف) المخمس الخالی الوسط۔

(۱۱) فتح المتعال فی وصف النعال۔

(۱۲) انوالمنیان فی انباء تلسان۔

تمّت